

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	بقیۃ کتاب الحظر والإباحۃ	
	باب مایتعلق بالجنات	
	(جنات کا بیان)	
۱	انسان افضل ہے یا جنات	۲۰
۲	کسی دیو کے نبی کی شکل و صورت اختیار کرنے کا عقیدہ	۲۱
۳	جن کا انسانی صورت میں ظاہر ہونا	۲۲
۴	دیو کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت بنانا	۲۲
۵	جنات اور شیاطین انسان کو ستا سکتے ہیں یا نہیں؟	۲۵
۶	جن کا مختلف صورتوں میں آنا	۲۶
۷	مزارات پر جنات کا آنا	۲۷

۲۹	جن اور پیر کا عورتوں پر آنا.....	۸
۳۰	جنات سے حمل.....	۹
۳۱	جماع جن سے استقرار حمل.....	۱۰
۳۱	کیا آسیبی اثر سے زبان گنگ ہو سکتی ہے؟.....	۱۱
۳۲	جنات کو جلانا.....	۱۲
۳۲	جنات کا عمل.....	۱۳
۳۳	جنات کی مالی اعانت.....	۱۴
۳۳	مرغ کیوں بولتا ہے؟.....	۱۵
۳۴	گدھا کیوں بولتا ہے؟.....	۱۶
۳۵	گدھا کیوں بولتا ہے.....	۱۷
۳۵	ستارہ ٹوٹنے کا سبب، مرغ بولنے کی وجہ.....	۱۸
۳۶	ہمزاد کیا ہے؟.....	۱۹
۳۷	طویل العمر جن صحابی کا ظہور.....	۲۰

باب ما يتعلق بالسحر والعوذة

الفصل الأول فی السحر

(سحر کا بیان)

۴۸	سحر کا حکم.....	۲۱
۴۹	سحر کا اثر اور ساحر کا حکم.....	۲۲
۵۰	جادو کرنے والے کا حکم.....	۲۳
۵۱	دفع سحر کے لئے سحر سیکھنا.....	۲۴
۵۲	دفع سحر کے لئے سحر کرنا.....	۲۵
۵۳	دفع سحر کی ترکیب.....	۲۶

۲۷	مشرکانہ منتر سے علاج.....	۵۴
۲۸	منتر کے ذریعہ علاج کرنا.....	۵۵
۲۹	قرعہ کے ذریعے ساحر یا مجرم معلوم کرنا.....	۵۵
۳۰	جادو، گنڈہ وغیرہ غیر مسلم سے لینا.....	۶۱
الفصل الثانی فی العوذۃ (تعویذ کا بیان)		
۳۱	کیا تعویذ میں اثر ہے؟.....	۶۳
۳۲	تعویذ اور عملیات.....	۶۴
۳۳	خون سے تعویذ لکھنا.....	۶۵
۳۴	مرغ کے خون سے تعویذ لکھنا.....	۶۶
۳۵	ڈاکوؤں کو تعویذ کے ذریعہ ہلاک کرنا.....	۶۷
۳۶	تعویذ، گنڈے کے لئے نامحرم سے میل جول.....	۶۸
۳۷	عورتوں کو عامل سے تعویذ لینا اور کاہنوں سے جھاڑ پھونک کرانا.....	۷۲
الفصل الثالث فی العملیات والوظائف والأوراد (عملیات اور وظائف کا بیان)		
۳۸	عملیات سے متعلق چند ضروری سوالات.....	۷۳
۳۹	قرآن شریف کے ذریعہ چور کا نام نکالنا.....	۷۵
۴۰	آیت قرآنی کے ذریعہ چور کا نام نکالنا.....	۷۶
۴۱	چور کا نام نکالنا.....	۷۷
۴۲	کافر سے جھاڑ پھونک.....	۷۷
۴۳	غیر مسلم سے آسیب کا علاج کرانا.....	۷۸

۷۹	غیر مسلم سے جھاڑ پھونک کرانا.....	۴۴
۸۰	حاضرات نکلوانا.....	۴۵
۸۱	نظر بد کے لئے مرچیں جلانا.....	۴۶
۸۲	نظر بد سے حفاظت کے لئے بچوں کے چہرہ پر سیاہ داغ لگانا.....	۴۷
۸۳	علم جفر کا حکم.....	۴۸
۸۵	جھاڑ پھونک سے سانپ کے کاٹنے کا علاج.....	۴۹
۸۶	غیر مسلم سے سانپ کے کاٹے کو جھڑوانا.....	۵۰
۸۷	سفلی عمل کے ذریعے سٹھ کا نمبر بتانا.....	۵۱
۸۸	عمل برائے امداد مظلومین واجرت تعویذ.....	۵۲
۸۹	عمل برائے گمشدہ.....	۵۳
۸۹	کشف ارواح کا عمل.....	۵۴
۸۹	شادی ہونے کے لئے عمل.....	۵۵
۹۰	وسعت رزق کا عمل.....	۵۶
۹۰	وسعت معیشت کا علاج.....	۵۷
۹۰	دست غیب کا عمل.....	۵۸
۹۱	یا جبرائیل بحق یا وہاب کا وظیفہ.....	۵۹
۹۱	”قل هو اللہ احد، یا جبرئیل“ کا وظیفہ.....	۶۰
۹۲	”ناد علی“ کا وظیفہ.....	۶۱
۹۳	عمل کو پلٹنے کا حکم.....	۶۲
۹۴	جوانی میں عملیات کرانا.....	۶۳
۹۴	لکھے ہوئے پانی کی مضرت اور اس کا علاج.....	۶۴
۹۵	عذاب قبر سے حفاظت کا عمل.....	۶۵

باب الأشتات

(حظر و اباحت کے مختلف مسائل کا بیان)

۶۶	سبز پتوں اور شاخوں کو کاٹنا.....	۹۷
۶۷	پھل دار درخت کو کاٹنا.....	۹۸
۶۸	پانچے سے پیشاب پاخانہ وغیرہ کرنا.....	۹۹
۶۹	نئی صدی کا استقبال.....	۱۰۰
۷۰	غلط پروپیگنڈہ کی مذمت.....	۱۰۱
۷۱	چراغ پھونک مار کر بجھانا.....	۱۰۲
۷۲	رڈی کا غذا گتہ بنانا.....	۱۰۳
۷۳	تعلیم کی غرض سے بچوں سے نعت پڑھوانا.....	۱۰۴
۷۴	آلہ مکبر الصوت.....	۱۰۵
۷۵	جس لاؤڈ اسپیکر پر گانے گائے جائیں، اس سے سحری کے لئے جگانا.....	۱۰۶
۷۶	بجلی سے آدمی کیوں مر جاتا ہے؟.....	۱۰۶
۷۷	کمر کے دونوں جانب ہاتھ رکھنا.....	۱۰۷
۷۸	کیڑے مکوڑوں کی پیدائش.....	۱۰۸
۷۹	غلامی کو ناپسند کرنا.....	۱۰۸
۸۰	دوسرے کی دیوار پر اپنے مکان کی بنیاد رکھنا.....	۱۰۹
۸۱	خدا کے واسطے معافی مانگنے پر معاف نہ کرنا اور روپے لے کر معاف کرنا.....	۱۱۰
۸۲	”إنشاء اللہ“ کہنا.....	۱۱۰
۸۳	”خدا اور رسول کو منظور ہو تو“ کہنا کیسا ہے؟.....	۱۱۱
۸۴	حُسن بخاری شریف.....	۱۱۱

۱۱۳	کھانا کھاتے وقت چارپائی کی پائنتی کی طرف بیٹھنا	۸۵
۱۱۴	کسی کی بات کا ٹٹنا	۸۶
۱۱۴	اپنی بات کو اونچا رکھنا	۸۷
۱۱۵	آبِ حیات	۸۸
۱۱۵	کیا لڑکے والا افضل ہے لڑکی والے سے؟	۸۹
۱۱۶	شاگرد سے احتلام کے کپڑے دھلوانا	۹۰
۱۱۶	نابالغ شاگرد سے خدمت لینا	۹۱
۱۱۷	چھوٹے بچوں سے خدمت لینا	۹۲
۱۱۸	امرد کی تعریف	۹۳
۱۱۹	امرد سے خط و کتابت	۹۴
۱۱۹	امرد کو کن کن سے احترام کرنا چاہیے؟	۹۵
۱۲۰	خودداری کا مفہوم	۹۶

کتاب الرهن

(گروی رکھنے کا بیان)

۱۲۱	توسیع مدت رہن پر معاوضہ لینا	۹۷
۱۲۲	مکان مرہون میں رہنا	۹۸
۱۲۳	مرہون سے نفع اٹھانا	۹۹
۱۲۵	مالک کی اجازت سے رہن سے نفع اٹھانا	۱۰۰
۱۲۶	انتفاع از رہن	۱۰۱
۱۲۸	انتفاع بالمرہون	۱۰۲
۱۳۰	انتفاع بالمرہون	۱۰۳
۱۳۰	موروثی زمین کو رہن رکھنا	۱۰۴
۱۳۳	کھیت کا رہن	۱۰۵

۱۰۶	زمین رہن پردینے کی صورت.....	۱۳۴
۱۰۷	رہن اور اجارہ.....	۱۳۶
۱۰۸	ضمان مرہون میں کوئی قیمت معتبر ہوگی اور امانت کو رہن رکھنا.....	۱۳۹
۱۰۹	بیع و رہن کی ایک صورت.....	۱۴۰
۱۱۰	رہن کی واپسی و رٹائے راہن کے لئے.....	۱۴۵

کتاب الفرائض

الفصل الأول فی التركة وتصرف المیت فیہا (ترکہ اور میت کے تصرف کا بیان)

۱۱۱	اپنی جائیداد کو اپنی زندگی میں ورثاء پر تقسیم کرنا.....	۱۴۷
۱۱۲	مملوکہ اور سرکاری زمینوں میں وراثت.....	۱۴۹
۱۱۳	مال شرکت کی وراثت.....	۱۵۰
۱۱۴	کیا بیوی کے مرنے پر مہر بھی ترکہ ہے؟.....	۱۵۲
۱۱۵	مرحومہ زوجہ کا مہر ترکہ میں داخل ہے یا نہیں؟.....	۱۵۲
۱۱۶	ایک بیٹے کو روپیہ دینے کے بعد دیگر ورثاء کا اس میں حق.....	۱۵۳
۱۱۷	اپنی جائیداد مدرسہ کو دینا.....	۱۵۴
۱۱۸	اپنا پیسہ وارث کو دے یا مدرسہ میں؟.....	۱۵۶
۱۱۹	غیر وارث کو کچھ جائیداد دینا.....	۱۵۶
۱۲۰	جائیداد ویکرواپسی.....	۱۵۸

الفصل الثانی فی ما يتعلق بدين المیت وأمانتہ (میت کے قرض اور امانت کا بیان)

۱۲۱	میت کے ذمہ قرض ہو تو اس کا حکم.....	۱۶۰
-----	-------------------------------------	-----

۱۶۲	قرضہ میت کون ادا کرے؟	۱۲۲
۱۶۲	باپ کا قرض ادا کر کے اس کو میراث سے وصول کرنا	۱۲۳
۱۶۳	مرحوم کا قرضہ مسجد میں دینا	۱۲۴
۱۶۵	میت پر دعوائے دین	۱۲۵
۱۶۶	ورثاء اور غرماء کے درمیان مصالحت	۱۲۶
۱۷۲	ورثاء اور غرماء کی مصالحت پر اشکال	۱۲۷
۱۷۲	دین مہر مقدم ہے میراث کی تقسیم پر	۱۲۸
۱۷۳	ودیعت کا روپیہ وفات مودع پر اس کی مرضی کے خلاف صرف کرنا	۱۲۹
۱۷۷	میت کی امانت ورثاء کو دی جائے	۱۳۰
۱۷۸	میت کا مہر بیوی کے سامنے رکھنے سے ادا ہو گیا	۱۳۱
الفصل الثالث فی وصیۃ المیت وإقرارہ (میت کی وصیت اور اقرار کا بیان)		
۱۸۱	وصیت بحالت سکران	۱۳۲
۱۸۳	وارث کے لئے وصیت	۱۳۳
۱۸۴	وصیت بحق وارث	۱۳۴
۱۸۶	وارث کے حق میں وصیت	۱۳۵
۱۸۸	چچا زاد اور پھوپھی زاد میں تقسیم ترکہ اور وصیت	۱۳۶
۱۹۰	لڑکی کے حق میں وصیت	۱۳۷
۱۹۲	لڑکی کے لئے وصیت یا ہبہ	۱۳۸
۱۹۵	وارث اور اجنبی کے لئے وصیت	۱۳۹
۲۰۲	وارث کے حق میں وصیت	۱۴۰
۲۰۴	ایضاً	۱۴۱
۲۰۸	بھانجے، بھتیجے، پھوپھی، قربانی اور ایصالِ ثواب کے لئے وصیت کرنا	۱۴۲

۲۱۰	بیٹی کے حق میں وصیت اور بیٹی اور مرحوم کے بھائی کے درمیان تقسیم ترکہ.....	۱۴۳
۲۱۴	وصیت ایک تہائی ترکہ سے نافذ ہوتی ہے.....	۱۴۴
۲۱۶	وصیت ایک تہائی میں.....	۱۴۵
۲۱۷	وصیت اور تقسیم ترکہ.....	۱۴۶
۲۱۹	مال وصیت کے بارے میں اختلاف.....	۱۴۷
۲۲۰	میراث کی ایک صورت اور وصیت نامہ.....	۱۴۸
۲۲۳	وصیت پورا کرنے کی ایک صورت.....	۱۴۹
۲۲۴	قربانی کی وصیت پر عمل کب تک واجب ہے؟.....	۱۵۰
۲۲۵	وصی اور وارث میں اختلاف.....	۱۵۱
۲۲۹	بیوی کے لئے جائیداد کی وصیت.....	۱۵۲
۲۳۱	کنواں کھدوانے کے لئے سو روپے کی وصیت.....	۱۵۳
۲۳۲	والد کی وصیت کہ میرا فلاں بیٹا میرے کفن دفن میں شریک نہ ہو.....	۱۵۴
۲۳۵	مرض الموت کی حد اور تعریف اور مرض الموت میں وارث کے حق میں اقرار.....	۱۵۵
۲۳۶	عورت کا ارادہ تھا کہ اپنے کڑے مدرسہ میں دیدے اس کے انتقال پر شوہر کیا کرے؟.....	۱۵۶
الفصل الرابع فی استحقاق الإرث وعدمہ (استحقاق اور عدم استحقاق وراثت کا بیان)		
۲۳۷	حق وراثت موت مورث کے بعد ہوتا ہے.....	۱۵۷
۲۳۸	حق میراث نہ لینے سے باطل نہیں ہوتا.....	۱۵۸
۲۳۹	حصہ میراث پر قبضہ نہ کرنے سے میراث باطل نہیں ہوتی.....	۱۵۹
۲۴۱	پراویڈنٹ فنڈ کا ورثہ میں سے مستحق کون ہوگا؟.....	۱۶۰
۲۴۶	پراویڈنٹ فنڈ کا مستحق انتقال ملازم کے بعد کون ہے؟.....	۱۶۱
۲۴۸	مدرس کے انتقال کے بعد اس کی بقایا تنخواہ کا مستحق اس کا بڑا لڑکا ہوگا یا سب اولاد؟.....	۱۶۲

۱۶۳	غیر شادی شدہ لڑکا شادی کا خرچ میراث سے لے سکتا ہے یا نہیں؟	۲۵۰
۱۶۴	رخصتی سے پہلے انتقال ہو جائے تو مہر اور وراثت پوری پوری ملے گی	۲۵۱
۱۶۵	دادا اور مربی کے مال میں حق	۲۵۲
۱۶۶	غائب غیر مفقود کا حصہ وراثت	۲۵۵
۱۶۷	گناہ کی وجہ سے میراث ساقط نہیں ہوتی	۲۵۶
۱۶۸	کیا پاگل کی بیوی کو میراث ملے گی؟	۲۵۷
۱۶۹	ناراض بیوی کو میراث کا حصہ اور مہر دونوں ملیں گے	۲۵۹
۱۷۰	بحالت مرض طلاق سے بیوی کو وراثت ملے گی یا نہیں؟	۲۶۰
۱۷۱	کیا کوئی وارث ترکہ میت کا کرایہ دار ہو سکتا ہے؟	۲۶۱
۱۷۲	سوال متعلق استفتاء بالا	۲۶۳
۱۷۳	دین مہر کی وراثت	۲۶۵
۱۷۴	جہیز، مہر، وراثت	۲۶۶
۱۷۵	متوفیہ بیوی کی اولاد کا مہر کا مطالبہ کرنا	۲۶۹
۱۷۶	بیوی کے انتقال کے بعد ادائیگی مہر کی صورت	۲۷۱
۱۷۷	وفات شوہر پر مطالبہ مہر اور حصہ میراث	۲۷۲
۱۷۸	ایک بیوی کی اولاد کو دوسری بیوی کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا	۲۷۴
۱۷۹	کیا بیوی کے ساتھ پہلے شوہر سے آئی ہوئی لڑکیوں کو وراثت میں حصہ ملے گا؟	۲۷۶
۱۸۰	کسی وارث کی ترکہ سے دستبرداری، زندگی میں لڑکے، لڑکی کو ہبہ میں برابری اور ان کے حصے	۲۷۷
۱۸۱	عورت کا سوتیلا بیٹا وارث نہیں	۲۷۹
۱۸۲	داماد وارث نہیں	۲۷۹
۱۸۳	حق وراثت جبراً وصول کرنا	۲۸۰
۱۸۴	دوسرے وارث کے حصہ پر قبضہ کرنا	۲۸۱
۱۸۵	والد کے موروٹی مکان کو تعمیر کر کے اس میں دوسرے ورثاء کا حق	۲۸۳

۲۸۴	 مشترکہ زمین میں کسی وارث کا مکان تعمیر کر کے ملکیت کا دعویٰ کرنا	۱۸۶
۲۸۵	 باپ کی جائیداد پر زبردستی قبضہ کرنا	۱۸۷
۲۸۶	 غیر کفو میں نکاح اور مکان مورث پر قبضہ	۱۸۸
۲۸۸	 متوفی کی زمین کو صرف نام کر دینے سے ملکیت نہیں ہوتی، بلکہ وہ ورثاء کا حق ہے	۱۸۹
الفصل الخامس فی موانع الإرث		
(موانع ارث کا بیان)		
۲۹۱	 کیا اختلاف دارین مانع ارث ہے، وارث ہونے کا دعویٰ کیسے ثابت ہوگا؟	۱۹۰
۲۹۴	 کیا مرتدہ وراثت کا حق دار ہے؟	۱۹۱
۲۹۶	 جو عورت قادیانی ہو جائے کیا وہ مستحق میراث ہے؟	۱۹۲
الفصل السادس فی التصرف فی التركة		
(ترکہ میں تصرف کرنے کا بیان)		
۲۹۸	 میراث میں بعض ورثاء کا تصرف	۱۹۳
۳۰۷	 ادائے قرض سے پہلے ترکہ میت سے نفع اٹھانا	۱۹۴
۳۰۹	 ترکہ میت میں اگر بعض ورثاء تجارت کریں، کیا اس میں سب شریک ہوں گے؟	۱۹۵
۳۱۰	 ترکہ مشترکہ سے ایک وارث نے زمین خریدی، اس میں دوسرے وارث کا حصہ	۱۹۶
۳۱۱	 میت کا زمین بیوی کے نام خریدنا، اور مال مشترک میں ورثاء کا تصرف	۱۹۷
۳۱۴	 مشترکہ موروثہ جائیداد میں کسی شریک کا اپنے حصہ پر قبضہ نہ کرنا	۱۹۸
۳۲۱	 مال موروثہ مشترک سے صدقہ دینا	۱۹۹
۳۲۲	 مال مشترک سے اعزہ کی ضیافت	۲۰۰
۳۲۴	 ترکہ میت سے ضیافت و ایصال ثواب	۲۰۱
۳۲۵	 بھتیجیوں کی پرورش کا صرفہ بھائی کے ترکہ سے وصول کرنا	۲۰۲
۳۲۷	 موت زوجہ کے بعد زوج کا اس کے ترکہ میں خصوصی دعویٰ	۲۰۳

۳۲۸	 دوسرے کی ملک وراثت کو وقف کرنا	۲۰۴
۳۲۹	 بڑا بھائی اپنا حصہ فروخت کر سکتا ہے چھوٹے بھائی کا نہیں	۲۰۵
۳۳۰	 اگر کسی وارث کے متعلق اندیشہ ہو کہ وہ اپنا حصہ فروخت کر دے گا	۲۰۶
۳۳۲	 مرحومہ بیوی کا مہر مسجد و مدرسہ میں دینا	۲۰۷
۳۳۳	 شوہر کے ہوتے ہوئے بغیر طلاق کے نکاح ثانی، غیر مملوک مکان کی بیع اور وقف	۲۰۸
الفصل السابع فی الإرث فی المال الحرام (مال حرام میں وراثت کا بیان)		
۳۳۸	 مال حرام میں وراثت	۲۰۹
۳۳۹	 ترکہ حرام کا حکم	۲۱۰
۳۴۰	 مال حرام ورثاء کیلئے	۲۱۱
۳۴۰	 منشیات کی آمدنی سے مکان کی تعمیر اور اس کی توریث	۲۱۲
۳۴۲	 جس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی ورثاء کے حق میں اس کا حکم	۲۱۳
۳۴۳	 ناجائز میراث میں حصہ	۲۱۴
۳۴۴	 مورث کا حرام مال وارث کے لئے	۲۱۵
الفصل الثامن فی ذوی الفروض (ذوی الفروض کا بیان)		
۳۴۶	 لڑکی کا حصہ میراث	۲۱۶
۳۴۷	 لڑکی کا والد کی میراث میں حصہ	۲۱۷
۳۴۷	 بیوی کا شوہر کی میراث میں حصہ	۲۱۸
۳۴۸	 زوجہ اور ہمشیرہ کو میراث	۲۱۹
۳۵۱	 بیوی اور بھانجہ میں تقسیم وراثت	۲۲۰

۲۲۱	ورثاء میں زوجہ، دو بیٹیاں، تین بھتیجے ہوں تو تقسیم میراث	۳۵۳
۲۲۲	ورثہ میں بہن اور بیوی کا چچا ہو تو ترکہ کس کو ملے گا؟	۳۵۴
۲۲۳	بہن اور چچا کا حصہ میراث	۳۵۶
۲۲۴	بیوہ بھائی اور بہن میں تقسیم میراث	۳۵۷
۲۲۵	زوج، ام، حقیقی بہن اور چچا کے درمیان تقسیم میراث	۳۵۷
۲۲۶	ورثاء میں زوج، حقیقی بہن اور علاتی بہن ہو تو تقسیم میراث	۳۵۹
۲۲۷	تین بھتیجے، ایک بیٹی ہو تو تقسیم ترکہ	۳۶۱
۲۲۸	تین بیٹوں اور ایک بیٹی میں تقسیم میراث	۳۶۲
۲۲۹	ایک بیٹے اور تین بیٹیوں میں تقسیم میراث	۳۶۵
۲۳۰	دو بیویوں اور ان کی اولاد میں تقسیم میراث	۳۶۷
۲۳۱	ورثاء میں حقیقی بھائی اور بہن کی اولاد ہو تو تقسیم ترکہ	۳۶۹
۲۳۲	نانی کو میراث	۳۷۱
۲۳۳	بعض ورثاء کو کچھ دیکر فارغ کر دینا	۳۷۲
۲۳۴	تقسیم میراث کی ایک صورت	۳۷۴
۲۳۵	سوتیلے بیٹے کی موہوبہ جائیداد میں دیگر ورثاء کا حق ہے یا نہیں؟	۳۷۵
۲۳۶	مناسخہ کی ایک صورت کا حکم	۳۷۷
۲۳۷	مناسخہ کی ایک صورت	۳۷۹
۲۳۸	ذوی الفروض اور عصبات میں تقسیم وراثت	۳۸۲
۲۳۹	شوہر اور بھائیوں میں تقسیم ترکہ	۳۸۳
۲۴۰	باپ اور بیٹے کے میراث کی تقسیم	۳۸۴
۲۴۱	صورتِ عاقلہ میں باپ کا حصہ	۳۸۸
۲۴۲	تقسیم میراث کی ایک صورت	۳۸۹
۲۴۳	بلا ضابطہ شرعیہ تقسیم کی ہوئی جائیداد میں وراثت	۳۹۲

۳۹۴	بیٹے اور بیٹی میں تقسیم ترکہ	۲۴۴
۳۹۵	فرائض اور تعیین ترکہ	۲۴۵
۳۹۷	رد علی الزوجین اور ابن و بنت معتق اور ابن و بنت رضاعی کی باہمی ترتیب	۲۴۶
۴۰۰	توریت اُخت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب	۲۴۷
۴۰۲	مہر معاف کرنے کے بعد مطالبہ کرنا	۲۴۸
۴۰۲	پنشن اور گریجویٹی فنڈ میں میراث کا حکم	۲۴۹
۴۰۲	بیمہ فنڈ میں میراث کا حکم	۲۵۰
۴۰۲	پنشن میں بیوی اور دیگر ورثاء کا حق	۲۵۱
۴۰۲	میڈیکل امداد میں ورثاء کا حق	۲۵۲
۴۰۲	بلڈنگ میں بیوی اور دیگر ورثاء کا حق	۲۵۳
۴۰۳	سامان آرائش میں وراثت	۲۵۴
۴۰۳	دوسرے لوگوں کے پاس پڑے ہوئے سامان پر میت کی طرف سے بخشش کا دعویٰ	۲۵۵
۴۰۷	فنڈ کی رقم کے متعلق بھائی کا نام لکھوا دینا	۲۵۶
۴۰۹	جائیداد میں شرکت اور اس کی تقسیم	۲۵۷
۴۱۲	جائیداد اور وراثت	۲۵۸
۴۱۷	بھائی اور بہن کی موجودگی میں بہن کی لڑکی کے لئے وصیت	۲۵۹
۴۱۸	ترکہ سے نفقہ عدت وفات اور خرچہ رضاعت کا ٹنا اور تقسیم ترکہ	۲۶۰

الفصل التاسع فی العصابات وذوی الأرحام وتوریت الحمل

(عصابات، ذوی الارحام اور توریت حمل کا بیان)

۴۲۰	عصابات کی انتہا کیا دادا کے چچا تک ہے؟	۲۶۱
۴۲۱	عصوبت کہاں ختم ہوتی ہے؟	۲۶۲

۲۶۳	چوتھی پشت کا عصبہ بھی وارث ہے	۲۶۳
۲۶۴	عینی مقدم ہے علاقائی پر	۲۶۴
۲۶۵	علاقائی بھتیجا، عینی کی موجودگی میں وارث نہیں	۲۶۵
۲۶۶	عینی بھائی کی موجودگی میں علاقائی بھائی کو کچھ نہیں ملتا	۲۶۶
۲۶۷	علاقائی بہن اور چچا زاد بھائی کے درمیان تقسیم ترکہ	۲۶۷
۲۶۸	بھتیجوں اور بھانجیوں میں ترکہ کی تقسیم	۲۶۸
۲۶۹	دو بیویوں کی اولاد میں تقسیم میراث	۲۶۹
۲۷۰	دو بیویوں کی اولاد میں تقسیم ترکہ	۲۷۰
۲۷۱	سوال متعلق استفتاء بالا	۲۷۱
۲۷۲	عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام کی وراثت	۲۷۲
۲۷۳	میراث ذوی الارحام	۲۷۳
۲۷۴	ذوی الارحام کا مسئلہ	۲۷۴
۲۷۵	ذوی الارحام کی حد بندی	۲۷۵
۲۷۶	بیوہ، علاقائی بھتیجی اور حقیقی بھانجوں میں تقسیم ترکہ	۲۷۶
۲۷۷	بیوہ، حقیقی ممانی اور حقیقی ماموں زاد بھائی اور بہنوں میں تقسیم ترکہ	۲۷۷
۲۷۸	ذوی الارحام میں تقسیم میراث کی ایک صورت	۲۷۸
۲۷۹	پچانے بھتیجا کی پرورش کی، کیا چچا کی خرید کردہ جائیداد میں بھتیجا کا حصہ ہے؟	۲۷۹
۲۸۰	توریث حمل کی ایک صورت	۲۸۰
۲۸۱	طلاق کے بعد حمل کب تک مستحق میراث ہے؟	۲۸۱
۲۸۲	توریث حمل کی متعدد صورتیں اور ان پر اشکالات	۲۸۲
۲۸۳	سوال متعلق استفتاء بالا	۲۸۳
۲۸۴	ایضاً	۲۸۴

۲۶۳	ایضاً.....	۲۸۵
الفصل العاشر فی الحجب والحرمان (حجب اور حرمان کا بیان)		
۲۶۴	ایک وارث دوسرے وارث کی موجودگی میں محروم کیوں ہے؟	۲۸۶
۲۶۴	شادی کی وجہ سے لڑکیاں محروم نہیں ہوتیں	۲۸۷
۲۶۵	کیا ترکہ میں کوئی چیز ایسی بھی ہے جس سے بیٹی محروم ہے؟	۲۸۸
۲۶۸	بیوہ نکاح ثانی کی وجہ سے وراثت سے محروم نہیں	۲۸۹
۲۷۰	بیوہ اگر دوسرا نکاح کرے تو وہ وراثت سے محروم نہیں	۲۹۰
۲۷۰	عقد ثانی کی وجہ سے بیوی کا حصہ کم نہیں ہوتا	۲۹۱
۲۷۱	دادا کی میراث سے پوتا کیوں محروم ہے؟	۲۹۲
۲۷۲	بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کا حق وراثت	۲۹۳
۲۷۳	بیٹے کی موجودگی میں پوتے کی میراث	۲۹۴
۲۷۳	پوتا وارث کیوں نہیں؟	۲۹۵
۲۷۴	بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کو جائیداد دینا	۲۹۶
۲۷۵	لڑکیوں کے ہوتے ہوئے جائیداد نو اسہ کو دینا	۲۹۷
۲۷۶	لڑکیوں کو محروم کرنے کی نیت سے بحالت مرض لڑکے کو جائیداد دینا	۲۹۸
۲۷۹	جائیداد بھتیجا کو دینا بیٹوں کو نہ دینا	۲۹۹
۲۸۰	باپ اور بیٹوں کی موجودگی میں بھتیجے وارث نہیں	۳۰۰
۲۸۳	لے پا لک بنانا	۳۰۱
۲۸۴	حج بدل اور وقف کے ذریعہ ورثہ کو محروم کرنا	۳۰۲
۲۸۶	نافرمان بیٹے کو عاق کرنا	۳۰۳
۲۸۷	نافرمان بیٹے کو میراث سے محروم کرنا	۳۰۴
۲۸۹	نافرمان اولاد کو عاق کرنا	۳۰۵

۴۹۱	ترکہ کے مکان سے کسی وارث کو الگ کرنا.....	۳۰۶
۴۹۲	بیوہ کو محروم کرنے کے لئے ورثائے شوہر کا دعوائے طلاق.....	۳۰۷
الفصل الحادی عشر فی المتفرقات		
۴۹۵	نابالغ کے مال کی ولایت کس کو ہے؟.....	۳۰۸
۴۹۶	سفیہ کا مال کب اس کے حوالے کیا جائے؟.....	۳۰۹
۴۹۷	کیا بھانت میراث کا عوض ہے؟.....	۳۱۰
۴۹۸	ولی عہد بنانا.....	۳۱۱
۴۹۹	بھائی کے وعدے.....	۳۱۲
۵۰۰	اگر سوال شیعہ سنی کے توارث کا ہو تو جواب کس طرح دیا جائے؟.....	۳۱۳
۵۰۲	شیعہ عورت بغیر وارث چھوڑے مرنے پر اس کے موروثہ زیور کا مصرف.....	۳۱۴
۵۰۳	کفن ترکہ سے دیا جائے گا یا شوہر کے ذمہ ہے؟.....	۳۱۵
۵۰۴	فرائض کے قواعد.....	۳۱۶
باب		
رسالہ آسان فرائض		
۵۱۱	علم الفرائض کی فضیلت.....	۳۱۷
۵۱۲	اصطلاحات فرائض کی وضاحت.....	۳۱۸
۵۱۲	ترکہ میت میں حقوق واجبہ.....	۳۱۹
۵۱۳	ورثہ کی قسمیں.....	۳۲۰
۵۱۴	حصص معینہ کی قسمیں.....	۳۲۱
فصل فی ذوی الفروض		
۵۱۵	ذوی الفروض کی اقسام.....	۳۲۲

۳۲۳	ذکور کے حالات	۵۱۵
۳۲۴	أب کے حالات	۵۱۵
۳۲۵	جد کے حالات	۵۱۶
۳۲۶	ابن الأم کے احوال	۵۱۶
۳۲۷	زوج کے احوال	۵۱۷
۳۲۸	اناث کے حالات	۵۱۷
۳۲۹	زوجہ کے احوال	۵۱۷
۳۳۰	بنت کے احوال	۵۱۷
۳۳۱	بنت الابن کے حالات	۵۱۸
۳۳۲	اخت عینی کے حالات	۵۱۸
۳۳۳	اخت علاقہ کے احوال	۵۱۸
۳۳۴	اخت خیافی کے احوال	۵۱۹
۳۳۵	ام کے حالات	۵۱۹
۳۳۶	جدہ کے حالات	۵۲۰
فصل فی العصبۃ		
۳۳۷	عصبات کی قسمیں	۵۲۰
فصل فی الحجب والحرمان		
۳۳۸	حجب	۵۲۲
۳۳۹	حرمان	۵۲۳
فصل فی مخارج ذوی الفروض		
۳۴۰	مخارج فروض	۵۲۳

باب فی العول

۵۲۷	چھ کا عول.....	۳۴۱
۵۲۸	بارہ کا عول.....	۳۴۲
۵۲۹	چوبیس کا عول.....	۳۴۳

باب الرد

۵۳۱	مسائل رد.....	۳۴۴
۵۳۱	رد کی قسم اول.....	۳۴۵
۵۳۲	رد کی قسم ثانی.....	۳۴۶

فصل فی التماثل والتداخل والتوافق والتباين

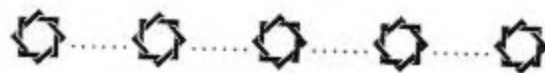
۵۳۸	معرفت نسبت کا طریقہ.....	۳۴۷
-----	--------------------------	-----

۵۳۹

فصل فی التصحیح

باب المناسخۃ

۵۵۲



بقیۃ کتاب الحظر والإباحۃ

باب مایعلق بالجنات

(جنات کا بیان)

انسان افضل ہے یا جنات

سوال [۹۵۶۹]: ﴿وما خلقت الجن والانس إلا ليعبدون﴾ (۱) کیا جن انسان سے افضل ہیں، کیونکہ جن کو اول ذکر کیا ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

انسان کو اللہ پاک نے جنات سے اشرف و اکرم بنایا ہے، جیسا کہ تفسیر کبیر (۲)، شرح عقائد وغیرہ میں ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۸/۸۸ھ۔

(۱) (سورۃ الذریت: ۵۶)

(۲) ”أما المكلفون فهم أربعة أنواع: الملائكة والانس والجن والشیاطین. ولا شک أن الإنس أفضل من الجن والشیاطین.“ (التفسیر الکبیر، [سورۃ البقرۃ: ۳۴]: ۲/۲۲۴، دارالکتب العلمیہ طہران)

(۳) شرح عقائد میں یہ بات صراحتاً مذکور نہیں ہے، البتہ ”وعامة البشر أفضل من عامة الملائكة“ سے دلالت یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان جب ملائکہ سے افضل ہے تو جنات سے تو بطریق اولیٰ افضل ہوگا، راجع: (شرح العقائد، ص: ۱۷۷، قدیمی)

”وجعل الطیبی ”من“ بیانۃً کما فی قولک: بذلت لہ العریض من جاہی: أی فضلناہم علی اکثرین الذین خلقناہم من ذوی العقول کما ہو الظاہر من ”من“ وہم منحصرون فی الملک والجن والبشر: فحیث خرج البشر؛ لأن الشیء لا یفضل علی نفسه، بقی الملک والجن، فیکون المراد بیان تفضیل البشر علیہم جمیعاً، و هو الذی یقتضیہ مقام المدح.“ (روح المعانی، [سورۃ الإسراء: ۷۰]:

۱۱۹/۱۵، داراحیاء التراث العربی بیروت)

کسی دیو کے نبی کی شکل و صورت اختیار کرنے کا عقیدہ

سوال [۹۵۷۰]: جو انگشتی کے دیو کے پاس چلے جانے کا اور نبی اللہ کی شکل و صورت کو دیو وغیرہ کے اختیار کرنے کا قائل ہو، شرعاً اس کی سزا کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عقیدہ لغو اور غلط ہے، اس کو اپنے اس عقیدہ سے توبہ لازم ہے۔ علمائے اسلام نے تصریح کی ہے کہ کوئی شیطان کسی نبی کی شکل میں نہیں آ سکتا (۱)، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق خود احادیث میں موجود ہے کہ شیطان آپ کی شکل نہیں بنا سکتا (۲)۔ اور محققین اور مفسرین نے جمیع انبیائے علیہم السلام کے متعلق تحریر کیا

(۱) ”یشیر إلی أن الله تعالى وإن أمكنه (أى الشيطان) من التصور في أي صورة أراد، فإنه لم يمكنه من التصور في صورة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، الخ“ (فتح الباری، کتاب التعبير، باب من رای النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المنام: ۳۸۶/۱۲، ۳۸۷، دارالمعرفة بیروت)

”ولا یشمل الشیطان بی“: أي، لا یحصل له مثال صورتی ولا یشبه بی. قالوا: كما منع الله الشیطان أن یصور بصورته فی الیقظة، كذلك منعه فی المنام لئلا یشبه الحق بالباطل“ (عمدة القاری، کتاب التعبير، باب من رای النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المنام: ۲۴/۲۱۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

”فإن الشیطان لا یشمل بی“: أي لا یستطیع أن یصور بشکلی الصوری، وإلا فهو بعید عن التمثیل المعنوی“ (جمع الوسائل فی شرح الشمائل للملا علی القاری، باب ما جاء فی رؤية صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المنام: ۲۹۱/۲، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

”قال القاضی رحمہ اللہ تعالیٰ: قال بعض العلماء: خص الله تعالیٰ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بأن رؤية الناس إياه صحیحةً وكلها صدق، ومنع الشیطان أن یصور فی خلقته لئلا یکذب علی لسانه فی النوم كما خرق الله تعالیٰ العادة للأنبیاء علیهم السلام بالمعجزة، وكما استحال أن یصور الشیطان فی صورته فی الیقظة، ولو وقع، لاشتبہ الحق بالباطل ولم یوثق بما جاء به مخافةً من هذا التصور، فحماها الله تعالیٰ من الشیطان ونزغہ ووسوستہ وإلقائه وکیده، قال: وکذا حمی رؤیتهم بأنفسهم“ (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب الرؤیا: ۲۴۳/۲، قدیمی)

(۲) ”أن أبا هريرة رضي الله تعالى عنه قال: سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: ”من رانی فی =

ہے کہ شیطان کو قدرت نہیں دی گئی کہ کسی نبی کی صورت میں آ سکے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جن کا انسانی صورت میں ظاہر ہونا

سوال [۹۵۷۱]: کیا شیطان و جنات دوسری مخلوق بالخصوص انسانوں کی شکل میں ظاہر ہو سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظاہر ہو سکتے ہیں حدیث شریف سے ثابت ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۱۴۰۱ھ۔

دیو کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت بنانا

سوال [۹۵۷۲]: مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بوقت حاجت بیت الخلاء وغیرہ اپنی

انگشتی خادم کو دے جایا کرتے تھے۔ ایک روز ایک دیو سلیمان علیہ السلام کی شکل بنا کر انگشتی خادم سے لے کر

= المنام فسیرانی فی الیقظة، ولا یتمثل الشیطان بی۔ (صحیح البخاری، کتاب التعبير، باب: من رای
النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المنام: ۲/۱۰۳۵، قدیمی)

”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”تسمّوا باسمی
ولا تکتموا بکنتی، ومن رانی فی المنام فقد رانی، فإن الشیطان لا یتمثل فی صورتی۔“ (صحیح
البخاری، کتاب العلم، باب إثم من کذب علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۲۱/۱، قدیمی)

”عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”ومن رانی فی
المنام فقد رانی، فإن الشیطان لا یتمثل بی۔“ (جامع الترمذی، أبواب الرؤیا، باب ما جاء فی قول النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من رانی فی المنام فقد رانی“: ۵۳/۲، سعید)

(والصحیح لمسلم، کتاب الرؤیا: ۲/۲۳۲، قدیمی)

(۱) ”عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: إن الشیطان یتمثل فی صورة الرجل، فیأتی البوم
فیحدثهم بالحديث من الکذب فیتفرقون، فیقول الرجل منهم: سمعت رجلاً أعرف وجهه ولا أدری ما
اسمه یحدث۔“ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان، ص: ۴۱۴، قدیمی)

(وکذا فی آکام الرجان، ص: ۱۸، الباب السادس، مکتبہ خیر کثیر کراچی)

تخت شاہی پر جا بیٹھا۔ جب سلیمان علیہ السلام نے خادم سے انگوٹھی طلب کی تو جواب ملا کہ آپ حضرت سلیمان نہیں ہیں، وہ تو انگشتی لے گئے۔ اس سے آگے کچھ اور بھی مشہور ہے۔ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟ نبی اللہ کی شکل و صورت کوئی جن وغیرہ بنا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر بنا سکتا ہے تو تبلیغ احکام کیسے ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ قصہ بعض مفسرین نے کتب یہود سے نقل کیا ہے، تفسیر کشاف تفسیر مدارک، تفسیر معالم التنزیل، قاضی عیاض وغیرہ نے اس قصہ کی تردید کی ہے (۱)، امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت زور شور سے اس قصہ پر

(۱) "قوله تعالى: ﴿وَلَقَدْ فْتَنَّا سُلَيْمَانَ﴾ وهذا ونحوه مما لا بأس به، وأما ما يروى من حديث الخاتم والشیاطین وعبادة الوثن فی بیت سلیمان فأخبر آصف سلیمان بذلك، فكسر الصورة وعاقب المرأة، ثم خرج وحده إلى فلاة، وفرش له الرماد، فجلس عليه تائباً إلى الله متضرعاً. وكانت له أم ولد، يقال لها: أمينة، إذا دخل للطهارة أو لإصابة امرأة وضع خاتمه عندها، وكان ملكه في خاتمه، فوضعه عندها يوماً، وأتاها الشيطان صاحب البحر وهو الذي دلّ سلیمان على المأس حين أمر ببناء بيت المقدس، واسمه ضحر على صورة سلیمان فقال: يا أمينة! خاتمي، فتختم به وجلس على كرسي سلیمان، وعكفت عليه الطير والجن والإنس، وغير سلیمان عن هيئته، فأتى أمينة لطلب الخاتم، فأنكرته وطردته، فعرف أن الخطيئة قد أدر كته، فكان يدور على البيوت يتكفف، فإذا قال: أنا سلیمان حثوا عليه التراب وسبوه. ثم عمد إلى السماكين ينقل لهم السمك، فيعطونه كل يوم سمكتين، فمكث على ذلك أربعين صباحاً عدد ما عبد الوثن في بيته، فأنكر آصف وعظماء بني إسرائيل حكم الشيطان".

وسأل آصف نساء سلیمان، فقلن: ما يدع امرأة منا في دمها ولا يغتسل من جنابة، وقيل: بل نقد حكمه في كل شيء إلا فيهن، ثم طار الشيطان، وقذف الخاتم في البحر، فابتلعت سمكة ووقعت السمكة في يد سلیمان، فبقر بطنها، فإذا هو بالخاتم، فتختم به ووقع ساجداً، ورجع إليه ملكه وجاب صخرة لصخر، فجعله فيها وسدّ عليه بأخرى، ثم أو ثقهما بالحديد والرصاص، وقذفه في البحر.

وقيل: لما افتتن، كان يسقط الخاتم من يده لا يتماسك فيها، فقال له آصف: إنك المفتون بذنبك، والخاتم لا يقرّ في يدك، فتب إلى الله عز وجل. ولقد أبى العلماء المتفنون قبوله، وقالوا: هذا من أباطيل اليهود، والشیاطین لا يتمكنون من مثل هذه الأفاعيل، وتسليط الله إياهم على عباده حتى يقعوا في تغيير الأحكام وعلى نساء الأنبياء حتى يفجروا بهن". (تفسير الكشاف، (سورة ص: ۳۴): =

اشکالات کئے ہیں (۱)۔ اصولاً بھی یہ قصہ غلط ہے، کیونکہ اس صورت میں تبلیغی احکام میں بہت کچھ خلط ہوگا، نیز کچھ وثوق نہ ہوگا کہ اب تک جو انبیاء علیہم السلام۔ جن کی نبوت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ وہ واقعہً نبی تھے، یا معاذ اللہ کوئی دیواور شیطان ان کی صورت بنا کر آگیا وغیرہ وغیرہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= ۹۳/۲، ۹۴، دارالکتاب العربی بیروت)

(و کذا فی تفسیر المدارک (سورۃ ص: ۳۴): ۲/۲۳۷، قدیمی)

(و کذا فی تفسیر البغوی المسمی معالم التنزیل، (سورۃ ص: ۳۴): ۲/۶۲-۶۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

(۱) ”واعلم أن أهل التحقيق استبعدوا هذا الكلام من وجوه: الأول أن الشيطان لو قدر على أن يشتبه بالصورة والخلقة بالأنبياء، فحينئذ لا يبقى اعتماد على شيء من الشرائع، فلعل هؤلاء الذين رأهم الناس في صورة محمد وعيسى وموسى عليهم السلام ما كانوا أولئك بل كانوا شياطين تشبهوا بهم في الصورة لأجل الإغواء والإضلال، ومعلوم أن ذلك يبطل الدين بالكلية.

الثاني: أن الشيطان لو قدر على أن يعامل نبي الله سليمان بمثل هذه المعاملة، لوجب أن يقدر على مثلها مع جميع العلماء والزهاد، وحينئذ وجب أن يقتلهم، وأن يمزق تصانيفهم، وأن يخرّب ديارهم، ولما بطل ذلك في حق آحاد العلماء، فلاّن يبطل مثله في حق أكابر الأنبياء أولى.

والثالث: كيف يليق بحكمة الله وإحسانه أن يسلط الشيطان على أزواج سليمان؟ ولا شك أنه قبيح.

الرابع: لو قلنا: إن سليمان أذن لتلك المرأة في عبادة تلك الصورة، فهذا كفر منه، وإن لم يأذن فيه ألبتة، فالذنب على تلك المرأة، فكيف يؤاخذ الله سليمان بفعل لم يصدر عنه؟ فأما الوجوه التي ذكرها أهل التحقيق في هذا الباب فأشياء: الأول: أن فتنة سليمان أنه ولد له ابن، فقالت الشياطين: إن عاش صار مسلطاً علينا مثل أبيه، فسيبنا أن نقتله، فعلم سليمان ذلك، فكان يربيه في السحاب فبينما هو مشغول بمهماتہ إذا ألقى ذلك الولد ميتاً على كرسیہ، فتنبه على خطيئته في أنه لم يتوكل فيه على الله فاستغفر ربه وأتاب الخ“ (التفسير الكبير للإمام الفخر الرازي، (سورة ص: ۳۴):

۲۶/۲۰۸، دارالکتب العلمیہ طهران)

جنات اور شیاطین انسان کو ستا سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال [۹۵۷۳]: زید کی بیوی بہت پریشان ہے، وہ اکثر کہا کرتی ہے کہ میں جنات میں سے ہوں۔ کیا دراصل جنات اور شیطان انسانوں کو لگتے ہیں؟ شریعتِ مطہرہ میں کہیں اس قسم کی کوئی چیز آئی ہے؟
الجواب حامداً و مصلياً :

انسان میں جن اور شیطان کا داخل ہو جانا ممکن ہے: ”إن الشيطان يجري من الإنسان مجرى الدم“. الحدیث. بخاری شریف (۱)۔ آکام المرجان فی أحكام الجنان میں اس کی تفصیل مروی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۷/۸۹ھ۔

(۱) الحدیث بتمامہ: ”عن علی بن حسین عن صفیۃ بنت حیّی رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معتکفاً فأتیته أزوره لیلاً فحدثته ثم قمت، فانقلبت فقام معی لیقلبنی، وکان مسکنها فی دار أسامة بن زید، فمرّ رجالان من الأنصار، فلما رأیا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أسرعاً، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”علی رسلکما إنها صفیة بنت حیّی“. فقالا: سبحان اللہ، یا رسول اللہ! فقال: ”إن الشيطان يجري من الإنسان مجرى الدم، وإنی خشیت أن یقذف فی قلوبکما سوءاً“. أو قال: ”شیئاً“. (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده: ۴۶۳/۱، قدیمی)

قال الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: ”إن اللہ جعل للشيطان قوةً علی التوصل إلى باطن الإنسان. وقیل: ورد علی سبیل الاستعارة: أی أن وسوسته تصل فی مسام البدن مثل جری الدم من البدن“. (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده: ۴۲۱/۶، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب السلام، باب بیان أنه يستحب لمن رای خالیا بامرأة، الخ: ۲۱۶/۲، قدیمی)

(۲) ”و ذکر أبو الحسن الأشعری فی مقالات أهل السنة والجماعة أنهم یقولون: إن الجن تدخل فی بدن المصروع كما قال اللہ تعالیٰ: ﴿الذین یا کلون الربوا لا یقومون إلا كما یقوم الذی یتخطه الشيطان من المس﴾ الایة. قال عبد اللہ بن أحمد بن حنبل: قلت لأبی: إن قوماً یقولون: إن الجن لا تدخل فی بدن الإنس. قال: یا بُنی! یکذبون، هوذا یتکلم علی لسانہ“. (آکام المرجان فی غرائب الأخبار وأحكام =

جن کا مختلف صورتوں میں آنا

سوال [۹۵۷]: جن عورت میں آسکتا ہے یا نہیں اور بیل وغیرہ بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً :

آسکتا ہے (۱) بیل وغیرہ بھی بن سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمد وغفرلہ۔

= الجن، بیان دخول الجن في بدن المصروع : ص: ۱۰۷ مکتبہ خیر کثیر کراچی

”تصرف جن و شياطين در بدن آدمی یعنی در روح هوائی و تسمیہ او کہ حامل قوی است، و آنرا بصرع الجن در عربی می نامند، و بآسیب و خبط در عرف تعبیر میکنند، نزد اهل سنت بلکه اکثر فرق اسلام مسلم است، چنانچہ در تفسیر نیشاپوری و غیرہ در آیت: ﴿يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾ مذکور است: ”وأكثر المسلمين على أن الشيطان قادرٌ على الصرع والقتل والإيذاء بتقدير الله تعالى“.

(فتاویٰ عزیزی: ۱۱۲، کتب خانہ رحیمہ دیوبند یوپی)

(و کذا فی مجموعه الفتاوی (اردو)، ص: ۹۳/۱، سعید)

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة آنفاً)

(۲) ”لا شك أن الجن يتطورون و يتشكلون في صور الإنس و البهائم، فيتصورون في صور الحيات و العقارب، و في صورة الإبل و البقر و الغنم و الخيل و البغال و الحمير، و في صور الطير، و في صور بني آدم، كما أتى الشيطان قريشاً في صورة سراقه بن مالك بن جعشم لما أرادوا الخروج إلى بدر“.

(آكام المرجان في غرائب الأخبار و أحكام الجن، الباب السادس في بيان تطور الجن و تكلمهم في صور شتى: ص: ۱۸، مکتبہ خیر کثیر کراچی)

”زعموا أن الجن جواهر مجرية، لها تصرف و تأثير في الأجسام العنصرية من غير تعلق بها تعلق النفوس البشرية بأبدانها“، (شرح المقاصد، الفصل الثاني في العقل، المبحث الثالث في الملائكة و الجن و الشياطين: ۲/۳۹۹ دار الكتب العلمية بيروت)

”وأما من ادعى أنه يرى شيئاً منهم بعد أن يتطور على صور شتى من الحيوان، فلا يقدح فيه، وقد تواردت الأخبار بتطورهم في الصور“۔ (فتح الباری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الجن و ثوابهم و عقابهم: ۲/۳۲۳، قدیمی)

مزارات پر جنات کا آنا

سوال [۹۵۷۵]: ہمارے گاؤں میں غیر مسلم لوگوں کے دو تین منڈھ یعنی مزار ہیں، جن پر عقیدہ ہے کہ یہ سب کی سنتے ہیں۔ ہر سال میلہ بھی لگتا ہے، کافی دور سے لوگ آ کر منت مانگتے ہیں، چڑھاوا چڑھاتے ہیں، اکھاڑہ ہوتا ہے (۱)، بھگتوں پر ان کی روح آ جاتی ہے (۲)، باقاعدہ بیان ہوتے ہیں، فیصلے ہوتے ہیں، بیماریاں بھی دور کی جاتی ہیں اور کئی دن تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ وہ بھگت لوگ جو بے قابو ہو کر مدہوش شکل میں جب کہ آواز بھی بدل جاتی ہے اور طرح طرح کی باتیں غیبی بھی بتلاتے ہیں۔ کیا یہ شیطانی نصرت ہے یا کہ جنات کا فعل ہے، یا کہ ان لوگوں کا یہ عقیدہ کہ ان کی روح سوار ہوتی ہے جن کے اوپر یہ اثر ہوتا ہے۔

ہوش میں آنے کے بعد وہ پھر انسانیت پر آ جاتا ہے، جب وہ اکھاڑہ ہوتا ہے جب ہی ان پر یہ اثر ہوتا ہے، دیر ہو جانے پر وہ بھگت لوگ ان منڈھ میں جاتے ہیں، وہیں سے اثر شروع ہوتا ہے۔ آخر یہ کیا بات ہے، شریعتِ مطہرہ میں اس کی اصل کیا ہے؟

کافی تعجب بھی ہوتا ہے، کافی لوگوں کے عقیدے بھی خراب ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ان منڈھوں کی طرف منہ کر کے پانخانہ پیشاب بھی نہیں کرتے، یہ بھی عقیدہ ہے کہ منت ماننے پر پوری ہوتی ہے۔ ان کے خاص عام بھگتوں پر ہی یہ روح سوار ہوتی ہے۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ اس کی کیا اصل ہے؟ عنایت ہوگی تا کہ یہ اشکال دور ہو۔

چند ساتھی کہتے ہیں کہ شیطانی نصرت ہے، اگر شیطانی ہے تو پھر استغفار، لاجول وغیرہ سے ایسا نہیں ہونا چاہیئے، اگر جنات کا معاملہ ہے تو پھر دوسری بات ہے، اس لئے براہ کرم مفصل مطلع فرماویں، عنایت ہوگی۔

(۱) ”اکھاڑہ: وہ جگہ جو کشتی لڑنے اور کسرت کرنے کے لئے بنائی گئی ہو، سادھوؤں کی منڈلی، تماشہ دکھانے والوں یا گانے

بجانے والوں کی منڈلی، ناچ رنگ کی محفل، حسینوں کا جھمکٹ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۸، فیروز سنز، لاہور)

(۲) ”بھگت: گنڈے تعویذ کرنے والا، بھوت پریت اتارنے والا، سازندہ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۳۶، فیروز

الجواب حامداً ومصلیاً:

انسان کے جسم میں جنات گھس جاتے ہیں (۱) اور تماشے بناتے ہیں، ان کا مقصد تفریح ہے اور عقائد و اعمال کو خراب کرنا ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے سامنے قرآن شریف پڑھتا ہے تو وہ بھی پڑھنے لگتے ہیں، ایسی جگہ سے دور رہنا چاہیے۔ غیر اللہ کی نذر ماننا معصیت بلکہ شرک ہے (۲)، کبھی ان کے

(۱) ”و ذکر أبو الحسن الأشعری فی مقالات أهل السنة والجماعة أنهم يقولون: إن الجن تدخل فی بدن المصروع كما قال الله تعالى: ﴿الذين يأكلون الربوا لا يقومون إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس﴾ الآية. (آكام المرجان فی غرائب الأخبار وأحكام الجن، بیان دخول الجن فی بدن المصروع، ص: ۱۰۷، مكتبة خير كثير، كراچی)

”زعموا أن الجن جواهر مجرية، لها تصرف وتأثير في الأجسام العنصرية من غير تعلق بها تعلق النفوس البشرية بأبدانها“۔ (شرح المقاصد، الفصل الثاني في العقل، المبحث الثالث في الملائكة والجن والشیاطین: ۲/۴۹۹ دار الكتب العلمية بیروت)

”وأما من ادعى أنه يرى شيئاً منهم بعد أن يتطور على صور شتى من الحيوان، فلا يقدح فيه، وقد تواردت الأخبار بتطورهم في الصور“۔ (فتح الباری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الجن و ثوابهم وعقابهم: ۶/۴۲۳، قدیمی)

(۲) ”وأما النذر الذي ينذره أكثر العوام على ما هو مشاهد كأن يكون لإنسان غائب أو مريض أوله حاجة ضرورية، فيأتي بعض الصلحاء، فيجعل ستره على رأسه فيقول: يا سيدي فلان! إن رد غائبی أو عوفي مريضی أو قضيت حاجتي، فلك من الذهب كذا، أو من الفضة كذا، أو من الطعام كذا، أو من الماء كذا، أو من الشمع كذا، أو من الزيت كذا، فهذا النذر باطل بالإجماع، لوجوه: منها: أنه نذر لمخلوق، والنذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لا تكون للمخلوق ومنها: أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالى، واعتقاده ذلك كفر“۔ (البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۰، رشیدیہ)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قدیمی)

(و کذا فی رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسده، مطلب في النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام من شمع أوزيت أو نحوه: ۲/۴۳۹، سعید)

کاموں میں شرکت نہ کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

جن اور پیر کا عورتوں پر آنا

سوال [۹۵۷۶]: یہ جو سنا جاتا ہے کہ عورتوں کو جنات چمٹ جاتے ہیں اور ان سے برا فعل

کرتے ہیں، یہ سچ ہے کہ نہیں؟

۲..... نیز پیر صاحب آکر بھی چمٹ جاتے ہیں، یہ بھی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جنات عورتوں کو مردوں کو بچوں کو چمٹ سکتے ہیں (۱) اور برا فعل بھی کر سکتے ہیں (۲)۔

۲..... کوئی پیر صاحب یا بزرگ انتقال کے بعد کسی کو نہیں چمٹے بلکہ جنات اور شیاطین آتے ہیں اور

بزرگوں کے نام بتلاتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۹ھ۔

(۱) ”من حدیث أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”ما من بنی آدم من مولود إلا نخسه الشیطان، فیستهل صارخاً من نخسه إیاءہ، إلا مریم وابنہا“۔ (آکام المرجان، ص: ۷۸، الباب الثالث بعد المائة، فی بیان حضور الشیطان المولود، مکتبہ خیر کثیر، آرام باغ، کراچی)

(۲) ”وعن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”لو أن أحدکم إذا أراد أن یأتی أهلہ قال: بسم اللہ..... فإنہ إن یقدر بینہما ولد فی ذلک لم یضرہ الشیطان أبداً“۔

”إن اللہ عزوجل ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیا أن یأتی الرجل امرأته وہی حائض، فإذا أتاہا، سبقہ إلیہا الشیطان، فحملت“۔ (آکام المرجان، ص: ۷۷، الباب الرابع والثلاثون، مکتبہ خیر کثیر کراچی)

(۳) ”عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: إن الشیطان لیتمثل فی صورة الرجل، فیأتی القوم =

جنات سے حمل

سوال [۹۵۷]: جنات کی صحبت سے عورت کو حمل قرار پاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنات کی صحبت سے بھی استقرار حمل ہو کر بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ”هل رئی

فیکم المغربون؟“ قلت: وما المغربون؟ قال: ”الذين يشترک فیہم الجن“ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۹۱ھ۔

= فیحدثہم بالحديث من الکذب فيتفرقون، فيقول الرجل منهم: سمعت رجلاً أعرف وجهه ولا أدری ما اسمه يحدث“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغیبة والشتیم، ص: ۴۱۴، قدیمی)

(۱) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الثانی، ص: ۳۹۰، قدیمی)

قال العلامة الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: ”وقوله: ”المغربون“ بتشديد الراء المكسورة: أى المبعدون، ولما كان للتعبید معنى مجمل مبهم، احتاجت إلى بيانها، فقالت: ”قلت: وما المغربون“ وقع السؤال عن الصفة أعنى التغریب، ولذلك لم تقل: ومن المغربون، فأجاب: بأن التغریب الحقیقی المعتمد به اشتراك الجن“ قال: الذين يشترک فیہم الجن“: أى فى نطفهم، أو فى أولادهم لترکهم ذکر الله عند الوقاع، فيلوی الشیطان إحلیله على إحلیله، فيجامع معه. قال الله تعالیٰ: ﴿وشاركهم فى الأموال والأولاد﴾ فيجب على الإنسان فى الحديث: ”إذا خالط امرأته أن يقول: بسم الله، اللهم! جنبنا الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنا“ فإذا ترک هذا الدعاء أو التسمية شاركه الشیطان فى الوقاع، ويسمى هذا الولد مغرباً؛ لأنه دخل فيه عرق غریب، أو جاء من نسب بعيد. وقيل: أراد بمشاركة الجن فیهم أمرهم إياهم بالزنا، وتحسينه، لهم، فجاء أولادهم من غير رشده، ويحتمل أن يراد به من كان له قرین من الجن يلقي إليه الأخبار وأضاف الكهانة“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الثانی، رقم الحديث: ۴۵۶۵: ۸/۳۳۱، رشیدیہ)

(و کذا فی آکام المرجان فی غرائب الاخبار واحکام الجن، ص: مکتبه خیر کثیر کراچی)

جماع جن سے استقرار حمل

سوال [۹۵۷۸]: اگر جن لوگ کسی عورت سے صحبت کریں تو کیا اس سے حمل ٹھہر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حمل ٹھہر سکتا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ۔

کیا آسیبی اثر سے زبان گنگ ہو سکتی ہے؟

سوال [۹۵۷۹]: کیا جنات قوم میں یہ قدرت اور طاقت ہے کہ کسی انسان کی زبان بند کر دیں یا

بہرا گونگا اندھا وغیرہ تصرفات کر دیں۔ ہمارے یہاں ایک نوجوان تندرست اور صحیح سالم ہے، لیکن اس کی یہ حالت ہے کہ دن و رات میں کبھی ایک دو گھنٹہ اور کبھی تین چار گھنٹہ تک بولتا نہیں۔ اس کا بہت ہی زیادہ علاج کیا گیا لیکن فائدہ بالکل نظر نہیں آتا۔ یہاں پر بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ایک جن عورت کا اثر ہے، تو ان کی یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں جنات قوم میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کسی انسان کی زبان بند کر دے یا کسی کو نابینا یا بہرا بنادے۔ صحیح کیا ہے؟

(۱) ”هذا الباب في بيان المناكحة بين الإنس والجن، والكلام هنا في مقامين: أحدهما في بيان إمكان ذلك ووقوعه، والثاني في بيان مشروعيته. أما الأول فنقول: نكاح الإنسي الجنية وعكسه ممكن، قال الثعالبي: زعموا أن التناكح والتلاقح قد يقعان بين الإنس والجن، قال الله تعالى: ﴿وشاركهم في الأموال والأولاد﴾، وقال صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إذا جامع الرجل امرأته ولم يسم، انطوى الشيطان إلى إحليله فجامع معه“. وقال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: إذا أتى الرجل امرأته وهي حائض، سبقه الشيطان إليها، فحملت، فجاءت بالمخنث“. (آكام المرجان في غرائب الأخبار وأحكام الجن، الباب الموفى ثلاثين في بيان مناكحة الجن، ص: ۶۶، مكتبة خير خیر، آرام باغ کراچی)

”عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال لي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”هل رئي فيكم المغربون؟“ قلت: وما المغربون؟ قال: ”الذين يشترک فيهم الجن“. (مشکوۃ المصابیح، کتاب الطب والرقي، الفصل الثانی، ص: ۲۹۰، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جناتی تصرفات سے بھی اس قسم کے اثرات ہو سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۶ھ۔

جنات کو جلانا

سوال [۹۵۸۰]: جنات کو جلا سکتے ہیں یا نہیں، جب کہ وہ آگ سے پیدا ہوئے ہیں، پھر کیسے جل

سکتے ہیں؟ اور شرعاً یہ فعل عاملین کا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی اور تدبیر سے وہ پیچھا نہ چھوڑیں بلکہ ستاتے ہی رہیں تو جلانا بھی درست ہے (۲)، انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے مٹی کا ڈھیلا مارنے سے چوٹ لگتی ہے، سر پھٹ جاتا ہے مٹی کی چھت یا دیوار اوپر گرنے سے دب کر مر بھی جاتا ہے۔ اسی طرح جنات کو آگ سے تکلیف پہنچ سکتی ہے اور آگ سے جل سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنات کا عمل

سوال [۹۵۸۱]: مسمی محمد قاسم پر ایک جن آتا ہے اور حالت نماز میں آکر پریشان کرتا ہے اس

سے رہائی کی کیا شکل ہے؟

(۱) ”يجوز إرادة الحقيقة، فإن الشياطين أجسام لطيفة قادرة بأقدار الله تعالى على كمال التصرف ابتلاء للبشر“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الإیمان، باب فی الوسوسة، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۶۸): ۲۴۶/۱، رشیدیہ)

”إن الله جعل للشيطان قوة على التوصل إلى باطن الإنسان“۔ (فتح الباری، کتاب بدء الخلق:

۴۲۱/۶، قدیمی)

(۲) قال الشيخ التهانوي رحمه الله: ”بہتر ہے کہ اس تعویذ میں یہ عبارت لکھ دیں کہ: ”گرنہ جائے تو جل جائے“۔ (إمداد

الفتاویٰ: ۸۸/۴، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

جنات کی مالی اعانت

سوال [۹۵۸۲]: ۲..... وہ جن محمد قاسم کی مالی اعانت بھی کرنا چاہتا ہے تو اس کو قبول کر سکتا

ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... کسی عامل سے اس کی ترکیب دریافت کی جائے، بندہ جنات کا عامل نہیں۔

۲..... مالی اعانت قبول نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۹۰ھ۔

مرغ کیوں بولتا ہے؟

سوال [۹۵۸۳]: مرغ کی آواز سن کر کیا پڑھنا چاہیے اور اس کے بولنے کی کیا علامت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرغ اکثر جب بولتا ہے تب فرشتہ دیکھ کر بولتا ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل کو طلب کرنا چاہیے، کذا

(۱) کیونکہ اس رقم کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ جنات نے کہاں سے حاصل کی، اور کس ذریعے سے حاصل کی حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ عملیات حاصل شدہ رقم کو حرام قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

”دست غیب میں یہ ہوتا ہے کہ جنات اس کام پر مسلط ہو جاتے ہیں بعض عمل میں تو وہی روپیہ جس کو خرچ کر چکا ہے، وہ جہاں بھی ہو، وہاں سے اٹھالاتے ہیں اور بعض عمل میں دوسرا روپیہ جس جگہ ان کے ہاتھ آئے نکال لاتے ہیں، سو اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص خاص اس کام کے لئے آدمیوں کو نوکر رکھے کہ چوری کر کے مجھ کو دیا کرو۔ اس نے یہی کام جناب سے لیا اور چوری کے ناجائز ہونے کا کسی کو انکار ہو سکتا ہے اور اگر یہ شبہ ہو کہ ممکن ہے کہ وہ جن اپنے پاس سے لے آتے ہوں تو چوری کہاں ہوئی؟

سوال تو امکان سے دوسرے احتمالات کی نفی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے اگر اپنے ہی پاس سے لائیں تو بھی ظاہر ہے کہ خوشی سے نہیں لاتے ورنہ اوروں کو لا کر کیوں نہیں دیتے؟ محض عمل کے جبر سے لاتے ہیں تو کسی کو مجبور کرنا کہ اپنا مال مجھ کو دے دے خود حرام ہے اور اس تقریر سے تسخیر جنات کا ناجائز ہونا بھی سمجھ میں آ گیا۔“ (عملیات و تعویذات اور اس کے شرعی احکام، دست غیب اور جنات سے پیسے یا کوئی چیز منگوانے کا حکم، ص: ۱۲۰، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

فی المشکوہ، ص: ۲۹۳ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

گدھا کیوں بولتا ہے؟

سوال [۹۵۸۴]: گدھے کا ریٹنا اس کی کیا علت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شیطانی اثر ہے، اس وقت ”أعوذ“ پڑھنی چاہیے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ عنہ۔

(۱) ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم: ”إذا سمعتم صياح الديكة فسلوا الله من فضله، فإنها رأت ملكاً. وإذا سمعتم نهيق الحمار، فتعوذوا بالله من الشيطان، فإنها رأت شيطاناً.“ (صحيح البخارى، كتاب بدء الخلق، باب خير مال المسلم غنم يتبع بها شعف الجبال : ۴۶۶/۱، قديمی)

(والصحيح لمسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب استحباب الدعاء عند صياح الديك : ۳۵۱/۲، قديمی)

قال العلامة الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: ”قوله: ”إنها رأت ملكاً“ بفتح اللام، قال عياض: كان السبب فيه رجاء تأمين الملائكة على دُعائه واستغفارهم له، وشهادتهم له بالإخلاص، ويؤخذ منه استحباب الدعاء عند حضور الصالحين تبركاً بهم. وصح ابن حبان. وأخرجه أبو داود وأحمد من حديث زيد بن خالد رفعه: ”لاتسبوا الديك، فإنه يدعو إلى الصلوة“. وعند البزار من هذا الوجه سبب قوله صلى الله تعالى عليه وسلم ذلك وأن ديك صرخ فلغنه رجل، فقال ذلك. قال الحلیمي: يؤخذ منه أن كل من استفيد من الخير، لا ينبغي أن يسب ولا أن يستهان به، بل يكرم ويحسن إليه. قال: وليس معنى قوله: ”إنه يدعو إلى الصلوة“. أن يقول: بصوته حقيقة صلوا أو حانت الصلوة، بل معناه: أن العادة جرت بأنه يصرخ عند طلوع الفجر، وعند الزوال فطرة فطره الله عليها.“ (فتح الباری شرح صحيح البخاری، كتاب بدء الخلق، باب خير مال المسلم غنم يتبع بها شعف الجبال : ۴۳۴/۶، ۴۳۵، قديمی)

(۲) ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”إذا سمعتم =

گدھا کیوں بولتا ہے

سوال [۹۵۸۵]: جب گدھا ڈھینچتا ہے تو اس کی کیا علامت ہے، اور کیا پڑھنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب گدھا بولتا ہے تو شیطان رجیم سے پناہ مانگنی چاہیے، کیونکہ وہ عامۃً شیطان کو دیکھ کر بولتا ہے، کذا فی مشکوٰۃ، ص: ۱۳۴ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمد وغفرلہ۔

ستارہ ٹوٹنے کا سبب، مرغ بولنے کی وجہ

سوال [۹۵۸۶]: تارے کا ٹوٹنا اور مرغ کے بولنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شیطان کو دفع کرنے کے لئے انکارا مارا جاتا ہے، جس کو تارا ٹوٹنا کہتے ہیں (۲)، مرغ کبھی تو ویسے ہی بولتا ہے، کبھی کسی فرشتہ کو دیکھ کر بولتا ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمد وغفرلہ۔

= صیاح الديکۃ فسلوا اللہ من فضله، فإنہا رأت ملکاً. وإذا سمعتہم نہیق الحمار، فتعوذوا باللہ من الشیطن الرجیم، فإنہ رآی شیطاناً. متفق علیہ. (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب أسماء اللہ تعالیٰ، باب الدعوات فی الأوقات، الفصل الأول، ص: ۲۱۳، قدیمی)

(۱) "إذا سمعتہم نہیق الحمار، فتعوذوا باللہ من الشیطن الرجیم، فإنہ رآی شیطاناً. متفق علیہ."
(مشکوٰۃ المصابیح، باب الدعوات فی الأوقات، ص: ۲۱۳، قدیمی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إلا من خطف الخطفۃ فأتبعہ شہاب ثاقب﴾ (سورۃ الصافات: ۱۰)

قال العلامة الألوسی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ تعالیٰ: ﴿يجد له شہاباً رصداً﴾: أي يجد شہاباً راصداً له، ولأجلہ یصدہ عن الاستماع بالرجم، فـ "رصداً" صفة "شہاباً"..... قيل: یجدہ ذوی شہاب راصدين بالرجم، وهم الملائکۃ علیہم السلام، الذین یرجمونہم بالشہب ویمنعونہم من الاستماع. (روح المعانی، (سورۃ الجن: ۹): ۸۷/۲۹، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(۳) "عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ تعالیٰ وسلم قال: "إذا سمعتہم صیاح الديکۃ =

ہمزاد کیا ہے؟

سوال [۹۵۸۷]: کیا یہ صحیح ہے کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو ایک شیطان پیدا ہوتا ہے جس کو ”ہمزاد“ کہتے ہیں، واقع میں شیطان پیدا ہوتا ہے، یا صرف لوگوں کی کہاوت ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

حدیث پاک میں موجود ہے، ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان پیدا ہوتا ہے (۱)، عوام اس کو ”ہمزاد“

= فسئلوا الله من فضله، فإنها رأت ملكاً. وإذا سمعتم نهيق الحمار، فتعوذوا بالله من الشيطان، فإنها رأت شيطاناً. (صحيح البخارى، كتاب بدء الخلق، باب خير مال المسلم غنم يتبع بها شعف الجبال : ۴۶۶/۱، قديمى)

(والصحيح لمسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب استحباب الدعاء عند صياح الديك : ۳۵۱/۲، قديمى)

قال العلامة الحافظ ابن حجر العسقلانى رحمه الله تعالى: ”قوله: ”إنها رأت ملكاً“ بفتح اللام، قال عياض: كان السبب فيه رجاء تأمين الملائكة على دُعائه واستغفارهم له، وشهادتهم له بالإخلاص، ويؤخذ منه استحباب الدعاء عند حضور الصالحين تبركاً بهم. وصح ابن حبان. وأخرجه أبو داود وأحمد من حديث زيد بن خالد رفعه: ”لاتسبوا الديك، فإنه يدعو إلى الصلوة“. وعند البزار من هذا الوجه سبب قوله صلى الله تعالى عليه وسلم ذلك وأن ديك صرخ فلعه رجل، فقال ذلك. قال الحلیمى: يؤخذ منه أن كل من استفيد من الخير، لا ينبغي أن يسب ولا أن يستهان به، بل يكرم ويحسن إليه. قال: وليس معنى قوله: ”فإنه يدعو إلى الصلوة“. أن يقول بصوته حقيقة: صلوا، أو حانت الصلوة، بل معناه أن العادة جرت بأنه يصرخ عند طلوع الفجر، وعند الزوال فطرة فطره الله عليها. (فتح البارى شرح صحيح البخارى، كتاب بدء الخلق، باب خير مال المسلم غنم يتبع بها شعف الجبال : ۴۳۲/۶، ۴۳۵، قديمى)

(۱) ”عن عبد الله بن مسعود رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى وسلم: ”ما منكم من أحد إلا وقد وكل الله به قرينه من الجن“. قالوا: وإياك يا رسول الله؟! قال: ”وإياى، إلا أن الله أعاننى عليه فأسلم، فلا يأمرنى إلا بخير“. (الصحيح لمسلم، كتاب صفة المنافقين وأحكامهم، باب تحريش الشيطان وبعثه سراياه : ۳۷۶/۲، قديمى)

کہتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

طویل العمر جن صحابی کا ظہور

سوال [۹۵۸۸]: ذیل میں درج کردہ بعنوان ”حدیث ظہور صحابی“ (جو فوٹو اسٹیٹ کاپی ہے) کو بنیاد بنا کر مولوی محمد حنیف اسلم قاضی کے شمارے میں اس کی پرزور اشاعت کی، اس شمارے کا نام روحانی عالم مظفر نگر تھا جو ماہ جنوری و فروری ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا تھا جس سے عوام میں انتشار ہوا۔ اور مستفتی نے مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث اور حضرت مولانا مظفر حسین صاحب مفتی مظاہر علوم سہارنپور سے مراجعت کی اور ان دونوں حضرات کے جوابات کے ساتھ دارالافتادہ دارالعلوم دیوبند سے رجوع کیا۔

حدیث ظہور صحابی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عن أمير المؤمنين خليفة المسلمين سلطان الأجنة سيدنا حضرت عمر بن خيام رضى الله تعالى عنه، سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ”أصحابي كلهم كنجوم السماء المشرقة، وواحد منهم يعيش طويلاً، ويحمل خليفة في الناس في أواخر أربع مائة سنة وألف من الهجرة النبوية، فهو يظهر بسنتي، وتفرق أمتي على ثلاث وسبعين فرقة كلهم في النار إلا واحدة“. فقالوا: ومن ذاك يا رسول الله؟! قال: ”هو من سن بسنتي وسنة خليفتي، أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم“. أجزت الحكيم إحسان إلهي أن يروى هذا الحديث عني.

دستخط عمر بن خيام، ۱۳۹۸ھ۔



”میں مکہ کا رہنے والا ہوں، مکان میرا میدان عرفات میں تھا اور آج بھی ہے، میرے والد عمر بن احسان نے مجھے بتایا کہ میں ۵۰۰ء میں پیدا ہوا، میرے والد اپنی قوم کے سردار تھے اور بہت بڑے جادوگران کے پاس رہتے تھے، خود بھی جادو کے ماہر تھے۔ میرے والد کی عمر چھ سو سال ہوئی تھی، ۷ھ میں ۹ ذیقعدہ کو میرے والد کا انتقال ہوا۔ میں پندرہ دن کے بعد ۲۴ ذیقعدہ ۷ھ کو صبح صادق کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچا، آپ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، کچھ دیر میں نے انتظار کیا، اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہونچا اور اسلام میں داخل ہوا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہنا شروع کیا۔ جب ہجرت کی گئی، میں اور کچھ صحابی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ پہونچے، میں ہر وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا تھا۔

۷ھ نبوی سے ۱۰ھ تک جس قدر جنگ ہوئیں، میں سبھی میں حضور کے ہمراہ رہا اور مدینہ میں رات کو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سوتا تھا۔ اور اس کے بعد ۱۰ھ میں مجھے حکم ہوا کہ تم تبلیغ اسلام کے لئے اپنی قوم میں جاؤ، میں نے یہاں آکر بہت کوشش کی اور تین ماہ کے اندر پھر میرے لئے حکم ہوا کہ ہندوستان میں جاؤ، میں نے یہاں آکر بہت کوشش کی اور تین ماہ کے اندر نو سو ۹۰۰ جنات کو اسلام میں داخل کیا۔ اس کے بعد میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے مدینہ پہونچا اور نو سو جنات کی تعداد میرے ساتھ گئی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملنے کے بعد ہم سب ہی ہندوستان واپس آ گئے۔ حضور مجھ سے بہت خوش ہوئے اور ہم سب کے لئے دعاء کی، جب سے ہندوستان ہی میں رہتا ہوں۔

جب یہاں آیا تھا، یہاں کا بادشاہ عدال مسیح ابن عرفان تھا، میں نے تبلیغ کا کام جاری رکھا اور ہم نے بڑی تعداد میں جنات کو مسلمان بنا لیا۔ بہت کوشش کرنے پر میں نے ۹۳ھ میں عدال مسیح ابن عرفان کو (مسلمان) اسلام میں داخل کیا اور اس کا نام محمد قاسم رکھا

اور لقب اس کا مولائی بن عرفان رہا۔ اور میں قاضی شریعت بنادیا گیا۔ ایک مرتبہ مولوی اہل اللہ مجرم بن کر ہمارے سامنے پیش کئے گئے، میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کر دی، مولوی شاہ اہل اللہ نے مجھ سے کلام کیا کہ کیا تم صحابی رسول ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں! میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا کرتا تھا، ان کو پھر واپس پہونچا دیا گیا۔

۱۲۴۱ھ میں شاہ محمد قاسم بن عرفان ہم سے رخصت ہو کر عالم بقاء کو پہنچ گئے، قوم جنات نے مل کر مجھے تخت شاہی پر بٹھادیا اور اپنا بادشاہ مان لیا۔ اس کے بعد بابا فرید گنج شکر سے میں لاہور میں ملا، پھر دوسری مرتبہ دہلی میں ملا۔ مولوی محمد یوسف صاحب سے ۴۰/ مرتبہ خود ہی میں نے مل کر گفتگو کی اور تب تبلیغ کا کام ترقی پر پہونچا۔ ایک مرتبہ خود ہی مولانا زکریا صاحب سے ملنے کے لئے بشکل انسان بن کر گیا، مگر ان سے گفتگو نہ کر سکا۔ اس کے بعد ۱۳۸۹ھ میں حکیم احسان الہی میرے پاس آپہونچے اور بالمشافہ مجھ سے گفتگو کی، تب سے آج تک ہر ماہ چار پانچ مرتبہ میں خود حکیم احسان الہی کو اپنے پاس بلاتا ہوں۔ اور ۹۷ھ میں میں نے حکیم احسان الہی کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ انسانوں کی بیعت کے لئے، ابھی تک کوئی دنیا کا انسان اس طرح سے میرے پاس نہیں آیا۔ اب امت محمدیہ پر ظاہر ہونے کی اجازت دے دی ہے اور ساتھ ہی مولوی محمد حنیف کو بھی لگا دیا ہے تاکہ دونوں مل کر دین کی خدمت کر سکیں۔ میں دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو دین کی خدمت کے لئے قبول فرمانے کی توفیق عطا فرمائے۔“ عمر ابن خیام۔

ذیل کی معروضات کا جواب مرحمت فرمائیں:

کیا یہ مضمون صحیح اور صادق ہو سکتا ہے، اس کی صداقت اور اہل مضمون کی صداقت میں کوئی شبہ تو نہیں، ہے یعنی یہ صاحب جو قوم جن میں سے ہیں اور اب تک حیات ہیں اور صحابی ہونے کے دعویدار ہیں۔ سب کچھ صادق ہو سکتا ہے یا کہ حکیم احسان الہی اور مولوی محمد حنیف کی جعل سازی اور دوکانداری کا چکر ہے، کیونکہ یہ لوگ عملیات اور تعویذ گنڈے کرتے ہیں؟ اور معلوم ہوا کہ یہ مضمون صحابی جن کی طرف سے اپنے ماہنامہ رسالہ میں

اشاعت کے لئے دیا گیا ہے۔

نیز معلوم ہوا کہ کسی تبلیغی آدمی نے ہمارے حضرت شیخ سے ان صحابی جن سے ملاقات کے متعلق دریافت کیا تھا تو آپ نے اجازت دی تھی، لیکن ان صحابی نے ملاقات سے منع کر دیا ہے، یہاں بھی کچھ لوگ حکیم احسان الہی سے متعلق ہیں، ان کے ذریعہ سے ان صحابی سے کچھ دینی و دنیوی امور کے متعلق معلومات کرتے رہتے ہیں، ان کے تحریری جواب آئے ہیں۔ بعض تحریرات پر ان کے نام پر ”امیر المؤمنین“ کا لفظ بھی تھا، اس پر میں نے اعتراض کیا۔ کہ ”امیر الجنات“ کہنا چاہیے، اس کے بعد سے ”امیر المؤمنین“ کا لفظ ختم کر دیا ہے۔

اب بات دریافت کرنی ہے کہ اگر ان سے بشکل انسانی کوئی آدمی ملاقات کرے تو وہ تابعین میں داخل ہوگا یا نہیں؟ اور ان سے دینی فیض بذریعہ بیعت وغیرہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور خیر القرون میں باہم جنات و انسان میں اس طرح بیعت اور رشد و ہدایت اور فیض رسانی کا سلسلہ قائم ہوا ہے یا نہیں اور اب ہو سکتا ہے یا نہیں؟

شافی و کافی رائے عالی کے ذریعہ تسلی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

- ۱۔ اس میں شک نہیں کہ بعض جنات نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قرآن کریم پڑھنے کو سنا اور ایمان لائے، جیسا کہ سورہ جن میں مذکور ہے (۱)۔
- ۲۔ یہ بھی صحیح ہے کہ عموماً جنات کی عمر طویل ہوتی ہے، جیسا کہ آکام المرجان فی احکام الجن میں ہے (۲)۔

- ۳۔ یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متعدد مرتبہ تبلیغ احکام کے لئے جنات میں تشریف لے گئے، جیسا کہ بذل المجہود میں مذکور ہے (۳)۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلْ أَوْحَىٰ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ، فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قِرَاءَ نَا عَجَبًا، يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ، وَلَنُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا﴾ (سورة الجن: ۲، ۱)

(۲) لم أجد

(۳) ”عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قال له ليلة الجن: =

۴- یہ بھی ثابت ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر واپسی میں ایک جگہ سانپ کی شکل میں ایک جن خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا جو حق ضیافت ادا کرنا چاہتا تھا، جیسا کہ کتاب المغازی میں ہے (۱)۔ ان مثبت امور کے ساتھ کچھ منفی امور بھی قابل لحاظ ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ نے کسی جن کو نبی یا نذیر بنا کر انسانوں کی ہدایت کے لئے نہیں بھیجا (۲)۔

= ”ما فی إداوتک“؟ قال: نبیذ، قال: ”تمرّة طيبة وماء طهور“۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الطہارہ، باب الوضوء بالنبیذ: ۱/۱۳، مکتبہ إمدادیہ ملتان)

قال العلامة خلیل أحمد السہارنفوری رحمہ اللہ تعالیٰ: ”أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لہ: ”أی لعبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”لیلة الجن“: ”أی لیلة ذهب الجن بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إلی قومہم لیتعلموا منه الدین وکان معہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وفی رواۃ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، الخ“۔ (بذل المجہود فی حل أبی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء بالنبیذ: ۱/۵۵، مکتبہ إمدادیہ ملتان)

(ومرقاة المفاتیح، کتاب الطہارۃ، باب أحکام المیاء، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۸۰):
۲/۱۸۱، رشیدیہ)

(۱) ”وروی ابن العربی بسندہ إلی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: بینا أما مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یمشی إذ جاء ت حیة، فقامت إلی جنبہ، فأدنت فاہا من أذنه، وکأنہا تناجیہ أو نحو هذا، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”نعم“۔ فانصرفت، الخ“۔ (آکام المرجان فی غرائب الأخبار وأحکام الجن، الباب الحادی عشر فی بیان أن الجن یأکلون ویشربون، فصل فی تأویل أحادیث واردة فی هذا الباب، ص: ۳۰، مکتبہ خیر کثیر کراچی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومہ لیبین لہم، فیضل اللہ من یشاء ویہدی من یشاء، وهو العزیز الحکیم﴾ (سورة إبراهيم: ۴)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿والی ثمود أخاہم صلحاً، قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من إله غیرہ﴾ (سورة ہود: ۶۱)

”الجمہور علی أنه لم یکن من الجن نبی..... قال البغوی فی تفسیر الأحقاف: وفیہ دلیل علی أنه علیہ السلام کان مبعوثاً إلی الإنس والجن جمیعاً. قال مقاتل رحمہ اللہ تعالیٰ: لم یبعث قبلہ نبی =

۲- حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی جن کو عہدہ امامت سپرد نہیں کیا، جیسا کہ سفر میں تشریف لے جاتے وقت اپنی جگہ کسی کو امام مقرر کر کے جانے کا معمول تھا (۱)۔

۳- کسی جہاد میں کسی جن کو امیر بنا کر نہیں بھیجا جیسا کہ صحابہ میں سے کسی کو امیر بنا کر بھیجنے کا معمول تھا (۲)۔

۴- کسی جن کو کسی بستی میں حاکم اور قاضی بنا کر نہیں بھیجا، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا ہے (۳)۔

= إلى الإنسن والجن“. (الأشباه والنظائر، أحكام الجن، ص: ۳۲۳، قديمی)

(۱) ”عن مصعب بن سعد عن أبيه رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم خرج إلى تبوك، فاستخلف عليًا، قال: أتخلفني في الصبيان والنساء؟ قال: ”ألا ترضى أن تكون مني بمنزلة هارون من موسى إلا أنه ليس نبي بعدي“ (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة تبوك وهي غزوة العسرة: ۲/۶۳۳، قديمی)

(۲) ”قال: حدثنا سفيان، قال: الذي حفظناه من عمرو بن دينار قال: سمعت جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما، يقول: بعثنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ثلث مائة راكب أميرنا أبو عبيدة بن الجراح رضي الله تعالى عنه نرصد غير قريش، فأقمنا بالساحل نصف شهر، فأصابنا جوع شديد حتى أكلنا الخبط، فسمي ذلك الجيش جيش الخبط، الخ“ (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة سيف البحر وهم يتلقون غيراً لقريش وأميرهم أبو عبيدة: ۲/۶۲۵، قديمی)

”عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بعث بعثاً وأمر عليهم أسامة بن زيد، فطعن الناس في إمارته، فقام رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فقال: ”إن تطعنوا في إمارته، فقد كنتم تطعنون في إمارة أبيه من قبل، وأيم الله! إن كان لخليقاً للإمارة، وإن كان لمن أحب الناس إلي، وإن هذا لمن أحب الناس إلي بعده“ (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب بعث النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أسامة بن زيد رضي الله تعالى عنهما في مرضه الذي توفي فيه: ۲/۶۳۱، ۶۳۲، قديمی)

(۳) ”عن معاذ بن جبل رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لما بعثه إلى اليمن قال: ”كيف تقضى إذا عرض لك قضاء؟“ قال: أقضى بكتاب الله، قال: ”فإن لم تجد في كتاب الله؟“ قال: =

۵۔ کسی جن کو قاضی بنا کر بھی کوئی تبلیغی دعوت نامہ دے کر نہیں بھیجا، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

کو بھیجا (۱)۔

غرض جنات کی کوئی ولایت، امامت، حکومت انسانوں پر ثابت نہیں فرمائی، بلکہ اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے جنات کی قیادت سے آزاد رکھا ہے، یہاں تک کہ انسان عورت کا نکاح قوم جن کے مرد سے جائز نہیں قرار دیا گیا، جیسا کہ کتب فقہ شامی وغیرہ میں مذکور ہے (۲)۔ شوہر کی بیوی پر ولایت ہوتی ہے:

= فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قال: "فإن لم تجد فی سنة رسول اللہ"؟ قال: أجتهد رأی، ولا آلو، قال: فضرب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی صدره، وقال: "الحمد لله الذی وفق رسول اللہ لما یرضی به رسول اللہ". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإمارة والقضاء، باب العمل فی القضاء والخوف منه، الفصل الثانی، ص: ۳۲۴، قدیمی)

"عن أبی بردۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: بعث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أبی موسیٰ ومعاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما إلی الیمن، قال: بعث کل واحد منهما علی مخالاف، قال: والیمن مخالافان، ثم قال: "یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا". فانطلق کل واحد منهما إلی عمله، الخ". (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب بعث أبی موسیٰ ومعاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما إلی الیمن قبل حجة الوداع: ۶۲۲/۲ قدیمی)

(۱) "أن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، أخبرہ أن أبی سفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أخبرہ أن ہرقل أرسل إلیہ فی ركب من قریش، وكانوا تجاراً بالشام فی المدة التي كان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مآذ فیہا أبی سفیان وکفار قریش، فأتوه وهم بإیلیاء، فدعاهم فی مجلسه ثم دعا بکتاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الذی بعث به مع دحیة الکلبی إلی عظیم بصری، فدفعه عظیم بصری إلی ہرقل، فقرأه، فإذا فیہ: "بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسوله إلی ہرقل عظیم الروم، سلام علی من اتبع الهدی الخ". (صحیح البخاری، باب کیف کان بدؤ الوحی إلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقول اللہ عز وجل: ﴿إنا أوحینا إلیک کما أوحینا إلی نوح والنبین من بعده﴾: ۴/۱، ۵، قدیمی)

(۲) قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: "وبقی من المحرمات الخشی المشکل لجواز ذکورتہ والجنیۃ وإنسان الماء لاختلاف الجنس وقد نظمت السبعة مع الخمسة المزیدة بقولی: =

﴿الرجال قوامون على النساء﴾ (۱)۔

واقعہ مسئلہ میں جس روایت کو ظہور صحابی کے نام سے درج کیا گیا ہے اس کے سیاق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ: چودھویں صدی کے اخیر میں طویل العمر جن صحابی کا ظہور ہوگا اور امت کے ۷۳/ فرقے ہوں گے، ایک فرقہ جو اس طویل العمر کی اطاعت کرے گا، صرف وہی نجات پائے گا، باقی ۷۲/ فرقے جو اس کی اطاعت نہیں کریں گے اگرچہ وہ قرآن کریم اور سند سے صحیح ثابت شدہ احادیث پر عمل کریں گے وہ سب جہنم میں جائیں گے۔ حالانکہ ۷۳/ فرقوں کی تفصیل اکابر اسلاف کی کتابوں میں صدیوں پہلے سے مذکور ہے، جیسا کہ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں تفصیلاً تحریر فرمایا ہے (۲)۔ مولانا محمد یونس

أنواع تحريم النكاح سبع	قراۃ ملک رضاع جمع
كذلك شرک نسبة المصاهرة	وأمة عن حرة مؤخرۃ
وزيد خمسة أتنك بالبيان	تطليقة لها ثلاثاً واللعان
تعلق بحق غير من نكاح	أو عدة خنوثة بلا اتضاح
واخر الكل اختلاف الجنس	كالجن والمائي لنوع الإنس

(رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۲۸/۳، سعید)

”ونهى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن نكاح الجن، وقول الفقهاء: لا تجوز المناكحة بين الإنس والجن وكرهية من كرهه عن التابعين دليل على إمكانهم؛ لأن غير الممكن لا يحكم عليه بجواز ولا بدمه في الشرع“۔ (آكام المرجان فی غرائب الأخبار وأحكام الجن، الباب الموفی ثلاثین فی باین مناكحة الجن، ص: ۶۶، مكتبه خير كثير، كراچی)

(۱) (سورة النساء: ۳۴)

(۲) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: افترقت اليهود على إحدى أو ثنتين وسبعين فرقة، وتفرقت النصارى على إحدى أو ثنتين وسبعين فرقة، وتفرقت أمتي على ثلاث وسبعين فرقة“۔

”عن معاوية بن سفيان رضي الله تعالى عنهما أنه قام، فقال: ألا إن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قام فينا، فقال: ألا إن من قبلكم من أهل الكتاب افترقوا على ثنتين وسبعين ملة، وإن هذه الملة ستفرق على ثلاث وسبعين، ثنتان وسبعون في النار، وواحد في الجنة، وهي الجماعة“۔ زاد ابن =

صاحب دامت فیوضہم شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے خوب وضاحت سے کلام کیا ہے۔

مزید برآں غور طلب یہ بات تھی کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلیفہ وقت کی درخواست پر اپنی کتاب موطاء تصنیف فرمائی جس پر خلیفہ نے چاہا کہ اس کتاب کو بیت اللہ میں آویزاں کیا جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ تمام لوگ اس کے موافق عمل کریں تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر شدید انکار کیا اور فرمایا کہ: صحابہ کرام مختلف اطراف میں احادیث کو لے کر گئے ہیں، جو حدیث جس کے پاس مستند ذرائع سے پہونچی ہے وہ تو اس پر ہی عمل کرے گا، سب کو موطاء پر عمل کرنے کے لئے مجبور کرنے کا حق نہیں ہے (۱)۔

اس کے برخلاف واقعہ مسئلہ میں صرف ایک شخص کی اتباع پر نجات کو منحصر کر دیا گیا ہے اور وہ بھی ایسا کہ سب کی نظروں سے غائب، اس کو صرف ایک شخص اس کا خلیفہ دیکھتا ہے، بات کرتا ہے۔ تو یہ درحقیقت اس طویل العمر جن کی اتباع کی دعوت نہیں، بلکہ اس خلیفہ کے لئے مسلمانوں کی گردن کو جھکانا ہے، حالانکہ اس خلیفہ کو شرعاً کسی جن سے کسی حدیث کا روایت کرنا بھی جائز نہیں ہے:

= یحییٰ وعمر و فی حدیثہما وأنه سیخرج فی امتی أقوام تجاری بہم تلک الأھواء کما یتجاری الکلب لصاحبہ۔ (سنن أبی داؤد، کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ: ۲/۲۸۳، مکتبہ إمدادیہ ملتان)

”عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”لیأتین علی امتی ما أتى بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتیٰ إن کان منہم من أتى أمہ علانیۃ، لکان فی امتی من یصنع ذلک، وإن بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملۃ، وتفرق امتی علی ثلاث وسبعین ملۃ کلہم فی النار إلا ملۃ واحداۃ۔“ قالوا: ومن ہی یا رسول اللہ؟ قال: ”ما أنا علیہ وأصحابی۔“

(جامع الترمذی، کتاب الإیمان، باب ماجاء فی افتراق هذه الأمة: ۲/۹۳، سعید)

(وسنن ابن ماجہ، أبواب الفتن، باب افتراق الأمم، ص: ۲۸۷، قدیمی)

(ومشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثانی، ص: ۳۰، قدیمی)

(۱) ”قال أبو نعیم فی الحیلة عن مالک: قال: شاورنی ہارون الرشید فی أن یعلق الموطأ علی الکعبۃ

ویحمل الناس علی مافیہ، فقلت: لا تفعل، فإن أصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اختلفوا فی

الفروع وتفرقوا فی البلدان وکل مصیب۔“ (مقدمة أو جز المسالک، الباب الثانی فی الکتاب، الفصل

الثانی فی المؤلف، وفیہ فوائد: ۱/۹۱، مکتبہ إمدادیہ ملتان)

”ومنها قبول رواية الجنی ذکره صاحب اکام المرجان، وذكر السيوطی أنه لا شك فی جواز روايتهم عن الإنس ما سمعوه، سواء علم الإنسی بهم أولا. وإذا أجاز الشيخ من حضر دخل الجن كما فی نظيره من الإنس. أما رواية الإنس عنهم فالظاهر منعها، لعدم حصول الثقة بعد التهم“. الأشباه والنظائر (۱)۔

یعنی جنات کو تو انسانوں سے حدیث روایت کرنے کا حق ہے، مگر انسان کو جنات سے روایت کرنا ممنوع ہے، کیونکہ جنات کے عادل ہونے پر اعتماد حاصل ہونے کی کوئی صورت نہیں، وہ مختلف صورتیں بھی بنا سکتے ہیں اور اپنے نام بھی مختلف بتا سکتے ہیں۔ مجھے خود بھی واسطہ پڑا ہے، ایک جن نے اپنا نام بتایا حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، ایک جن نے کہا کہ ہم ختم المرسلین ہیں۔

علاوہ ازیں دستخط اور مہر میں ”سلطان الأجنة“ لکھا ہے، حالانکہ ”أجنة“ تو ”جنین“ کی جمع ہے ”جن“ کی جمع نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِذْ أَنْتُمْ أَجْنَةُ فِی بَطْنِ أُمِّهِاتِكُمْ﴾ (۲)۔ اور جنین اس بچہ کو کہتے ہیں جو ماں کے پیٹ میں ہو، ابھی پیدا نہ ہوا ہو۔

اگر کوئی شخص ان طویل العمر جن سے ملاقات کرنا چاہے، یا ان سے تعویذ یا حدیث کی سند لینا چاہے تو اس کو زخما دیکھ کر ہی حیرت ہوگی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو بہت بلند مرتبہ تھے، زہد و قناعت کا مجسمہ تھے، ان کے اتباع کرنے والے بھی اس طرز سے ہمیشہ دور اور متفرق رہے۔ بعض اکابر سے کسی حدیث کا کسی جن سے نقل کرنا بعض کتب میں مذکور ہے، مگر وہ بطورِ عجوبہ اور غریبہ اور نادرہ ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسالہ ”النوادر“ میں نقل فرمایا ہے (۳)، اسی وجہ سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس

(۱) (الأشباه والنظائر فی الفقہ الحنفی، الفن الثالث: الجمع والفرق، أحكام الجن، ص: ۳۲۲، قدیمی)

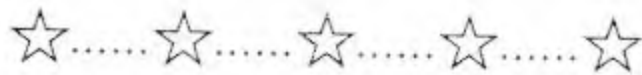
(۲) (سورة النجم: ۲۲)

(۳) ”ووقعت قصة كذلك لأخی المؤلف الشاہ اهل اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ كما ذكره صاحب تذكرة الرشید فی هامش كتابه (۱/۱۰۱) وهي أن الشاہ اهل اللہ كان يتلو القرآن فی المسجد فإذا بحیة صغيرة، فقتلها، فجاء رجلان وقالوا: إن الملك يطلبک (وظن الشيخ أنه يطلبه ملك الإنس وكانت دولة الغول تحکم علی الهند حينئذ) فقام الشيخ معهما وذهباه إلى البرية، والشيخ يسير معهما وهو =

رسالہ کا نام ہی ”النوادر“ رکھا ہے۔ اس پر کسی عقیدہ یا عمل کی بنیاد رکھنا مقصود نہیں ہے چہ جائیکہ نجات ہی اس پر منحصر کر دی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

امامہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب لاریب فیہ، سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۹۹ھ۔



= یحسب أن ملك الإنس خرج إلى الاصطياد وطلبه من الصحراء، ولم يزل يمشى معهما حتى رآى باباً فى الأرض، فدخل فيه فإذا هناك ملك الجن يحكم فى المخاصمات، فسلم الشيخ وجلس فى ناحية المجلس، فلما فرغ الملك من القضايا، طلب الشيخ وبرز المدعى قائلاً: إن هذا قتل ابنى، وأطلب القود منه. قال الشاه أهل الله: إنى لم أقتل أحداً، ثم بان أن المراد بقتل ولده هو ماقتله فى صورة الحية، فأقر الشيخ بقتله، وكاد أن يقتل قصاصاً بأمر الملك، لكن ظهر هناك فى ذلك الجن صحابى جنى وقرأ حديث: ”من قتل فى غير زيه فدمه هدر“ فأبطل الملك دمه مما سمع من حديث النبى صلى الله تعالى عليه وسلم وأبلغوا الشاه أهل الله مأمته“.

وطلب حكيم الأمة التهانوى قدس سره إجازة هذا الحديث من القطب الكنكوهى قدس سره، فكتب له الإجازة، وذكر سنده هكذا: حدثنى شيخى الشاه أحمد سعيد المجددى قال: حدثنى أبى الشاه أبو سعيد المجددى، قال: حدثنى شيخ الشيوخ الشاه عبدالعزيز الدهلوى، قال: حدثنى عمى الشاه أهل الله الدهلوى، عن القاضى الجنى المعمر، قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ”من قتل فى غير زيه فدمه هدر“. (الرسائل الثلاث الفضل المبين فى المسلسل من حديث النبى الأمين صلى الله تعالى عليه وسلم. النوادر من أحاديث سيد الأوائل والأواخر صلى الله تعالى عليه وسلم، ذكر مسند الجن، ص: ۷۹، ۸۰، المكتبة الحيوية، بهار نفور الهند)

باب مایتعلق بالسحر والعوذۃ

الفصل الأول فی السحر

(سحر کا بیان)

سحر کا حکم

سوال [۹۵۸۹]: ۱..... کیا مسلمان کو جادو کرنا جائز ہے، اور جو جادو کا عمل کرتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟
۲..... کسی شخص کی چوری ہونے کی وجہ سے اگر کسی قسم کا عملی جادو ہو یا قرآن پاک سے ہوا اپنی چیز کے
ملنے کے لئے کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... سحر کرنا کبیرہ گناہ ہے، کذا فی شرح الفقہ الکبیر (۱)۔
۲..... آیات قرآنی پڑھ کر دعا کرنا یا دوسرے سے کرانا کہ یا اللہ میری چیز مل جائے، درست ہے۔
حدیث شریف میں بھی دعا ثابت ہے۔ لیکن سحر کرنا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”الکاهن: الساحر، والمنجم إذا ادّعى العلم بالحوادث الآتية، فهو مثل الكاهن وما يعطى هؤلاء حرام بالإجماع، كما نقله البغوی والقاضی عیاض وغيرهما“۔ (شرح الفقہ الکبیر، ص: ۱۴۹، قدیمی)

(۲) ”فی الفتح: السحر الحرام بلا خلاف بین أهل العلم“۔ (رد المحتار، مطلب فی الساحر والزندق: ۲۴۰/۴، سعید)

(ومعارف القرآن: ۲۷۹/۱، إدارة المعارف کراچی)

سحر کا اثر اور ساحر کا حکم

سوال [۹۵۹۰]: زید وجع المفاصل کی بیماری میں چار ماہ سے بیمار رہا، علاج کرتا رہا مگر بے سود۔ بعض لوگوں نے خیال کیا کہ کسی نے جادو کیا ہے، مکان کی تلاشی لی گئی اور کچھ تعویذ نکل آئے جس کے بعد مریض کوفاقہ ہوا۔ ایک صاحب نے اپنے عمل (جادو) سے رکھنے والے کو معلوم کیا جو اس گھر کی رہنے والی ہندہ ہے، مگر وہ اس فعل سے انکار کر رہی ہے۔ مریض اس کے بعد بھی سخت بیمار رہا۔

۱..... کیا جادو کے ذریعہ بیمار ہونا شرعاً درست ہے؟

۲..... بغیر دیکھے تعویذ رکھنے والے کو معلوم کرنا ممکن ہے؟

۳..... اگر جواب اثبات میں ہو تو تعویذ رکھنے والے کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

۴..... اور نفی کی صورت میں اس قسم کے اعتقاد رکھنے والے کیسے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... شرعاً یہ محال نہیں، بلکہ ممکن ہے (۱)۔

۲..... عملیات کے ذریعہ یہ بھی ممکن ہے، لیکن بغیر حجت شرعیہ کے شرعاً مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

۳..... جب تک وہ عورت اقرار نہ کرے یا شرعی شہادت سے ثبوت حاصل نہ ہو، اس کو سزا دینا

درست نہیں۔

۴..... جو لوگ سحر (جادو) کے منکر ہیں ان کا یہ انکار اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے:

(۱) راجع: (معارف القرآن، سحر کی حقیقت: ۱/۲۷۷، إدارة المعارف کراچی)

”إنه قد يؤثر في موت المسحور ومرضه من غير وصول شيء ظاهر إليه“۔ (شرح الفقه الأكبر،

ص: ۱۵۰، قدیمی)

”السحر حق عندنا وجوده وتصوره وأثره“۔ (رد المحتار، مطلب فی التنجیم والرمل:

۱/۴۴، سعید)

”قال المحقق في الفتح: قال أصحابنا: للسحر حقيقة وتأثير في الأجسام، خلافاً لمن منع

ذلك“۔ (إعلاء السنن، کتاب السیر، حکم السحر وحقیقة: ۱۲/۶۰۰، إدارة القرآن کراچی)

”اختلفوا: أله (أى للسحر) تأثير فقط بحيث يغير المزاج، فيكون نوعاً من الأمراض، أو ينتهى إلى الحالة بحيث يصير الجساد حيواناً مثلاً وعكسه؟ فالذى عليه الجمهور هو الأول، وذهبت طائفة قليلة إلى الثانى والحق أن لبعض أصناف السحر تأثيراً فى القلوب كالحب والبغض وإلقاء الخير والشر، وفى الأبدان بالألم والسقم اه“. فتح الباری: ۱۰/۱۸۸ (۱)۔

”والسحر فى نفسه حق أمر كائن، إلا أنه لا يصلح إلا للشر والضرر بالخلق، والوسيلة إلى الشر شرفيصير مذموماً، اه“ (۲)۔ ”قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى: الساحر إذا أقر بسحره أو ثبت بالبينة، يقتل ولا يستتاب منه“ الدرالمختار: ۱/۳۵۶ (۳)۔

”فلو فعل ما فيه هلاك إنسان، أو مرضه، أو تفريق بينه وبين امرأته وهو غير منكر لشيء من شرائط الإيمان، لا يكفر، لكنه يكون فاسقاً ساعياً فى الأرض بالفساد، فيقتل الساحر والساحرة؛ لأن علة القتل السعى فى الأرض بالفساد، وهذه العلة تشتمل الذكر والأنثى. وأما إذا كان سحراً هو كفر، فيقتل الساحر لا الساحرة؛ لأن علة القتل الردة والمرتد لا تقتل، كذا ذكره صاحب الإرشاد فى الإشراف“. شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۷۸ (۴)۔

لہذا صورت مسئلہ میں ہندہ کو کوئی سزا نہیں دی جاسکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جادو کرنے والے کا حکم

سوال [۹۵۹]: ہم پر ڈیڑھ سال سے کسی نے جادو کر دیا ہے، جو خصوصاً قوتِ مردانہ پر اثر انداز ہے جس کے باعث ہم بہت پریشان ہیں۔ فتویٰ اس لئے لینا چاہتے ہیں کہ عامل کو چوٹ دی جائے یا کرانے

(۱) (فتح الباری، کتاب الطب، باب السحر: ۱۰/۶۷۳، ۶۷۴، قدیمی)

(۲) (ردالمحتار، باب المرتد، مطلب فى الساحر والزندق: ۴/۲۴۱، سعید)

(۳) (ردالمحتار، باب المرتد، مطلب فى الساحر والزندق: ۴/۲۴۰، سعید)

(۴) (شرح الفقه الأكبر، السحر والعین حق، ص: ۱۴۵، قدیمی)

والے کو؟ جب کہ شرعی ثبوت موجود ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں ہی مجرم اور مستحق سزا ہیں (۱) جادو برسر جادو گر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۹۰ھ۔

دفع سحر کے لئے سحر سیکھنا

سوال [۹۵۹۲]: عمر نے سحر اور سفلیات کے ذریعہ زید کی جان اور مال کو ہلاکت اور مصیبت میں ڈال رکھا ہے، ایسی صورت میں زید اپنی جان و مال کی حفاظت میں سیکھ کر مدافعت کرے یا کوئی دوسرا شخص سحر کے ذریعہ مدافعت کرے، مدافعت کے لئے سحر سیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس سحر میں ایسا کوئی عمل یا اعتقاد اختیار کرنا ہوتا ہے جس سے ایمان باقی نہیں رہتا، اس کا سیکھنا اور کرنا یا دوسرے سے کرانا کچھ بھی جائز نہیں:

”قال الشيخ أبو منصور الماتريدي: القول بأن السحر كفر على الإطلاق خطأ، بل يجب المبحث عنه، فإن كان في ذلك رد ما لزمه في شرط الإيمان فهو كفر، وإلا فلا، فلو فعل مافيه هلاك إنسان أو مرضه أو تفريق بينه وبين امرأته، وهو غير منكر لشي من شرائط الإيمان، لا يكفر، لكنه يكون فاسقاً ساعياً في الأرض بالفساد، اه“۔ شرح فقہ اکبر، ص: ۱۷۸ (۲)۔

(۱) قال العلامة علاؤ الدين الطرابلسي: ”قال في النوازل: الخناق والساحر يقتلان إذا أقرّا؛ لأنهما ساعيان في الأرض بالفساد“۔ (معين الحکام، الباب الحادی والخمسون في القضاء بما يظهر من قرائن الأحوال والأمارات وحكم الفراسة.....، فصل في عقوبة الساحر والخناق الزنديق، ص: ۱۹۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

”قال أبو حنيفة: الساحر إذا أقرّ بسحره أو ثبت بالبينة، يقتل ولا يستتاب منه“۔ (رد المحتار،

مطلب في الساحر والزنديق، باب المرتد: ۲/۲۴۰، سعيد)

(۲) (شرح الفقہ الأكبر، السحر والعين حق، ص: ۱۴۵، قديمی) =

”یکفر السّاحر بتعلّمه وفعله، اعتقد تحریمه أو لا، اه“۔ درمختار (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۹۵ھ۔

دفع سحر کے لئے سحر کرنا

سوال [۹۵۹۳]: ہمارے علاقہ گجرات میں آج کل سحر کا بڑا زور ہے، ذرا سا اختلاف یا دشمنی ہوئی کہ فریق مخالف نے جان لینے یا پریشان کرنے کے لئے غیر مسلم ساحروں سے سحر کروایا جاتا ہے، اس کے دفعیہ کے لئے تعویذات و عملیات سب کچھ کیا گیا، مگر فائدہ نہیں ہوا، البتہ تخفیف ہو جاتی ہے۔ عاملوں کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ سفلی اور ناپاک علم ہوتا ہے، اس لئے اس کا مکمل دفعیہ بھی اسی طرح سفلی اور ناپاک عملوں سے ہی ہو سکتا ہے۔ چند مشرک عالم بھی تعلق کی وجہ سے عمل کرنے کے لئے تیار ہیں، مگر شریعت کا احترام اور گناہ کے ڈر کی وجہ سے نہ تو آج تک خود کیا اور نہ کسی کو اجازت دی۔ اب تک بہت سے لوگ پریشان ہو چکے ہیں اور متعدد اموات بھی ہو چکی ہیں۔

تو کیا ایسی صورت حال میں غیر مسلموں سے مشرکوں سے سحر ٹوٹکا وغیرہ تمام پلید چیزوں کے رد کے لئے کروانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں ہمیں کچھ کھانا پینا، باندھنا، پڑھنا ہوتا ہے۔ وہ اپنے عمل کے ذریعے خود دفع کرتا ہو، یا ان میں سے کوئی بات کرنی ہوتی ہو تو کیا ان میں کوئی فرق ہوگا، یا دونوں صورتیں مساوی ہوں گی؟

مولانا ابراہیم صاحب، مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل، سورت، گجرات۔

= (۹) کذا فی مرقاة المفاتیح، کتاب الدیات، باب قتل اهل الردة والسعاة: ۷/۱۱۷، رشیدیہ

(۱) (ردالمحتار، مطلب فی الساحر والزندق: ۲۴۰/۳، سعید)

”وأما تعلیمه وتعلّمه، ففيه ثلاثة أوجه: الصحيح الذي قطع به الجمهور أنهما حرامان“۔ (مرقاة

المفاتیح، کتاب الدیات، باب قتل اهل الردة والسعاة: ۷/۱۱۷، رشیدیہ)

”تعلّمه وتعلیمه حرام“۔ (ردالمحتار، مطلب فی التنجیم والبرمل: ۴۴/۱، سعید)

(ومعارف القرآن: ۲۷۹/۱، إدارة المعارف کراچی)

(و کذا فی إعلاء السنن، کتاب السیر، باب حد الساحر ضربة بالسيف وكذا فی سب الله أو الرسول أو

واحدا من الانبياء، حکم السحر و حقیقتہ: ۵۹۹/۱۲،)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس ضرورت کی حالت میں اس سے علاج کرنا درست ہے (۱)، مگر اس طرح کہ جو کچھ کرنا ہو وہ خود کرے، کھانا، پینا، باندھنا، پڑھنا کوئی کام مسحور کو نہ کرنا پڑے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۲ھ۔

دفع سحر کی ترکیب

سوال [۹۵۹۴]: زید کی شادی ہندہ سے ہوئی، مگر ہندہ کے گھر والوں نے زید پر جادو کر دیا جس سے اپنے والدین سے بالکل بیزار ہو گیا، بہت عمل کیا مگر افاقہ نہیں ہوا۔ اب یہ بتلایا گیا کہ شیطانی عمل ہی سے دور ہوگا۔ تو اگر ایسا عمل (جادو) کرایا جائے تو گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کہنا کہ ”عمل شیطانی ہی سے علاج ہوتا ہے“ یہ صحیح نہیں ہے، دفع سحر جائز اعمال سے بھی ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دفع سحر کے لئے معوذتین نازل ہوئی تھیں (۲)، مثلاً: اگر سحر کئے کو چالیس روز تک سورۃ فاتحہ مع بسم اللہ الرحمن الرحیم چینی کے برتن پر زعفران کے پانی سے لکھ کر دھو کر پلایا جائے نہار منہ تو پاؤں نہ تعالیٰ شفا ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں موجود ہے کہ سورۃ

(۱) ”وفی دخیرۃ الناظر: تعلمہ فرض لرد ساحر اهل الحرب، وحرام لیفرق بہ بین المرأة وزوجها،

وجائز لیوفق بینہما“۔ (رد المحتار، مطلب فی التنجیم والرمل: ۴۴/۱، سعید)

(و کذا فی رسائل ابن عابدین، ص: ۳۰۳، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) قال القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ: ”ثبت فی الصحیحین من حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا أن النبی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سحرہ یہودی من یہود بنی زریق، یقال لہ: لبید بن الأعصم، حتی یخیل إلیہ

أنہ کان یفعل الشئ ولا یفعلہ..... فأنزل اللہ ہاتین السورتین“۔ (تفسیر القرطبی، سورۃ الفلق:

فاتحہ سورہ شفاء ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۷/۸۸ھ۔

مشرکانہ منتر سے علاج

الاستفتاء [۹۵۹۵]: زید جو کہ بے علم ہے، نماز بھی نہیں پڑھتا، دھوبی کا پیشہ کرتا ہے، ایک منتر کے ذریعہ کچھ امراض کی مثلاً اندرونی پھوڑا و کینسر کی جھاڑ پھونک کرتا ہے جس سے مریضوں کو صحت ہو جاتی ہے۔ جس منتر سے وہ جھاڑتا ہے، اس میں غیر اللہ سے اعانت لی جاتی ہے، خدا کا بالکل ذکر نہیں کرتا۔ البتہ ابتداء میں بسم اللہ وہ ضرور پڑھ لیتا ہے، مثلاً یوں کہتا ہے کہ فلاں دیوی دیوتا کے نام سے، یا ان کے حکم سے اچھا ہو جا، جل جا، پھنک جا۔ کیا اس سے علاج کرانا عام حالات میں جائز ہے یا نہیں؟

بکر کینسر کا مریض ہے اور دو مستند پابند شرع ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ اس کا علاج بے سود ہے۔ چونکہ یہ مرض معدہ اور جگر کے درمیان ہے اس لئے آپریشن یا بجلی کا علاج بھی خطرناک ہے۔ اندریں حالات ایسے مریض کو زید سے جھاڑ پھونک کرانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حاء اداً ومصلیاً:

ایسے شخص سے بذریعہ جھاڑ پھونک علاج کرانا جائز نہیں، اس میں دیوی دیوتا کو شافی اور متصرف مانا گیا ہے اور اس جھاڑنے والے کو اس دیوی دیوتا کا مقرب تسلیم کیا گیا ہے۔ ایسا عقیدہ بھی اسلام کے خلاف اور کفر ہے (۲) اور ایسے شخص سے جھاڑ پھونک کرانے میں اس عقیدہ کی تصدیق اور اس کا اعزاز ہے۔ شافی مطلق،

(۱) ”أخبرنا قبيصة، أخبرنا سفيان عن عبد الملك بن عمير قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”فاتحة الكتاب شفاء من كل داء“۔ (سنن الدارمی، باب فضل فاتحة الكتاب، (رقم الحديث: ۳۳۷۰: ۵۳۸/۲، قدیمی)

(۲) ”أجمع العلماء على جواز الرقى عند اجتماع ثلاثة شروط: أن يكون بكلام الله تعالى أو بأسمائه وصفاته وباللسان العربي أو بما يعرف معناه من غيره، وأن يعتقد أن الرقية لا تؤثر بذاتها، بل بذات الله تعالى“۔ (تكملة فتح الملہم، کتاب الطب، باب الطب والمرض والرقی: ۲۹۵/۴، مکتبہ دارالعلوم، کراچی)

حاجت روا، متصرف صرف اللہ پاک ہے، اس کے حکم کے ماتحت زندگی بھی نعمت ہے اور موت بھی راحت ہے، اس سے بغاوت کر کے زندگی بھی وبال ہے اور موت بھی عذاب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

منتر کے ذریعہ علاج کرنا

سوال [۹۵۹۶]: ہمارے یہاں بچوں کو سر اور منہ وغیرہ میں گھاؤ پھوڑا پھنسی وغیرہ ہوتا ہے تو اس کا تعویذ بنا کر دیتے ہیں اور دم بھی کرتے ہیں، مسلمان ہو کر، وہ یہ ہے: سیتاستی کو سات بیٹا پھوک پھوان، لڑیوان میل پوان، دودھ پوان، لڑیوان پوان، دھان سیتاستی، ایک لاکھ، ۳۶ اولیاء کا یہ الفاظ ہوئے۔ آپ بتائیے کہ کیا ہے، نیز یہ بھی تحریر کیجئے کہ دہائی کا کیا معنی ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دہائی پڑھنا اور اس کا دم کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

قرعہ کے ذریعے ساحر یا مجرم معلوم کرنا

سوال [۹۵۹۷]: ایک عورت بیمار ہے اور اس عورت کا علاج مختلف ڈاکٹر اور حکیموں سے کرایا گیا، لیکن کہیں بھی آرام نہیں ہوا۔ جب اس عورت کو کہیں بھی ان علاجوں سے فرق نہ پڑا تو برادری کے بڑے بڑے

(۱) = (و کذا فی فتح الباری، کتاب الطب، باب الرقی بالقرآن والمعوذات: ۱۰/۲۲۰، قدیمی)

(۱) ”وانما تکره العوذۃ اذا كانت بغير لسان العرب، ولا یدری ما هو، ولعله یدخله سحراً وکفرأ وغیر

ذلک. وأما ما کان من القرآن أو شیء من الدعوات، فلا بأس به“۔ (رد المحتار، کتاب الحظرو الإباحة،

فصل فی اللبس: ۲/۳۶۳، سعید)

(ومرقاة المفاتیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۵۳۵): ۸/۳۰۳، رشیدیہ)

(و کذا فی شرح مسلم للنووی، کتاب السلام، باب الطب والمرض والرقی: ۲/۲۱۹، قدیمی)

لوگوں نے کمیٹی کی، اور ایک عامل سے کہا کہ تم اگر قرعہ ڈالنا چاہتے ہو تو قرعہ کے ذریعہ سے معلوم کرو، اس عورت کو جن کا اثر، یا کوئی جسمانی قدرتی مرض، یا جادو ہے۔

اس قرعہ ڈالنے والے شخص نے قرعہ کے ذریعہ معلوم کر کے بتلایا کہ اس عورت پر جادو کا اثر ہے، حالانکہ قرعہ ڈالنے والا شخص کوئی خاص ماہر عملیات کے فن میں نہیں ہے۔ قرعہ اس طریقہ سے ڈالا گیا کہ اس عامل شخص نے ایک کوری ہانڈی منگائی اور لوگوں کے نام الگ الگ پرچیوں پر لکھے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ، حسنین۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کا واسطہ دیا اور اس ہانڈی پر چار بڑے فرشتوں کے نام لکھے۔

اور اس ہانڈی کو ایک طرف سے اس عامل نے اور دوسری طرف سے ایک دوسرے شخص نے شہادت کی انگلی کے اگلے حصہ سے ہانڈی کے کناروں سے ہانڈی کو اٹھالیا، اور وہ پرچیاں ہانڈی میں ڈال دیں اور سورہ یسین شریف کو پڑھا، اور جب سورہ یسین کے پہلے یسین پر پہنچا تو ہانڈی گھوم گئی اور سورہ یسین کو پڑھ کر سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص، سورہ فلق، سورہ ناس کو بھی پڑھا اور یہ الفاظ بھی پڑھے:

”الہی بحرمت سلیمان ابن داؤد علیہ السلام ساحر یا مجرم

حاضر شود“

تو ہانڈی گھوم گئی۔ دوبارہ سب پرچیاں نکال لیں اور پھر الگ الگ پرچیاں ڈال دیں، دو پرچیوں پر ہانڈی گھوم گئی، جبکہ وہی عمل کیا جو پہلے تھا۔ جن کے نام پر ہانڈی پھری، انہی دو آدمیوں کو جادوگر قرار دیا گیا۔ اس مسئلہ کے اندر چند چیزیں ہیں، جن میں سے ہر ایک کا جواب مطلوب ہے:

۱..... قرعہ شریعت محمدی علیہ السلام میں گزری ہوئی بات پر، یا جادوگر کو معلوم کرنے کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ قرعہ کی اصل حقیقت قرآن وحدیث میں کیا ہے؟ اس مابقی طریقہ سے قرعہ جائز ہے یا نہیں؟

۲..... جب یہ قرعہ جائز ہے تو اس قرعہ کی وجہ سے یہ دونوں آدمی جادوگر قرار دئے جائیں گے یا نہیں، جبکہ مدعی و کمیٹی کے لوگوں کے پاس کوئی شرعی گواہ موجود نہیں ہے، صرف قرعہ کی وجہ سے ان دونوں آدمیوں کو ساحر و مجرم قرار دیا جا رہا ہے؟

۳..... اگر اس ہانڈی کے پھرنے سے ان دو آدمیوں کا نام آجائے، لیکن علاوہ اس قرعہ کے کوئی ثبوت مدعیان یا پینچایت کے پاس ان کے جرم کا نہیں ہے، حالانکہ یہ دونوں فریق محفل عام میں قسم و حلف کے لئے تیار

ہیں، قسم اس طریقہ سے اٹھاتے ہیں کہ ”ہم خدائے تعالیٰ کی قسم کھاتے ہیں“ اور قسم دوبارہ اس طرح سے کھاتے ہیں کہ ”اگر ہم نے اس عورت پر جادو کیا ہو تو خدائے پاک ہم پر غضب نازل کرے۔“

ایسی صورت میں اس قرعہ کا اعتبار ہوگا یا اس حلف اور قسم کا؟ کیونکہ شرعی گواہ ان کے جادو کرنے کا کوئی کسی کے پاس موجود نہیں ہے۔

مجرم جو قرار دئے گئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیات ہانڈی پھیرتے ہوئے پڑھی گئی ہے، ان پر ہمارا یقین ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ اس قرعہ والے مولوی سے کچھ غلط ہانڈی پھر گئی ہو، ہم نے جادو نہیں کیا، ہم خدا کے مجرم ہوں گے اگر ہم نے جادو کیا۔

۴..... اگر یہ عمل قرعہ اندازی کا گذری ہوئی بات پر ناجائز ہے، نصوص قطعہ قرآن و حدیث سے بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اور قرعہ ڈالنے والا کہتا ہے: اگر مفتیان کرام حدیث و قرآن کریم سے ناجائز بتلا دیں تو اس گناہ کی وجہ سے توبہ و استغفار کرنے کے لئے تیار ہوں، اور جو برادری کے لوگ میرے اس دھوکہ میں آگئے ان سے بھی معافی کا طلبگار ہوں۔ اب اس عامل پر کوئی خاص مقرر سزا شریعت کی ہے یا توبہ و استغفار کرے؟ بعد کو پنچایت سے معافی کے بعد بری قرار دیا جائے گا، کیونکہ اس عامل نے بھی دوسرے عامل کی اجازت سے یہ عمل کیا تھا۔

۵..... جن لوگوں کے سامنے یہ عمل کیا تھا انھوں نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر اس ہانڈی پر کسی کا نام آئے تو ہم اس کے مطابق مجرم کو سزا دیں گے، حالانکہ یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے کہ اس کے علاوہ شرعی طور سے حلف و قسم پر کوئی طریقہ بری ہونے کا ہے یا نہیں؟ قرعہ قرار نہ دیا جائے، تو قوم یعنی پنچایت نے فتویٰ کے جواب تک کوئی سزا نہیں دی، تو کیا یہ پنچایت اس عہد کی وجہ سے گنہگار ہوگی یا نہیں، جبکہ مسئلہ سے بے خبر ہے؟

۶..... قرعہ یا استخارہ گذری ہوئی بات پر ڈالا جائے یا آئندہ والی بات پر قرعہ جائز ہے، یا استخارہ جائز ہے؟

۷..... اگر اس طرح قرعہ ڈالنا شریعت میں جائز ہے تو مجرمان کو اس قرعہ پر مجرم ہی قرار دیا جائے گا، یا قسم پر بری کیا جائے گا ”القسم علی المدعی والیمین علی من أنکر“ پر عمل ہوگا؟

اگر اس طرح پر پرچیاں ڈال کر ہانڈی چلانا ناجائز ہے، عامل توبہ کرے تو وہ قابل معافی ہے یا نہیں؟

اور جو شخص جادو کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے اور کیا سزا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرعہ کا حاصل یہ ہے کہ ایک کام میں دو صورتیں ہیں اور دونوں شرعاً برابر ہیں، جس صورت کو چاہے اختیار کر لیا جاوے، محض اطمینان کے لئے قرعہ اندازی کر لی جاتی ہے، مثلاً: ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، اس کو سفر میں جانا ہے، شریعت کی طرف سے اس کو اجازت ہے جس بیوی کو چاہے سفر میں ساتھ لے جائے، دوسری کو اعتراض کا حق نہیں، وہ قرعہ اندازی کرتا ہے جس کے نام پر نکل آیا اس کو ساتھ لے جاتا ہے (۱)۔

یا مثلاً: ایک شخص کا انتقال ہوا، اس نے چار بیٹے چھوڑے اور ترکہ میں جائیداد (زمین، باغ، مکان) ہے، یہ چاروں تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو اس تمام جائیداد کو قیمت اور حیثیت کے اعتبار سے چار قطعہ قرار دیئے جائیں گے جو کہ حیثیت اور قیمت میں برابر ہیں۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ کون سا قطعہ کس کو دیا جائے، تو قرعہ اندازی کر لی جاتی ہے، اس طرح کہ قطعوں کے نمبر مقرر کر دیئے جاتے ہیں، نمبر ۱: قطعہ فلاں کا ہے، نمبر ۲: فلاں، نمبر ۳: فلاں، نمبر ۴: فلاں، پھر چار کاغذوں پر نمبر ۱، ۲، ۳، ۴ / لکھ کر گولی بنادی جائے، تاکہ یہ معلوم نہ ہو کہ اس گولی میں کس نمبر کا قطعہ لکھا ہوا ہے، پھر کسی نا سمجھ بچے کو بلا کر کہا جاوے کہ ان چاروں گولیوں کو ان چاروں پر تقسیم کر دیں، یا یہ چاروں آنکھیں بند کر کے ایک ایک گولی اٹھالیں، جس کے حصہ میں جو گولی گرے، اس میں لکھا ہوا قطعہ اس کو مل جائے۔

۱..... غرض قرعہ آئندہ کاموں کے لئے ہوتا ہے، گزشتہ کے لئے نہیں۔ قرعہ شرعی دلیل نہیں ہے، محض

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أراد سفراً، أقرع بين نسائه، فأيتهن خرج سهمها خرج بها معه". متفق عليه. (مشکوٰۃ المصابيح،، کتاب النکاح، باب القسم، الفصل الأول، ص: ۲۷۹، قدیمی)

"وفى الهداية: لاحق لها فى القسم حالة السفر، ويسافر الزوج بمن شاء منهن، والأولى أن يقرع بينهما، فيسافر بمن خرجت قرعتها..... ولأنه قد يثق بإحدهما فى السفر، وبالأخرى فى الحضر، والقرار فى المنزل لحفظ الأمتعة، أو لخوف الفتنة، أو تمنع من سفر إحدهما كثرة سمنها، فتعين من يخاف صحبتها فى السفر للسفر لخروج قرعتها إلزام للضرر الشديد، وهو مندفع بالنافى للخرج". (مراقبة المفاتيح، كتاب النكاح، باب القسم، (رقم الحديث: ۳۲۳۲): ۶/۳۸۰، رشیدیہ)

اطمینان کے لئے ہے (۱)۔

۲..... عامل صاحب نے جو صورت اختیار کی ہے اس کی وجہ سے شرعاً ان دونوں شخصوں کو جادو کا مجرم قرار دینا جائز نہیں (۲)۔

۳..... جب وہ دونوں آدمی انکار کرتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کا اعتبار نہ کیا جائے۔

۴..... قرعہ شرعی حجت اور دلیل نہیں، عامل صاحب کو لازم ہے کہ بلا شرعی دلیل کے محض اپنے کسی عمل پر اعتماد کرتے ہوئے کسی کو مجرم قرار نہ دیں (۳)۔ اور توبہ واستغفار کریں، جب وہ توبہ واستغفار کر لیں اور جن دو

(۱) ”القسمۃ..... شرعاً: جمع نصیب شائع لہ فی مکان معین، وسببها طلب الشرکاء أو بعضهم الانتفاع بملکہ علی وجه الخصوص“۔ (رد المحتار، کتاب القسمۃ ۲/۵۳، سعید)

”کل واحد من الشرکاء یصبح بعد القسمۃ مالکاً لصحتہ بالاستقلال، ولا یبقى لأحدهم علاقة فی حصۃ الآخر“۔ (شرح المجلة لسلم رستم باز اللبنانی، الفصل الثانی من فی أحكام القسمۃ، رقم المادہ: ۱۱۶۲: ۱/۶۳۳، مکتبہ حنفیہ)

(۲) ”وهذه الأضرِب کلها تسمى کهانۃ، وقد اکذبهم کلهم الشرع، ونهی عن تصدیقهم وإتیانهم۔ واللہ أعلم“۔ (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکهانۃ وإتیان الکهان: ۲/۲۳۲، قدیمی)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ (سورة الحجرات: ۱۲)
قال العلامة الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قوله تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ﴾: أي تباعدوا منه، وأصل اجتنبه کان علی جانب منه، ثم شاع فی التباعد اللازم له، وتنکیر ﴿کثیراً﴾ لیحتاط فی کل ظن ویأمل حتی یعلم أنه من أي القبیل، فإن من الظن ما یباح اتباعه كالظن فی الأمور المعاشیة، ومنه ما یجب كالظن حیث لا قاطع فیہ من العملیات كالواجبات الثابتة بغير دلیل قطعی، وحسن الظن باللہ عز وجل، ومنه ما یحرم كالظن فی الإلهیات والنبوات، وحيث یخالفه قاطع وظن السوء بالمؤمنین، ففی الحدیث: ”ان اللہ تعالیٰ حرم من المسلم دمه وعرضه، وأن یظنّ به ظنّ السوء“۔ وعن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا مرفوعاً: ”من أساء بأخیه الظنّ، فقد أساء بربه الظنّ إن اللہ تعالیٰ یقول: ﴿اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ﴾“۔ (روح المعانی، (سورة الحجرات: ۱۲): ۱۵۶/۲۶، دار إحياء التراث العربی بیروت)

آدمیوں کو جادو کر قرار دیا ہے ان سے معافی مانگ لیں (۱) اور اطمینان ہو جائے کہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے، تو اب تک جو کچھ کیا غلط فہمی کی وجہ سے کیا تو ان کو معاف کر دیا جائے، ان کو سزا نہ دیجائے۔

۵..... یہ عہد بھی غلط فہمی اور نادانی کی وجہ سے کیا گیا، جب قرعہ حجت شرعی نہیں ہے تو اس سے ثابت ہو جانے کی بناء پر مجرم قرار دیکر سزا دینا جائز نہیں (۲)، اگر ان لوگوں نے قسم کھائی تھی تو اب سزا نہ دینے کی وجہ سے قسم کا کفارہ ادا کریں، جس جس نے قسم کھائی تھی کفارہ دیں، دس غریبوں کو شکم سیر دو وقت کھانا کھلائیں، یا کپڑا پہنائیں، یا تین روزے مسلسل رکھیں (۳)، توبہ استغفار کریں اور آئندہ کبھی ایسی قسم نہ کھائیں (۴)۔

(۱) ”إن لها (أى التوبة) ثلاثة أركان: الإقلاع، والندم على فعل تلك المعصية، والعزم على أن لا يعود إليها أبداً، فإن كانت المعصية لحق آدمي، فلها ركن رابع وهو التحلل من صاحب ذلك الحق“۔ (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(۲) ”صل من قطعك، وأحسن إلى من أساء إليك“۔ (فيض القدير شرح الجامع الصغير رقم الحديث ۵۰۰۴: ۵/۹، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

(۳) ”قال الله تعالى: ﴿فكفارتهم إطعام عشرة مسكين من أوسط ما تطعمون أهليكم، أو كسوتهم، أو تحرير رقبة، فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام﴾ (سورة المائدة: ۸۹)

قال الآلوسی رحمہ اللہ: ”أى فكفارتهم ذلك، ويشترط الولاء عندنا“۔ (روح المعاني: ۱۴/۷، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(۴) ”عن الحارث بن سويد قال: دخلت على عبد الله أعوده وهو مريض، فحدثنا بحدیثین: حدیثاً عن نفسه، وحدیثاً عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ”لله أشد فرحاً بتوبة عبده المؤمن رجل في أرض دويّة مهلكة معه راحلته عليها طعامه وشرابه، فنام فاستيقظ وقد ذهب، فطلبها حتى أدركه العطش، ثم قال: أرجع إلى مكان الذي كنت فيه فأنام حتى أموت، فوضع رأسه على ساعده ليموت، فاستيقظ وعنده راحلته، عليها زاده وطعامه وشرابه، فالله أشد فرحاً بتوبة العبد المؤمن من هذا براحلته وزاده“۔ (الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

قال الإمام النووي رحمه الله تعالى: ”واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة“۔ (شرح النووي، على الصحيح لمسلم، المصادر السابق)

۶..... استخارہ بھی آئندہ بات کے لئے ہوتا ہے، قرعہ بھی آئندہ بات کے لئے ہوتا ہے، دونوں جائز ہیں، عامل صاحب نے جو عمل کیا ہے وہ نہ قرعہ ہے نہ استخارہ ہے، استخارہ کی ترغیب آئی ہے، ابوداؤد شریف وغیرہ میں مذکور ہے (۱)۔

۷..... یہ قرعہ بھی نہیں ہے، نہ شرعی حجت ہے، اس سے کسی کو مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، وہ دونوں شخص ایسی صورت میں بری ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۹۳ھ۔

جادو، گنڈہ وغیرہ غیر مسلم سے لینا

سوال [۹۵۹۸]: مسلمان مرد و عورت کا جادو کرنا کرانا، کافروں سے گنڈے، تعویذ منتر کرانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جادو کرنا اور کرانا حرام ہے، اگر اس میں کوئی شیء عقیدۂ اسلام کے خلاف ہو تو کفر ہے۔ اور ہنوز سے منتر اور گنڈ اور تعویذ وغیرہ نہیں لینا چاہئے کہ اس میں بسا اوقات شرک کی باتیں ہوتی ہیں، اس کی تعظیم اور اس پر اعتقاد کفر ہے:

”فإن كان في ذلك (أي السحر) ردٌّ ما لزمه في شرط الإيمان، فهو كفر، وإلا فلا.

(۱) ”عن محمد بن المنكدر أنه سمع جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما قال: كان رسول الله صلى الله على وسلم يعلمنا الاستخارة كما يعلمنا السورة من القرآن، يقول لنا: ”إذا هم أحدكم بالأمر، فليركع ركعتين من غير الفريضة وليقل: اللهم إني أستخيرك بعلمك وأستقدرك بقدرتك وأسألك من فضلك العظيم، فإنك تقدر ولا أقدر وتعلم ولا أعلم وأنت علام الغيوب، الخ“۔ (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب الاستخارة: ۲۱۵/۱، دار الحديث ملتان)

(۲) ”وهذه الأضراب كلها تسمى كهانة، وقد أكذبهم كلهم الشرع، ونهى عن تصديقهم وإتيانهم. والله أعلم“۔ (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان: ۲۳۲/۲، قديمی)

فلو فعل مافيه هلاك إنسان أو مرضه أو تفريق بينه وبين امرأته وهو غير منكر لشيء من شرائط الإيمان، لا يكفر، لكنه يكون فاسقاً ساعياً في الأرض بالفساد، فيقتل الساحر والساحرة؛ لأن علة القتل السعي في الأرض بالفساد، اهـ. شرح فقه أكبر، ص: ۱۸۷ (۱) - فقط واللّه سبحانه تعالى اعلم -

حرره العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/ صفر/ ۱۳۵۹ھ۔



الفصل الثانی فی العودة

(تعویذ کا بیان)

کیا تعویذ میں اثر ہے؟

سوال [۹۵۹۹]: کیا عامل کے جائز عمل یعنی تعویذ وغیرہ کے استعمال سے اپنے مضر اور مفید مقاصد کی تکمیل ہو جائے، پھر اعتقاد رکھنا جائز ہے، یا مسنون طریقہ اور دعاء سے مقاصد کی تکمیل کا آرزو مند رہنا شرعاً درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حقیقی نفع و ضرر تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے، مگر جس طرح غذا و دوا میں اللہ تعالیٰ نے اثر رکھا ہے، اسی طرح تعویذات میں بھی اثر رکھا ہے لیکن کسی چیز کو خداوند تعالیٰ کی طرح نفع و ضرر کا مالک تصور کر لینا جائز نہیں (۱)۔ فقط دعاء پر اعتماد کر لینا اعلیٰ مقام ہے جس کو نصیب ہو جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۸ھ۔

(۱) ”عن عوف بن مالک الأشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنا نرقی فی الجاہلیۃ، فقلنا: یا رسول اللہ! کیف تری فی ذلک، فقال: ”اعرضوا علیّ رقاکم، لا بأس بالرقی ما لم یکن فیہ شرک“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الأول، قبیل الفصل الثانی، ص: ۳۸۸، قدیمی)

”أن الرقی یکره منها ما کان بغير اللسان العربی، وبغير أسماء اللہ تعالیٰ وصفاته و کلامه فی کتبہ المنزلة۔ ”لا بأس بالرقی ما لم یکن فیہ شرک“: ”أی کفر“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۴۵۲۸، ۴۵۳۰): ۸/۳۰۳، ۳۰۴، رشیدیہ)

”أجمع العلماء علی جواز الرقیه عند اجتماع ثلاثة شروط: أن یكون بکلام اللہ تعالیٰ وبأسمائه وبصفاته، وباللسان العربی، أو بما یعرف معناه من غیره، وأن یعتقد أن الرقیه لا تؤثر بذاتها بل بذات اللہ =

تعویذ اور عملیات

سوال [۹۶۰۰]: ہمارے پڑوس میں ایک شخص رہتا ہے جو کہ تعویذ لکھ کر دیتا ہے، کوئی تعویذ زعفران سے لکھتا ہے، کوئی تعویذ سفید مرغ کے خون سے لکھتا ہے، اور کوئی تعویذ پیاز کے عرق سے لکھتا ہے، اور وہ عالم نہیں ہے۔ کیا اس کا ایسا کرنا درست ہے؟

۲..... ایک کتاب ”عملیات اور تعویذات“ ہے جس میں طرح طرح کے فائدے بتلائے گئے ہیں، مثلاً: محبت کرنے کا عمل، دشمن پر فتح یاب ہونے کا عمل، اسی قسم کے اور بہت سے عمل بتلائے گئے ہیں اور لکھے گئے ہیں۔ کیا ان پر عمل کرنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر وہ اس فن کو جانتا ہے تو درست ہے، اگر دھوکہ دیتا ہے، یا شرکیہ چیزیں لکھتا ہے تو گنہگار ہے (۱)۔

۲..... جو عمل کرنا ہو، اس کو لکھ کر دریافت کر لیں، وہ کتاب میرے پاس نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۰ھ۔

= تعالیٰ“۔ (فتح الباری، کتاب الطب: ۱۰/۱۹۵، دارالفکر بیروت)

(۱) ”عن عوف بن مالک الأشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنا نرقی فی الجاہلیۃ، فقلنا: یا رسول اللہ! کیف تری فی ذلک، فقال: ”اعرضوا علیّ رقاکم، لا بأس بالرقی ما لم یکن فیہ شرک“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الأول، قبیل الفصل الثانی، ص: ۳۸۸، قدیمی)

”أن الرقی یکره منها ما کان بغير اللسان العربی، وبغير أسماء اللہ تعالیٰ وصفاته وکلامه فی کتبہ المنزلة۔ ”لا بأس بالرقی ما لم یکن فیہ شرک“: ”أی کفر“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۴۵۲۸، ۴۵۳۰): ۸/۳۰۳، ۳۰۴، رشیدیہ)

”أجمع العلماء علی جواز الرقیه عند اجتماع ثلاثة شروط: أن یكون بکلام اللہ تعالیٰ وبأسمائه وبصفاته، وباللسان العربی أو بما یعرف معناه من غیره، وأن یعتقد أن الرقیه لا تؤثر بذاتها بل بذات اللہ تعالیٰ“۔ (فتح الباری، کتاب الطب: ۱۰/۱۹۵، دارالفکر بیروت)

خون سے تعویذ لکھنا

سوال [۹۶۰۱]: اگر پرندہ وغیرہ جیسے مرغ، بطخ کے خون سے شیطان کے نام لکھ کر فتلہ بنا کر جلا دیا جائے (۱) جنات وغیرہ کے اثر کو دور کرنے کے لئے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح اگر ہنس کے خون سے آیت قرآنی لکھ کر تعویذ بنایا جائے (۲) تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حروف کا بھی شریعت میں احترام لازم ہے اگرچہ ان کے مجموعہ سے کوئی قابلِ اہانت نام حاصل ہو جائے:

”إذا كتب اسم فرعون أو كتب أبوجهل على غرض، يكره أن يرموا إليه؛ لأن لتلك الحروف الحرمة، كذا في السراجية، الخ“۔ عالمگیری: ۹۸/۴ (۳)۔

دم مفسوح نجس ہے (۴)، اس سے شیطان یا کسی اور ملعون کا نام لکھنے سے بھی احترام حرف کے خلاف ہونے کی بناء پر منع کیا جائے گا، پھر آیات قرآنی کا تو بہر حال احترام فرض ہے، اس کے ساتھ اس معاملہ کی اجازت نہیں۔ بعض عامل خون سے آیات یا اسماء لکھتے ہیں اور علا جاً اس کو درست کہتے ہیں کہ اضطراراً ناجائز چیز بھی جائز ہو جاتی ہے جب کہ وہ جائز طریقہ پر دفع نہ ہو سکے اور اسی ناجائز پر رفع اضطرار منحصر ہے (۵)۔ مگر یہ

(۱) ”فتیلہ: موٹی بتی، بٹی ہوئی چیز، تعویذ کی بتی جس سے بیمار یا آسیب زدہ کو دھونی دیتے ہیں“۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۳۵، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”ہنس: ایک قسم کی بطخ، ایک قسم کی آبی بط، روح، آتما، جان“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۴۵۱، فیروز سنز لاہور)

(۳) (الفتاویٰ العالمگیریہ، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة والمصحف وما كتب فيه شيء من القرآن: ۳۲۳/۵، رشیدیہ)

(و کذا فی السراجیہ، کتاب الکراہیۃ، باب المتفرقات ص: ۷۶، قدیمی)

(۴) ”ودم مسفوح من سائر الحيوانات“۔ (الدر المختار، باب الأنجاس: ۳۱۹/۱، سعید)

(۵) ”يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوى إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه، ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه“۔ (رد المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۸۹/۲، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات، وفيه =

بات کہ اضطرار کا دفعیہ اسی پر منحصر ہے بغیر حجت قاطعہ کے قابل تسلیم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مرغ کے خون سے تعویذ لکھنا

سوال [۹۶۰۲]: مرغ کے خون سے تعویذ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت تھانوی (نور اللہ مرقدہ)

نے بیاض یعقوبی، ص: ۱۹۴ پر اس کو ناجائز تحریر فرمایا ہے اور شامی جلد اول، مطبوعہ مصر، ص: ۱۹۴، پر نکیر کے لئے پیشانی پر سورۃ فاتحہ یا خلاص لکھنے کو جائز لکھا ہے اور یہی ان کے نزدیک مفتی بہ ہے۔ اس میں صحیح قول کیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاویٰ رشیدیہ: ۹۵/۳، کتاب الحظر والإباحۃ میں آیات قرآنیہ واسمائے الہیہ کو نجاست سے لکھنا حرام قرار دیا ہے، مگر جس طرح حالت اضطرار میں کلمہ کفر کا تلفظ مباح ہے (۱) اسی طرح اس کی بھی اجازت ہے، نہ کرنا اس عمل کا اور مرجانا افضل ہے (۲)، فقہاء کے جائز فرمانے کا یہی مطلب ہے اور ناجائز فرمانا علی الاصل ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/رجب/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵/رجب/۶۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/رجب/۶۶ھ۔

= العزل وإسقاط الولد: ۵/۳۵۵، رشیدیہ

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ (سورۃ النحل: ۱۰۶)

(۲) وإن أكره على الكفر، وقلبه مطمئن بالإيمان ويؤجر لوصبر لتركه الإجراء المحرم، ومثله سائر

حقوقه تعالى". (الدر المختار). "أى يؤجر أجر الشهداء، لما روى أن خبيثاً وعماراً ابتليا بذلك، فصبر خبيب

حتى قتل، فسماه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم سيد الشهداء". (رد المحتار، كتاب الإكراه: ۱۳۵/۲، سعید)

(و كذا فى مجمع الأنهر، كتاب الإكراه: ۴۳۳/۲، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(و كذا فى الفتاوى العالمكبرى، كتاب الإكراه، الباب الثانى فيما يحل للمكره أن يفعل وما لا يحل: ۳۸/۵، رشیدیہ)

(۳) یعنی اصلاً تو کام ناجائز ہے، البتہ صحت یا بلی کی اس کے علاوہ کوئی اور ممکنہ صورت نہ ہو تو خون سے تعویذ لکھنے کی رخصت ہے، =

داکوؤں کو تعویذ کے ذریعہ ہلاک کرنا

سوال [۹۶۰۳]: ایک گاؤں کے چند آدمی ڈاکہ زنی کے عادی ہو گئے ہیں جن سے عام لوگ بہت پریشان ہیں۔ ایسے لوگوں کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیا ایسے لوگ ہلاک کر دینے کے قابل ہیں؟ اگر تعویذات اور عملیات سے ان کو ہلاک کر دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ڈاکوؤں کی اصل سزا قرآن پاک میں قتل، صلب، قطع بھی مذکور ہے (۱)، مگر اس کو جاری کرنا ہر ایک کے اختیار میں نہیں دیا گیا، بلکہ اس کے لئے ایک خاص قسم کا تسلط و غلبہ والا امیر المؤمنین ہونا ضروری ہے، اس کی زیر نگرانی یہ سزا دی جاسکتی ہے (۲)۔ لیکن جان، مال، اولاد، عزت کی حفاظت کی تدبیر اختیار کرنا ضروری ہے، اور

= تاہم اس رخصت پر عمل کرنے کی بجائے عزیمت پر عمل کر کے وہ آدمی مر جائے تو وہ مثاب ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

”اتفق العلماء علی أن الدم حرام نجس لا یؤکل ولا ینتفع به“۔ (أحكام القرآن لابن العربی:

۵۳/۱، بیروت)

(و کذا فی أحكام القرآن للجصاص: ۱۲۹/۲، قدیمی)

”وقد أفتی ابن الصلاح بأنه لا یجوز أن یکتب علی الکفن ”یس والکھف“ ونحوهما خوفاً من صدید المیت فالأسماء المعظمة باقية علی حالها، فلا یجوز تعريضها للنجاسة تکرہ كتابة القرآن وأسماء الله تعالی علی الدراهم والمحاریب والجدران وما یفرش، وما ذک إلا لاحترامه ونحوه مما فیہ إهانة، فالمنع هنا بالأولی مالم یثبت عن المجتهد أو ینقل فیہ حدیث ثابت“۔

(ردالمحتار، کتاب الصلوة، قبیل: باب الشہید: ۲/۲۲۶، ۲۲۷، سعید)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الأرض فساداً أن یقتلوا أو

یصلبوا أو تقطع أیدیهم وأرجلهم من خلاف أو ینفوا من الأرض﴾ (سورة المائدة: ۳۳)

(۲) ”وَأَرکانه ستة علی ما نظمه ابن العرس بقوله:

أطراف کل قضية قضیة حکمیة ست یلوح بعدها التحقیق

حکم، ومحکوم به وله، ومحکوم علیه، وحاکم“۔ (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه

الله تعالیٰ: ”(قوله: وحاکم) هو إما الإمام أو القاضی أو المحکوم، أما الإمام، فقال علماؤنا: حکم السلطان =

اس سلسلہ میں حکومت سے تعاون کرنے کی ضرورت ہے۔ خود بھی ہوشیار رہیں، غافل نہ رہیں۔ جو شخص جان، مال، اولاد عزت کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے (۱)۔ جائز تعویذات کے ذریعہ سے اگر حفاظت ہو سکے تو شرعاً اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۸۸ھ۔

تعویذ، گنڈے کے لئے نامحرم سے میل جول

سوال [۹۶۰۴]: اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے جو تعویذ، گنڈے کرنے کو اپنا پیشہ بنالے اور غیر مسلم کو

= العادل ینفذ“۔ (ردالمحتار، کتاب القضاء: ۵/۳۵۳، سعید)

”وأما شرائط جواز إقامتها، فمنها ما يعم الحدود كلها، ومنها ما يخص البعض دون البعض“
 ”أما الذي يعم الحدود كلها، فهو الإمامة، وهو أن يكون المقيم للحد هو الإمام أو من ولاه الإمام، وهذا عندنا“۔ (بدائع الصنائع، کتاب الحدود، فصل فی شرائط جواز إقامتها: ۲۵۰/۹، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۱) ”عن سعید بن زیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم يقول: ”من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد“۔ (سنن الترمذی، أبواب الديات، باب ما جاء فیمن قتل دون ماله فهو شهيد: ۲۶۱/۱، سعید)

(و کذا فی سنن النسائی، کتاب المحاربة وتحريم الدم، باب من قاتل دون دينه فهو شهيد: ۱۷۲/۲، قدیمی)

(وسنن أبي داود، کتاب السنة، باب فی قتال اللصوص: ۳۱۴/۲، مکتبہ رحمانیہ)

(وسنن ابن ماجه، کتاب الحدود، باب من قتل دون ماله فهو شهيد: ۱۸۵/۲، قدیمی)

”ودخل فيه المقتول مدافعاً عن نفسه أو ماله أو المسلمين أو أهل الذمه، فإنه شهيد“۔

(ردالمحتار، باب الشهيد: ۲۴۸/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، باب الشهيد: ۳۴۵/۲، رشیدیہ)

(۲) کیونکہ جائز امور کے لئے تعویذ کی شرعاً اجازت ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی کفریہ الفاظ نہ ہوں۔

بھی تعویذ قرآنی آیات سے لکھ کر دیوے، اور ان سے اجرت بھی لیوے، نیز نامحرم عورتوں سے بے پردگی سے ملے جلے، حتیٰ کہ نامحرم عورتوں کو مار پیٹ کرتا ہو؟ اور کہتا ہے کہ مجھے شیخ مدنی نے تعویذ کرنے کی اجازت دی ہے، یا ان کے خلفاء کا نام لیتا ہے، کیا اس شخص کا یہ فعل شریعت کے خلاف نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعویذ میں قرآنی آیات یا احادیث کی دعائیں، یا ان کے اعداد لکھ کر شفا کے لئے دینا درست ہے (۱)۔ جس طرح نبض پر ہاتھ رکھ کر نامحرم کے مرض کی تشخیص کرنا درست ہے، اسی طرح اگر ضرورت پیش آئے تو علاجاً بال پکڑنا بھی درست ہے (۲)۔ تعویذات پر اجرت لینا بھی درست ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ علاج

(۱) ”وعن أنس رضي الله تعالى عنه قال: ”رخص رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في الرقية من العين، والحمة، والنملة“.

”وكان صلى الله تعالى عليه وسلم قد نهى عن الرقي لما عسى أن يكون فيها من الألفاظ الجاهلية، فانتهى الناس عن الرقي والمراد بالرقية هنا ما يقرأ من الدعاء وآيات القرآن لطلب الشفاء، منها ما ورد من حديث مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه عن أبي سعيد رضي الله تعالى عنه مرفوعاً: ”بسم الله أرقيك من كل شيء يؤذيك، ومن شر كل نفس أو عين حاسدٍ الله يشفيك، بسم الله أرقيك“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقي، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۵۲۶):

۸/۳۰۱، رشیدیہ)

”إنما تكره العوذۃ إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدرى ما هو، ولعله يدخله سحراً وكفراً وغير ذلك. وأما ما كان من القرآن أو شيء من الدعوات، فلا بأس به“۔ (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی اللبس: ۳۶۳/۶، سعید)

(۲) ”والأصل أن لا يجوز النظر إلى امرأة؛ لما فيه من خوف الفتنة، ولهذا قال عليه الصلوة والسلام: ”المرأة مستورة، اهـ“. وينظر الطبيب إلى موضع مرضها، اهـ“۔ ”وفي نظر الطبيب إلى موضع المرض ضرورة، فيرخص لهم أحياناً لحقوق الناس ودفعاً لحاجتهم، فصار كنظر الختان والخافضة. وكذا ينظر إلى موضع الاحتقان للمرض؛ لأنه مداواة..... وينبغي للطبيب أن يعلم امرأة إن أمكن؛ لأن نظر الجنس أخف. وإن لم يمكن، ستر كل عضو منها سوى موضع المرض، ثم ينظر يغض بصره عن غير ذلك الموضع ما استطاع؛ لأن ما ثبت للضرورة يتقدر بقدر الضرورة“۔ (تبیین الحقائق: ۳۹/۷، ۴۰، کتاب الکراهیة، فصل فی النظر واللمس، دارالکتب العلمیة بیروت)

سے واقف اور ماہر ہو، فریب کرنا جائز نہیں (۱)۔ نامحرم کے ساتھ تنہائی بھی جائز نہیں ہے (۲)۔ نیز ایسا کوئی کام

(۱) ”عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال: بعث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إلى أبي بن كعب طبيباً، ففقطع منه عرقاً، ثم كواه عليه“.

”قوله: ”طبيباً“ قال القرطبي: يدل على أنه لا يلي عمل الشيء إلا من يعرفه“۔ (تكملة فتح الملہم، کتاب الطب، باب: لكل داء دواء، واستحباب التداوی: ۳۳۹/۴، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

”ذکر مالک فی ”موطئہ“: عن زید بن أسلم أن رجلاً فی زمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أصابه جرح، فاحتقن الجرح الدم، وأن الرجل دعا رجلین من بنی أنمار، فنظرا إلیه فزعا أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: لهما: ”أیکما أطب؟“ فقال: أوفی الطب خیر یا رسول اللہ! فقال: ”انزل الداء الذي أنزل الداء“.

ففی هذا الحديث أنه ينبغي الاستعانة فی کل علم وصناعة بأحدق، فإنه إلى الإصابة أقرب“.

(زاد المعاد فی هدی خیر العباد، فصل فی هدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الإرشاد إلى معالجة أحدق الطیبین، ص: ۷۸۱، دارالفکر بیروت)

(۲) ”عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”لا تلجؤا علی المغیبات، فإن الشیطن یجرى من أحدکم مجرى الدم“۔ الحديث. (مشکوٰۃ المصابیح: ۲۶۹/۲، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الثانی، قدیمی)

”إن الشیطن“: أي کیده ووسواسه ”یجرى“: أي یسرى ”من الإنسان“: أي فیہ، وقیل: عُدی ”یجرى“، بـ ”من“ علی تضمین معنی التمكن: أي يتمكن الإنسان فی جریانہ ”مجرى الدم“: أي فی جمیع عروقه شبہ سریان کیده وجریان وسواسه فی الإنسان بجریان دمه فی عروقه وجمیع أعضائه، فهو کنایة عن تمكنه من إغواء الإنسان وإضلاله تمکناً تاماً وتصرفه فیہ تصرفاً كاملاً بواسطة نفسه الأمارۃ بالسوء الناشئ قواها من الدم وقیل: إرادة الحقیقة، فإن الشیاطین أجسام لطیفة قادرة بأقدار اللہ تعالیٰ علی کمال التصرف ابتلاءً للبشر“۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۲۴۵/۲، ۲۴۶، کتاب الإیمان، باب الوسوسة، الفصل الأول، رشیدیہ)

”عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”ألا! لا یتبین رجل عند امرأة ثییب إلا أن یکون ناکحاً أو ذا محرم“۔ رواه مسلم“۔ (مشکوٰۃ المصابیح: ۲۲۸/۲، کتاب النکاح، باب بیان العورات، قدیمی)

بھی نہ کیا جائے جس سے مسلمانوں کو بدگمانی پیدا ہو اور تہمت کا موقعہ نکلے۔ غیر مسلم کو قرآنی آیات لکھ کر نہ دی جائے (۱)۔ ہاں! اگر غلاف کے ساتھ ہو اور بے ادبی کا مظنہ نہ ہو تو گنجائش ہے۔

غیر مسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھاڑ پھونک کی اجرت لی ہے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا ہے (۲)۔ فقط اللہ پاک اخلاص دے۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ، ۱/۱/۸۸ھ۔

= "عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "لا یخلون رجل بامرأة إلا کان ثالثهما الشیطن". رواہ الترمذی. (مشکوۃ المصابیح: ۲/۲۶۹، کتاب النکاح، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الثانی)

وقال الحصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: "الخلوة بالأجنبية حرام". (الدر المختار). وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: "وأجمعوا أن العجوز لا تسافر بغير محرم، فلا تخلو برجل، شاباً أو شيخاً". (رد المحتار، کتاب الصلوۃ: ۱/۳۶۸، سعید)

(۱) قال الفقیہ رحمہ اللہ تعالیٰ: لا ینبغی للرجل أن یرض نفسه للثیمة ولا یجالس أهل الثیمة ولا یخالطهم، فإنه یصیر منہما وروی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أنه قال: "من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یقفن مواقف التهم". (بستان العارفین، الباب الرابع والستون فی النہی عن التعرض للثیمة، ص: ۵۳، رشیدیہ)

"و ذکر عن لقمان الحکیم أنه قال لابنہ: یا بنی! من یصحب صاحب السوء لم یسلم، ومن یدخل مدخل السوء یتهم". (تنبیہ الغافلین، باب حفظ اللسان، ص: ۱۱۵، رشیدیہ)

(۲) "عن أبی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: انطلق نفر من أصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی سفرة سافروہا، حتی نزلوا علی حی من أحياء العرب، فاستضافوہم، فأبوا أن یضيفوہم، فلدغ سید ذلک الحی، فسعوا لہ بكل شیء لا ینفعہ شیء، فقال بعضهم: لو أتیتهم هؤلاء الرهط الذین نزلوا لعلہ أن یكون عند بعضهم شیء، فأتوہم فقالوا: یا أيہا الرهط! إن سیدنا لدغ وسعینا لہ بكل شیء لا ینفعہ، فهل عند أحد منکم من شیء؟ فقال بعضهم: نعم واللہ! إني لأرقی، ولكن واللہ! لقد استضيفنا کم فلم تصیفونا، فما أنا براق لکم حتی تجعلوا لنا جعلاً، فصالحوہم علی قطع من الغنم، فانطلق یتفل علیہ ویقرأ فقال بعضهم: اقسموا، فقال الذی رقی: لا تفعلوا حتی نأتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فنذکر لہ الذی =

عورتوں کو عامل سے تعویذ لینا اور کاہنوں سے جھاڑ پھونک کرانا

سوال [۹۶۰۵]: کیا عورتوں کو تعویذ والے، نیز کاہنوں کے پاس جا کر جھاڑ پھونک کرانا شرعاً

درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نامحرم سے دور رہنا چاہیے (۱)، کاہن کے پاس جا کر اس سے مخفی باتیں پوچھنا تو زیادہ خطرناک ہے (۲)۔ تعویذ وغیرہ کی ضرورت ہو تو عامل سے اپنے شوہر، یا کسی محرم والد بھائی وغیرہ کے ذریعہ منگالیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۹۱ھ۔

= كان، فننظر ما يأمرنا. فقدموا على رسول الله صلى الله تعالى عليه و لم فذكروا له، فقال: "وما يدريك أنها رقية؟" ثم قال: "قد أصبتم، اقسموا واضربوا لي معكم سهماً". فضحك النبي صلى الله تعالى عليه وسلم. (صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب ما يعطى في الرقية على أحياء العرب بفتحة الكتاب: ۳۰۴/۱، قديمي)

(۱) "عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا لا يبستن عند امرأة ثيب إلا أن يكون ناكحاً أو ذا محرم". (مشکوۃ المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الأول: ۲۶۸/۲، قديمي)

"في الأشباه: الخلوة بالأجنبية حرام". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۳۶۸/۲، سعيد)

"والخلوة بالأجنبية يكره تحريماً". (الفتاوى البرازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل السابع في المتفرقات: ۳۷۱/۲، رشيدية)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من أتى كاهناً فصدقه بما يقول، أو أتى امرأته حائضاً، أو أتى في دبرها، فقد برئ مما أنزل على محمد". (مشکوۃ المصابيح، كتاب الطب، باب الكهانة، الفصل الثاني: ۳۹۳/۲، قديمي)

الفصل الثالث فی العمليات والوظائف والأوراد

(عملیات اور وظائف کا بیان)

عملیات سے متعلق چند ضروری سوالات

سوال [۹۶۰۶]: ایک متوسط آمدنی والا شخص جس کے کئی ذریعہ آمدنی ضروریات زندگی کے

لئے کافی ہیں، کیا مزید آرام و آراش کے لئے نقوش و تعویذات پر معاوضہ یا نذرانہ لے سکتا ہے؟

۲..... تعویذات و نقوش کو دنیاوی منافع کے حصول کی غرض سے استعمال کرنا کیسا ہے؟

۳..... کیا ضرورت مند اور مریض کو بطور تعویذ آیت تحریر کر کے دے سکتا ہے تاکہ مریض بازو پر یا گلے

میں باندھے؟ اعداد کے ذریعہ نقوش پر کرنے کی کیا حیثیت ہے؟ کیا عملیات میں عربی کے علاوہ دیگر زبان مثلاً

عبرانی وغیرہ غیر نامانوس الفاظ کیا جاسکتا ہے؟

۴..... عملیات سے جن و شیاطین کو تابع کرنا، انہیں جانا اور ہلاک کرنا یا عمل تسخیر سے لوگوں کو مسخر کرنا

اور ان کے دل و دماغ پر اثر انداز ہونا کیسا ہے؟

۵..... کیا عملیات سے ہلاکت اعداء اللہ اور ان کو مختلف قسم کی مضرتیں پہونچانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ایک قسم کا معالجہ ہے جو شخص واقف ہو اور صحیح طریقہ پر علاج کرے تو نذرانہ لے سکتا ہے (۱)۔

(۱) ”عن أبی سعید الخدری أن رهطاً من أصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انطلقوا فی سفرة

سافروها، فنزلوا بحی من العرب فاستضافوهم، فأبوا أن یضیفوهم. قال: فلدغ سید ذلک الحی، فشفوا له

بکل شی لا ینفعه شی، فقال بعضهم: لو اتیم هؤلاء الرهط الذین نزلوا بکم لعل أن یکون عند بعضهم شی

نفع صاحبکم، فقال: بعضهم إن سیدنا لدغ، فهل عند أحد منکم یعنی رقیة؟ فقال رجل من القوم: إنی

لأرقی، ولكن استضفناکم فأبیتم أن تضیفونا، ما أنا براق حتی تجعلوا لی جعلاً فجعلوا له قطعاً من =

حسب اللہ خلقت کو نفع پہونچانا اعلیٰ بات ہے۔

۲..... جائز منافع دنیویہ کے لئے جیسے دفع مرض کے لئے جائز تعویذات و نقوش کا استعمال کرنا جائز ہے (۱)۔

۳..... آیات دے سکتا ہے (۲)، مگر تعویذات کو موم جامہ کر کے ایسے طریقہ پر استعمال کرے کہ بے وضو اس کا مس نہ ہو (۳)۔ اعداد کے ذریعہ بھی نقوش دینا درست ہے۔ اعداد آیت کے یا اسمائے الہیہ کے ہوں۔ جس عبارت کا مفہوم معلوم نہیں اس کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہیے خواہ کسی زبان کے ہوں (۴)۔

۴..... جنات و شیاطین کے شر سے تحفظ کے لئے جائز عملیات کرنا درست ہے (۵)۔ ان کے ذریعہ

= الشاء، فأتاه فقراً عليه بأَمِّ الكتاب، ويتفل، حتى برء كأنما أنشط من عقال، فأرفاهم جعلهم الذي صالحوه عليه، فقالوا: اقتسموا، فقال الذي رقا: لا تفعلوا حتى تأتي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فستأمره، فغدوا على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فذكروا له، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أين علمتم أنها رقية؟ أحسنتم، واضربوا لي معكم بسهم". (سنن أبي داود، كتاب الإجارة، باب في كسب الأطباء: ۱۲۹/۲، إمداديه ملتان)

(۱) "ان الأمور بمقاصدها". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القواعد الكلية، القاعدة الثانية، ص: ۳۱، قديمی)

(۲) "وأما ما كان من الآيات القرآنية والأسماء والصفات الربانية والدعوات الماثورة النبوية، فلا بأس، بل يستحب، سواء كان تعويذاً أو رقية أو نشرة". (مرقاۃ المفاتیح، كتاب الطب والرقی، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۴۵۵۳: ۳۲۱/۸، رشیدیہ)

(۳) وقال الله تعالى: ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾ (سورة الواقعة: ۷۹)

"ولا بأس بتعليق التعويذ، ولكن ينزعه عند الخلاء والقربان، كذا في الغرائب". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوى: ۳۵۶/۵، رشیدیہ)

(۴) "وأما على لغة العبرانية ونحوها، فيمتنع، لاحتمال الشك فيها". (مرقاۃ المفاتیح، كتاب الطب والرقی: ۳۲۱/۵، رشیدیہ)

(و كذا في رد المحتار: ۲۳۶/۲، سعيد)

(۵) (راجع رقم الحاشية: ۲)

دوسروں کو ضرر پہونچانے کے لئے عملیات کرنا درست نہیں، اس میں خطرات بھی ہیں، عملیات سے کسی کو مسخر کرنا و ماؤف کرنا درست نہیں (۱)۔

۵..... اگر اعداء اللہ کے شر سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو تو جائز عملیات کے ذریعہ بقصد تحفظ انتظام کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۵ھ۔

قرآن شریف کے ذریعہ چور کا نام نکالنا

سوال [۹۶۰۷]: قرآن شریف کے ذریعے چیلنج دیکر کسی شخص کو مجرم اور یقینی طور پر چور بتلانا

کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نا جائز ہے: ”لایأخذ الفال من المصحف“۔ شرح فقہ اکبر: ص: ۱۸۳ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ

تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۵۹ھ۔

(۱) البتہ دفع ظلم کے لئے ہو تو جائز ہے:

(إمداد الفتاویٰ، تعویذات و اعمال: ۸۹/۴، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) جائز عملیات سے مراد یہ ہے کہ اس میں الفاظ کفریہ نہ ہو اور شیطین وغیرہ سے استمداد بھی نہ ہو۔

(۳) (شرح الفقہ اکبر، ص: ۱۴۹، مبحث: الیأس من رحمة الله کفر، قدیمی)

(و کذا فی نفع المفتی والسائل: ۱۷۲/۴، من مجموعة رسائل اللکنوی، إدارة القرآن کراچی)

”قال الزرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویحرم مد الرجل إلى شیء من القرآن أو کتب العلم، انتهى۔

وفی إطلاق الحرمة وقفة، بل الأوجه عدمها إذا لم یقصد بذلك ما ینافی تعظیمہ..... والأولی أن لا

یستدبرہ، ولا یتخطأه، ولا یرمیه بالأرض بالوضع ولا حاجة تدعو لذلك، بل لو قیل: بکراهة الآخر لم

یسعد“۔ (الفتاویٰ الحدیثیة لابن حجر المکی، مطلب فی أنه یکره أخذ الفال من المصحف،

ص: ۳۰۷، قدیمی)

آیت قرآنی کے ذریعہ چور کا نام نکالنا

سوال [۹۶۰۸]: ایک شخص برابر قرآن کے ذریعہ چوروں کا نام نکالنے اور نکل جانے کو صحیح ماننا ضروری قرار دیتا ہے۔ اور ان کے نام نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کو ایک تا گے یاری میں باندھ کر لوہے کی کیل کے بیچ میں لٹکا کر اس کیل کو دو شخص کیل کے دونوں سروں کو ایک ایک شہادت کی انگلی پر اٹھا لیتے ہیں اور اٹھانے کی حالت میں قرآن کیل کے بیچ میں لٹکا رہتا ہے۔ اب نام نکالنے والے کا کہنا ہوتا ہے کہ جب اصل چور کا نام پرچہ پر لکھا ہوا قرآن میں ڈالا جائے گا تو قرآن گھومنے وچکر لگانے لگے گا، بس سمجھ لیجئے کہ چور اصل یہی ہے جس کے نام پر گھوم گیا۔ جناب والا سے دریافت ہے کہ یہ اہانت قرآن ہے یا نہیں؟ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ حرکت قرآن کریم کے احترام کے خلاف ہے، بے ادبی ہے اور اہانت کو مستلزم ہے (۱)۔ اگر کسی کا نام نکل بھی آئے تو یہ شرعی حجت نہیں، اس کے ذریعہ اس کو چور قرار دینا جائز نہیں۔ اس پیشہ کو ترک کرنا اور توبہ کرنا لازم ہے، اس سے عقائد بھی فاسد ہوتے ہیں، بہتان کا بھی دروازہ کھلتا ہے، بدگمانی بھی پھیلتی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین۔

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) بدگمانی سے احادیث شریف میں ممانعت آئی ہے، لہذا ایسا کام کرنے سے بھی بچنا ضروری ہے جس سے لوگ بدگمانی کریں: قال الفقيه رحمه الله تعالى: لا ينبغي للرجل أن يعرض نفسه للتهمه ولا يجالس أهل التهمة ولا يخالطهم، فإنه يصير متهماً وروى عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يقفن مواقف التهم". (بستان العارفين، الباب الرابع والستون في النهي عن التعرض التهمة، ص: ۵۳، رشیدیہ)

"وذكر عن لقمان الحكيم أنه قال لابنه: يا بني! من يصحب صاحب السؤل لم يسلم، ومن يدخل

مدخل السوء يتهم". (تنبيه الغافلين، باب حفظ اللسان، ص: ۱۱۵، رشیدیہ)

چور کا نام نکالنا

سوال [۹۶۰۹]: فال نکالنا یعنی نام نکالنا جائز ہے کہ نہیں؟ جب کہ اکثر مشاہدہ میں یہ بات آگئی ہے کہ اس میں غلط نام آتا ہے، دوسرے آدمی کو غلط رسوا اور بدنام کیا جاتا ہے اور اکثر چوری دستیاب بھی نہیں ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فال نکالنا شرعی دلیل نہیں ہے، جس کا نام نکلے اس کو چور قرار دے کر زبردستی اس سے مال مسروقہ وصول کرنا، یا اس کو سزا دینا، گرفتار کرانا، یا اس کو ذلیل اور رسوا کرنا جائز نہیں ہے (۱)۔ البتہ اس مقصد کے لئے ہو کہ چور ہوگا تو وہ ڈر کر مال واپس کر دے گا تو یہ تدبیر درست ہے، لیکن اگر وہ اس تدبیر سے نہ دے تو اس کو یقینی چور نہیں کہا جائے گا اور کسی قسم کی زیادتی کا حق نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۹۹ھ۔

کافر سے جھاڑ پھونک

سوال [۹۶۱۰]: زید کہتا ہے کہ جھاڑ پھونک مریض پر کافر سے کرانا جائز ہے، بکر کہتا ہے جائز نہیں، بلکہ شرک ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کافر سے جھاڑ پھونک کرانے میں اس کا اعزاز اور اس کے ساتھ عقیدت کا اظہار ہو تو ناجائز ہے (۲)۔

(۱) ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”المسلم أخو المسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا یحقرہ، التقویٰ ہلہنا“ ویشیر إلی صدرہ ثلاث مرار ”بحسب امرء من الشر أن یحقر أخاہ المسلم، کل المسلم علی المسلم حرام، دمہ ومالہ وعرضہ“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب آداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الأول: ۲/۴۲۲، قدیمی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَا یَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِیَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ۲۸)
”أن کل ما عدہ العرف تعظیماً وحسبہ المسلمون موالاة، فهو منہی عنہ ولو مع أهل الذمة، لاسیما إذا وقع شیئاً فی قلوب ضعفاء المؤمنین“۔ (روح المعانی: ۳/۱۲۰، (سورة آل عمران: ۲۸) =

ورنہ جائز ہے جب کہ وہ جھاڑ پھونک میں شرک استعمال نہ کرے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غیر مسلم سے آسیب کا علاج کرانا

سوال [۹۶۱۱]: ایک شخص نے آسیب زدہ کا غیر مسلم سے علاج کرایا، بعدہ وہ اس کی تلافی کرنا چاہتا ہے۔ آیا وہ استغفار کرنے سے عند اللہ مغفور ہو جائے گا، یا اس کی دوسری صورت ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر غلطی سے علاج کرایا ہے تو توبہ واستغفار کر لے (۲)۔ اگر وہ کلمات کفریہ و شرکیہ کے ذریعہ علاج

= دار احیاء التراث العربی بیروت

(۱) ”إن الرقى يكره منها ما كان بغير اللسان العربی، وبغير أسماء الله تعالى وصفاته وكلامه في كتبه المنزلة..... ولا يكره منها ما كان على خلاف ذلك كالتعوذ بالقرآن وأسماء الله تعالى..... لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك: أي كفر.“ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الأول، رقم الحديث: ۵۲۸): ۳۰۳/۸، ۳۰۴، رشیدیہ

(و کذا فی رد المحتار، فصل فی اللبس: ۳۶۳/۶، سعید)

”رقية فيها اسم صنم أو شیطان أو كلمة كفر أو غيرها مما لا يجوز شرعاً، ومنها ما لم يعرف معناها.“ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی: ۳۱۸/۸، رشیدیہ)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ (سورة التَّحْرِيم: ۸)

قال النووي: ”واتفقوا أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة..... اهـ.“ (شرح النووي على صحيح مسلم، کتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمی)

(و کذا فی روح المعانی تحت آية ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۱۵۹/۲۸، دار احیاء التراث العربی بیروت)

”لو تاب عن القبيح لكونه قبيحاً، وجب أن يتوب عن كل القبائح.“ (روح المعانی: ۳۶/۲۵،

دار احیاء التراث العربی بیروت)

نہیں کرتا، بلکہ جائز طریقہ پر علاج کرتا ہے تو اس میں مضائقہ نہیں (۱)، جیسا کہ غیر مسلم ڈاکٹر یا طبیب سے جسمانی علاج درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۹ھ۔

غیر مسلم سے جھاڑ پھونک کرانا

سوال [۹۶۱۲]: مسلمان ہندو سے منتر کرا لیتے ہیں، مسلمانوں کے لئے اس طرح کرانا جائز

ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

غیر مسلم سے ایک تو علاج کرانے کے لئے یہ صورت ہے کہ وہ فنِ معالجہ کا ماہر ہے جیسے ڈاکٹر ہے، حکیم ہے، وید ہے (۲) کہ اس میں محض اس کی مہارت فن سے فائدہ حاصل کرتا ہے، جیسا کہ کسی وکیل غیر مسلم سے مقدمہ کی پیروی کرائی جائے، سو اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے (۳)۔ دوسری صورت معالجہ کی یہ ہے کہ اس کو مقبول بارگاہ الہی تصور کیا جائے اور یہ عقیدہ ہو کہ اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بابرکت و مقبول ہیں، جب وہ دم کرے گا تو اللہ تعالیٰ مرض کو ختم فرمادیں گے، اس صورت میں غیر مسلم سے جھاڑ پھونک کرانا گویا کہ اس کو مقبول بارگاہ الہی قرار دینا ہے، حالانکہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے اس کا مستحق نہیں اور اس میں اس کے باوجود کافر ہونے کے بڑا اکرام و اعزاز ہے (۴)۔ اس لئے اس کی اجازت نہیں ہے، اس سے عقائد فاسد ہوتے

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ”غیر مسلم سے سانپ کا کاٹا جھڑوانا“۔)

(۲) ”وید: ہندی طریقے پر علاج کرنے والا طبیب“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۴۱۸، فیروز سنز لاہور)

(۳) ”وفیہ إشارة إلى أن المريض يجوز له أن يستطب بالكافر فيما عدا إبطال العبادة“۔ (رد المحتار:

۴۲۳/۲، کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

(و كذا فی البحر الرائق: ۴۹۳/۲، کتاب الصوم، فصل فی العوارض، رشیدیہ)

(و كذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۴۶۳/۱، کتاب الصوم، فصل فی العوارض،

دارالمعرفة بیروت)

(۴) کافر کو کوئی ایسا منصب و مقام دینا جس سے مسلمان کی طرح اس کا اعزاز و اکرام لازم آ رہا ہو، جائز نہیں:

ہیں کہ آدمی بغیر ایمان لائے بھی کفر کی نجاستوں میں ملوث ہو کر بزرگ و مقبول بارگاہ الہی ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

حاضرات نکلوانا

سوال [۹۶۱۳]: ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ عامل لوگ بچوں کے ناخن میں سیاہی دے کر موکل یعنی جن سے جو چاہے سوال کرتے ہیں اور اس کا جواب موکل دیتا ہے۔ تو شرعاً یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ جنات کو قبضہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حاضرات (۱) میں کلمات کفریہ و شرکیہ نہ ہوں نہ استمداد من غیر اللہ ہو، تو درست ہے ورنہ نہیں (۲)۔ لیکن حاضرات میں نظر آنے والی چیز یقینی نہیں ہوتی، بعض اکابر کا خیال ہے کہ وہ صرف دیکھنے والے اور عامل کے تخیل کا اثر ہوتا ہے، اس لئے اس کی وجہ سے کوئی قطعی حکم نافذ کرنا، یا کسی پر کوئی الزام عائد کرنا درست

= ”عن أبی موسیٰ الأشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قلت لعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ: إن لی کتاباً نصرانیاً فقال: ما لک؟ قاتلک اللہ! ألا اتخذت حنیفاً، أما سمعت هذه الآية؟ قلت: له دینہ ولی کتابتہ، فقال: لا أکرمہم إذ أہانہم اللہ، ولا أعزہم إذ أدلہم اللہ، ولا أدنہم إذ أبعدہم اللہ۔“ (تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان علی هامش تفسیر الطبری: ۶/۱۶۰، دار المعرفة بیروت)

(۱) ”حاضرات: بھوت پریت کو جمع کر کے ان سے پوشیدہ حال معلوم کرنا۔“ (فیروز اللغات، ص: ۵۶۱، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”ولا بأس بالرقی ما لم یکن فیہ شرک: أي الکفر۔“ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۴۵۳۰): ۸/۳۰۴، رشیدیہ)

”رقیۃ فیہا اسم صنم أو شیطان أو کلمۃ کفر أو غیرہا مما لا یجوز شرعاً، ومنہا ما لم یعرف معناہا۔“ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الثانی: ۸/۳۱۸، رشیدیہ)

نہیں۔ جنات کو قبضہ میں کرنے کے لئے کیا کرنا ہوتا ہے؟ اور اس سے کیا غرض ہوتی ہے؟ لکھ کر در یافت کریں۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۸ھ۔

نظرِ بد کے لئے مرچیں جلانا

سوال [۹۶۱۴]: بچہ کو یا کسی جانور مثلاً بھینس گائے کو نظرِ بد لگ جانے پر عورتیں عام طور پر مرچ یا سات کپڑے کی کتریں (۱)، یا صرف سلا ہوا کپڑا لے کر بچے یا جانور کی طرف سات مرتبہ یا کچھ کم و بیش اشارہ کر کے جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیتی ہیں۔ اس طریقہ سے نظر جھاڑنا کیسا ہے؟ پھٹکری وغیرہ سے بھی جھاڑتی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نظرِ بد اتارنے کے لئے مرچیں وغیرہ پڑھ کر آگ میں جلانا درست ہے (۲)، جب کہ کوئی خلافِ شرع چیز ان پر نہ پڑھی جائے، مثلاً: کسی دیوی دیوتا وغیرہ کی دہائی، یا کسی جن و شیطان سے استعانت وغیرہ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۹۲ھ۔

(۱) ”کتریں: کتر کی جمع، پڑے کی چھائیں، دھجی“۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۹۰، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: أمرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: أن استرقی من العین“۔ (معانی الآثار للإمام الطحاوی، کتاب الکراہۃ، باب الکی هل هو مکروہ ام لا؟، بحث الرقی: ۲/۴۲۷، سعید)

”لابأس بوضع الجماجم فی الزرع والمطبخة لدفع ضرر العین؛ لأن العین حق تصیب المال والادمی والحيوان، ویظهر أثره فی ذلک عرف بالآثار روى أن امرأة جاءت إلى النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقالت: نحن من أهل الحرث وإنا نخاف علیہ العین، فأمر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أن يجعل فیہ الجماجم“۔ (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی اللبس: ۶/۳۶۲، سعید)

(۳) ”ولا بأس بالرقی ما لم یکن فیہ شرک: أى الکفر“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی: ۸/۳۰۴، رشیدیہ) =

نظر بد سے حفاظت کے لئے بچوں کے چہرہ پر سیاہ داغ لگانا

سوال [۹۶۱۵]: بچوں کے چہرہ پر سیاہ داغ نظر بد سے حفاظت کے لئے لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کوئی شرعی چیز نہیں ہے (۱)، نظر کا لگ جانا حق اور ثابت ہے، حدیث پاک میں موجود ہے (۲)۔ اس سے حفاظت کے لئے جو علاج و تدبیر تجربہ سے ثابت ہو اس کا اختیار کرنا درست ہے جب کہ اس میں کسی ناجائز چیز کا ارتکاب نہ ہو (۳)۔ پس اگر یہ غیر مسلموں کا طریقہ و شعار ہو تو اس سے بچنا چاہیے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۹۴ھ۔

= ”رقية فيها اسم صنم أو شيطان أو كلمة كفر أو غيرها مما لا يجوز شرعاً، ومنها ما لم يعرف

معناها“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الثانی: ۸/۸، رشیدیہ)

(۱) البتہ اگر تجربہ سے اس کا مفید ہونا ثابت ہو تو اس کی اجازت ہے۔

وفي شرح السنة: ”روى أن عثمان رضى الله تعالى عنه رأى صبياً مليحاً فقال: ”دَسَمُوا نونته

کیلا تصیبه العین“۔ ومعنی ”دَسَمُوا“ سودوا و ”النونة“ النقرة التي تكون في ذفن الصبی الصغير“۔ (مرقاۃ

المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الطب والرقی، آخر الفصل الأول: ۸/۵، رشیدیہ)

(و کذا في زاد المعاد، فصل في ستر محاسن من يخاف عليه العین، ص: ۸۰۰، دار الفکر بیروت)

(۲) ”حدثنا عبد الرزاق، نا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا أبو هريرة رضى الله تعالى عنه عن

رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”العين حق“۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الطب، باب ماجاء فی

العين: ۲/۸۵، امدادیہ ملتان)

(۳) ”وأما ما كان من الآيات القرآنية والأسماء والصفات الربانية والدعوات المأثورة النبوية: فلا بأس،

بل يستحب، سواء كان تعويذاً أو رقية أو نشرة“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الثانی،

(رقم الحديث: ۳۵۵۳: ۸/۳۲۱، رشیدیہ)

(۴) ”عن ابن عمر رضى الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من تشبه

بقوم، فهو منهم“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۵، قدیمی)

علم جفر کا حکم

سوال [۹۶۱ ۶]: ایک شخص ہمارے گاؤں میں آیا ہے اور وہ ہمارے گاؤں اور شہر کے دورے پر ہے۔ وہ بوہرہ جماعت سے تعلق رکھتا ہے اور مسلمانوں کی مسجدوں میں نماز پڑھ لیتا ہے۔ اس نے کویت ویش میں جا کر چند سال سیر کی ہے اور وہاں علم جفر کی تعلیم پائی ہے، جس کے ذریعہ یہ نئے نئے شعبہ عوام کے سامنے پیش کرتا ہے۔

یہ لوگوں کے ماضی کے حالات کسی حد تک بالکل صحیح بتاتا ہے اور کچھ مستقبل کے بھی حالات بتا دیتا ہے، جس کی وجہ سے دیندار مسلمان بھی اس کے شیدا ہو گئے۔ اور یہ دھوکہ بڑی زور سے ہر طرف پھیل رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ علم (جفر) صاحب اکرام و بزرگان دین کو بھی تھا، اس علم سے ان لوگوں نے کام لئے ہیں۔ اس کے اس عمل سے بہت سے مسلمانوں کے ایمان پر اثر آ رہا ہے، مگر صحیح معلومات نہ ہونے سے بہک رہے ہیں۔

نوٹ: اگر اس شخص کو کسی آدمی کا نام کہہ دو تو وہ اس کے ماضی کے حالات بیان کر دیتا ہے، چاہے وہ سامنے حاضر ہو یا نہ ہو۔ بعض مسلمانوں کا کہنا یہ ہے کہ یہ علم ناجائز ہے اور بعض اس کی تائید کرتے ہیں۔ آپس میں مسلمانوں میں اختلاف پڑ جانے کا اندیشہ ہے اور اس سے بھی زیادہ حالات بگڑنے کے امکان ہیں۔ اس لئے آپ جلد از جلد جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علم جفر کی نہ قرآن کریم نے تعلیم دی، نہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم دی، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کو سیکھا، نہ محدثین نے اس کی طرف توجہ دی، نہ فقہاء اور اولیائے کرام نے اس کو قابل التفات سمجھا، بلکہ کتب فقہ: الأشباہ والنظائر (۱) ودرمختار (۲) وغیرہ میں اس کے سیکھنے کو منع کیا ہے۔

(۱) ”تعلم العلم یكون فرض عین، وهو بقدر ما یحتاج إلیه لدینہ . وفرض کفایہ، وهو ما زاد علیہ لنفع غیرہ . ومندوباً وهو التبحر فی الفقہ وعلم القلب . وحراماً وهو علم الفلسفہ والشعبذہ والتنجم والرمل وعلم الطبیعیین والسحر“ . (الأشباہ والنظائر، الفن الثالث، الجمع والفرق، فائدة عن الإمام البخاری، فیما ینبغی لطلب العلم، ص: ۳۶۹، قدیمی)

(۲) ”واعلم أن تعلم العلم یكون فرض عین وحراماً وهو علم الفلسفہ والشعبذہ والتنجم =

یہ شرعی حجت نہیں، نہ اس کے ذریعہ سے کسی کا جرم ثابت ہوتا ہے، نہ براءت۔

اگر کوئی شخص علم جفر کے ذریعہ کسی کو چور بتائے تو اس کو چوری کی سزا دینا جائز نہیں (۱)۔ اس علم کے ذریعہ بہت سی چیزیں سامنے آ جاتی ہیں، جنات اور شیاطین سے بہت سی چیزیں معلوم کی جاسکتی ہیں، مگر یہ سب چیزیں بالکل لغو اور ہیچ ہیں۔ جوگی اور پنڈت بھی ہاتھ دیکھ کر بعض صرف صورت دیکھ کر، بعض نام سن کر بہت کچھ بتانے والے آج بھی موجود ہیں، بعض مسلمان بھی یہ سب کچھ بتا دیتے ہیں، مگر ان کی نسبت صحابہ کرام کی طرف

= والرمل“۔ (الدرالمختار)۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ”(قوله: والرمل) هو علم بضروب أشكال من الخطوط والنقط بقواعد معلومة تخرج حروفاً تجمع، ويستخرج جملة دالة على عواقب الأمور، وقد علمت أنه حرام قطعاً، وأصله لإدريس عليه السلام: أي فهو شريعة منسوخة. وفي فتاویٰ ابن حجر أن تعلمه وتعليمه حرام شديد التحريم، لما فيه من إيهام العوام أن فاعله يشارك الله تعالى في غيبه.“
(الدرالمختار مع رد المحتار، مطلب في النجيم والرمل: ۴۴/۱، سعید)

(۱) سوال: ”شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دزد (چور) کے معلوم کرنے کی ترکیب لکھی ہے اور یہاں بعض بزرگ یہی ترکیب کرتے ہیں کہ دزد معلوم کرنے کے لئے ایک آیت بیضہ مرغ پر لکھتے ہیں اور پھر سورہ لسن یا کوئی اور سورہ پڑھتے ہیں اور ایک چھوٹے لڑکے سے بیضہ کو دکھواتے ہیں، وہ لڑکا اس انڈے میں دیکھ کر بتاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں چیز لئے ہوئے ہے۔ اس ترکیب سے بعض چیزیں لوگوں کو مل گئی ہیں، دزد کا پتہ لگ گیا ہے، ایسی ترکیب کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ اس ترکیب پر یقین نہ کرے، قرآن کا اتباع کرے کہ یقین کرنا جائز نہیں، حالانکہ یقین یا ظن غالب پیدا کرنے کے لئے ایسا ہو رہا ہے۔

الجواب: نہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ جس کا اس طرح سے پتہ لگے اس کا قصص بطریق شرعی کریں، لیکن عوام اس حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تمتہ سوال بالا

سوال: یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب: میرے نزدیک بالکل ناجائز، اس لئے کہ عوام حد قصص سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(إمداد الفتاوى، تعویذات و اعمال، عنوان مسئلہ: چور پر آمد کرنے کے لئے عملیات: ۸۶/۴، ۸۸، مکتبہ

دارالعلوم کراچی)

کرنا غلط ہے، ان اکابر نے نہ جفر سیکھا اور نہ سکھایا، نہ اس طرف توجہ کی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جھاڑ پھونک سے سانپ کے کاٹنے کا علاج

سوال [۹۶۱۷]: بنگال میں سانپ کثرت سے ہوتے ہیں، اکثر کاٹ بھی لیتے ہیں۔ وقت پر علاج کرنے والا کوئی مسلمان نہیں ملتا تو ہندوؤں سے علاج کراتے ہیں، وہ لوگ جھاڑ پھونک سے علاج کرتے ہیں۔ تو ان سے جھاڑ پھونک کرانا کیسا ہے؟

۲..... بعض دفعہ یہ لوگ ہاتھ چلاتے رہتے ہیں اور پتہ لگا لیتے ہیں کہ زہر اتر گیا یا باقی ہے۔ لہذا اس پر اعتقاد رکھنا کیسا ہے؟

۳..... اگر آپ کے پاس اس کا کوئی علاج ہے تو براہ کرم تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر یہ متعین ہے کہ وہ اس جھاڑ پھونک میں شرکیہ کلمات پڑھتے ہیں تو ان سے جھاڑ پھونک کرانا جائز نہیں (۱)۔ اگر محض احتمال ہو تو مکروہ ہے (۲)۔

۲..... یہ ایک تجربہ کی چیز ہے جس کو تجربہ ہوگا بتا سکے گا، کوئی شرعی اعتقادی چیز نہیں جس سے ایمان کا خطرہ ہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ مقیاس الحرارة سے بخار دیکھ لیتے ہیں، یا اطباء نبض سے بخار اور اس کی قسم معلوم کر لیتے ہیں۔

(۱) ”رقية فيها اسم صنم أو شیطان أو كلمة كفر أو غيرها مما لا يجوز شرعاً، ومنها ما لم يعرف معناها“.

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۵۵۲): ۳۱۸/۸، رشیدیہ)

(۲) ”وإنما تكره العوذۃ إذا كانت بغير لسان العرب ولا يدري ما هو، ولعله يدخله سحراً أو كفراً أو غير

ذلك“۔ (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی اللبس: ۳۶۳/۲، سعید)

(و كذا فی تكملة فتح الملهم، كتاب الطب، باب الطب والمرضى والرقى: ۲۹۵/۲، مكتبه

دارالعلوم، كراچی)

۳..... اکتالیس دفعہ الحمد شریف مع ”بسم اللہ“ سات مرتبہ ﴿وَإِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جِبَارِينَ﴾،
تین مرتبہ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اول و آخر درود شریف سات سات دفعہ پڑھ کر دم کر دیا کریں۔ نیز پانی پر
دم کر کے پلا دیں۔ اگر بے ہوش ہو تو پانی اس پر چھڑک دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

غیر مسلم سے سانپ کے کاٹے کو جھڑوانا

سوال [۹۶۱۸]: کافر سے سانپ کاٹے کا جھڑوانا کیسا ہے جب کہ ان میں کلمات کفر و شرک بھی
ہوتے ہیں، دیوی دیوتاؤں کے نام ہوتے ہیں؟ اگر کوئی کافر صرف بھگوان، یارام وغیرہ کا نام لے تو کیا یہ تاویل
صحیح ہے کہ وہ خدا کا نام ہے، کسی بھی لغت و زبان میں ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس رقیہ میں کلمات کفر ہوں، یا ایسے کلمات ہوں جس کے معنی معلوم نہ ہوں وہ رقیہ جائز نہیں (۱)۔
ہندو جھاڑ پھونک میں اپنے منتر وغیرہ بھی استعمال کرتا ہے جس میں دیو دیوتاؤں سے استمداد مطلوب ہوتی ہے
جس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔ اور بھگوان اور رام خداوند قدوس کے نام نہیں ہیں اور ان کے مفہوم سے خدائے پاک کی
ذات بالا و منزہ ہے۔ شامی: ۵/۳۵۷ میں ہے:

”وإنما تکره العوذۃ إذا كانت بغير لسان العرب، ولا یدری ماہو، ولعلہ یدخلہ
سحراً وکفراً و غیر ذلک. وأما ما کان من القرآن أو شیء من الدعوات، فلا بأس بہ“ (۲)۔ فقط
واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۶/۸۸ھ۔

(۱) ”رقیہ فیہا اسم صنم أو شیطان أو کلمۃ کفر أو غیرہا مما لا یجوز شرعاً، ومنہا ما لم یعرف معناہا“.

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۵۵۲): ۸/۳۱۸، رشیدیہ)

(۲) (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی اللبس: ۶/۳۶۳، سعید)

”إن الرقی یکره منہا ما کان بغير اللسان العربی، وبغير أسماء اللہ تعالیٰ وصفاته وکلامہ فی =

سفلی عمل کے ذریعے سٹے کا نمبر بتانا

سوال [۹۶۱۹]: ایک شخص عالم ہے اور بظاہر متقی پرہیزگار بھی ہے، امام مسجد بھی ہے، مگر وہ عالم سفلی عمل کے ذریعہ سے سٹے کا نمبر بتلاتا ہے۔ اس کے پاس اگر کوئی شخص اس کا خادم بن کر جاتا ہے اور خوشامد کرتا ہے تو عالم صاحب اس کو سٹے کا عمل بتلا دیتے ہیں۔ اور عالم صاحب یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بالکل مجبور اور مفلس ہو تو سٹے کا عمل ایسے شخص کے لئے پڑھنا جائز ہے اور جو روپیہ نمبر لگانے کا ملے وہ جائز بتلاتے ہیں۔ تو آپ شرعی رو سے بتلائیے کہ ایسے عالم کا عقیدہ کیسا ہے؟ اور سٹے کا عمل کرنا اور بتلانا جائز ہے یا نہیں؟ آپ جو شریعت کا مسئلہ ہو اس کو صاف صاف تحریر کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس عالم کا یہ طریقہ غلط اور خلاف شرع ہے، ایسی آمدنی بھی حرام ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= کتبہ المنزلة ولا یکره منها ما کان علی خلاف ذلک کالتعوذ بالقرآن وأسماء اللہ تعالیٰ

..... لا بأس بالرقی ما لم یکن فیہ شرک: ای کفر“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی، الفصل

الأول، (رقم الحدیث: ۴۵۲۸): ۸/۳۰۳، ۳۰۴، رشیدیہ)

(و کذا فی شرح النووی علی الصحیح لمسلم، باب الطب والمرض والرقی: ۲/۲۱۹، قدیمی)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ (سورة النساء: ۲۹)

”عن أبی حرة الرقاشی عن عمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم: ”ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع،

باب الغصب، والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

”عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”لا یدخل الجنة

لحم نبت من السحت، وکل لحم نبت من السحت كانت النار أولى به“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب

البیوع، باب الکسب، مطلب الحلال، الفصل الثانی، ص: ۲۴۲، قدیمی)

عمل برائے امداد مظلومین واجرتِ تعویذ

سوال [۹۶۲۰]: زید کے دل میں خلوص ہے اور وہ خلوص نیت سے کوئی قرآنی عمل کر رہا ہے کہ اس سے وہ قوت حاصل کر کے دین و قوم کی خدمت کرے گا۔ مراد مظلومین کی امداد اور ظالمین کا خاتمہ ہے۔ زید کے لئے وہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ تعویذ کے لکھنے والے تعویذ دینے کے بعد جو پیسہ لیتے ہیں، ان کا لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصیباً:

جب تک عمل کی پوری کیفیت سامنے نہ آنے اس کے متعلق حکم کیا لکھا جائے، نیز قرآن کریم ہدایت کے لئے نازل کیا گیا ہے (۱)، ظالموں کے ظلم سے روکنے اور عدل کو پھیلانے کے احکام بھی موجود ہیں (۲)، دعاء اور بددعاء بھی موجود ہے: ﴿ربنا اطمس علی أموالهم﴾ (۳)۔ جو شخص تعویذ جانتا ہے اور اس میں کوئی غلط چیز استعمال نہیں کرتا، غلط کام کے لئے تعویذ نہیں دیتا، اس کے لئے نذرانہ کی بھی نجائش ہے (۴)، مگر اس کو

(۱) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تَكْمٌ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِينَ﴾ (سورة يونس: ۵۷)

(۲) قال الله تعالى: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ، وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ﴾ (سورة النحل: ۹۰)

(۳) (سورة يونس: ۸۸)

(۴) ”أن الرقية ليست بقربة محضة، فجاز أخذ الأجرة عليها“۔ (تكملة فتح الملهم، كتاب الطب، باب جواز أخذ الأجرة على الرقية بالقرآن: ۳/۳۳۰، مكتبة دارالعلوم کراچی)

”جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن كما ذكره الطحاوی؛ لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوی“۔ (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم فی عدم جواز الاستیجار علی التلاوة والتهلل ونحوه: ۵۵/۶، سعید)

”لا بأس بالاستیجار علی الرقی والعلاجات کلها وإن كنا نعلم أن المستأجر علی ذلك قد یدخل فیما یرقی به بعض القرآن؛ لأنه ليس علی الناس أن یرقی بعضهم بعضاً، فإذا استوجروا فیہ علی أن یعملوا ماليس علیهم أن یعملوا، جاز ذلك“۔ (شرح معانی الآثار للامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ، کتاب الإجارة، باب الاستیجار علی تعلیم القرآن: ۲/۲۹۷، سعید)

پیشہ بنانا مناسب نہیں، حسبہ للہ خدمتِ خلق کا مقام بلند ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۶ھ۔

عمل برائے گمشدہ

سوال [۹۶۲۱]: گم شدہ چیز کے لئے کوئی عمل براہ کرم تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو رکعت تنہائی میں صلوٰۃ الحاجۃ کی نیت سے پڑھ کر درود شریف سات دفعہ، سورۃ لقمان رکوع نمبر: ۲، کی آیت ﴿یا بنیٰ انہا ان تک﴾ سے ﴿لطیف خبیر﴾ تک ۱۱۹/ دفعہ پھر ”یا حفیظ“ ۱۱۹/ دفعہ، پھر درود شریف ۷/ دفعہ پڑھ کر دعاء کی جائے کہ: اے خدائے پاک! میں گنہگار ہوں، تُو غفار ہے، میں عاجز ہوں تُو قادر ہے، میں نادان ہوں تُو دانا ہے، میں ضعیف ہوں تُو قوی ہے، میں محتاج ہوں تُو غنی ہے، فلاں چیز بلا استحقاق کے تُو نے ہی عطا فرمائی اور سب کچھ تیرا ہی دیا ہوا ہے، وہ چیز گم ہوگئی حالانکہ اس کی حاجت بھی تیری ہی پیدا کی ہوئی ہے، وہ چیز واپس عطا فرما دے، مجھے محروم نہ فرما۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۲/۹/۹۵ھ۔

کشف ارواح کا عمل

سوال [۹۶۲۲]: عمر کا بیان ہے کہ ایک عمل یا وظیفہ ایسا ہے کہ جس کے پڑھنے سے آسمان

وزمین، جنت و دوزخ، لوح و قلم کا حال معلوم ہو جاتا ہے اور قبر کے حالات اور روحوں سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے معلوم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

شادی ہونے کے لئے عمل

سوال [۹۶۲۳]: حنیف خان کالٹر کا معین خان ہے جو اس وقت بالغ ہے، لیکن ایک آنکھ خراب

ہونے کی وجہ سے اس کی شادی نہیں ہوتی ہے۔ آپ دعاء کیجئے اور ایک تعویذ لکھ دیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

معین کو بتادیں کہ وہ بعد عشاء تنہائی میں دو رکعت نماز حاجت پڑھ کر ”یا بدیع العجائب بالخیر یا بدیع“ ۱۰۱/ دفعہ، اول و آخر درود شریف ۷/ دفعہ پڑھ کر دعاء کیا کریں۔ حق تعالیٰ کامیاب فرمائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۵/۹۶ھ۔

وسعتِ رزق کا عمل

سوال [۹۶۲۴]: احقر کا ذریعہ معاش کاشتکاری ہے اور کچھ مقروض بھی ہے، اس لئے دعاء کریں اور وسعتِ رزق کے لئے کوئی عمل کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فجر کی سنت اور فجر کے درمیان ”سبحان اللہ وبحمدہ، وسبحان اللہ العظیم وبحمدہ، أستغفر اللہ“ سو بار، اول اور آخر درود شریف گیارہ بار روزانہ پڑھا کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۸/۸۷ھ۔

وسعتِ معیشت کا علاج

سوال [۹۶۲۵]: معیشت کے لئے اگر کوئی تدبیر یا عمل ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فجر کی سنت اور فرض کے درمیان سورہ الحمد شریف مع بسم اللہ ۴۱/ بار اول و آخر درود شریف ۱۱/ بار پابندی سے پڑھیں، حق تعالیٰ حلال روزی برکت والی دے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۹۳ھ۔

دستِ غیب کا عمل

سوال [۹۶۲۶]: دستِ غیب کا عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دستِ غیب کا جو عمل آج کل رائج ہے، وہ جنات کے ذریعہ چوری ہے، لہذا ناجائز ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی۔

یا جبرائیل بحق یا وہاب کا وظیفہ

سوال [۹۶۲۷]:۱ ”یا جبرائیل بحق یا وہاب“ اس طریقہ سے پڑھنا کیسا ہے؟

”قل هو اللہ أحد، یا جبرئیل“ کا وظیفہ

سوال [۹۶۲۸]:۲ ”قل هو اللہ أحد یا جبرائیل“ ہر آیت کے ساتھ مؤکل کا نام لے کر پڑھنا کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾ (سورة النساء: ۲۹)

”عن عمرو یثربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: خطبنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: ”لَا يَحِلُّ لِمَرٍءٍ مِنْ مَالِ أَخِيهِ شَيْءٌ إِلَّا بِطَيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ“۔ (شرح معانی الآثار للإمام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ، کتاب الکراہۃ، باب الرجل یمر بالحائط أله أن يأكل منه أم لا؟ : ۳۷۵/۲، قدیمی)

”دستِ غیب میں یہ ہوتا ہے کہ جنات اس کام پر مسلط ہو جاتے ہیں بعض عمل میں تو وہی روپیہ جس کو خرچ کر چکا ہے، وہ جہاں بھی ہو، وہاں سے اٹھا لاتے ہیں اور بعض عمل میں دوسرا روپیہ جس جگہ ان کے ہاتھ آئے، نکال لاتے ہیں، سو اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص خاص اس کام کے لئے آدمیوں کو نوکر رکھے کہ چوری کر کے مجھ کو دیا کرو۔ اس نے یہی کام جنات سے لیا اور چوری کے ناجائز ہونے کا کس کو انکار ہو سکتا ہے اور اگر یہ شبہ ہو کہ ممکن ہے کہ وہ جن اپنے پاس سے لے آتے ہوں تو چوری کہاں ہوئی؟

سوال تو امکان سے دوسرے احتمالات کی نفی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے اگر اپنے ہی پاس سے لائیں تو بھی ظاہر ہے کہ خوشی سے نہیں لاتے ورنہ اوروں کو لا کر کیوں نہیں دیتے؟ محض عمل کے جبر سے لاتے ہیں تو کس کو مجبور کرنا کہ اپنا مال مجھ کو دے دے خود حرام ہے، اور اس تقریر سے تسخیر جنات کا ناجائز ہونا بھی سمجھ میں آ گیا۔“ (عملیات و تعویذات، اور اس کے شرعی احکام، دستِ غیب اور جنات سے پیسے یا کوئی اور چیز منگوانے کا حکم، ص: ۱۲۰، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ثابت نہیں۔

۲..... قرآن کریم جس طرح نازل ہوا اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس طرح تلاوت فرما کر صحابہ کرام کو سنایا اور پڑھا، یا اسی طرح پڑھنا چاہیے، اس میں تغیر و تبدل کا کسی کو حق نہیں:

﴿وَإِذَا تَتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ، قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا إِنَّتَ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ، قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَبْدِلْهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ اتَّبَعَ إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ، إِنْی أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ (سورۃ یونس، رکوع: ۲) (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۵ھ۔

”ناد علی“ کا وظیفہ

سوال [۹۶۲۹]: ”ناد علی“ کے نام سے مشہور ایک عمل عملیات کی کتابوں میں ہے، کیا اس کو بطور وظیفہ کے پڑھنا جائز ہے۔ ناد علی یہ ہے:

”ناد علیاً مظهر العجائب، وتجده عوناً لك في النوائب كل هم وغم

سینجلی یا محمد بولا یتک یا علی یا علی یا علی“۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناد علی کا وظیفہ پڑھنا غلط ہے، خلاف شرع ہے، اس کو ہرگز نہ پڑھا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۹۵ھ۔

(۱) ترجمہ: ”اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے آیتیں ہماری واضح، کہتے ہیں وہ لوگ جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی، لے آ کوئی قرآن اس کے سوا، یا اس کو بدل ڈال، تو کہہ دے میرا کام نہیں کہ اس کو بدل ڈالوں اپنی طرف سے، میں تابعداری کرتا ہوں اسی کی جو حکم آئے میری طرف، میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی، بڑے دن کے عذاب سے“۔ (ترجمہ شیخ الہند رحمہ اللہ سورہ یونس: ۱۵)

(۲) مذکورہ الفاظ ”ناد علیاً العجائب الخ“ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے ان سے مدد مانگی جا رہی ہے، جب کہ مدد کرنے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے مدد مانگنا جائز و حرام ہے، لہذا مذکورہ الفاظ کو بطور دعایا =

عمل کو پلٹنے کا حکم

سوال [۹۶۳۰]: میری بہن کے شوہر کی دوسری بیوی نے میری بہن اور ان کے شوہر میں جدائی ڈالنے کا ایسا سخت کوئی عمل کرا دیا کہ اگر اس کو پلٹا جائے تو عامل بتاتے ہیں کہ اس عمل کرانے والی کی جان کا خطرہ ہے۔ ایسی صورت میں شرعاً عمل پلٹنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے عامل سے اس کو پلٹایا جائے جو اس عمل کے اثر کو ختم کر دے اور کفر و شرک یا کسی حرام چیز کا ارتکاب نہ کرے (۱) اور جان نہ لے لے، ہلاک نہ کر دے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۹۴ھ۔

= وظیفہ پڑھنا جائز نہیں، نیز اگر مذکورہ الفاظ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حاضر و ناظر ہونے کے عقیدے سے پڑھا جائے تو یہ شرک ہے، اور شرک کی کبھی بھی معافی نہیں ہوگی۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾ (سورة یونس: ۴۹)
قال العلامة الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قوله تعالیٰ: ﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ﴾: «أى لا أقدر على شيء منهما بوجه من الوجوه. وتقديم الضر لما أن مساق النظم الكريم لإظهار العجز عنه، وأما ذكر النفع فللتعميم إظهاراً لكمال العجز». (روح المعاني، (سورة یونس: ۴۹): ۱۱/۱۳۰، دار إحياء التراث العربی بیروت)
(۱) «وقد روى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في إباحة الرقي كلها ما لم يكن شرك عن عوف بن مالك الأشجعي رضي الله تعالى عنه قال: كنا نرقي في الجاهلية فقلنا: يا رسول الله! كنا نرقي في الجاهلية فما ترى في ذلك؟ قال: «اعرضوا على رقاكم، لا بأس بالرقي ما لم يكن شرك عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: لما نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن الرقي أتاه خالي فقال: يا رسول الله! إنك نهيت عن الرقي وإني أرقى من العقر، قال: «من استطاع منكم أن ينفع أخاه، فليفعل». (شرح معاني الآثار للإمام الطحاوي رحمه الله تعالى، كتاب الكراهة، باب الكي هل هو مكروه أم لا، مبحث الرقي: ۲/۲۲۷، ۲۲۸، سعيد)

«وإنما تكره العوذۃ إذا كانت بغير لسان العرب ولا يدري ما هو، ولعله يدخله سرّاً أو كفراً أو غير ذلك». (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۶۳، سعيد)

(و کذا فی تکملة فتح الملهم، کتاب الطب، باب الطب والمرضى والرقي: ۲/۲۹۵، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ (سورة الأنعام: ۱۵۱) =

جوانی میں عملیات کرانا

سوال [۹۶۳۱]: سنا ہے کہ اپنے اوپر عملیات کا استعمال جوانی کی عمر میں نہ کیا جائے، کیونکہ بھٹکنے کا خوف ہے۔ یہ بات کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عملیات (تسخیر وغیرہ) سے پرہیز کیا جائے، جو اعمال صالحہ احادیث سے ثابت ہیں، ان کو اختیار کرنے میں خطرہ نہیں اور وہ باعث خیر و برکت بھی ہیں اور موجب اجر و ثواب بھی ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۹ھ۔

لکھے ہوئے پانی کی مضرت اور اس کا علاج

سوال [۹۶۳۲]: اگر پانی پر کوئی شخص (جو برتن وغیرہ میں رکھا ہو) لکھ جاوے اور اس کے پینے سے گلا دکھنے لگے تو اور پانی لے کر اس کو چاقو سے تین بار کاٹ کر پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ایک ٹوٹکا ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، اگر اعتقاد ہو کہ چاقو سے کاٹ کر پانی پینے سے گلا ٹھیک ہو جائے گا تو چونکہ یہ شرعاً کوئی علاج ہے نہ طباً۔ لکھے ہوئے پانی کو نہ شریعت نے مضر بتایا، نہ طب نے، لہذا اس سے احتراز چاہیے۔ اگر یہ اعتقاد نہ ہو تو یہ ایک فعل عبث ہے اور دوسروں کے حق میں مفسد عقیدہ، اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے پانی کے احترام کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا ہوگا کہ پانی کو لکھنا نہیں چاہیے اور اس میں ایک مضرت بھی تجویز کر دی کہ گلا دکھے گا، کیونکہ بلا مضرت بتلائے

وقال الله تعالى: ﴿وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ (سورة الفرقان: ۶۸)

(۱) مثلاً ہر نماز کے بعد آیت الکرسی اور معوذتین کا پڑھنا، اسی طرح ہر کام کی انجام دہی کے وقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو دعائے ماثورہ ثابت ہیں، ان کا اہتمام کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شاید یہ مخصوص احترام نہ ہوگا، یا لکھنے سے پانی میں کچھ ذرات گرنے کی وجہ سے اس کو منع کیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱۱/۵۴ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۲/ذی قعدہ/۵۴ھ۔

عذاب قبر سے حفاظت کا عمل

سوال [۹۶۳۳]: کوئی ایسا عمل تحریر فرمائیں جس سے قبر میں عذاب نہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناپاکی سے بچنا، ہمیشہ پاک رہنا (۱)، قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کرنا، سنت کا پورا اتباع کرنا، سونے سے پہلے سورہ ملک پابندی سے پڑھنا (۲)، ہر نماز میں درود شریف کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگنے کی دعا پڑھنا جس میں ”أعوذ بك من عذاب القبر“ بھی ہے (۳)۔ چغل خوری سے پرہیز کرنا (۴)۔ یہ چیزیں ایسی ہیں

(۱) ”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: مر البنی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین یعذبان، فقال: ”إنهما لیعذبان، وما یعذبان فی کبیر، أما أحدهما فكان لا یستتر من البول“۔ وفی رویۃ مسلم: ”لا یستتر من البول، وأما الآخر فكان یمشی بالنمیمۃ“۔ ثم أخذ جریدة رطبۃ، فشققها بنصفین، ثم غرز فی کل قبر واحدۃ۔ قالوا: یا رسول اللہ! لم صنعت هذا؟ فقال: ”لعله أن یخفف عنہما ما لم ییسسا“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الطہارۃ، باب آداب الخلاء، الفصل الأول، ص: ۴۲، قدیمی)

(و کذا فی تنبیہ الغافلین، باب النمیمۃ، ص: ۹۰، رشیدیہ)

(۲) ”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أنه قال لرجل: ألا اتحفک بحدیث تفرح بہ؟ قال: بلی، قال: اقراء تبارک الذی بیده الملك، وعلمها اهلک وجميع ولدک وصبيان بیتک وجيرانک، فإنها المنجیۃ والمجادلة تجادل أو تخصم یوم القیامۃ عند ربها لقارئها، وتطلب له أن ینجیه من عذاب النار وینجی بها صاحبها من عذاب القبر، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”لو ددت أنہا فی قلب کل إنسان من امتی“۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۃ الملک: ۵۰۸/۴، مکتبہ دار السلام ریاض)

(۳) ”عن مسلم بن أبی بکرۃ، قال: کان أبی یقول فی دبر کل صلاۃ: ”اللهم إنی أعوذ بک من الکفر والفقر وعذاب القبر“۔ فکنت أقولہن، فقال: ای بنی! عمن أخذت هذا؟ قلت: عنک، قال: إن رسول اللہ =

کہ انشاء اللہ تعالیٰ ان کے اہتمام کے برکت سے عذاب قبر سے حفاظت رہے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۹/۹۱ھ۔



= صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یقولہن فی دبر کل صلوۃ“۔ (عمل الیوم واللیل، باب مایقول فی دبر

صلوۃ الصبح، (رقم الحدیث: ۱۱۱)، مکتبہ الشیخ کراتشی)

(وکذا فی سنن النسائی، کتاب الصلوۃ، باب التعوذ فی دبر الصلوۃ: ۱/۹۸، قدیمی)

(۴) (راجع رقم الحاشیۃ الأولى أعنی من الصفحة المتقدمة)

باب الاثتات

(خطر و اباحت کے مختلف مسائل کا بیان)

سبز پتوں اور شاخوں کو کاٹنا

سوال [۹۶۳۲]: سبز درختوں کو فروخت کرنا، ان کو کاٹنا، ان کے تختے نکالنا کیسا ہے، جبکہ درخت کی پتیاں تسبیح کرتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرورت کے لئے ایسے درختوں کو کاٹنا، فروخت کرنا، آرہ مشین چلا کر تختہ نکالنا سب درست ہے۔ سبز درختوں کی تسبیح کی وجہ سے ضروریات کو نہیں روکا جاتا، ورنہ جانوروں کو گھاس کھانا ہی منع ہو جائے گا اور سبزی کھانا بھی ختم ہو جائے گا۔ سبز شاخ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی درخت سے جدا فرما کر اس سے کام لیا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، کیم/ربیع الاول/۸۸ھ۔

(۱) ”عس ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین یعذبان، فقال: ”إنهما لیعذبان، وما یعذبان فی کبیر، أما أحدهما فكان لا یستتر من البول، وأما الآخر فكان یمشی بالنميمة“. ثم أخذ جریدة رطبة، فشقها بنصفین، ثم غرز فی کل قبر واحدة. فقالوا: یا رسول اللہ! لم صنعت هذا؟ فقال: ”لعله أن یخفف عنہما ما لم یبسا“. (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الجرید علی القبر: ۱/۱۸۲، قدیمی)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: ۱/۳۷۳، رقم الحدیث: ۱۹۸۱)، (دار احیاء التراث العربی بیروت)

(وسنن النسائی، کتاب الجنائز، باب وضع الجرید علی القبر: ۱/۲۹۱، قدیمی)

پھل دار درخت کو کاٹنا

سوال [۹۲۳۵]: پھل والے درخت کو یا بغیر پھل والے درخت کو سرسبز و شاداب ہونے کی حالت میں کٹوا کر تجارت کرنا، یا اپنے ضروری کاموں میں صرف کر لینے کا کیا حکم ہے، جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حسب ضرورت یہ تصرف جائز ہے، بلا ضرورت نفع عام کی چیز کو کٹوانا سید منفعات اور اضاعت مال ہے۔ نیز سرسبز درخت تسبیح کرتا ہے (۱)، اس کو تسبیح سے روکنا ہے۔ اور بوقت ضرورت کٹوانے میں مضائقہ نہیں، کیونکہ درخت وغیرہ انسانوں کی ضرورت کے لئے ہی پیدا کئے گئے ہیں:

فی أحكام القرآن لأبی بکر الرازی الحصاص تحت قوله تعالى: ﴿ما قطعتم من لينة﴾ الآية: ”وروی عثمان بن عطاء عن أبيه قال: لما وجه أبو بكر رضي الله تعالى عنه الجيش إلى الشام، كان فيما أوصاهم به: ”ولا تقطع شجرة مثمرة“. قال أبو بكر: ”تأوله محمد بن الحسن على أنهم قد علموا أن الله تعالى سيغنمهم إياها وتصير للمسلمين إذا غزوا أرض الحرب وأرادوا الخروج، فإن الأولى أن يحرقوا شجرهم وزروعهم وديارهم، وكذلك قال أصحابنا في مواشيهم إذا لم يمكنهم إخراجها ذبحت ثم أحرقت. وأما ما رجوا أن يصير فيئاً للمسلمين، فإنهم إن تركوه ليصير للمسلمين، جاز، وإن أحرقوه غيظاً للمشركين، جاز استدلالاً بالآية،

(۱) ”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: مر النبي صلى الله عليه وسلم بقبرين يعذبان، فقال: ”إنهما ليعذبان، وما يعذبان في كبير، أما أحدهما فكان لا يستتر من البول، وأما الآخر فكان يمشي بالنميمة“. ثم أخذ جريدة رطبة فشققها بنصفين، ثم غرز في كل قبر واحد. فقالوا: يا رسول الله! لم صنعت هذا؟ فقال: ”لعله أن يخفف عنها ما لم ييبس“. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر: ۱۸۲/۱، قديمی)

قال ابن حجر رحمه الله تعالى ”وقد قيل: إن المعنى فيه أن يسبح مادام رطبا، فيحصل التخفيف ببركة التسبيح. وعلى هذا فيطرد في كل ما فيه رطوبة من الأشجار وغيرها“. (فتح الباری، كتاب الوضوء، باب: من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ۴۲۵/۱، قديمی)

وبما فعله النبي صلى الله عليه وسلم في أموال بني النضير“. أحكام القرآن: ۳/۵۲۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۱۸/۱۱/۵۷ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد، صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ذیقعدہ/۱۹۵۷ھ۔

پانچے سے پیشاب پاخانہ وغیرہ کرنا

سوال [۹۲۳۶]: آدمی یا عورت کلی دار پانچامہ پہنے ہوئے ہے، اس صورت میں عورت کو پیشاب، پاخانہ یا شوہر سے وطی کرنا، یعنی آدمی کا جانگیا یا ڈھیلا پانچامہ پہن کر بغیر از از بند کھولے ہوئے دائیں یا بائیں پیر اٹھا کر پیشاب یا پاخانہ یا عورت سے وطی کرنا کیسا ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

پیشاب بھی ہو جائے گا، پاخانہ بھی ہو جائے گا، وطی بھی ہو جائے گی، شریعت کی طرف سے اس پر پابندی نہیں، لیکن اس طرح کرنے سے کپڑا خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۹۰ھ۔
الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/۹۰ھ۔

(۱) (أحكام القرآن، (سورة الحشر: ۵): ۳/۶۲۲، قديمی)

(۲) ”عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى أعرابياً يبول في المسجد فقال: ”دعوه“ حتى إذا فرغ، دعا بماء فصبه عليه“. (صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب ترك النبي صلى الله عليه وسلم والناس الأعرابى حتى فرغ من بوله في المسجد: ۱/۳۵، قديمی)

قال الحافظ في شرح الحديث المذكور: ”إنما تركوه يبول في المسجد أما أن لا يقطعه، فلا يأمن من تنجيس بدنه أو ثوبه“. (فتح الباری: ۱/۴۲۸، قديمی)

”وفيه التحذير من ملابسة البول“. (فتح الباری، قبیل باب ماجاء فی غسل البول:

۱/۴۲۶، قديمی)

(وكذا في عمدة القاری، قبیل باب صب الماء على البول في المسجد: ۲/۱۲۷، إدارة الطباعة المنيرية)

نئی صدی کا استقبال

سوال [۹۶۳۷]: کیا پندرہویں صدی کے استقبال میں جلسے جلوس کرنا درست ہے، کیا قرآن و حدیث اور فقہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے، جو لوگ ایسا کریں ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے اس کا ثبوت دلائل شرعیہ میں کہیں نہیں ملا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

(۱) مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کے ہر کام کی بنیاد خوشنودی خداوندی، وقار اور سنجیدگی پر ہو اور نئی صدی کے استقبال میں جلسے جلوس اور اس قسم کے دیگر امور میں نہ خوشنودی ہے، نہ وقار، نہ سنجیدگی:

”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لأشج عبد القیس: ”إن فیک لخصلتین یحبہما اللہ: الحلم والأناة“۔ رواہ مسلم“۔

”عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رجلاً قال للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: أوصنی فقال: ”خذ الأمر بالتدبیر، فإن رأیت فی عاقبتہ خیراً، فأَمْضِهِ. وإن خفت غیاً، فأَمْسِكْ“۔ رواہ فی شرح السنۃ“۔

”وعن مصعب بن سعید عن أبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ - قال الأعمش: لا أعلمہ إلا عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم - قال: ”التَّوَدُّةُ فی کل شیءٍ خیرٌ إلا فی عمل الآخرة“۔ رواہ أبو داؤد“۔

”وعن عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”السَّمْتُ الحَسَنُ والتَّوَدُّةُ والاقتصاد جزءٌ من أربع وعشرين جزءاً من النبوة“۔ رواہ الترمذی“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب الحذر والتأنی فی الأمور، الفصل الثانی، ص: ۴۳۰، قدیمی)

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: ”الحلم“..... مکافاة الظالم فی الأصل، ثم یستعمل فی العفو عن الذنب. قیل: والمراد به هنا عدم استعجاله وتراخیه حتی ینظر فی مصالحه ”والأناة“..... فقیل: معناه (أی معنی الأناة): الوقار والتثبت. وقیل: الثبات فی الطاعات. وقیل: المراد جودة نظرة فی العواقب..... اه“۔ (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب الحذر والتأنی فی الأمور، الفصل الأول: ۸/۷۸۵، (رقم الحديث: ۵۰۵۳)، رشیدیہ)

وقال: ”خذ الأمر بالتدبیر“..... أى بالتفکر فی دبره، والتأمل فی مصالحه ومفاسده، =

غلط پروپیگنڈہ کی مذمت

سوال [۹۶۳۸]: مسلمان کے خلاف پروپیگنڈہ قائم کرنا اور ان مسلمانوں کے جو کہ واقعی مسلمان ہیں یعنی نماز روزہ کے پابند، اور یہ پروپیگنڈہ کرنے والے اپنے کو شریعت کا پابند کہتے ہیں اور یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ان سے نہ کوئی بولے نہ ان کی معیت وغیرہ میں شریک ہو۔ اور جب وہ لوگ سلام کرتے ہیں تو شریعت کے پابند اشخاص جو کہ اپنے کو سمجھتے ہیں تھوکتے ہیں اور سلام کا جواب نہیں دیتے۔ تو ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا وجہ ایسا کرنا حرام ہے (۱)، جس وجہ سے ایسا کرتے ہیں اس کی وجہ معلوم ہونے پر زیادہ تفصیل

= والنظر فی عاقبة أمره. (مرقاۃ المفاتیح، المصدر السابق، الفصل الثانی: ۸/۷۸، (رقم الحدیث: ۵۰۵۶)، رشیدیہ)

باوجود اس کے اگر کوئی صرف خوشی کے طور پر بھی کرتا ہے تب بھی درست نہیں، کیونکہ اس میں کفار سے تشبہ ہے اور فضول خرچی تو ہر حال میں ہے، لہذا اس عمل کو ترک کرنا چاہیے:

قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَبْذُرْ تَبْذِيرًا، إِنَّ الْمُبْذِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ﴾ (سورة الإسراء: ۲۶، ۲۷)

”عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”من تشبه بقوم، فهو منهم“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۵، قدیمی)

قال العلامة الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: ”أی من شبه نفسه بالكفار مثلاً فی اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار“ فهو منهم“: ”أی فی الإثم والخیر“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۳۴۷): ۸/۱۵۵، رشیدیہ)

(۱) ”عن أبی هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”حق المسلم على المسلم خمس: رد السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة، وتشميت العاطس“۔ متفق عليه“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المريض، الفصل الأول، ص: ۱۳۳، قدیمی)

”عن أبی أيوب الأنصاري رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”لا يحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال، يلتقيان، فيعرض هذا ويعرض هذا، وخيرهما الذي يبدأ“ =

اور توضیح کی جاسکتی ہے کہ اس وجہ کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۷/۵۷ھ۔

چونکہ سوال کو سائل نے مجمل رکھا اس لئے مفتی صاحب کا جواب بھی سائل کے سوال کے مطابق مجمل ہے، بہتر یہ تھا کہ سائل سوال کو تشریح و تعیین سے معلوم کرتا، پس سوال کے مطابق مفتی صاحب کا جواب صحیح ہے۔ فقط والسلام۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۷/۵۷ھ۔

چراغ پھونک مار کر بجھانا

سوال [۹۶۳۹]: چراغ منہ سے پھونک مار کر بجھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح بھی درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۸۹ھ۔

= بالسلام۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب ماینہی عنہ من التہاجر اھ، الفصل الأول، ص: ۴۲۴، قدیمی)

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: ”وقال أكمل الدين من أئمتنا: في الحديث دلالة على حرمة هجران الأخ المسلم فوق ثلاث أيام“. (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الآداب، باب ماینہی عنہ من التہاجر اھ، الفصل الأول: ۷۵۸/۸، (رقم الحديث: ۵۰۲۷)، رشیدیہ)

”وعن أبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”ملعون من ضار مؤمناً أو مكرهه“. (مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب ماینہی عنہ من التہاجر اھ، الفصل الثانی، ص: ۴۲۸، قدیمی)

(۱) حدیث میں بجھانا مطلق آیا ہے، کسی معین طریقہ کا ذکر نہیں: =

ردی کاغذ کا گتّا بنانا

سوال [۹۶۲۰]: موجودہ دور میں کاغذ کی افراط کے ساتھ ردی کی بھی بہت کثرت ہے، اس میں اردو اخبارات جس میں ترجمہ احادیث اور ترجمہ قرآن پاک بھی ہوتا ہے۔ نیز بہشتی زیور، اردو، فقہ یا عربی قواعد وغیرہ کے اوراق ہوتے ہیں۔ ان کا مصرف کیا ہے؟ آج کل گتّا میل گتّا بنانے کے واسطے یہ ردی خریدتا ہے اور وہ وہاں دھل کر صاف ہو کر گتّا بنانے کے کام میں آجاتی ہے، جو انسان کی ضرورت کے کام آتا ہے اور ردی کی فروختگی میں مسلمان کو نفع بھی ہے۔ چونکہ اکثر اردو پریس اور اردو کتب خانہ مسلم آدمیوں کے ہیں اور اس میں ان کا کافی نقصان بھی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ ان اوراق کی بے ادبی نہیں کرتے، نجاست میں استعمال نہیں کرتے (۱)، ان کو دھو کر گتّا بناتے ہیں تو ان کے ہاتھ فروخت کرنا شرعاً درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۹۰ھ۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۹۰ھ۔

= "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "أطفئوا المصابيح عند الرقاد، فإن الفويسقة ربما اجترت الفتيلة، فأحرقت أهل البيت". (مشکوۃ المصابيح، کتاب الأطعمة، باب تغطية الأواني وغيرها، قبيل كتاب اللباس، ص: ۳۷۲، قديمی)
(ومسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه: ۳/۸، رقم الحديث: ۱۲۷۴۷)، دار إحياء التراث العربی بیروت

(۱) "وہ اوراق جو لکھنے کے کام آتے ہیں، وہ اگرچہ خالی اور صاف ہوں تب بھی ان کا احترام کرنا چاہیے:
"وكذا ورق الكتابة لصقالته وتقوّمه، وله احترام أيضاً، لكونه آلة لكتابة العلم، ولذا علله في التاترخانية: بأن تعظيمه من آداب الدين. ومفاده الحرمة بالمكتوب مطلقاً. وإذا كانت العلة في الأبيض كونه آلة للكتابة كما ذكرنا، ويؤخذ منها عدم الكراهة فيما لا يصلح لها إذا كان قالعاً للنجاسة غير متقوم كما قدمناه". (رد المحتار، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء: ۱/۳۴۰، سعيد)

(۲) "قوله: لا بأس بكواغذ أخبار: أي بجعلها غلافاً لمصحف ونحوه والظاهر أن المراد بالأخبار =

تعلیم کی غرض سے بچوں سے نعت پڑھوانا

سوال [۹۶۴]: تعلیم کی غرض سے چھوٹے چھوٹے بچوں کو صبح کے وقت نعت حضور پر نور پڑھوایا جاتا ہے تاکہ بچوں کو شوق ہو اور دوسرے بچے تعلیم کے لئے آئیں۔ یہ شرعاً درست ہے، یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام مستقل قربت وسعدت ہے (۱)، بچے اور بڑے سب ہی پڑھا کریں، مگر ادب واحترام کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک جداگانہ تنہائی میں بیٹھ کر پڑھے، آواز ملا کر جس میں گانے اور قوالی کا طرز پیدا ہو جائے نہ پڑھیں، نعت کا بھی یہی حال ہے، ترانے کے طور پڑھنے سے اس میں لہو ولعب کی شان پیدا ہو جاتی ہے، اس سے پوری احتیاط چاہئے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۵ھ۔

= التواریخ“۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۸۶/۲، سعید)

وقال العلامة الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قوله: ”الظاهر“: إنه أشار بنقله إلی أن تصحیح الانتفاع بالخالصة تصحیح لجواز بیعها أيضاً“۔ (تقریرات الرافعی علی حاشیة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۰۸/۲، سعید)
(۱) ”علی أن المختار عند جماعة منهم أبو العباس المبرد وأبو بکر بن العربی أن نفع الصلوة غیر عائد له صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بل للمصلی فقط، وكذا قال السنوسی فی شرح وسطاه: إن المقصود بها التقرب إلی اللہ تعالیٰ لا كسائر الأدعية التي یقصد بها نفع المدعو له، اھ۔ وذهب القشیری والقرطبی إلی أن النفع لهما۔ وعلى كل من القولین فهي عبادة یتقرب بها إلی اللہ“۔
(ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: هل نفع الصلوة عائد للمصلی أم له وللمصلی علیہ: ۵۱۶/۱، سعید)

(۲) ”نعم إذا قیل ذلك علی الملاھی امتنع، وإن كان مواعظ وحکماً للآلات نفسها لا لذلك التغنی، اھ۔..... وفی الملتقى: وعن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أنه كره رفع الصوت عند قراءة القرآن والجنابة والزحف والتذكیر، فما ظنك به عند الغناء الذي یسمونه وجداً ومحبةً، فإنه مكروه لا أصل له فی الدین“۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة: ۳۴۹/۲، سعید)

آلہ مکبر الصوت

سوال [۹۶۴۲]: ایک شخص نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے کہ بڑے بڑے مجمع میں (قرآن خواں، واعظ، مقرر) کی آواز تمام مجمع کے حاضرین کو اس آلہ کے ذریعہ سے بلا تکلف اور بخوبی قاری صاحب، واعظ مقرر صاحب کی آواز پہنچ جاوے اور کوئی فرد واحد اس کثیر مجمع میں حضرات فائض کے فیض سے محروم نہ رہ سکیں۔

استفسار طلب یہ امر ہے کہ ایسے آلہ کا استعمال ضرورت مذکورہ کے وقت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ آلہ کے جواز و عدم جواز کی دلیل کتب شرعیہ سے ہونی چاہیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ محض آواز کا پہونچانا مقصود ہو اور اس میں صرف حاضرین کو خطاب ہی ہو اور کوئی عبادت اس کے علاوہ نہ ہو، وہاں اس آلہ کا بھی استعمال جائز ہے کہ اصل مقصود کے حصول کا معین ہے، جب اصل مقصود مباح ہے تو اس کا وہ معین کہ جس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہ ہو وہ بھی مباح ہوتا ہے، وھذا مما لا یخفی علی أحد ممن مارس علم الفقہ والحديث (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہانپور، ۱۹/۱۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، ۹/جمادی الاولیٰ/۵۹ھ۔

(۱) ”الضرورات تبیح المحظورات۔ الضرورات تتقدر بقدرها“۔ (قواعد الفقہ، رقم القاعدة: ۱۷۰،

۱۷۱)، ص: ۸۹، الصدف پبلشرز کراچی)

”امام کے پیچھے دوسری صف میں جو مبلغ کھڑے کئے جاتے ہیں کہ وہ زور سے تکبیرات کہتے رہیں تاکہ لوگوں کو تکبیرات زوائد اور تکبیرات رکوع و سجود پہنچانے میں آسانی ہو، ان کے سامنے لاؤڈ اسپیکر لگا دیا جائے تو جائز ہے جس سے صرف تکبیرات لوگوں کو پہنچ جائیں اور نماز صحیح طور پر ادا ہو جائے، امام کی قرأت لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے نہ پہنچائی جائے۔ نماز کے بعد امام لاؤڈ اسپیکر کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھ دے تو جائز ہے“۔ (کفایت المفتی، کتاب الحظر والإباحة،

سولہواں باب: ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر: ۲۰۶/۹، دارالاشاعت کراچی)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (آلات جدیدہ، آلہ مکبر الصوت کے شرعی احکام، آلہ مکبر الصوت کا استعمال

نماز میں، ص: ۳۸، ادارۃ المعارف کراچی)

جس لاؤڈ اسپیکر پر گانے گائے جائیں، اس سے سحری کے لئے جگانا

سوال [۹۶۲۳]: لاؤڈ اسپیکر پر فحش گانے ہوتے ہیں، کچھ قوالیاں بھی ہوتی ہیں، اس طرح سحری کے لئے جگانا جائز ہے یا نہیں؟ شادی بیاہ کے موقع پر لاؤڈ اسپیکر لگا کر اس طرح گانے بجانا جائز ہے یا نہیں؟ اور لاؤڈ اسپیکر سے جو روپیہ کمایا جاتا ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ کوئی عالم فاضل اگر ایسے شخص کے یہاں ٹھہرے یا کھانا کھاوے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لاؤڈ اسپیکر پر اس طرح فحش گانا گاکر سحری کے لئے جگانا ممنوع ہے، احترامِ رمضان کے بھی خلاف ہے، فی نفسہ بھی ناجائز ہے۔ شادی بیاہ میں بھی یہ چیز منع ہے۔ اس طرح روپیہ کمانا بھی منع ہے۔ اہل علم کو ایسے روپیہ سے دعوت قبول نہیں کرنا چاہیئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۱۳۹۰ھ۔

بجلی سے آدمی کیوں مرجاتا ہے؟

سوال [۹۶۲۴]: کڑک اور بجلی کیا چیز ہے، اس بجلی سے انسان یا جانور مرجاتے ہیں، اس کی اصل

وجہ کیا ہے؟

(۱) ”ولا یجیب دعوة الفاسق المعلن لیعلم أنه غیر راض بفسقه، وكذا دعوة من كان غالب ماله من حرام مالم یخبر أنه حلال“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، كتاب الكراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضيافات: ۳۴۳/۵، رشیدیہ)

”إذا أهدى الرجل إلى انسان أو أضافه، إن كان غالب مال المهدى من الحرام، ینبغی له أن لا یقبل الهدیة ولا یأكل من طعامه مالم یخبر أنه حلال“۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریہ، كتاب الحظر والإباحة، وما یكره أكله وما لا یكره وما یتعلق بالضيافة: ۴۰۰/۴، رشیدیہ)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، كتاب الكراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضيافة:

۳۴۲/۵، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا مختصر بیان میبذی میں ہے (۱) اور تفسیر فتح العزیز میں زیادہ ہے (۲)۔ یہ مسئلہ نہ فقہ کا ہے، نہ عقائد کا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۷/۹۲ھ۔

کمر کے دونوں جانب ہاتھ رکھنا

سوال [۹۶۲۵]: دونوں طرف کمر پر ہاتھ رکھنا کیسا ہے، اور دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے باندھ کر چلنا

کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نامناسب ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۹۵ھ۔

(۱) ”وأما الرعد والبرق، فسببها أن الدخان إذا ارتفع واحتبس (الدخان فيما بين السحاب)، فما صعد إلى العلو مزق السحاب تمزيقاً عنيفاً، فيحصل صوت هائل هو الرعد بتمزيقه. وإن اشتعل الدخان (لما فيه من الدهنية) بالحركة، كان برقاً (إن كان لطيفاً، وينطفئ بسرعة) وصاعقة (إن كان غليظاً، ولا ينطفئ حتى يصل إلى الأرض، وإذا وصل إليها فربما صار لطيفاً ينفذ في المتخلل ولا يحرقه. ويذب الأجسام المندمجة فيذهب الذهب والفضة في الصرة مثلاً، ولا يحرقها إلا ما احترق من الذوب. وربما كان كثيفاً غليظاً جداً، فيحرق كل شيء أصابه، وكثيراً ما يقع على الجبل، فيدّكه دكاً“۔ (المیبذی، ص: ۹۷، میر محمد کتب خانہ)

(۲) (تفسیر عزیزی، (سورة البقرة: ۱۹): ۲۱۶/۱-۲۲۳، سعید)

(۳) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: نهى أن يصلي الرجل مختصراً“۔ (صحيح البخاري، كتاب

التهجد، باب الخصر في الصلوة: ۱/۱۶۳، قديمی)

قال العيني رحمه الله تعالى: ”الخصرُ وضع اليد على الخاصر. وقد فسره الترمذی بقوله:

والاختصار هو أن يضع الرجل يده على خاصرته في الصلوة. وكأنه أراد نفس الاختصار المنهى عنه، =

کیڑے مکوڑوں کی پیدائش

سوال [۹۶۴۶]: جس طریقے سے انسان کی پیدائش کے پہلے اس میں روح کا فرشتہ روح ڈال دیتا ہے، اسی طریقے سے کیا کیڑے مکوڑے، چیونٹی، یا اسی طریقے کے جاندار، کیا ان میں بھی روح ڈالی جاتی ہے، یا یونہی پیدا ہو جاتے ہیں جیسے اناج میں ہو جاتے ہیں، چھھر ہو جاتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کیڑے مکوڑے بھی سب پاؤں خداوندی پیدا ہوتے ہیں، خود بخود پیدا نہیں ہوتے (۱)۔ تفصیلی کیفیت پیدائش کی معلوم نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۹۴ھ۔

غلامی کو ناپسند کرنا

سوال [۹۶۴۷]: اگر کوئی شخص اسلام کے دستور ”غلامی“ کو ناپسند کرتا ہو اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہو تو وہ مسلمان باقی رہ جائے گا یا کافر ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ناپسندیدگی اصل حقیقت کے نہ معلوم ہونے کی وجہ سے ہے، جیسا کہ دیگر اقوام آج کل ناپسند کرتی

= والا فحقیقة الاختصار لا تنقید بكونها فی الصلوة أما الحکمة فی النهی عن الخصر فقیل: لأن إبليس أهبط مختصراً، قيل: لأن اليهود تكثر من فعله، فنهى عنه كراهةً للتشبه بهم“. (عمدة القاری، باب الخصر فی الصلوة: ۲۹۷/۷، إدارة الطباعة المنيرية)

(والصحيح لمسلم مع شرحه للنووی، باب كراهة الاختصار فی الصلوة: ۲۰۶/۱، قديمی)

(وكذا فی فتح الباری، باب الخصر فی الصلوة: ۱۱۳/۳، قديمی)

”وكره التخصر - وضع اليد على الخاصرة - للنهي، ويكره خارجها تنزيهاً“. (الدر المختار،

كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، مطلب: مكروهات الصلوة: ۶۴۲/۱، سعيد)

(وكذا فی الهداية مع الدراية، كتاب الصلوة: ۱۲۰/۱، شركت علميه ملتان)

(۱) قال الله تعالى: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (سورة الأنعام: ۱۰۲)

ہیں اور وہ حقیقت سے واقف نہیں، اب بجائے اس کے کہ ایسے شخص کے لئے کوئی سخت حکم حاصل کریں، آپ اس کو حقیقت سمجھائیں تاکہ وہ دیگر اقوام کا اتباع چھوڑ کر اسلام کا اتباع کرے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دوسرے کی دیوار پر اپنے مکان کی بنیاد رکھنا

سوال [۹۶۳۸]: زید کی دیوار جس کے نیچے سے پانی زید کے مکان کا نکلا کرتا تھا اور دونوں مکانوں میں حد فاصل تھی، اس پر عمر نے اپنے مکان کی بنیاد رکھی ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ دیوار زید کی ملک ہے تو زید کی دیوار پر عمر کو اپنے مکان کی بنیاد رکھنا بغیر زید کی اجازت کے ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ربیع الثانی/۱۴۲۷ھ۔

(۱) ”و یحسن بنا قبل الشروع فی شرح أحادیث العتق أن نورد ههنا مقابلةً وجيزةً نبحت فیها عن حقيقة الرق ومكانته فی الإسلام، فإنه قد كثر الشغب على المسلمين من قبل أصحاب الغرب ومقلديهم فی إباحه الرق، وقد زعمه الناس فی هذا الزمان وصمةً على جبین الدین، ومثاراً للشبه ضد الإسلام، ولا حول ولا قوة إلا بالله العظيم. اهـ“۔ (تكملة فتح الملهم: كتاب العتق، الرق فی الإسلام: ۲۶۳/۱، مكتبة دارالعلوم كراچی)

(۲) ”لا يجوز لأحد أن يتصرف فی ملك غيره بلا إذنه“۔ (شرح المجلة، المقالة الأولى (رقم المادة: ۹۶)، ص: ۶۱، مكتبة حنفیه كوئٹہ)

”وكذا لو كان مسيل ماء سطحه إلى دار رجل وله فيها ميزاب قديم، فليس لصاحب الدار منعه عن مسيل الماء، اهـ“۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشرب، الباب الثاني فی بيع الشرب وما يتصل بذلك: ۳۹۴/۵، رشیدیہ)

(وكذا فی مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب إحياء الموات، فصل فی الشرب: ۲۴۰/۴، المكتبة الغفارية)

خدا کے واسطے معافی مانگنے پر معاف نہ کرنا اور روپے لے کر معاف کرنا

سوال [۹۶۴۹]: جہاں خدا اور رسول کا واسطہ مانگنے پر معافی نہ ہو سکے، وہاں چند روپے دے کر معاف کر دیا، آپ اس بارے میں کیا صلاح دیتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی شخص سے کوئی قصور ہو جائے اور وہ معافی مانگے تو اعلیٰ بات یہ ہے کہ اس کو معاف کر دیا جائے، خاص کر جبکہ وہ اللہ کے واسطے معافی مانگے: ﴿وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا﴾ (۱)۔ خدا کے نام پر معافی مانگنے سے معاف نہ کرنا، روپے لے کر معاف کرنا بڑی پست حوصلگی کی بات ہے، البتہ اگر کسی نے مالی نقصان کیا ہو تو اس نقصان کا معاوضہ لینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۹۳ھ۔

”إنشاء الله“ کہنا

سوال [۹۶۵۰]: عبادت کے کام میں جیسا کہ میں نے اعلان کیا کہ ”إنشاء الله تعالیٰ“ کل سے عصر کی نماز ۵/ بجے ہوگی۔ یہ ”إنشاء الله“ کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحب ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (و کذا فی الدر المختار، کتاب إحياء الموات، فصل فی الشرب: ۲/۴۶۳، سعید)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ (سورة النور: ۲۲)

(۲) ”لو أتلّف مال غيره تعدياً، فقال المالك: أجزبت أورشيت، لم يبرأ من الضمان“۔ (الدر المختار مع

رد المختار، کتاب المأذون: ۲/۱۹۸، سعید)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا﴾ (سورة الكهف: ۲۳، ۲۴)

قال العلامة الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ”وجوز أن يكون المستثنى منه أعم الأوقات أى لا تقولن

ذلك فى وقت من الأوقات إلا فى وقت مشيئة الله تعالى ذلك القول منك“۔ (روح المعانى، (سورة=

”خدا اور رسول کو منظور ہو تو“ کہنا کیسا ہے؟

سوال [۹۶۵]: ”اگر یہ کام خدا اور اس کے رسول کو منظور ہو جائے ہو تو ہو جاوے گا“ ایسا کہنا

کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرک ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عنہما اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/صفر/۶۸ھ۔

جشن بخاری شریف

سوال [۹۶۵]: رسم و رواج کے مطابق جشن بخاری شریف منایا جا رہا ہے اور ہر طالب علم سے

چالیس روپے لیتے ہیں، بعض طلبہ تو ایسے بھی ہیں جو ناشتہ وغیرہ بھی نہیں کرتے ہیں، تقریباً تین سال سے یہ جشن

منایا جا رہا ہے۔ نیز روپے ناظم انجمن یا ناظم رقم کو نہ دینے کی وجہ سے انجمن کے کچھ افراد کہتے ہیں کہ تمہارا نام

انجمن سے خارج کر دوں گا۔ ان وجوہات کے پیش نظر لڑکے خائف ہو کر روپے ادا کرتے ہیں، اور ان روپیوں

سے تمام انجمن والے بریانی پلاؤ وغیرہ نوش کرتے ہیں۔ کیا یہ فعل شرعاً درست ہے؟ اور ہمارے اکابر رحمہم اللہ

تعالیٰ کا اس پر عمل ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی نیک کام کی توفیق ہو تو اس پر بطور شکر کے اگر احباب و فقراء کو کچھ کھلا دیا جائے تو ناجائز نہیں،

مشہور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورہ بقرہ یاد کر لی تو ایک اونٹ ذبح کر کے اعزہ و اقرباء

= (الکھف: ۲۳): ۲۳۸/۱۵، دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿مَا كَانَ لَنَا أَنْ نَشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (سورۃ یوسف: ۳۸)

”عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رجل: يا رسول الله! أي الذنب أكبر

عند الله؟ قال: ”أن تدعو لله ندّاً وهو خالقك“ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الكبائر، الفصل

الأول، ص: ۱۶، قدیمی)

کو کھلا دیا (۱)۔

لیکن جو صورت سوال میں درج ہے اس میں قباحت زیادہ ہے، بعض غریب طلباء ہیں جن میں وسعت نہیں، ان سے چندہ لیا جائے وہ شرم کی وجہ سے انکار نہ کر سکیں، یاد باؤ ڈال کر ان سے وصول کیا جائے اور وہ مجبور ہو کر دیں تو ایسا پیسہ لینا اور اس کو کھانا شرعاً درست نہیں، حدیث شریف میں ہے:

”لا یحل مال امرء مسلم إلا بطیب نفس منه“ (۲)۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”لا یجوز لأحد من المسلمین أن يأخذ مال أحد بغير سبب شرعی“ (۳)۔

نیز اس میں تفاخر ہے اور ریا ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۷/۱۴۰۶ھ۔

(۱) ”مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: تعلم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ البقرة فی اثنتی عشرة سنة، فلما ختمها، نحر جزوراً“۔ (الجامع لأحكام القرآن للقرطبی، مقدمة المؤلف، باب كيفية التعلم والفقہ، لكتاب اللہ تعالیٰ، وسنة نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وما جاء أنه سهل علی من تقدم العمل به دون حفظه: ۳۰/۱، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۲) (کنز العمال، الفرع الثانی فی أحكام الايمان: ۳۹۷/۱، مکتب التراث الاسلامی حلب)

(ومجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب البیوع، باب الغصب: ۱۷۲/۳، دارالفکر بیروت)

”عن أبي حرة الرقاشی عن عمه رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه“۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(۳) (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۱۶۷/۲، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر، ۶۸/۵، رشیدیہ)

(۴) ”وعن شداد ابن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ”من صلی یرائی فقد أشرك، ومن صام یرائی فقد أشرك، ومن تصدق یرائی فقد أشرك“۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعة، الفصل الثالث، ص: ۲۵۵، قدیمی)

”عن محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”إن أخوف ما =

کھانا کھاتے وقت چار پائی کی پائنتی کی طرف بیٹھنا

سوال [۹۶۵۳]: ۱..... زید کہتا ہے کہ چار پائی پر بیٹھ کر پائنتان کی طرف بیٹھ کر کھانا چاہیے، جو لوگ سرہانے بیٹھ جاتے ہیں ان کا منہ پائنتی کی طرف ہوتا ہے، لہذا یہ رزق کی توہین ہے، سو اس طرح کھانا ناجائز ہے۔ کیا زید کا خیال ٹھیک ہے؟

چار پائی پر غسل کرنے سے کیا وہ ہمیشہ کے لئے نجس ہوگئی؟

سوال [۹۶۵۴]: ۲..... ایک صاحب کہتے ہیں کہ کسی نبی نے چار پائی پر بیٹھ کر غسل کیا تھا، سو یہ گندگی کی چیز ہوئی، اس پر بیٹھ کر کھانا کھانا درست نہیں۔ مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... یہ چیز عرفاً کھانے کی توہین نہیں سمجھی جاتی، اس لئے اس کو ناجائز کہنا صحیح نہیں۔

۲..... یہ بات بلا دلیل ہے، اگر کسی تخت یا فرش پر کسی نبی نے غسل کیا ہو تو کیا اس کی وجہ سے وہ تخت یا فرش نجس ہو کر کبھی پاک نہیں ہو سکے گا، اور اس کی وجہ سے ہر جگہ کا ہر تخت اور ہر فرش ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بالکل نجس ہو جائے گا؟ زمین پر تو قضائے حاجت فرمانا صریح و صحیح احادیث سے ثابت ہے (۱) تو کیا کسی زمین پر بھی کھانا کھانا جائز نہیں ہوگا۔

= أخاف عليكم الشرك الأصغر“. قالوا: يا رسول الله! وما الشرك الأصغر؟ قال: ”الرياء“. (مشکوۃ المصابیح، باب الرياء والسمعة، ص: ۴۵۶، قدیمی)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل حدیث محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (رقم الحدیث: ۳۳۱۱۹): ۵۹۶/۲، دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۱) ”عن المغيرة بن شعبة رضي الله تعالى عنه قال: كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر فقال: ”يامغيرة! خذ الأداة“. فأخذتها، ثم خرجتُ معه، فانطلق رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى توارى عني، ففقتني حاجته، ثم جاء وعليه جبة شامية“. (الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ۱/۱۳۳، قدیمی)

(وسنن ابن ماجه، أبواب الطهارة، باب ما جاء في المسح على الخفين، ص: ۴۱، قدیمی)

نیز سوال نمبر: ۱ میں صرف سرہانے بیٹھ کر کھانا کھانے کو منع کیا ہے، پائنتی کی طرف بیٹھ کر سرہانے کی طرف کھانا رکھوا کر کھانے کی اجازت دی ہے، اس کی کیا وجہ ہے، کیا وہ حصہ گندہ نہیں ہوا، استغفر اللہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۹۲ھ۔

کسی کی بات کاٹنا

سوال [۹۶۵۵]: جب دو شخص گفتگو کر رہے ہوں تو تیسرے شخص کو درمیان میں بات کاٹنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کوئی شخص بات کرتا ہو تو بلا وجہ بات نہ کاٹی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اپنی بات کو اونچا رکھنا

سوال [۹۶۵۶]: اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی راہ کے خلاف چل کر اپنی بات کو اونچی رکھے

اور اپنے فلاں بہنوئی کی بات کو گرانا چاہتا ہو کسی وجہ سے، تو وہ شخص کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ شخص گنہگار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۹۲ھ۔

(۱) ”حکایت: یکے را از حکماء شنیدم کہ می گفت: ہرگز کسے کجہل خود اقرار نکرده است، مگر آنکس کہ چوں دیگرے در سخن باشد، ہچناں تمام ناگفتہ سخن آغاز کند مثنوی:

میاور سخن در میان سخن

سخن را سرست امے خورد مند و بن

نگوید سخن تانہ بیند خموش“

خداوند تدبیر و فرہنگ و ہوش

(گلستان سعدی، باب چہارم، حکایت نمبر: ۷، ص: ۱۲۱، قدیمی)

آب حیات

سوال [۹۶۵۷]: آب حیات کیا چیز ہے، آیا اس کے اجزاء ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کتب حدیث و تفسیر میں اس کا وجود مذکور ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ میں آب حیات کی تفصیل ہے (۱)۔ فقط سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۴/۹۰ھ۔

کیا لڑکے والا افضل ہے لڑکی والے سے؟

سوال [۹۶۵۸]: کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لڑکے والے کا درجہ اعلیٰ ہے اور لڑکی والے کا درجہ لڑکے

والوں سے کم ہے۔ کیا شرعاً بھی درجہ میں تفاوت ہے؟

حافظ علی احمد تھان، گاؤں سیتاپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان باتوں کی وجہ سے شرعاً درجہ نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے، یہ درجہ کا فرق عوام کا تجویز کردہ ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۶/۹۲ھ۔

(۱) ”وروی خیشمة بن سلیمان من طریق جعفر الصادق عن أبيه أن ذا القرنين كان له صديق من الملائكة، فطلب منه أن يدلّه على شيء يطول به عمره، فدله على عين الحيات وهي داخل الظلمة، فسار إليها والخضر على مقدمته، فظفر بها الخضر ولم يظفر بها ذو القرنين“ (فتح الباری، کتاب أحادیث الأنبياء، باب حدیث خضر مع موسی علیہما السلام: ۵۳۶/۶، قدیمی)

”مجمع البحرين وعندها عين تسمى عين الحياة لا تصيب شيئاً إلا حياً“ (تفسير الخازن (سورة الكهف: ۲۱۷/۳، حافظ كتب خانه کوئٹہ)

”وقال سفيان يزعم ناس أن تلك الصخرة عندها عين الحياة لا يصيب ماءها شيئاً إلا عاش“.

(التفسير المظهری: ۴۸/۶، حافظ كتب خانه کوئٹہ)

(و کذا فی تفسیر العثماني، ص: ۵۲۱، تاج کمپنی کراچی)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذَّكَورَ﴾. (سورة الشورى: ۲۵) =

شاگرد سے احتلام کے کپڑے دھلوانا

سوال [۹۶۵۹]: اگر کوئی استاذ اپنے شاگردوں سے احتلام کے کپڑے دھلواتا ہے تو وہ کپڑے شاگردوں کے لئے دھونا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ عام لوگوں نے اس کو چند بار تنبیہ کی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ نامناسب ہے، شرم و حیاء کے بھی خلاف ہے، بچوں پر بھی اس کے بُرے اثرات پڑیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نابالغ شاگرد سے خدمت لینا

سوال [۹۶۶۰]: ایک معلم صاحب جو کہ پیش امام بھی ہیں، کیا وہ اپنے کسی شاگرد نابالغ سے وضو کے لئے پانی منگا کر طہارت کر سکتے ہیں، جیسا کہ وہ روز ایسا ہی کرتے ہی اور اسی وضو سے نماز بھی پڑھاتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

۲..... بہت سے لوگ جو کہ دستکار ہیں، وہ اپنے چھوٹے چھوٹے شاگردوں سے جو کہ نابالغ ہیں ان سے پانی منگا کر پی سکتے ہیں، وہ خود آرام کرتے ہیں اور شاگرد بے چارے پنکھا جھلتے رہتے ہیں۔ کیا ان کا یہ طریقہ درست ہے؟

الجواب سامداً ومصلیاً:

۱..... ان کی تربیت کے لئے اور سلیقہ سکھانے کے لئے پانی منگانا اور اس پانی سے وضو کرنا اور اس وضو

= وقال اللہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (سورة الحجرات: ۲۶)

”وَنَاسِبُ هَذَا الْمَسَاقِ أَنْ يَدُلَّ فِي الْبَيَانِ مِنْ أَوَّلِ الْأَمْرِ عَلَى أَنَّهُ تَعَالَىٰ فَعَلَ لِمَحْضِ مَشِيئَتِهِ سُبْحَانَهُ لَا مَدْخَلَ لِمَشِيئَةِ الْعَبْدِ فِيهِ، فَلِذَا قَدِمَتِ الْإِنَاثُ وَأَخْرَتِ الذَّكَورُ كَأَنَّهُ قِيلَ: يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ، مِنَ الْإِنْسَانِ مَا لَا يَهْوَاهُ، وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْهُمْ مَا يَهْوَاهُ، فَقَدْ كَانَتْ الْعَرَبُ تَعُدُّ الْإِنَاثَ بِلَاءً“.

(روح المعاني، سورة الشورى: ۵۳/۲۵، دار إحياء التراث العربی بیروت)

سے نماز پڑھنا پڑھنا سب درست ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وقتاً فوقتاً نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کام لیتے اور وہ اس وقت نابالغ تھے (۱)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کے لئے پانی لا کر دیا جب کہ وہ نابالغ تھے (۲)۔

۲..... اس کا حکم بھی نمبر ۱ سے معلوم ہو گیا، لیکن بچوں پر زیادہ بوجھ ڈالنا نہیں چاہیے، جس سے وہ اکتا کر پریشان ہو جائیں، خاص کر یہ صورت کہ وہ پنکھا جھلتے رہیں اور استاد آرام سے سوتے رہیں، اس سے غالب گمان یہ ہے کہ وہ اکتا جاتے ہوں گے۔ اگر استاذ ان سے خدمت لیں تو ان کو انعام بھی دینا چاہیے جس سے وہ خوش ہو جائیں اور ان کی علمی اور اخلاقی تربیت بھی کی جائے، ان کو ہنر بھی سکھایا جائے کہ یہ ان کا حق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۴/۹۰ھ۔

چھوٹے بچوں سے خدمت لینا

سوال [۹۶۶۱]: مصنف بہار شریعت نے لکھا ہے کہ: ”معلمین کو نابالغ لڑکوں سے پانی بھروا کر

(۱) ”عن أم سليم رضي الله تعالى عنها، أنها قالت: يا رسول الله! أنس خادمك، ادع الله له، قال: ”اللهم أكثر ماله وولده، وبارك له فيما أعطيته، الخ“ (مشکوٰۃ المصابيح، کتاب المناقب والفضائل، باب جامع المناقب، الفصل الأول، ص: ۵۷۵، قدیمی)

قال العلامة الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: ”أنس بن مالک بن النصر الخزرجی کنیتہ أبو حمزة، قدم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وهو ابن عشر سنین وانتقل إلى البصرة فی خلافة عمر رضي الله تعالى عنه لیفقه الناس وهو آخر من مات بالبصرة من الصحابة سنة إحدى وتسعين“ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب المناقب والفضائل، باب جامع المناقب، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۶۲۰۸): ۵۷۸/۱۰، رشیدیہ)

(۲) ”عن عبید اللہ بن أبی یزید عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دخل الخلاء، فوضعت له وضوءاً، قال: ”من وضع هذا؟“ فأخبر، فقال: ”اللهم فقهه فی الدین“ (صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء: ۲۶/۱، قدیمی)

(ومسند الإمام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ، مسند عبد اللہ بن عباس رضي الله تعالى عنهما، (رقم الحدیث: ۳۳۶۹): ۵۹۲/۱، دار احیاء التراث العربی بیروت)

استعمال کرنا جائز نہیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن چھوٹے بچوں کو استاذ کے سپرد کیا جاتا ہے تو ان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی ہوتی ہے، اگر لئے ان سے اس قسم کا کام لینا جن سے خدمت کا سلیقہ اور عادت ہو جائے اور اپنی بڑائی طبیعت میں نہ آئے درست ہے۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی خدمت لینا ثابت ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر دس سال کی تھی جب ان کی والدہ نے خدمت اقدس میں لا کر پیش کر دیا تھا، یہ خدمت کیا کرتے تھے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۸۸ھ۔

امرد کی تعریف

سوال [۹۶۶۲]: امرد کسے کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کی لہیں معمولی سی ہوں اور داڑھی نہ نکلی ہو، یا اس سے قبل ہی اس قابل ہو کہ عورتوں کو اس کی طرف رغبت (شہوت) ہوتی ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۹۰ھ۔

(۱) ”عن أم سليم رضي الله تعالى عنها، أنها قالت: يا رسول الله! أنس خادمك، ادع الله له، قال: ”اللهم أكثر ماله وولده، وبارك له فيما أعطيته، الخ“۔ (مشکوۃ المصابيح، کتاب المناقب والفضائل، باب جامع المناقب، الفصل الأول، ص: ۵۷۵، قدیمی)

قال العلامة الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: ”أنس بن مالک بن النصر الخزرجی کنیتہ أبو حمزة، قدم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وهو ابن عشر سنین وانتقل إلى البصرة فی خلافة عمر رضي الله تعالى عنه لیفقه الناس وهو آخر من مات بالبصرة من الصحابة سنة إحدى وتسعين“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب المناقب والفضائل، باب جامع المناقب، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۶۲۰۸): ۵۷۸/۱۰، رشیدیہ)

(۲) ”أمرد هو الشاب الذي طر شاربہ ولم تنبت لحیتہ وهذا شامل لمن نبت عذارہ، بل بعض =

امرد سے خط و کتابت

سوال [۹۶۶۳]: امرد سے خط و کتابت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرورت ہو تو درست ہے، فتنہ ہو تو پرہیز کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

امرد کو کن کن سے احتراز کرنا چاہیے؟

سوال [۹۶۶۴]: امرد کو کن کن لوگوں سے احتراز کرنا چاہیے، مثلاً: ماموں، چچا وغیرہ کے بارے میں

کیا حکم ہے؟ ممانعت یا عدم ممانعت کا حکم اشخاص و افراد کے اعتبار سے ہوگا، یا حکم سب کے حق میں برابر ہوگا، یعنی حکم کا تعلق شہوت پیدا ہونے والے، یا نہ ہونے سے ہے، یا امرد کی ذات سے ہے کہ وہ مشتملی ہے؟ اگر حکم کا تعلق مشتملی سے مان لیا جائے تو ظاہر ہے اس کے لئے ہر آن و ہر لمحہ برابر نہ ہوگا۔

= الفسقة يفضل على الأمد خالي العذار وأن ابتدائه من حين بلوغه سناً تشتهيه النساء والمراد من كونه صيحاً أن يكون جميلاً بحسب طبع الناظر ولو كان أسود؛ لأن الحسن يختلف باختلاف الطبائع. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في النظر إلى وجه الأمد: ۴۰۷/۱، سعيد)

(۱) ”فحل النظر منوط بعدم خشية الشهوة اهـ“. (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: ”قال ابن القطان: ”أجمعوا على أنه يحرم النظر إلى غير الملتحى بقصد التلذذ بالنظر، وتمتع البصر بمحاسنه، وأجمعوا على جوازه بغير قصد اللذة، والناظر مع ذلك آمن الفتنة“. (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۴۰۷/۱، سعيد)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۱۹۱، دار المعرفة بیروت)

(و کذا فی النهر الفائق، کتاب الصلوة، باب شروط الصلاة ۱/۱۸۳، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جس سے فتنہ کا اندیشہ ہو (۱)۔ ذاتِ امر سے حکم کا تعلق ہے اور افراد اور اشخاص سے بھی تعلق ہے، افراد و اشخاص اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۵/۹۰ھ۔

خودداری کا مفہوم

سوال [۹۶۶۵]: اسلام میں خودداری کا کیا مفہوم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خودداری کا مفہوم ہے: ”اپنی حیثیت کے موافق کام کرنا، ایسے کام سے بچنا جس سے ذلت پیش آئے“۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔



(۱) ”فحل النظر منوط بعدم خشيّة الشهوة..... اھ“ (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ”قال ابن القطان: ”أجمعوا على أنه يحرم النظر إلى غير الملتحى بقصد التلذذ بالنظر، وتمتع البصر بمحاسنه، وأجمعوا على جوازه بغير قصد اللذة، والناظر مع ذلك آمن الفتنة“۔ (رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلاۃ: ۴۰۷/۱، سعید)

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلوٰۃ: ۱۹۱/۱، دار المعرفۃ بیروت)
(و کذا فی النہر الفائق، کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلاۃ ۱۸۳/۱، رشیدیہ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ﴾ (سورۃ النور: ۳۰)

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، یعنی جس عضو کی طرف مطلقاً دیکھنا ناجائز ہے اس کو بالکل نہ دیکھیں اور جس کو فی نفسہ دیکھنا جائز ہے، مگر شہوت سے جائز نہیں اس کو شہوت سے نہ دیکھیں۔“ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یعنی ناجائز محل میں شہوت رانی نہ کریں جس میں زنا اور لواطت سب داخل ہے۔ (بیان القرآن: ۵/۸، حصہ دوم، سعید)

کتاب الرهن

(گروی رکھنے کا بیان)

توسیع مدت رہن پر معاوضہ لینا

سوال [۹۶۶۶]: زید نے اپنا ایک مکان بکر کے پاس با قبضہ مبلغ تین سو روپے پر دو سال کے لئے رہن رکھ دیا۔ اور فسخ رہن کی تاریخ مقرر کر کے دستاویز پر تحریر کر دیا: ”اگر متعینہ وقت پر نہ دے سکا تو یہ رہن نامہ بیع نامہ متصور ہوگا۔“ جب مدت رہن ختم ہونے لگی تو زید نے مزید تین سو روپے بکر سے لے کر فسخ دین کی تاریخ میں اضافہ کر لیا۔ اور جب مزید توسیع قریب الختم ہونے کو آئی تو پھر مبلغ دو سو روپے بکر سے لے کر پھر دستاویز تحریر کر دی کہ: ”اگر میں ۱۹۶۴ء تک فسخ رہن نہ کروں تو یہ رہن بیع نامہ ہوگا۔“ چنانچہ ۶۴ء شروع ہو گیا، اب زید چاہتا ہے کہ مکان بکر سے واپس لے لے۔ تو شرعاً اس کو یہ حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر رہن کی تاریخ گزر جانے پر بیع نامہ تصور کرنے کی تصریح شرعاً صحیح نہیں، شرعاً بیع نہیں (۱)، زید قرض واپس کر کے مکان بصورت رہن واپس لے سکتا ہے (۲)، بکر نے اس مدت رہن میں مکان سے نفع حاصل

(۱) ”البيع ینعقد بإيجاب و قبول“۔ (شرح المجلة لسلم رستم باز، ص: ۷۵، (رقم المادة: ۱۶۷)،
مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۲) ”وإذا طلب دینه، أمر بإحضار الرهن، فإذا أحضره أمر الراهن بتسليم کل دینه أولاً، ثم أمر المرتهن بتسليم الرهن“۔ (ملتی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲/۷۷، کتاب الرهن، غفاریہ کوئٹہ)

”و یؤمر المرتهن بإحضار رهنه، والراهن بأداء دینه أولاً“۔ (البحر الرائق: ۸/۴۳۷، کتاب

الرهن، رشیدیہ)

”وإذا طلب المرتهن دینه، یؤمر بإحضار الرهن؛ لأن قبض الرهن قبض استيفاء، فلا يجوز أن =

کیا تو وہ ناجائز ہوا، سود ہوا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۰/۸۹ھ۔

مکان مرہون میں رہنا

سوال [۹۶۶۷]: ایک شخص نے ایک مکان بعوض مبلغ آٹھ سو روپیہ گروی رکھا ہے، تقریباً چھ سات برس کا عرصہ ہو گیا ہے گروی رکھے ہوئے، اور گروی رکھنے والا اس مکان میں کبھی خود رہتا ہے اور کبھی اپنے رشتہ دار کو رکھتا ہے۔ اور مکان اس درجہ کا ہے کہ اگر کرایہ پر دیا جائے تو کم از کم چار روپیہ کرایہ پر چڑھ سکتا ہے۔ اب یہ دریافت کرنا ہے کہ آیا اس گروی رکھنے والے کو مکان مذکور میں اس طرح بود و باش کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر در صورت ناجائز ہونے کے مکان مالک کو دیدے اور اپنا روپیہ وصول کر لے اس سے تو جو نفع اس نے چھ سات برس کے زمانہ میں مکان سے حاصل کیا ہے، اس کا معاوضہ شرعاً دینا پڑے گا یا نہیں اور اگر نہیں دے تو اس کا مواخذہ شرعاً ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرتبہن کو مکان مرہون میں رہنا ناجائز ہے، اگر اس مکان میں رہے گا تو غاصب کہلائے گا اور گنہگار ہوگا اور ایسی صورت میں منافع غصب کا تاوان لازم نہیں:

”أو عقد كبيت الرهن إذا سكنه المرتهن، ثم بان للغير معداً للإجارة، فلا شيء عليه، اهـ۔“ درمختار۔ قال الشامي: ”(قوله: فلا شيء عليه)؛ لأنه لم يسكنها ملتزمها للأجر، كما لو

= يقبض ماله مع قيام الاستيفاء؛ لأنه يتكرر الاستيفاء على اعتبار الهلاك في يد المرتهن وهو محتمل، وإذا حضره أمر الراهن بتسليم الدين أولاً، ليتعين حقه كما تعين حق الراهن تحقيقاً للتسوية كما في تسليم المبيع والضمن: يحضر المبيع ثم يسلم الضمن أولاً“۔ (الهداية: ۴/۵۱، كتاب الرهن، مكتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(۱) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”كل قرض جر منفعة، فهو ربا“۔ (فيض القدير:

۴۴۸۷/۹، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبہ نزار مصطفى الباز، ریاض)

(و كذا في الهداية: ۴/۵۱، كتاب الكراهية، فصل في البيع، شرکت علمیہ ملتان)

رهنها المالك سكنها المرتهن، اهـ۔ رد المحتار: ۵/۱۸۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۷/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۴/رجب/۵۶۔

مرہون سے نفع اٹھانا

سوال [۹۶۶۸]: عام طور پر راہن مرتہن کے درمیان یہ بات طے شدہ ہوتی ہے کہ مرتہن مرہونہ چیز سے فائدہ حاصل کرے، مثلاً: مکان کا کرایہ اور زمین کی پیداوار سے فائدہ اٹھائے، لیکن یہ بات ناجائز بھی سمجھی جاتی ہے۔ کتاب ”مفید المفتی والمستفتی“ اردو ”فتاویٰ عزیزی، ص: ۵۹، ۶۰“ پر حسب ذیل عبارت مطالعہ سے گزری:

”مگر فقیر کے نزدیک تحقیقی بات یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں رواج و عادات کے موافق ”ہبہ“ کے لفظ کو ”اباحت“ یعنی فائدہ اٹھانے کی اجازت دینے میں سمجھنا چاہئے۔ پس روپ داس نے جو باقی شاہ کو اپنی مرہونہ زمین کے محصول اور پھلوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیدی۔

اور اس پر دو شاہد دلالت کرتے ہیں: ایک یہ کہ فقہ کا مقرر کیا ہوا قاعدہ ہے کہ

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۲۰۸، کتاب الغصب، سعید)

”و لا یضمن منافع ما غصبه، سواء سکنه أو عطله، إلا فی الوقف۔ قال فی المجمع: و کذا السکنی بتأویل العقد لما تقدم عن القنیة من سکنی المرتهن بتأویل عقد الرهن“۔ (مجمع الأنهر: ۴/۹۴، کتاب الغصب، غفاریہ کوئٹہ)

”لا یقال: إن الغاصب تلزمه أجره المغصوب إذا كان معداً للاستغلال كما إذا كان وقفاً أو مال یتیم؛ لأننا نقول: إنما تلزمه الأجرة فی المعد للاستغلال إذا لم یکن الغصب بتأویل عقد كعقد الرهن فی مسئلتنا، فإن كان كذلك، لا تلزمه الأجرة اتفاقاً“۔ (شرح المجلة لخالد الأتاسی، ص: ۱۹۴، رقم المادة: ۷۵۰)، حقانیہ پشاور)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۶/۳۳۷، کتاب الغصب، دار الکتب العلمیة بیروت)

”العادة محكمة“ جیسا کہ ”الأشباه والنظائر“ میں موجود ہے (۱) اور عرف وعادت اس امر کو ثابت کر رہے ہیں کہ راہن مرتہن کو نفع اٹھانے کی اجازت دیتا ہے تو اس کو بھی عرف اور عادت پر قیاس کرنا چاہئے۔

دوسرے یہ کہ فقہ کا باندھا ہوا قاعدہ ہے کہ ”عقود اور معاملات میں معانی کا اعتبار ہے نہ الفاظ کا“ (۲)۔

اس واسطے فقیہ لوگ ہبہ بالعوض کو بیع کے حکم میں شمار کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ جس بات کو ناجائز سمجھا جا رہا ہے، وہ جائز ہے“ (۳)۔
مہربانی فرما کر آپ ہر دو صورتوں کا حکم بیان فرمائیں تاکہ الجھن رفع ہو۔

(۱) (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة السادسة، ص: ۹۳، قدیمی)

(۲) ”العبرة فی العقود للمقاصد والمعانی لا للآلفاظ والمبانی“۔ (قواعد الفقہ، ص: ۹۱، رقم القاعدة: ۱۸۳)، الصدف پبلشرز)

(۳) مستفتی نے فتاویٰ عزیزی (اردو) کی عبارت کو یا تو بہت اختصار سے نقل کیا ہے اور یا اس کے سامنے والا ترجمہ اور ہمارے ہاں کے ترجمہ میں فرق ہے، بہر حال دونوں کا مفہوم ایک جیسا ہے، لہذا فتاویٰ عزیزی کی محولہ عبارت اس طرح ہے:
”لیکن فقیر کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں موافق رواج وعادت کے لفظ ہبہ سے مراد اباحت سمجھنا چاہیے، یعنی ایسی صورتوں میں مقصود یہ ہوتا ہے کہ راہن کی اجازت ہوتی ہے کہ مرتہن شی مرہونہ سے نفع اٹھائے تو روپ داس گسائن نے جو باقی شاہ مرتہن کو نفع اپنی زمین مرہونہ کا اور پھل درختوں کا دے دیا تو اس سے مراد یہ تھی کہ روپ داس گسائن راہن نے یہ اجازت دے دی ہے کہ باقی شاہ مرتہن زمین مرہونہ کے منافع اور درختوں کے پھل سے فائدہ اٹھائے، اور امر کے لئے دلیل یہ ہے کہ اصول فقہ میں ثابت ہے کہ العادة محكمة یعنی عادت حکم آنے والی ہے، ایسا ہی کتاب أشباه والنظائر میں موجود ہے، اور باعتبار عرف وعادت کے یہی امر مروج ہے کہ راہن کہہ دیتا ہے کہ شی مرہونہ کے منافع مرتہن کے لئے مباح ہیں تو اس مسئلہ میں بھی عرف وعادت کے موافق ایسا ہی سمجھنا چاہیے، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ بھی اصول فقہ میں ثابت ہے کہ: ”العبرة فی العقود للمعانی لا للآلفاظ“ یعنی معاملات میں جو الفاظ مستعمل ہوں تو ان معاملات میں ان الفاظ سے جو اصل مقصود ہوا کرتا ہو اسی کا اعتبار ہوگا، صرف الفاظ کی جانب لحاظ نہ ہوگا۔ اسی واسطے یہ کہتے ہیں ہبہ بالعوض کے بارہ میں فی الواقع بیع کا حکم ہے۔“ (فتاویٰ عزیزی، مسائل رہن، رہن زمین کی ایک صورت، ص: ۵۳۶، ۵۳۷، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فائدہ اٹھانا بالکل ناجائز ہے، خواہ راہن نے صراحۃً اجازت دیدی ہو یا عرفاً رواج ہو، جن لوگوں نے اجازت راہن کے بعد جائز سمجھ لیا ہے ان پر علامہ شامی نے ردالمحتار میں رد کیا ہے (۱) اور مولانا عبدالحی نے مستقل ایک رسالہ اس مسئلہ پر لکھا ہے جس میں قطعاً ناجائز قرار دیا ہے اور کتب فقہ کی عبارات کو نقل کیا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/محرم الحرام/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/محرم الحرام/۶۸ھ۔

مالک کی اجازت سے رہن سے نفع اٹھانا

سوال [۹۶۶۹]: اشیائے مرہونہ سے مالک کی اجازت سے نفع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر نہیں تو ہدایہ کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے: ”ولیس للمرتھن أن یتنفع بالرهن لا باستخدام ولا سکنی“

(۱) ”لا یحل له أن یتنفع بشیء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له فی الربا؛ لأنه یتوفی دینہ کاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فیکون ربا، وهذا أمر عظیم“۔ (الدر المختار: ۲/۴۸۲، کتاب الرهن، سعید)

(۲) ”وقد اغترّ كثير من علماء عصرنا و من سبقنا بظواهر عبارات الفقهاء أنه يجوز الانتفاع للمرتھن بالإذن، فأفتوا به مطلقاً من دون أن يفرقوا بين المشروط وغيره، و من دون أن يتأملوا فی أن المعروف كالمشروط، فضلوا وأضلوا. وقد التزمنا أنا من مدة مديدة أني كلما سئلت من الانتفاع بالإذن، أجبت الكراهة، لعلمي منهم أن الإذن عندهم يكون مشروطاً حقيقةً أو عرفاً، والإذن المجرد عن شوب الاشتراط الحقيقي والعرفي نادر قطعاً“۔ (مجموعۃ رسائل اللکنوی، الفلک المشحون فی الانتفاع بالمرهون: ۳/۱۲، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی الفتاویٰ الکاملیۃ، ص: ۲۴۴، کتاب الرهن، حقانیہ پشاور)

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۴/۲۳۶، کتاب الرهن، دار المعرفۃ بیروت)

(و کذا فی شرح المجلة لخالد الاتاسی: ۳/۱۹۶، ۱۹۷، (رقم المادة: ۷۵۰)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

ولا لبس، إلا أن يأذن له المالك“۔ ہدایہ: ۴/۵۰۶ (۱)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے: ”لا الانتفاع به مطلقاً إلا بإذن، اھ“ تنویر۔ ”قال فی المنح: و عن عبد اللہ محمد بن أسلم السمرقندی - وکان من كبار علماء سمرقند - أنه لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا، وهذا أمر عظیم..... قال: والغالب من أحوال الناس أنهم إنما يريدون عند الدفع الانتفاع، ولو لاه لما أعطاه الدراهم، وهذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالشرط، وهو مما يعين المنع، واللہ تعالیٰ اعلم، اھ“۔ شامی: ۵/۴۲۷ (۲)۔

صاحب ہدایہ کے زمانہ میں عرف نہ ہوگا۔ مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ نے اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام الفلک المشحون (ہے) (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ ذی قعدہ/ ۱۴۰۷ھ۔

انتفاع از رہن

سوال [۹۶۷۰]: زید نے عمر کو ایک ہزار روپے دیئے اور اس کی دس بیگہ زمین اس سے لے لی، اس شرط کے ساتھ کہ بیس روپے لگان کے انہیں روپوں سے کٹے جائیں گے۔ تو یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں تو جواز کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بظاہر یہ ایک ہزار روپے قرض ہے اور دس بیگہ زمین رہن ہے، رہن سے نفع اٹھانا درست نہیں (۴)۔

(۱) (الهدایة: ۴/۵۱۸، کتاب الرهن، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(۲) (رد المحتار: ۶/۴۸۲، کتاب الرهن، سعید)

(۳) (مجموعۃ رسائل الکنوی، الفلک المشحون فی الانتفاع بالمرہون: ۳/۱۲، إدارة القرآن، کراچی)

(۴) ”لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه“

اس کے ساتھ ہی طے کرنا کہ بیس روپے لگان اسی ایک ہزار روپے سے لیا جائے گا تو یہ اجارہ ہوگا، ایک عقد میں دو معاملے کرنا (ایک رہن، دوسرا اجارہ) شرعاً درست نہیں (۱)۔ زید کو چاہیے کہ اس معاملے کو فسخ کر دے، پھر قرض

= يستوفى دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا، وهذا أمر عظيم“۔ (الدر المختار: ۳۸۲/۶، کتاب الرهن، سعید)

”وقد اغتر كثير من علماء عصرنا و من سبقنا بظاهر عبارات الفقهاء أنه يجوز الانتفاع للمرتهن بالإذن، فافتوا به مطلقاً من دون أن يفرقوا بين المشروط وغيره، و من دون أن يتأملوا في أن المعروف كالمشروط، فضلو وأضلو. وقد التزمنا أنا من مدة مديدة أني كلما سئلت من الانتفاع بالإذن، أجبت الكراهة، لعلمي منهم أن الإذن عندهم يكون مشروطاً حقيقة أو عرفاً، والإذن المجرد عن شوب الاشتراط الحقيقي والعرفي نادر قطعاً“۔ (مجموعة رسائل اللكنوي، الفلك المشحون في الانتفاع بالمرهون: ۱۲/۳، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۲۳۴، كتاب الرهن، حقانيہ پشاور)

(و كذا في حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۲۳۶/۴، كتاب الرهن، دار المعرفة بيروت)

(و كذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱۹۶/۳، ۱۹۷، (رقم المادة: ۷۵۰)، حقانيہ پشاور)

(۱) ”عن عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود عن أبيه رضى الله تعالى عنه قال: نهى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن صفقتين في صفقة“۔ (إعلاء السنن: ۱۴/۱۷۴، كتاب البيوع، باب النهي عن بيعتين في بيعة، إدارة القرآن كراچی)

البتہ اگر عقد رہن کے بعد عقد اجارہ کریں تو یہ جائز ہے، لیکن اس صورت میں رہن کا معاملہ باقی نہیں رہتا:

”أما الإجارة فالمستاجر إن كان هو الراهن، فهي باطلة..... وإن كان هو المرتهن و جدد القبض للإجارة..... بطل الرهن، والأجرة للراهن“۔ (رد المحتار: ۵۱۱/۶، كتاب الرهن، سعید)

”و كذلك لو استأجره المرتهن، صحت الإجارة وبطل الرهن إذا جدد القبض للإجارة“۔ (الفتاوى العالمگیریہ: ۴۶۵/۵، الباب الثامن في تصرف الراهن، رشیدیہ)

سوال: ”ایک شخص نے دوسرے شخص کے پاس اپنی زمین سو روپے کے عوض گروی رکھی اس شرط پہ کہ بیس برس کے بعد ہم روپیہ دے کر زمین واپس کریں گے اور اس درمیانی مدت میں جو کچھ پیداوار کا منافع ہو وہ اپنے تصرف میں لائے اور مالگداری ادا کریں۔“

جواب: ”رہن کی یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں، کیونکہ زمین میں مرتہن کو فقط حق حبس ہوتا ہے اور شرط انتفاع مفضی =

کا معاملہ مستقلاً ایک ہزار کے ساتھ رہے اور زمین کو جدا گانہ کرایہ پر لے لے اور اس کا معاملہ جدا گانہ بیس روپے طے کرے اور یہ بھی طے کرے کہ عمر اس قرض کو قسط وار ادا کر دیا کرے، مثلاً: بیس ۲۰/ روپے کی قسط تجویز کر لی جائے، عمر جب قسط ادا کرے، زید اُسے وصول کر کے کرایہ زمین لگان میں عمر کو دے دیا کرے تو اس طرح یہ معاملہ درست ہوگا، زمین اس صورت میں رہن نہیں ہوگی، صرف کرایہ پر ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

انتفاع بالمرہون

سوال [۹۶۷۱]: روپیہ قرض دیکر زمین رہن رکھ کر استفادہ کرنا اور لگان گورنمنٹ کو خود ادا کرتے رہنا یہ جائز ہے یا نہیں؟
۲..... بعض لوگوں کی عادت یہ ہے کہ روپیہ قرض دے کر پھر اس قرض خواہ کو زمین کھیتی کرنے کے لئے ۵، ۱۰/ من کے بدلہ میں لکھ دیتے ہیں خواہ زمین میں کچھ پیداوار ہو یا نہ ہو۔ یہ کیسا ہے؟
۳..... بعض لوگ رہن رکھ کر استفادہ کرنے کی وجہ سے کچھ عدد سالانہ روپیہ اس سے کاٹ دیتے ہیں۔
یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... یہ صورت جائز نہیں (۲)۔

= إلی الربا ہے، مرہون کے منافع اور زوائد راہن کی ملکیت میں اسی طرح کا نفقہ بھی راہن کے ذمے پس مرتہن زمین مرہون کی آمدنی یا جانور مرہون کے دودھ میں سے صرف اس قدر لے سکتا ہے جس قدر زمین کا سرکاری لگان ادا کرنا پڑے۔ (کفایت المفتی، کتاب الدیون، دوسرا باب: دخلی رہن، مرتہن کا رہن رکھی ہوئی چیز سے نفع اٹھانا: ۸/ ۱۴۱، دارالاشاعت کراچی)
(۱) ”و كذلك لو استأجره المرتهن، صحت الإجارة وبطل الرهن إذا جدد القبض للإجارة“۔ (الفتاویٰ العالمکیریۃ، الباب الثامن فی تصرف الراهن: ۵/ ۴۶۵، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار، کتاب الرهن: ۶/ ۵۱۱، سعید)

(۲) ”لا یحل له أن ینتفع بشیء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له فی الربا؛ لأنه یتوفی دینہ کاملاً، فبقی له المنفعة فضلاً، فیکون ربا، وهذا أمر عظیم“۔ (الدر المختار: ۶/ ۴۸۲،

کتاب الرهن، سعید)

۲..... ۱۰/۵ من غلہ اگر صحیح حساب سے قرض میں محسوب کر لیں تو درست ہے، ورنہ نہیں، یعنی غلہ وصول کرتے وقت جو نرخ ہو اس نرخ سے قیمت لگا کر یہ سمجھیں کہ گویا ہم نے اپنے قرض میں سے اتنا وصول کر لیا (۱)۔

۳..... ایسی زمین کا جو کچھ سالانہ کرایہ بغیر کسی دباؤ کے ہوتا ہے، اگر اتنی مقدار وصول کردہ روپیہ سے کاٹ دیں تو جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۸۹ھ۔

= ”وقد اغتر كثير من علماء عصرنا و من سبقنا بظاهر عبارات الفقهاء أنه يجوز الانتفاع للمرتهن بالإذن، فأفتوا به مطلقاً من دون أن يفرقوا بين المشروط وغيره، و من دون أن يتأملوا في أن المعروف كالمشروط، فضلو وأضلوا. وقد التزمنا أنا من مدة مديدة أني كلما سُئلت من الانتفاع بالإذن، أجبت الكراهة، لعلمي منهم أن الإذن عندهم يكون مشروطاً حقيقةً أو عرفاً، والإذن المجرد عن شوب الاشتراط الحقيقي والعرفي نادر قطعاً.“ (مجموعة رسائل اللكنوي، الفلك المشحون في الانتفاع بالمرهون: ۱۲/۳، إدارة القرآن كراچی)

(و کذا فی الفتاویٰ الکاملیة، ص: ۲۴۴، کتاب الرهن، حقانیہ پشاور)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۲۳۶/۴، کتاب الرهن، دار المعرفة بیروت)

(و کذا فی شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۱۹۶/۳، ۱۹۷، (رقم المادة: ۷۵۰)، حقانیہ پشاور)

(۱) ”قال الحموی فی شرح الكنز نقلاً عن العلامة المقدسی عن جده الأشقر عن شرح القدوری الأخطب: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان.“ (رد المحتار، کتاب الحجر: ۱۵۱/۶، سعید)
(۲) یہ رہن کا معاملہ نہیں بلکہ اجارہ کا ہوا کہ قرض دینے والا جو کہ کرایہ دار بھی ہے، مقروض کی زمین کا کرایہ اپنے قرض میں محسوب کر سکتا ہے:

”وأما الإجارة، فالمستأجر إن كان هو الراهن، فهي باطلة..... وإن كان هو المرتهن وجدّد

القبض للإجارة..... بطل الرهن، والأجرة للراهن.“ (رد المحتار: ۵۱۱/۶، کتاب الرهن - سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریة: ۴۶۵/۵، الباب الثامن فی تصرف الراهن، رشیدیہ)

انتفاع بالمرہون

سوال [۹۶۷۲]: مرتہ زمین سے نفع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح رہن رکھے ہوئے باغ کے پھل وغیرہ جو فصل میں پیدا ہوتے ہیں جس کے پاس رہن رکھا ہوا ہے، استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے پاس جوشی رہن رکھی جائے اس کو اس شے سے نفع حاصل کرنا منع ہے، کیونکہ یہ سود کے حکم میں ہے، خواہ وہ شے زمین ہو، یا باغ ہو، یا مکان وغیرہ ہو، سب کا حکم یکساں ہے:

قال الحصكفي بعد نقل الأقوال: "ثم نقل عن التهذيب أنه يكره للمرتهن أن ينتفع بالرهن وإن أذن له الراهن. قال المصنف: وعليه يُحمل ما نقل عن محمد بن أسلم من أنه لا يحل للمرتهن ذلك ولو بالإذن؛ لأنه ربوا. قلت: تعليله يفيد أنها تحريمية، فتأمل، اهـ".

درمختار: ۵/۳۳۶ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

موروثی زمین کو رہن رکھنا

سوال [۹۶۷۳]: مسمی زید نے (دو قطعہ کھیت تخمیناً پانچ بیگہ پختہ جس کا منافع بصورت لگان ۴۰

(۱) (ردالمحتار: ۵۲۲/۶، کتاب الرهن، فصل فی مسائل متفرقة، سعید)

"يكره للمرتهن أن ينتفع بالرهن وإن أذن له الراهن. قال في المنع: لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فبقي له المنفعة فضلاً، فيكون ربا، وهذا أمر عظيم. وجزم في رد المحتار بما في جواهر الفتاوى: من أنه إن كان مشروطاً، صار قرضاً جرّ فيه منفعة وهو ربا، وإلا يكون مشروطاً فلا بأس..... قلت: والغالب من أحوال الناس أنهم إنما يريدون عند الدفع الانتفاع، ولو لاه لما أعطاه الدراهم، وهذا بمنزلة المشروط؛ لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعين المنع". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱۹۶/۳، رقم المادة: ۷۵۰)، مكتبه حقانيه پشاور)

(و كذا في مجموعة رسائل اللكنوي، الفلك المشحون في الانتفاع بالمرهون: ۱۲/۳، إدارة القرآن، كراچی)

(و كذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۲۴۴، كتاب الرهن، حقانيه، پشاور)

(و كذا في حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الرهن: ۲۳۶/۴، دارالمعرفة بيروت)

سالانہ تخمیناً ہوتا ہے، داخلی رہن رکھ دیا یعنی مالک اراضی مثلاً: بکر کو دو سو روپے دیدیئے، کھیتوں پر قبضہ کر لیا اس شرط پر کہ جس وقت میرا روپیہ دو سو دین ادا کر دو گے، میں کھیت چھوڑ دوں گا اور منافع خود (یعنی زید) لیتا رہوں گا۔ اس عقد رہن پر باقاعدہ ضابطہ عدالت گورنمنٹ پورا کیا گیا یعنی رجسٹری وغیرہ کی گئی۔ مالک اراضی مسمیٰ بکر کی ملک کاشتکارانہ تھی، وہ ایک زمیندار کا مالگزار تھا۔ اس عقد رہن کے انعقاد کا زمانہ تخمیناً دس سال ہے، کچھ دنوں سے تخمیناً چار سال سے جب کہ مسمیٰ بکر کی مالی حالت بہت خراب ہوئی، زمیندار کو مال گزاری بھی زید ہی ادا کرتا ہے۔

یہ صورت مسئلہ کی ہے، اس میں صرف دو سوال ہیں:

۱..... آیا شرعاً عقد رہن یعنی داخلی رہن (جس صورت سے سمجھا گیا) جائز ہے یا ناجائز؟

۲..... اگر ناجائز ہے تو اب شرعی تدارک کیا ہے؟ مفصل سمجھایا جائے۔ زید توبہ کرنے کو تیار ہے۔ اب تک فک رہن نہیں ہوا۔ بکر دو سو روپیہ ادا نہیں کر سکتا۔ زید دس سال سے منافع کما رہا ہے۔ نیز چار سال سے مالگزاری بھی زمیندار کو دیتا ہے جو تخمیناً ۱۸ روپے ہے۔

المستفتی: مہدی حسن، کانپور، محلہ بیکن گنج، مدرسہ مظہر العلوم۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھیت کسی اور شخص کی ملک ہے، بکر کے پاس اس کی موروٹی کاشت ہے اور بکر نے بعض دو سو روپیہ قرض زید کے پاس اسے رہن رکھ دیا اور زید نے دس سال اس کی آمدنی حاصل کی اور چار سال مالگزاری نمبر: ۱۸، بھی ادا کی۔ اس تمام قضیہ میں تین چیزوں کا حکم تفتیش طلب ہے: کھیت و قرض، دو سو روپیہ، مالگزاری ۱۸ روپے معاملہ فاسد و فاسد ہے، اس لئے تینوں چیزوں کا حکم لکھا جاتا ہے۔

کھیت کا بصورت موجودہ نہ زید کو رکھنا جائز ہے نہ بکر کو، اس کا فوراً چھوڑ دینا واجب ہے (۱)، اس کے

(۱) "عن السائب بن یزید عن أبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "لا

یاخذ أحدکم عصا أخیه لأعباً جاداً، فمن أخذ عصا أخیه، فلیردھا إلیہ".

"وعن سمرة عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "علی الید ما أخذت حتی تؤدی".

(مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعاریۃ، قدیمی)

بعد مالک کو اختیار ہے، خواہ خود کاشت کرے، یا اپنی رضامندی سے زید، بکر وغیرہ کسی کو کاشت پردے، یا بیع، ہبہ جو دل چاہے کرے (۱)، کیونکہ موروٹی ناجائز ہے۔ لہذا بکر غاصب ہے، اس کو جائز نہیں کہ کسی دوسرے کے کھیت کو غصب کر کے کسی کے پاس رکھ دے۔ اور دس سال تک جو زید نے آمدنی حاصل کی ہے، اپنا خرچہ بیج وغیرہ اس میں سے نکال کر باقی کو غرباء و مساکین پر صدقہ کر دے کہ یہ ملک خبیث ہے (۲)۔ اور جس قدر آمدنی بکر نے بغیر مالک کی رضامندی کے اس کھیت سے حاصل کی ہے، اس کا بھی یہی حکم ہے۔

قرض و سوریہ بدستور باقی ہے، بکر کے ذمہ اس کا ادا کرنا واجب ہے، ادا کرے یا معاف کرائے۔ مالگذا ری نمبر: ۱۸، زید نے اگر بکر کے کہنے پر بطور قرض ادا کی ہے تو اس کو بھی بکر سے وصول کر سکتا ہے، اگر تبرعاً و احساناً ادا کی ہے تو اس کے وصول کرنے کا حق دار نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۳/۸/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، ۲۳/۸/۵۸ھ۔

= ”و حکمہ وجوب الإثم إن علم، و وجوب ردّ عينه في مكان غصبه إن كانت باقية“۔ (ملتی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۸/۷۸، کتاب الغصب، غفاریہ کوئٹہ)

(۱) ”کل يتصرف في ملكه كيف شاء..... اهـ“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ

(۲) ”(وما نقص منه): أي من العقار (بفعله كسكناه): أي سكنى الغاصب في الدار المغصوبة (و زرعه) في الأرض المغصوبة (ضمنه): أي النقصان و يأخذ الغاصب رأس ماله و هو البذر و ما عزم من النقصان و ما أنفق على الأرض، و يتصدق بالفضل“۔ (مجمع الأنهر: ۸۱/۴، کتاب الغصب، غفاریہ، کوئٹہ)

”و یردّونه علی أربابہ إن عرفوہم، و إلا يتصدقوا به؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد“۔ (البحر الرائق: ۳۶۹/۸، کتاب الکراہیۃ، فصل فی البیع، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار، کتاب الحظر و الإباحۃ، فصل فی البیع: ۳۸۵/۶، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۶۰/۷، کتاب الکراہیۃ، فصل فی البیع، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۳) ”الضمانات تجب إما بأخذ أو بشرط، و إلا لم تجب“۔ (قواعد الفقہ، ص: ۸۹، الصدف پبلشرز) =

کھیت کارہن

سوال [۹۶۷۲]:۱۔ زید نے اپنا کھیت رہن رکھا اس شرط سے کہ میں جتنی مالگذاری زمیندار کو ادا کرتا ہوں اس قدر مرہن ادا کر دیا کرے، یا سال میں اس قدر کٹ جایا کرے گا، یعنی راہن کو مرہن ادا کر دیا کرے۔ جب پٹانے کے لئے روپیہ ہو جائیں تو پٹانے کی صورت میں بقیہ روپیہ ادا کر لے (۱)۔ اور مالگذاری لے لینے کی صورت میں سب روپیہ ادا کر کے اپنا کھیت واپس لے لیوے۔ تو کیا صورت مذکورہ جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو کیوں؟ جو بھی صورت ہو مدلل معہ حوالہ تحریر فرماویں؟

۲۔ اگر کوئی صورت جواز کی ہو تو اس کو ضرور تحریر فرمائیں۔

نعیم الدین بستوی غفرلہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔ یہ معلوم نہیں کہ اس کھیت کی پیداوار کس کے پاس رہے گی راہن کے یا مرہن کے، اگر مرہن کے پاس رہے گی تو ناجائز ہے، ”لأن كل قرض جر نفعاً، فهو ربوا“ (۲)۔

۲۔ جواز کی صورت یہ ہے کہ مالگذاری حسب دستور راہن کے ذمہ رہے اور پیداوار جو کچھ ہو وہ

= ”والأصل أن كل ما يطالب به الإنسان بالحبس والملازمة، يكون الأمر بأدائه مثبتاً للرجوع من غير اشتراط الضمان، ومالا فلا، إلا إذا شرط الضمان“۔ (ردالمحتار: ۵/۷۰۲، کتاب الہبۃ، باب الرجوع فی الہبۃ، سعید)

”وكل ما وجب على أحدهما فأداه الآخر، كان متبرعاً، إلا أن يأمره القاضي به، ويجعله ديناً على الآخر“۔ (ردالمحتار: ۶/۴۸۶، کتاب الرهن، سعید)

(۱) ”پٹانا: وصول کرنا، آپ پاشی کرنا، چھت ڈلوانا، سودا کرنا، لین دین کرنا“۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۷۷، فیروز سنز، لاہور)

(۲) (فیض القدیر: ۹/۴۴۸۷، (رقم الحدیث: ۶۳۳۶)، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

”كل قرض جر منفعة، فهو ربوا“۔ (إعلاء السنن: ۱۴/۴۹۸، ۴۹۹، إدارة القرآن کراچی)

”كل قرض جر نفعاً حرام“۔ (الدر المختار مع ردالمحتار: ۵/۱۶۶، سعید)

(وکذا فی الہدایۃ، کتاب الکراہیۃ، قبیل مسائل متفرقة: ۴/۴۷۱، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

مرتبہ اپنے پاس محفوظ رکھے، پھر راہن قرض ادا کرے اور کھیت پیداوار مرتبہ سے وصول کر لے (۱)، یا مرتبہ اس کھیت کو بطور اجارہ راہن سے لے لے، اجرت پیشگی ادا کر دے اور میعاد اجارہ پوری ہونے پر کھیت واپس کر دے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

زمین رہن پر دینے کی صورت

سوال [۹۶۷۵]: ایک شخص اپنی زمین کسی کے پاس بالعوض سو روپیہ یا دو سو روپیہ رکھتا ہے اس شرط پر کہ میں زمین تمہارے قبضہ میں دیتا ہوں اور جو کچھ پیداوار ہوگی، تم کھاؤ پیو، اور سالانہ جو کچھ پیداوار ہوگی اس کے عوض دس روپیہ سالانہ سو روپیہ میں اور دو سو روپیہ میں بیس روپیہ سالانہ مجرا کر لینا، گویا میں نقد روپیہ نہیں دوں گا، گویا دس سال کو میں نے زمین تم کو دیدی، اس کے بعد زمین میری ہوگی، خواہ زمین میں کچھ پیداوار ہو یا نہ ہو، میں ذمہ دار نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر میں بیچ میں بقیہ روپیہ ادا کر دوں تو زمین میری ہو جائے گی۔ اس قسم کا لین دین کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۱) ”(الزائد الذی يتولد من المرهون) كولد الدابة والشر واللبن والصوف والوبر والارش يكون للراهن، لتولده من ملكه غير أنه (يكون مرهوناً مع الأصل)“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۹۳، (رقم المادة: ۷۱۵)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(و کذا فی رد المحتار: ۵۲۱/۶، کتاب الرهن، فصل فی مسائل متفرقة، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۳۰۴/۴، کتاب الرهن، فصل: رهن عصيراً، غفاریہ کوئٹہ)

(۲) ”أما الإجارة فالمستأجر إن كان هو الراهن، فهي باطلة..... وإن كان هو المرتهن وجدد القبض

للإجارة..... بطل الرهن، والأجرة للراهن“۔ (رد المحتار: ۵۱۱/۶، کتاب الرهن، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۶۵/۵، الباب الثامن فی تصرف الراهن، رشیدیہ)

اس صورت میں عقد اجارہ صحیح ہوگا، مگر عقد رهن باطل ہو جائے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں، کیونکہ یہ رهن کی صورتیں ہیں اور رهن میں رهن کو یا مرتهن کو انتفاع کا حق نہیں ہوتا، کما هو مصرح فی کتب الفقہ۔ جواز کی صورت یہ ہے کہ زمین اجارہ پر دیدی جائے اور مدت اجارہ متعین کر کے جس قدر روپیہ کی ضرورت ہے بطور اجرت پیشگی وصول کیا جاوے اور اس مدت تک وہ شخص کھیتی وغیرہ کر کے زمین سے نفع حاصل کر کے پھر واپس کر دے: ”لیس للمرتهن الانتفاع بالرهن، اھ۔“ مراة: ۱/۳۸۹ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/رجب ۱۴۲۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/رجب ۱۴۲۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/رجب ۱۴۲۲ھ۔

(۱) (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲/۲۷۳، کتاب الرهن، غفاریہ کوئلہ)

”والغالب من أحوال الناس أنهم يريدون عند الدفع الانتفاع، ولو لاه لما أعطاه الدراهم، وهذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعين المنع.“ (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۳۳۴، کتاب الرهن، دار المعرفة بیروت)

”لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفى دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا، وهذا أمر عظيم.“ (رد المحتار: ۲/۲۸۲، کتاب الرهن، سعید)

(و کذا فی شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۳/۱۹۶، ۱۹۷، (رقم المادة: ۷۵۰)، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(و کذا فی مجموعة رسائل اللکنوی، الفلک المشحون: ۳/۱۲، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی الفتاوی الکاملیة، ص: ۲۴۴، کتاب الرهن، حقانیہ پشاور)

”وأما الإجارة، فالمستأجر إن كان هو الراهن، فهي باطلة..... وإن هو المرتهن وجدّ القبض للإجارة..... بطل الرهن، والأجرة للراهن.“ (رد المحتار: ۲/۵۱۱، کتاب الرهن، سعید)

”و كذلك لو استأجر المرتهن، صحت الإجارة، وبطل الرهن إذا جدّ القبض للإجارة.“

(الفتاوی الفتاوی العالمگیریة: ۵/۲۶۵، الباب الثامن فی تصرف الراهن، رشیدیہ)

رہن اور اجارہ

سوال [۹۶۷]: زید نے بکر کے پاس کچھ زمین رہن رکھی اس شرط پر کہ زمین کا لگان بکر دے گا اور اس رہن کے علاوہ کچھ پیسے اور مزید بکر زید کو دیتا ہے اور اس زمین کا نصف غلہ بکر لیتا ہے اور نصف غلہ زید لیتا ہے۔ اب زید بکر سے زمین واپس لینا چاہے تو وہ کس شرط پر اور کس طرح لے سکتا ہے؟

مسئلہ مذکورہ کے بارے میں جس طرح آپ حضرات کو زحمت دی گئی تھی، اسی طرح ایک دوسرے مفتی صاحب سے بھی جواب منگایا گیا تھا، اب چونکہ دو فتوؤں میں بظاہر تعارض ہے، جو ہمارے لئے موجب تشویش ہے۔ اس لئے براہ کرام تشویش کا ازالہ فرمائیں۔

الجواب: من جانب مدرسه شمس العلوم

”صورت مسئلہ میں ایسا معاملہ کرنا شرعاً حرام ہے۔ مسلمانوں کو سود کا لین دین کرنا اور سودی معاملات سے مطلقاً احتراز کرنا لازم ہے۔ جو صورت سوال میں درج ہے، یہ بھی سودی معاملہ ہے، مرتہن جو نفع زمین مرہون سے اٹھا رہے ہیں اور سب کو اپنے تصرف میں لا رہے ہیں وہ بھی سود ہے، کیونکہ شریعت کا قاعدہ مقرر ہے کہ وہ قرض جس سے نفع حاصل کیا جائے رہا ہے، لقولہ علیہ السلام: ”کل قرض جرّ نفعاً، فہو ربوا“ (۱)۔

عام طور پر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب وہ قرض دیتے ہیں تو اس سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں، یہاں تک کہ اگر نفع کی امید نہ ہو تو قرض نہیں دیں گے، یہ امر ممنوع ہے:

”والغالب من أحوال الناس إنما يريدون عند الدفع الانتفاع، ولو لاہ لما أعطاه الدراهم، وهذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعین المنع إلى آخره، كذا فی المضمّرات“ (۲)۔

سرکاری محصول (لگان) بذمہ راہن ہوتا ہے، مرتہن سے یہ شرط کرنا کہ مرتہن

(۱) (فیض القدیر، (رقم الحدیث: ۶۳۳۶) : ۹/۴۴۸، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز (ریاض)

(۲) (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۴/۳۳۴، کتاب الرهن، دار المعرفۃ بیروت)

محصول ادا کرے بالکل ناجائز ہے:

”ونفقة الرهن والخراج والعشر على الراهن“۔ الدر المختار۔ ”وقال

الشامی عن المنح: ”إنه لا يحل: أي للمرتهن أن ينتفع بشيء منه بوجه من

الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن للربوا ثم رأيت في جواهر

الفتاوی: إن كان مشروطاً، صار قرضاً فيه منفعة، وهو ربوا، اهـ“ (۱)۔ ”لیس

للمرتهن أن ينتفع الرهن لا باستخدام ولا سكنی ولا لبس“ (۲)۔

زمین رکھنے والے نے خواہ نفع اٹھانے کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو، ہر حال میں

حرام ہے۔ زید کو چاہئے کہ مرتہن سے اپنی زمین واپس لے لے اور جو رقم لی ہے، قرض ہے،

کل کو ادا کر دیں۔ اور جو غلہ مرتہن نے استعمال کیا ہے، کل رقم سے قیمت لگا کر اس کو منہا کر

کے زید سے رقم وصول کر لیں ورنہ ربا ہوگا۔ اگر زید اپنی زمین کو کرایہ پر دینا چاہتا ہے تو پھر

سے عقد کرے اور مرتہن قبضہ جدید کرے۔

رہن کے ساتھ اجارہ جمع نہیں ہو سکتا، کما فی الدر المختار:

”بخلاف الإجارة والبيع والهبة والرهن من المرتهن ومن أجنبي إذا

باشر أحدهما بإذن الآخر حيث يخرج عن الراهن“۔ وفي الشامی: ”أما

الإجارة، فالمستأجر إن كان هو الراهن، فهي باطل وإن كان هو

المرتهن وجدد القبض للإجارة، بطل الرهن“ (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احقر محمد شعیب بھاگل پوری

خادم مدرسه شمس العلوم ضلع سیٹاپور۔

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۴۸۷، کتاب الرهن، سعید)

(۲) (رد المحتار: ۶/۴۸۲، کتاب الرهن، سعید)

(۳) (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۵۱۱، کتاب الرهن، سعید)

الجواب حامداً ومصلحاً:

من دار العلوم دیوبند :

یہاں کے فتوے میں بھی رہن کے نفع اٹھانے کو حرام لکھا ہے (اس لئے کہ وہ سود ہے) (۱)۔ جب اجارہ کا معاملہ کر لیا تو رہن کا معاملہ ختم ہو گیا (۲)، پہلے قبضہ کیثیت مرتہن تھا، جب رہن ختم کر دیا اور اجارہ کا

(۱) ”ولیس للمرتھن الانتفاع بالرهن ولا إجارته ولا إعارته: أى ليس للمرتھن الانتفاع بإجارة أو بإعارة إذا لم يكن له الانتفاع بنفسه، فلا يكون مالكا لتسليط الغير عليه إلا بإذن الراهن. وفي المنع: وعن عبد الله بن محمد بن مسلم السمرقندی - وكان من كبار علماء سمرقند -: أن من ارتهن شيئاً لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفى دينه كاملاً فتبقى له المنفعة التي استوفى فضلاً فيكون ربا، وهذا أمر عظيم“. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲/۳۷۳، كتاب الرهن، غفاريه كوئته)

”والغالب من أحوال الناس أنهم يريدون عند الدفع الانتفاع، ولو لاه لما أعطاه الدراهم، وهذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعين المنع“. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۳۳۴، كتاب الرهن، دار المعرفة بيروت)

”لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفى دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا، وهذا أمر عظيم“. (رد المحتار: ۶/۸۸۲، كتاب الرهن، سعيد)

(و كذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۳/۱۹۶، ۱۹۷، (رقم المادة: ۷۵۰)، مكتبه حقانيه پشاور)

(و كذا في مجموعة رسائل اللكنوى، الفلك المشحون: ۳/۱۲، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۲۴۴، كتاب الرهن، حقانيه پشاور)

”وأما الإجارة فالمستأجر إن كان هو الراهن، فهي باطلة وإن كان هو المرتهن و جدد القبض للإجارة بطل الرهن، والأجرة للراهن“. (رد المحتار: ۶/۵۱۱، كتاب الرهن، سعيد)

(۲) ”وكذلك لو استأجره المرتهن، صحت الإجارة وبطل الرهن إذا جدد القبض للإجارة“. (الفتاوى العالمية: ۵/۴۶۵، الباب الثامن في تصرف الرهن، رشيديه)

(و كذا في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۹/۱۱۷، كتاب الرهن، مصطفى البابی الحلبي، مصر)

معاملہ کر لیا تو پھر قبضہ بحیثیت مستاجر ہو گیا، رہن اور اجارہ کو جمع نہیں کیا گیا اور بحالت رہن اجازت نہیں دی گئی۔
الحاصل جو صورت انتفاع بالمرہون یا جمع بین الرهن والاجارہ حرام و ممنوع ہے، اس کی اجازت نہیں دی گئی اور
جس صورت کی اجازت دی گئی ہے (اجارہ محضہ) وہ ممنوع نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۰ھ۔

ضمان مرہون میں کوئی قیمت معتبر ہوگی اور امانت کو رہن رکھنا

سوال [۹۶۷]: زید کی بیوی کو طلاق ہوئی، زید کے سالے کو لڑکے کے والد نے کچھ قرضہ اپنی
معرفت سے دلویا تھا۔ انہوں نے کہا یہ روپیہ ادا کرو تو فیصلہ ہوگا۔ اس کے بعد یہ بات قرار پائی کہ اس کے عوض
میں کچھ زیور کسی کے پاس جمع کر دیا جائے، روپیہ ادا ہونے پر زیور واپس لے لیا جاوے گا، لہذا ایک پان طلائی
ایک تولہ، ایک گلو بند طلائی دونوں چیزیں ایک صاحب کے پاس جمع کر دی گئیں۔ تقریباً تین سال کے بعد وہ
روپیہ زید کے سالے نے ادا کر دیا۔ اسی دوران جن صاحب کے پاس وہ امانت رکھا تھا، کچھ پریشانیاں آئیں اور
انہوں نے اپنے زیور کے ساتھ امانت کی وہ چیزیں بھی گروی رکھ دیں، پھر ان کی حالت خراب ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا
کہ زیور بنیا کے یہاں ڈوب گیا۔

اب تقریباً بارہ سال کا عرصہ ہو گیا، اس وقت سونے کا بھاؤ تقریباً ایک روپیہ تھا۔ اس دوران جن
صاحب کے پاس زیور جمع تھا ان کے لڑکوں نے زید کے داماد کے پاس کام کیا، اس کے ۱۲۲ روپے ان کے داماد
پر باقی رہ گئے، جب ان سے مانگے گئے تو زید نے کہا کہ ہمارا زیور آپ کے پاس ہے، اس کے حساب میں مجرا
کر لینا۔ اس کو بھی تقریباً پانچ برس ہو گئے۔ اب زید اپنا زیور لینا چاہتا ہے، امانت دار کہتا ہے کہ زیور جس وقت دیا
تھا، اُس وقت جو سونے کا بھاؤ تھا وہ میں دوں گا۔ زید کہتا ہے کہ اس وقت سونے کا جو بھاؤ ہے اس حساب سے
میں لوں گا۔ اس بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقت روپیہ رہن کا معاملہ ختم کیا جا رہا ہے اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا، امانت دار کو حق نہیں تھا
کہ وہ امانت کو اپنی ضرورت کے لئے رہن رکھ دے، ایسی صورت میں اس کے ذمہ ضمان لازم ہے۔ اگر زیور

ڈوب گیا اور رہن میں ختم کر دیا گیا تو اس کی موجودہ قیمت لازم ہوگی، امانت دار موجودہ قیمت دے کر بری الذمہ ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمد وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۴ھ۔

بیع ورہن کی ایک صورت

سوال [۹۶۷۸]: علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں:

سراج الحسن صاحب مرحوم ایک زمین پر اپنا مکان تعمیر کراتے ہیں، تعمیر کے بعد اس زمین کا بیع نامہ اپنی بیوی کے نام کراتے ہیں۔ بعد مدت طویل کے سراج الحسن صاحب کا انتقال ہو جاتا ہے اور بیوی دو صاحبزادے اور لڑکی مسماۃ فاطمہ بیگم ان کے وارث ہوتے ہیں۔ بڑے صاحبزادے کی نالائقی کی بنا پر کچھ عرصہ بعد مسماۃ شفیق النساء زوجہ سراج الحسن مرحوم تنہا رہن رکھتی ہیں اور فاطمہ بیگم اور عین الحسن کے دستخط بھی رہن نامہ پر کر جاتی ہیں۔

کچھ عرصہ بعد مسماۃ شفیق النساء مکان کو فروخت کر دیتی ہیں، جس کے محرک اعلیٰ مسمیٰ عین الحسن ہوتے ہیں، اس وقت بیعنامہ پر صرف عین الحسن کی طرف سے ہوتی ہیں اور بیعنامہ مسماۃ کی طرف سے ہوتا ہے۔ بوقت بیعنامہ لڑکی مسماۃ فاطمہ بیگم بالغ اور شادی شدہ ہے اور عین الحسن اور شمس الحسن بھی بالغ ہیں، شمس الحسن کی عمر اس

(۱) ”الودیعة متى وجب ضمانها، فإن كانت من المثليات تضمن بمثلها، وإن كانت من القيميات تضمن بقيمتها يوم لزوم الضمان“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۴۶، (رقم المادة: ۸۰۳)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

”وإن انقطع المثل (بأن لا يوجد في السوق الذي يباع فيه. وإن كان يوجد في البيوت (فقيمته يوم الخصومة): أي وقت القضاء، وعند أبي يوسف رحمه الله تعالى: يوم الغصب، وعند محمد رحمه الله تعالى: يوم الانقطاع، ورجحاً“۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۸۳/۶، کتاب الغصب، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۳۱۷/۶، کتاب الغصب، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۲۹۶/۳، حقانیہ پشاور)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۷۸/۴، ۷۹، کتاب الغصب، غفاریہ کوئٹہ)

وقت ۱۹ سال کی ہوتی ہے۔ عرصہ دو سال بعد مسماۃ فاطمہ بیگم و شمس الحسن کی طرف سے مقدمہ دائر کیا جاتا ہے کہ والدہ کو ہم لوگوں کے حصے بیچنے کا کوئی حق نہیں ہے، لہذا ہم لوگوں کو ہمارا حصہ ملنا چاہئے۔ مسمیٰ شمس الحسن کا دعویٰ ہے کہ ہم نابالغ تھے اور مسماۃ فاطمہ بیگم باوجود بالغی کے اپنا حق طلب کرتی ہیں۔

امور قابل تنقیح حسب ذیل ہیں:

۱۔ رہن نامہ پر مسماۃ فاطمہ بیگم اور عین الحسن کے دستخط ہیں اور رہن کا مضمون یہ ہے کہ ”مکان میں تن تنہا مالک ہوں اس میں کسی کا کوئی حصہ نہیں ہے، محض اطمینانِ مہاجن کے لئے ان لوگوں کے دستخط کرائے جا رہے ہیں، لیکن جب بیعنامہ ہوتا ہے تو دستخط صرف عین الحسن کے ہوتے ہیں اور بیعنامہ پر فاطمہ بیگم کی دستخط نہیں ہے اور کچھ عرصہ بعد مسماۃ شفیق النساء (جو اصل بالغ ہیں) اور فاطمہ اور شمس الحسن کی طرف سے دعویٰ ہوتا ہے۔

۲۔ مدعیان کہتے ہیں کہ بیعنامہ ناجائز ہے، لہذا ہمارا حصہ ملنا چاہئے۔

۳۔ شمس الحسن اپنی نابالغی کا بھی عذر پیش کرتے ہیں اور سابق رہن نامہ پر ان کے دستخط بھی نہیں ہیں۔

۴۔ دعویٰ بیع کے دو سال بعد ہوا ہے۔

۱۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ از روئے شرع والدہ جو حیثیت متولی ہیں، اول رہن بعدہ بیع کرتی ہے اور صرف تن تنہا رہن اور بالغ بنتی ہے، اس کا رہن اور بیع کل کی طرف سے صحیح ہوا یا نہیں، جب کہ تمام حضرات دو سال تک خاموش رہے؟

۲۔ اگر شرعی حیثیت سے بیع باطل یا فاسد ہے اور استحقاق صحیح ہے تو مشتری کو روپیہ واپس ملنا چاہئے یا نہیں؟

۳۔ زمین تن تنہا شفیق النساء کے نام سے خریدی جاتی ہے، اس سے مکان کی ملکیت پر کیا اثر پڑے گا، حالانکہ مکان سراج الحسن مرحوم کی ذاتی رقم سے بنایا گیا ہے؟

نوٹ: مدعیان کی نیت ہے کہ بذریعہ عدالت اپنے حصہ پر قابض ہو جائیں اور روپیہ نہ دیں۔ اور وہ لوگ اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ مکان کے مالک ہمارے والد تھے، بعد وفات والد سراج

الحسن مرحوم ہماری والدہ مسماة شفیق النساء کو تنہا بیع ورہن کا کوئی حق نہیں ہے، لہذا ہم لوگوں کا حصہ ملنا چاہئے۔
(ب) مدعا علیہم زمین کے بیعنامہ اور رہن نامہ کے مطابق بیع کو جائز سمجھتا ہے اور حصہ دینے پر تیار نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ ان لوگوں کو اعتراض تھا تو رہن نامہ پر دستخط کیوں کیا؟ جب کہ تنہا ملکیت مسماة شفیق النساء نے اس میں لکھ دی تھی۔

(ج) اصل بائع بھی یعنی مسماة شفیق النساء بھی عدالت میں بیعنامہ سے انکار کر رہی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم کو دھوکہ دے کر ایسا کیا گیا (یہ خلاف واقعہ ہے)۔ اصل بات یہ ہے کہ مدعیان مفت میں قبضہ چاہتے ہیں۔
(د) اگر سچی گواہی دی جاتی ہے تو مدعا علیہم کا وکیل کہتا ہے کہ مقدمہ ہار جاؤں گا، بلکہ تمہیں یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ مسماة شفیق النساء نے خود اپنے روپے سے مکان تعمیر کرایا ہے، لیکن اس وقت گواہوں کو اللہ نے کچھ دینی امور کی طرف سے مائل کر دیا ہے، وہ لوگ غلط گواہی کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اب شرعاً یہ بتلایا جائے کہ سچی گواہی دینے سے ایک شخص کا روپیہ مفت میں ڈوبتا ہے، لہذا اگر صاحب حق کا حق دلانے کے لئے جھوٹ بول سکتے ہیں یا نہیں اور یہ کہ بیع ورہن کا کیا حکم ہے اور دعویٰ کیسا ہے؟ قدرے تفصیل ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

بندہ: محمد شفیع آلہ آبادی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ سراج الحسن مرحوم نے بیوی کے نام بیعنامہ کر دیا ہے خواہ بیوی کی زمین میں مکان بنایا ہے اور صرف تعمیر کا بیعنامہ کیا ہو اور زمین کی بیوی پہلے سے مالک ہو، یا زمین بھی سراج الحسن کی ہو اور زمین و تعمیر ہر دو کا بیعنامہ بیوی کے نام بعوض دین مہر کیا ہو تو زوجہ اس کی تنہا مالک ہے (۱)، اس کو ترکہ سراج الحسن تجویز کر کے دیگر ورثہ کا مطالبہ میراث کرنا بے محل ہے (۲)، تنہا شفیق النساء کو اس کے رہن و بیع کا پورا پورا اختیار ہے (۳)۔ ایسی

(۱) "إن الملكية تثبت بمجرد العقد إذا استجمع البيع شرائط الانعقاد والصحة وال لزوم والنفاد".

(شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۳۵۷/۲، حقانیہ پشاور)

(۲) اس لئے کہ یہ اب مرحوم کا ترکہ نہیں رہا، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: "لأن التركة ماترکہ الميت من

الأحوال صافياً عن تعلق حق الغير بعین من الأموال". (رد المحتار، کتاب الفرائض: ۷۵۹/۶، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشیدیہ)

(۳) اس لئے کہ وہ اس کی مالک بنی اور مالک کو اپنی ملک میں ہر قسم کے جائز تصرف کرنے کا اختیار۔ فی المجلة: "کل =

صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مسماۃ نے حیثیت متولی رہن یا بیع کیا ہے، خاص کر جب کہ رہن نامہ میں تن تنہا مالک ہونے کی تصریح بھی ہے اور دوسروں کے دستخط کی وجہ محض حصول اطمینان ظاہر کی گئی ہے۔

شروع سوال میں مسماۃ کے نام بیع نامہ کا ذکر ہے اور صفحہ: ۳ (ب) کے حاشیہ پر مذکور ہے کہ اس کا ثبوت نہیں تو وہ بیع نامہ کہاں گیا، بیع نامہ پر بائع کے دستخط کافی ہیں، کسی اور کے دستخط کی ضرورت نہیں۔ عین الحسن کے دستخط نہ ہوتے تب بھی بیع نامہ صحیح تھا۔ بیع نامہ کے ناجائز ہونے کی وجہ مدعیان کیا بیان کرتے ہیں، حالانکہ عین الحسن کے اس پر دستخط ہیں، اتنی مدت تک مدعیان کیوں خاموش رہے۔ درمختار مسائل شتی میں مذکور ہے کہ اگر کسی زمین کو فروخت کیا جائے اور بائع کے اقارب اس پر سکوت کریں اور پھر اس بیع کو فسخ کرانا چاہیں کہ یہ بیع ہماری مرضی کے خلاف ہوئی ہے تو ان کا قول معتبر نہیں ہوگا (۱)۔

امید ہے کہ اس تحریر میں سوال کے تمام اجزاء کا جواب آ گیا تاہم نمبر وار جواب بھی تحریر ہے:

۱..... صورت مسئلہ میں والدہ تن تنہا مالک ہے، کیونکہ سراج الحسن مرحوم نے یہ مکان بعوض مہر مسماۃ کے نام بیع کیا ہے اور فاطمہ بیگم اور عین الحسن بھی رہن نامہ پر اس کے گواہ ہیں، لہذا مالک ہونے کی حیثیت سے اس کو بیع اور رہن کا پورا اختیار ہے (۲)۔

۲..... بیع کے باطل اور فاسد ہونے کی کوئی شرعی وجہ نہیں، لہذا نہ بیع فسخ کی جائے گی، نہ روپیہ مشتری کو واپس دلایا جائے گا (۳)۔

= يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، كتاب القسمة، مكتبة حنفية كوئٹہ)

(۱) "باع عقاراً أو حيواناً أو ثوباً، وابنه أو امرأته أو غيرهما من أقاربه حاضر يعلم به، ثم ادعى الابن مثلاً أنه ملكه، لا تسمع دعواه". (الدر المختار، مسائل شتی: ۶/۷۴۲، ۷۴۳، سعید)

(و كذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية: ۱/۱۸۰، دار الفكر بيروت)

(۲) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، كتاب القسمة، مكتبة حنفية كوئٹہ)

(۳) "البيع النافذ يفيد الحكم في الحال إذا كان البيع لازماً نافذاً وليس لأحد المتبايعين الرجوع عنه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۱۱، (رقم المادة: ۴، ۳، ۷۵، ۳)، مكتبة حنفية كوئٹہ)

۳..... اگر مسماة شفیق النساء کے نام زمین خریدی اور اس کو دیدی گئی ہے اور پھر اس کی اجازت سے سراج الحسن مرحوم نے اس پر مکان تعمیر کیا ہے تو وہ مکان مسماة ہی کا ہے، البتہ جو رقم تعمیر میں صرف ہوئی ہے وہ مسماة کے ذمہ ہے، پھر اگر بعوض مہر سراج الحسن نے ساقط کر دی تو اب کسی کو اس کے طلب کرنے کا اختیار نہیں (۱)۔ اور اگر بغیر اجازت تعمیر کیا ہے تو وہ مسماة کا ہی ہے اور مسماة کے ذمہ وہ خرچ شدہ رقم بھی واجب نہیں۔ اور اگر سراج الحسن نے وہ مکان اپنے لئے تعمیر کیا ہے تو وہ تعمیر سراج الحسن کی ہے، لیکن جب کہ وہ مسماة کو بعوض مہر دیدیا تو وہ مکان بھی مسماة کا ہو گیا، اگر مسماة کو نہ دیتا تو مسماة کو اختیار تھا کہ اس مکان کو مسمار کرانے کا مطالبہ کرتی (۲)۔

نوٹ: یہ ظلم ہے (۳)۔

(ب) مدعی علیہم کا جواب تو بظاہر صحیح ہے۔

(ج) کیا سارے کاغذ دستخط کرائے گئے اور کیا اس بیعنامہ پر کوئی گواہ موجود نہیں، اگر شرعی گواہ موجود ہیں تو ان کی گواہی قبول ہوگی اور مسماة کا انکار غیر معتبر ہوگا (۴)۔ اور کیا رہن نامہ بھی دھوکہ دیکر کرایا گیا ہے؟

(۱) قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: "لأن التركة مآثر كمال الميت من الأحوال صافياً عن تعلق حق الغير بعین من الأموال". (رد المحتار، کتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، سعید)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشیدیہ)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۵۳، رقم المادة:

۱۱۹۲)، كتاب القسمة، مكتبه حنفیه كوئٹہ)

(۲) "عمر دار زوجته بإذنها فالعمارة لها والنفقة دين عليها؛ لصحة أمرها. ولو عمر لنفسه بلا إذنها، فالعمارة له، ويكون غاصباً للعروة فيؤمر بالتفريع بطلبها ذلك، ولها بلا إذنها، فالعمارة لها، وهو ملووع في البناء فلا رجوع له". (الدر المختار، مسائل شتى: ۶/۷۴۷، سعید)

قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ، وَتَدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾. (سورة البقرة: ۱۸۸)

(۴) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده: أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه". (مشکوٰۃ المصابيح، باب الأقضية والشهادات: ۲/۳۲۷، قدیمی)

"وإذا صححت الدعوى سأل القاضى المدعى عليه عنها، فإن اعترف قضى عليه، وإن أنكر سأل =

(د) اگر حق کا فیصلہ اور ظلم سے نجات اسی پر موقوف ہے تو گواہوں کو تو یہ اور تعریضاً کذب کی اجازت ہے، صریح جھوٹ سے احتراز کریں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ربیع الاول/۱۴۱۱ھ۔

جب تک بیع نامہ اور رہن نامہ سامنے نہ ہو اور گواہوں کے بیانات نہ ہوں، اس وقت تک فریقین کی تصدیق و تکذیب مشکل ہے، معاملہ طے کرنے والوں کو سب جزوؤں کو غور سے دیکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے۔ سوال سے کچھ متعارض باتیں ظاہر ہوتی ہیں، اس لئے جوابات صرف سوالات کے مطابق لکھ دیئے گئے ہیں، اصل حقیقت کے بدلنے سے جوابات بھی بدل جائیں گے۔ اول فیصلہ کرنے والے تحقیقات کریں، اس کے بعد اگر کسی مسئلہ میں اشکال ہو تو تحقیق کر لی جائے۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۰/ربیع الاول/۱۴۱۱ھ۔

رہن کی واپسی ورثائے راہن کے لئے

سوال [۹۶۷۹]: زید نے اپنا مکان بعوض تین سو روپے پانچ سال تک کی مدت کے لئے بعوض تین سو روپے ماہوار خالد کو رہن رکھ دیا اور اس رہن نامہ کے اندر تحریر ہے کہ اگر اس مدت مقررہ میں رقم ادا نہ ہوئی تو رہن نامہ کو بیع نامہ تصور کیا جائے۔ اگر جواب نفی میں ہے تو ورثائے شرعی زید کے فوت ہونے پر مکان بیع کرنا چاہیں تو کیا بیع کا حق ہوگا؟

= المدعى البينة؛ لقوله عليه الصلوة والسلام: "ألك بينة؟" فقال لا فقال "لك يمينه". وإن أحضرها

قضی بها". (الهداية، كتاب الدعوى: ۳/۲۰۱، إمدادیه ملتان)

(۱) "والتعريض والتورية: إطلاق لفظ ظاهر في معنى وخفى في آخر مع إرادة خفية، وهو ضرب من الغرر والخدع. قال العلماء: فإن دعنا إليه مصلحة شرعية راجحة على خداع المخاطب، أو حاجة لا مندوحة عنها إلا بالكذب، فلا بأس بالتعريض. وإن لم تدع إليه مصلحة كذلك، كره". (الفتاوى الحديثية، مطلب: في التعريض والتورية، ص: ۱۹۷، قديمي)

(و كذا في تفسير ابن كثير: ۱۳/۲، سهيل اكيڈمي لاہور)

(و كذا في رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۷۴، ۷۵، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رہن ہے، بیع نہیں، نہ رہن رکھتے وقت نہ پانچ سال گزرنے پر، زید قرض واپس کر دے اور اپنا مکان لے لے، چاہے فروخت کر دے (۱)، قرض جتنا لیا ہے اسی قدر واپسی ہوگی، زیادہ کی نہیں (۲)۔ زید کے بعد اس کے ورثاء کو بھی اس کا حق حاصل ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔



(۱) "توقف بیع الرهن رهنه على إجازة مرتهنة أو قضاء دينه، فإن وجد أحدهما، نفذ". (الدر المختار:

۵۰۸/۶، کتاب الرهن، باب التصرف فی الرهن والجنایة علیہ، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۶۲/۵، کتاب الرهن، الباب الثامن فی تصرف الرهن، رشیدیہ)

(۲) قرض پر زیادتی بغیر کسی عوض کے وصول کرنا سود ہے جو کہ حرام ہے:

"کل قرض جر نفعاً حرام". (الدر المختار: ۱۶۶/۵، کتاب البیوع، فصل فی القرض، سعید)

(۳) "قیل بالترکة؛ لأن الإرث یجری فی الأعیان المالیه، أما الحقوق فمنها ما یورث کحق حبس المبیع

و حبس الرهن، ومنها ما لا یورث کحق الشفعة و شرط الخيار". (رد المحتار: ۷۶۲/۶، کتاب

الفرائض، سعید)

"مات الراهن، باع وصیه رهنه بإذن مرتهنه وقضى دينه لقيامه مقامه".

(الدر المختار: ۵۱۹/۶، کتاب الرهن، باب التصرف فی الرهن، سعید)

کتاب الفرائض

الفصل الأول فی التركة وتصرف المیت فیہا

(ترکہ اور میت کے تصرف کا بیان)

اپنی جائیداد کو اپنی زندگی میں ورثاء پر تقسیم کرنا

سوال [۹۶۸۰]: زید ابھی حیات ہے لیکن بطور حفظ ما تقدم کہ آئندہ اہل میں جھگڑا و فساد نہ ہو۔

اس لئے زندگی ہی میں اندازہ سے تقسیم جائیداد فرما رہے ہیں، درست ہے یا نہیں؟

۲..... کیا زید چونکہ ابھی حیات ہے اس لئے ساری جائیداد اس کی ملک ہے، اس لئے اپنی زندگی میں

جس کو جتنا چاہے دینے کا شرعاً مجاز ہے یا نہیں؟ ایسا کرنے پر ورثاء راضی نہیں ہیں۔

۳..... اگر شرعی طور سے تقسیم ہی حیات میں بھی ضروری ہے تو حسب ذیل حالات ہیں جو درج ذیل

ہیں۔ براہ کرم جس کا جو شرعی حق دیا جانا چاہیے، تحریر فرما دیا جائے تو سب کو ان کے حق کے موافق حق کی تقسیم کر کے

زید اور اس کے ورثاء عند اللہ ما جور ہو سکیں۔ رہبری چاہتے ہیں۔

زید کی دو بیویاں ہیں: ایک کا نام حفیظ بیگم مرحومہ ہے جس کے لطن سے ۴/ مرد ولد ہیں اور دو لڑکیاں ہیں

جو بالغ ہیں، ان میں سے دو لڑکوں کی اور لڑکیوں کی شادی ہو گئی۔ نیز زید کی دوسری بیوی جو حیات میں ان کا نام بی

پاشا جہاں ہے، ان کے لطن سے ۳/ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں جن میں سے ایک لڑکی بالغ ہے اور شادی بھی ہو گئی

ہے، باقی دو لڑکے اور لڑکیاں نابالغ ہیں۔

ترکہ کی تقسیم میں لڑکے کو کتنا حصہ ملے گا اور لڑکی کو کیا اور بیوی کا کیا حصہ ہوتا ہے۔ نیز مرحوم بیوی کا

حصہ بھی نکلا جانا ضروری ہے یا نہیں۔ اگر نکلا جانا ضروری ہے تو پھر اس حصہ کے حقدار اس کے لطن سے پیدا

ہونے والی اولاد ہو سکتی ہے یا کل ورثاء میں؟ زید اس کو تقسیم کرنے کا مجاز ہے۔ براہ کرم اس کا جواب جلد از جلد

مطلوب ہے۔ فقط۔

عبدالعلیم عفی عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید اپنی زندگی میں اپنی مملوکہ جائیداد میں تصرف کا مختار ہے (۱)، جس کو جس قدر مناسب سمجھے دے دے، کسی کو اعتراض کا حق نہیں، البتہ اتنا ضرور ہے کہ کسی ہونے والے وارث کو طبعی رنج کی وجہ سے ضرر پہونچانا مقصود نہ ہو (۲)، اس لئے ایسی حالت میں مفتی بہ قول کے مطابق لڑکی کو بھی لڑکے کے برابر حصہ دیا جائے (۳)۔ آٹھواں حصہ نکال کر موجودہ بیوی کو دیا جائے (۴)، بقیہ کو گیارہ حصے بنا کر ہر دو بیویوں سے پیدا شدہ لڑکوں اور لڑکیوں کو برابر دے دیا جائے (۵)۔ مرحومہ بیوی کا کوئی حصہ نہیں (۶)، لیکن اگر اس کا مہر باقی ہو،

(۱) ”و لکل واحد منهم أن يتصرف فی حصته کیفما شاء“۔ (شرح المجلة لسلم رستم: ۱/۲۴۳،

(رقم المادة: ۱۱۶۲)، کتاب الشركة، الفصل الثامن فی أحكام القسمة، دارالکتب العلمیة بیروت)

”وأما ما يرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة وكونه من أهلها أن يكون حرّاً

عاقلاً بالغاً مالکاً للموهوب“۔ (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الهبة، الباب الأول: ۳/۳۷۴، رشیدیہ)

(۲) ”ولو وهب رجل لأولاده فی الصحة وأراد تفضیل البعض علی البعض عن أبی حنیفة رحمه

الله تعالى: لا بأس به إذا كان التفضیل لزیادة فضل له فی الدین وعن أبی یوسف رحمه الله تعالى

أنه لا بأس به إذا لم یقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار، سوى بينهم“۔ (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب

الهبة، الباب السادس فی الهبة للصغیر: ۳/۳۹۱، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الهبة: ۷/۴۹۰، رشیدیہ)

(۳) ”وفی الخلاصة: المختار التسویة بین الذکر والأنثی فی الهبة“۔ (البحر الرائق، کتاب الهبة: ۷/۴۹۰، رشیدیہ)

(و کذا فی خلاصة الفتاویٰ، کتاب الهبة: ۳/۴۰۰، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الهبة، الباب السادس فی الهبة للصغیر: ۳/۳۹۱، رشیدیہ)

(۴) اس لئے کہ جب میت کی اولاد موجود ہو تو بیوہ کو آٹھواں حصہ ملے گا، قال الله تعالى: ﴿فإن كان لکم ولد فلهن

الثلث مما ترکتم﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۵) (راجع رقم الحاشیة: ۳)

(۶) مرحومہ بیوی کو حصہ اس لئے نہ ملے گا کہ وارث کا مورث کی موت کے وقت زندہ ہونا شرط ہے اور وہ زندہ نہیں: =

ادانہ کیا گیا ہو، نہ اس نے معاف کیا ہو تو وہ اس کے ورثاء کو ملے گا (۱)، جن میں خود شوہر بھی حصہ دار ہے (۲)۔
فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۱۴۰۶ھ۔

مملوکہ اور سرکاری زمینوں میں وراثت

سوال [۹۶۸۱]: باپ کے انتقال کے بعد اس کی زرعی زمین میں لڑکی بھی مستحق میراث ہوگی، یا ساری زمین لڑکے کو مل جائے گی؟ سوال اس لئے پیدا ہوا کہ زرعی زمینوں کی مالک غالباً حکومت ہوگئی ہے، یہ زمینیں اب افراد کی ملک نہیں ہیں، تو اگر لڑکا ساری زرعی زمین خود لے لے اور اپنی بہن کو کچھ نہ دے تو کنہگار ہوگا یا نہیں؟ باغ اور باغ کی زمین اور مکان اور مکان کی زمین کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین ملک سرکاری ہے اور اس نے برائے کاشت کرایہ پر کسی کو دی ہے تو وہ اس کی ملک نہیں ہوگئی، اس کے انتقال پر اس زمین میں وراثت جاری نہیں ہوگی (۳)، بلکہ جس کو سرکار دے گی اس کو اس میں حق کاشت حاصل ہوگا۔ یہی حال باغ اور گھر کی زمین کا ہے۔ جو زمین کسی کی مملوکہ ہے، اس میں

= ”وشروطه ثلاثة: موت مورث..... ووجود وارثه عند موته حياً“۔ (ردالمحتار، کتاب الفرائض: ۷۵۸/۶، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴۹۴/۴، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۱) ”کما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم، كذلك يكون الدين الذي له في ذمة آخر مشتركاً بينهم على قدر حصصهم“۔ (شرح المجلة، (رقم المادة: ۱۰۹۲): ۶۱۰/۱، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ، فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۳) ”يبدأ من تركه الميت الخالية عن تعلق حق الغير بعينها كالرهن والعبد الجاني..... والمبيع المحبوس بالثمن والدار المستأجرة“۔ (الدرالمختار). ”لأن التركة في الاصطلاح: ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال“۔ (ردالمحتار: ۷۵۹/۶، کتاب الفرائض، سعید) =

وراثت جاری ہوگی (۱)۔ اور لڑکی کو حصہ نہ دینا ظلم اور غصب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمد وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مالِ شرکت کی وراثت

سوال [۹۶۸۲]: جس وقت حسین بخش واللہ بخش کے تینوں لڑکوں نے ایک جائیداد مساوی حصہ پر خرید کی تھی تو اس وقت حسین بخش واللہ بخش دونوں بھائی زندہ تھے، کچھ عرصہ کے بعد یکے بعد دیگرے انتقال ہوا ہے۔ تو ایسی صورت میں یہ جائیداد جو کہ تینوں فریق نے مساوی طور پر خرید کی ہے کیسے تقسیم ہونی چاہیے؟ فقط والسلام۔

محمد حنیف، راجپور،

ضلع دھرہ دون، ۲۱/فروری/۵۴ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جائیداد خریدتے وقت حسین بخش واللہ بخش زندہ تھے اور پھر بعد میں ان کا انتقال ہوا تو اس سے تقسیم

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۶۵/۹، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۴۷۱/۷، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۱) (تقدم تخریجه تحت المسئلة السابقة)

(۲) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

”عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من قطع میراث وارثہ، قطع اللہ میراثہ من الجنة“. رواہ الترمذی. (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۶۶، باب الوصایا، الفصل الثالث، قدیمی)

”ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه

ردہ“. (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۲/۱، (رقم المادة: ۹۷)، مكتبة حنفية كوئٹہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۲۸/۵، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۱۶۷/۲، رشیدیہ)

پر کوئی اثر نہیں پڑتا (۱)، اس جائیداد کے برابر ۳/ حصہ کر کے تینوں لڑکوں کے ورثاء کو دیدیئے جائیں گے (۲)۔ اگر ان کے ورثاء میں اللہ بخش و حسین بخش بھی ہیں یعنی ان کا انتقال لڑکوں کے بعد میں ہوا ہے تو ان کو بھی حصہ ملے گا، ہر ایک کے انتقال کے وقت جس قدر ورثاء اس کے زندہ رہے (۳)۔ اگر سوال میں اس کی تفصیل ہوتی تو پوری طرح جائیداد کی تقسیم اور اس کے حصص کا حال معلوم ہو جاتا، اب جس قدر سوال ہے اس قدر جواب ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۳/۶۴ھ۔

(۱) واضح رہے کہ یہ اس وقت ہے کہ جائیداد سب بیٹوں کی ہو، والدین کا حصہ اس میں نہ ہو:
” (سئل) فی إخوة خمسة سعيهم و كسبهم واحد وعائلتهم واحدة حصلوا بسعيهم و كسبهم أموالاً، فهل تكون الأموال المذكورة مشتركة بينهم أحماساً؟
الجواب: ما حصله الإخوة الخمسة بسعيهم و كسبهم يكون بينهم أحماساً“۔ (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب التركة: ۱/ ۹۵، مكتبه ميمية مصر)
(۲) ”القسمة..... سبها طلب الشركاء أو بعضهم الانتفاع بملكه..... و ركنها هو الفعل الذي يحصل به الإفراز والتمييز بين الأنصباء..... و حكمها تعيين نصيب كل من الشركاء على حدة“۔
(الدر المختار: ۲۵۴/۶، كتاب القسمة، سعيد)
”وأما بتقسيم العين الواحدة وتعيين كل حصة شائعة بكل جزء من أجزائها في قسم منها كقسمة العرصة الواحدة بين اثنين، ويقال لها: قسمة تفريق و قسمة فرد“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۶۱۸، (رقم المادة: ۱۱۵)، كتاب التركة، الباب الثاني في القسمة، مكتبه حنفية كوئٹہ)
(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲۰۳/۵ كتاب القسمة، الباب الأول في تفسيرها و بيان ماهية القسمة الخ، رشيدية)

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿وَلَأَبْوِيهَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسَ مِمَّا تَرَكَ﴾ (سورة النساء: ۱۱)
(۴) ”وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقة أو حكماً، ووجود وارثه عند موته حياً..... والعلم بجهة الإرث“۔ (رد المحتار: ۵۸/۶، كتاب الفرائض، سعيد)
(و كذا في مجمع الأنهر: ۴/ ۴۹۴، كتاب الفرائض، مكتبه غفاريه كوئٹہ)

کیا بیوی کے مرنے پر مہر بھی ترک ہے؟

سوال [۹۶۸۳]: اگر بیوی نے مہر معاف نہ کیا ہو اور شوہر کی طرف سے ادا بھی نہ کی گئی ہو، اسی درمیان بیوی کا انتقال ہو جائے تو مہر کا کیا ہوگا جب کہ شوہر پر واجب ہے، کیا غریبوں، مسکینوں میں مہر کی رقم تقسیم کر دینے سے مہر ادا ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مہر مرحومہ بیوی کا ترکہ قرار دیا جائے گا اور حسب حصص شرعیہ وراثہ پر تقسیم ہوگا جیسا کہ اور ترکہ تقسیم ہوتا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۵/۱۴۰۱ھ۔

مرحومہ زوجہ کا مہر ترکہ میں داخل ہے یا نہیں؟

سوال [۹۶۸۴]: زید نے اپنے نکاح کے فوراً بعد اپنی زوجہ کا مہر ادا نہیں کیا، ارادہ بھی تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو ادا کر دوں۔ زید صاحب اولاد ہے، مگر زید کی زوجہ کا انتقال ہو گیا۔ اب زید کیلئے ادائیگی مہر میں کیا مسئلہ ہے؟ وہ مسجد یا مدرسہ کو مہر دینے کیلئے تیار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہر آب ترکہ زوجہ بن گیا ہے (۲)، اب اس میں شرعی میراث جاری ہوگی، ایک چوتھائی کا مستحق

(۱) ”کما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم، كذلك يكون الدين الذي له في ذمة آخر مشتركاً بينهم على قدر حصصهم“۔ (شرح المجلة لسليم رستم: ۶۱۰/۱، رقم المادة: ۱۰۹۲)، كتاب الشركة، الفصل الثالث، حنفية كوئته

”يبدأ من تركه الميت الخالية لأن التركة في الاصطلاح: ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال“۔ (رد المحتار: ۷/۵۹، كتاب الفرائض، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۳۶۵/۹، كتاب الفرائض، رشيدية)

(۲) ”کما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم، كذلك يكون الدين الذي له في ذمة آخر مشتركاً بينهم على قدر حصصهم“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۱۰/۱، رقم المادة: ۱۰۹۲)، كتاب الشركة، الفصل الثالث في الديون المشتركة، مكتبه حنفية كوئته

شوہر ہے (۱)، وہ خود رکھ لے اور بقیہ اولاد کو دیدے۔ اگر سب لڑکے ہیں تو سب کو برابر دیدے، اگر لڑکی بھی ہے تو دو ہر لڑکے کو، اگر لڑکی کو دیدیا جائے (۲)۔ یہ اس وقت ہے کہ زوجین کے والدین میں سے کوئی زندہ نہ ہو، ورنہ سب کی تفصیل لکھ کر ہر ایک کا حصہ دریافت کر لیں۔ پورا مہر بغیر دیگر ورثاء کی اجازت کے از خود مسجد وغیرہ میں دینے کا حق نہیں، اپنا حصہ جس طرح چاہے کرے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۱۴۰۶ھ۔

ایک بیٹے کو روپیہ دینے کے بعد دیگر ورثاء کا اس میں حق

سوال [۹۶۸۵]: ایک شخص نے انتقال کیا، ان کا ایک لڑکا بیان کرتا ہے کہ والد صاحب نے مجھ کو ایک ہزار روپے دیئے تھے اور فرمایا تھا کہ تم اپنے فلاں کام میں لاؤ اور ہم کو واپس نہ دینا۔ اور یہ بیان ان کا اپنے والد کے انتقال کے بعد ہے، مگر متوفی کے کاغذات میں مستعار لکھے ہوئے نکلے تو اس صورت میں وارثان متوفی مذکور کے حکم شرعی معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

نیز اگر گواہان کے ذریعہ متوفی کے مرض الموت کا یہ ثبوت مل جائے کہ متوفی نے اب مرض الموت میں واپس لینے کا ارادہ ترک کر دیا تھا، یا معاف کر دیا ہے تو کیا یہ فعل متوفی کی وصیت سمجھا جائے گا یا کیا؟ اور یہ بات کہ وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی، متوفی کوئی عالم نہیں تھے کہ اس بات کو جانتے۔ کیا اس صورت میں اس فعل کو عبت سمجھا جائے گا؟

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَهْنٌ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِي﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۳) ”لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي مِلْكٍ غَيْرِهِ بِإِذْنِهِ“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۰، رقم المادة: ۹۶)، مكتبة حنفية كوئٹہ

(و كذا في الدر المختار: ۲۰۰/۶، كتاب الغصب، سعيد)

”كلُّ يتصرف في ملكه كيف شاء“۔ (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۵۳، رقم المادة: ۱۱۹۲)

(۱۱۹۲)، كتاب الشركة، الباب الثالث في أحكام الأملاك، مكتبة حنفية كوئٹہ

”لأن الملك مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص“۔ (رد المحتار: ۴/۵۰۲، أول

كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دیگر ورثاء کو اس لڑکے کا یقین ہے کہ والد نے بحالتِ صحت وہ روپیہ دیدیا، واپس لینے کے لئے نہیں دیا، بلکہ ہبہ کر دیا ہے تب تو وہ روپیہ محض اس لڑکے کا ہے، دیگر ورثاء کا اس میں کوئی حق نہیں (۱)۔ اگر یقین نہیں اور اس کے پاس ثبوت شرعی بھی نہیں تو پھر وہ ترکہ شمار ہوگا اور سب ورثاء اس میں شریک ہوں گے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/شوال/۶۷ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۰/شوال/۶۷ھ۔

اپنی جائیداد مدرسہ کو دینا

سوال [۹۶۸۶]: ہمارے گاؤں میں ہمارے بزرگ حاجی بھورے خان کی کچھ زمین زائد ہے اور

(۱) ”یملک الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك“۔ (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۳۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث في أحكام الهبة، مكتبة حنفية كوئٹہ)
”لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً“۔ (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية في بيان قواعد الفقهية، مكتبة حنفية كوئٹہ)

(و كذا في الدر المختار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، رشيدية)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيدية)

(۲) ”عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال في خطبته: ”البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه“۔ (جامع الترمذی: ۱/۲۳۹، أبواب الأحكام، باب ما جاء أن البينة على المدعى، سعيد)

”فإذا صحت الدعوى من المدعى، سأل القاضى المدعى عليه فإن اعترف بدعواه، قضى عليه بها؛ لأنه غير متهم فى حق نفسه. وإن أنكر سأل المدعى البينة لإثبات ما ادعاه، فإن أحضرها، قضى بها لظهور صدقها“۔ (الذباب فى شرح الكتاب: ۳/۱۲۲، كتاب الدعوى، قديمی)

(و كذا فى البحر الرائق: ۷/۳۴۵، كتاب الدعوى، رشيدية)

ان کے آگے پیچھے لڑکا لڑکی کچھ نہیں، ہاں! تائے، چچے، پوتے، بھتیجے موجود ہیں۔ اب حاجی صاحب اپنی یہ زمین مدرسہ یا مسجد میں دینا چاہتے ہیں۔ سوال طلب یہ مسئلہ ہے کہ آیا وہ اپنی جائیداد مدرسہ یا مسجد میں دے سکتے ہیں یا نہیں، یا پوتے وغیرہ کو دیں؟ اور ہمارے گاؤں کی مسجد قریب ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ دور کے بھتیجے ضرورت مند نہیں اور ان کو محروم کر کے نقصان پہونچانا بھی مقصود نہیں تو حاجی صاحب کے لئے بہتر یہ ہے کہ اپنی جائیداد اپنے مدرسہ یا مسجد کے لئے وقف کر دیں (۱) تاکہ صدقہ جاریہ بن جائے، ورنہ بہتر یہ ہے کہ ایک تہائی کی وصیت مدرسہ و مسجد کے لئے کر دیں، بقیہ ورثاء کو مل جائے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۹۰ھ۔

(۱) ”الوقف وسببه إرادة محبوب النفس في الدنيا ببر الأحاب، وفي الآخرة بالثواب، يعني بالنية من أهلها. ومحله المال المتقوم، وركنه الألفاظ الخاصة: كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين ونحوه“. (الدر المختار: ۳/۳۳۹، كتاب الوقف، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۵/۳۱۷، ۳۱۸، كتاب الوقف، رشيدية)

(۲) ”عن عامر بن سعد عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: مرضت عام الفتح حتى أشفيت على الموت، فعادني رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فقلت: أي رسول الله! إن لي مالا كثيراً وليس يرثني إلا ابنة لي أفأتصدق بثلاثي مالي؟ قال: ”لا“ قلت: فالشطر؟ قال: ”لا“ قلت: فالثلث؟ قال: ”الثلث، والثلث كثير، أن تذر ورثتك أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكفون الناس“. (سنن ابن ماجه، أبواب الوصايا، باب الوصية بالثلث: ۲/۱۹۴، قديمي)

”وتجوز الوصية بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجر الوارث ذلك لا الزيادة عليه“. (الدر المختار). ”هل الوصية بأقل من الثلث أولى أم تركها؟ قالوا: إن كانت الورثة فقراء ولا يستغنون بما يرثون، فالترك أولى لما فيه من الصدقة، وقال عليه السلام: ”أفضل الصدقة على ذي الرحم الكاشح“. ولأن فيه رعاية الفقر والقربة. وإن كانوا أغنياء يستغنون: بنصيبهم، فالوصية أولى“. (رد المختار: ۶/۲۵۰، ۲۵۱، كتاب الوصايا، سعيد)

اپنا پیسہ وارث کو دے یا مدرسہ میں؟

سوال [۹۶۸۷]: ایک آدمی کے پاس زکوٰۃ کا روپیہ آیا، وہ آدمی نابینا تھا اور پیروں سے معذور تھا، موصوف نے وہ روپیہ کسی اور آدمی کے پاس بطور امانت رکھ دیا اور پھر ان کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم کا کوئی وارث نہیں ہے، صرف مرحوم کا ایک بھانجا حیات ہے اور مرحوم کے نزدیک وقتِ نزاع امین بھی نہیں تھا اور نہ مرحوم نے کسی دوسرے کے لئے کوئی وصیت کی۔ تو اب امین یہ رقم مدرسہ میں دے یا بھانجا کو دے یا غریب کو دے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھانجا ایک قسم کا وارث ہے، اگر اس سے قریب تر کوئی مستحق وارث نہیں تو بھانجا کو دیدے (۱)، مدرسہ میں دینے کا حق نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۹۲ھ۔

غیر وارث کو کچھ جائیداد دینا

سوال [۹۶۸۸]: اس مسئلہ کے بارے میں حکم شرع سے مطلع کریں: ایک عورت مسماۃ حبیبہ جو کہ لاؤلد ہے، اس کے مندرجہ ذیل رشتہ دار ہیں:

حبیبہ

حقیقی والدہ شوہر حقیقی بھائی ۳ حقیقی بہن ۲

حبیبہ کے مذکورہ بالا رشتہ داروں میں سے ہر ایک مالدار ہے۔ حبیبہ چاہتی ہے کہ ایک دوسرے غیر رشتہ

= (و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۹۱، کتاب الوصایا، الباب الأول، رشیدیہ)

(۱) ”وجملۃ القول فیہ کما فی الصنف الأول وهو أنهم إما أن يتفاوتوا فی الدرجة أولاً، فإن تفاوتوا قدم الأقرب ولو أنشی کنت أخت وابن بنت أخ“۔ (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الفرائض، باب توریث ذوی الأرحام: ۶/۷۹۴، سعید)

”ثم یقسم الباقی بعد ذلک بین ورثته“۔ (الدرالمختار: ۶/۷۹۱ کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۷۹۴، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

دار کو جو کہ صاحب حاجت ہے اس کو کچھ حصہ فی سبیل اللہ دینا چاہتی ہے۔ اور حبیبہ وصبت نہیں کرنا چاہتی ہے، بلکہ اپنی زندگی میں کچھ ثواب کی نیت سے دوسرے حاجت مند کو دینا چاہتی ہے، لیکن اس کے بعض رشتہ دار کہتے ہیں کہ ہم رشتہ داروں کی موجودگی میں غیر رشتہ دار کو حصہ دینا ناجائز اور گناہ ہے۔ از روئے شرع فیصلہ سے مطلع فرمائیں، کہ رشتہ داروں کی موجودگی میں غیر رشتہ دار کو فی سبیل اللہ ہبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر دے سکتی ہے تو اپنی ملکیت میں سے کتنی مقدار دے سکتی ہے؟

۲..... اگر ہبہ کرنا اور دیدینا درست ہے تو رشتہ دار کا اس میں رکاوٹ ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حبیبہ کو اختیار ہے کہ اپنی تندرستی اور صحت میں اپنی ملکیت میں سے کسی حاجت مند کو فی سبیل اللہ کچھ دیدے اور اس پر اس کا قبضہ کرادے، رشتہ داروں کو روکنے کا اختیار نہیں (۱) اور جب کہ حبیبہ کا مقصود رشتہ داروں کو محروم کرنا نہیں ہے، بلکہ ثواب حاصل کرنے کے لئے غریب کی حاجت کو پورا کرنا مقصود ہے اور رشتہ دار سب مالدار ہیں تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے:

”أما شرائطها فأنواع يرجع بعضها إلى نفس الركن و بعضها يرجع إلى الواهب وبعضها يرجع إلى الموهوب، أما ما يرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، وكونه من أهلها أن يكون حراً عاقلاً بالغاً مالکاً للموهوب، الخ“۔ فتاویٰ عالمگیری: ۳/۴۸۴ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمد عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۸ھ۔

(۱) ”کلٌ يتصرف في ملكه كيف شاء“۔ (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)،

كتاب الشركة، الباب الثالث في أحكام الأملاك، مكتبه حنفية كوئٹہ)

”لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص“۔ (رد المحتار: ۳/۵۰۲، أول

كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك، سعيد)

”و لكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيفما شاء“۔ (شرح المجلة لسليم رستم:

۱/۶۴۳، (رقم المادة: ۱۱۶۲)، كتاب الشركة، الفصل الثامن في أحكام النقبمة، مكتبه حنفية كوئٹہ)

(۲) (الفتاوى العالمية: ۳/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيدية)

(و كذا في الدر المختار: ۵/۶۸۷، كتاب الهبة، سعيد)

جائیداد و میکرواپسی

سوال [۹۶۸۹]:محبوب الرحمن کا انتقال ہوا اور انہوں نے اپنی شادی نہیں کی، اس لئے لاؤلد فوت ہوئے۔ مرحوم نے حقیقی بھائی، بہن، ماں، باپ، تایا، چچا، پھوپھی وغیرہ کوئی نہیں چھوڑا۔

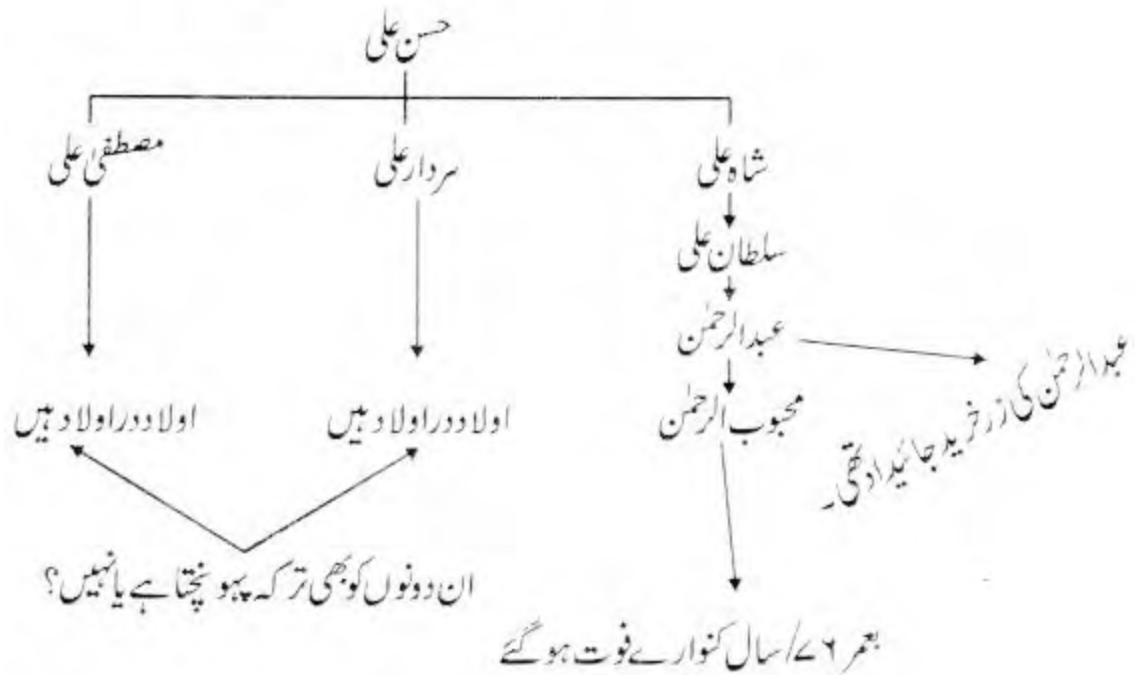
۲.....محبوب الرحمن ابن حاجی عبدالرحمن بن سلطان علی بن شاہ غنی، یہ چار نسلیں اکیلی ہی گزری ہیں، صرف ایک ماموں زاد بہن کا لڑکا (عبدالکریم) اور ایک ماموں زاد بھائی کی دولڑکیاں چھوڑی ہیں۔ مرنے سے چار روز قبل اپنی کل جائیداد دیگر عزیزان اور وارثان کے سامنے زبانی ہبہ بھی عبدالکریم کو کر دیا، اور کنجیاں و ضروری کاغذات، بینک کی کتاب اور تمام اثاثہ بیت سپرد کر کے قابض بنادیا۔ علاوہ ازیں قرضہ کی فہرست بھی لکھوادی اور وارثان کا خیال رکھنے کی بھی ہدایت اور وصیت کی۔

۳.....محبوب الرحمن نے بوقت سفر حج اپنے پاسپورٹ میں والدہ عبدالکریم (طیبہ خاتون) کو اپنا وارث درج کرادیا تھا اور روانگی حج سے قبل جملہ اختیارات بحیثیت مالکانہ طیبہ خاتون کو سپرد کر کے قابض بنادیا تھا اور طیبہ خاتون کا بھی اب انتقال ہو گیا ہے، ان کے صرف ایک لڑکا عبدالکریم ہی باقی ہے جس کو ہبہ کیا گیا ہے۔

۴.....جائیداد محبوب الرحمن کے والد عبدالرحمن کی ذاتی خریدی ہوئی تھی جو پوری کی پوری محبوب الرحمن کو پہونچی تھی۔

۵.....ایسی صورت میں ترکہ تقسیم ہوگا یا فرد واحد مالک ہوگا؟

شجرہ



لجواب حامداً ومصلیاً:

حج کو جاتے وقت والدہ عبدالکریم کو اپنا وارث درج کرایا تھا اور اختیارات سپرد کردئے تھے، اس کا حاصل تو یہ تھا کہ اگر اس سفر سے واپسی نہ ہو سکی تو والدہ عبدالکریم کو میرا مال دیدیا جائے، یہ مطلب نہیں کہ فی الحال ہبہ کر کے ان کو مالک بنادیا، ورنہ واپسی پر خود قابض و مالک ہونے کا کوئی حق نہیں تھا، بلکہ والدہ عبدالکریم کے بعد ان کے ورثاء کو وہ حق پہونچتا، اور محبوب الرحمن ان کے وارث نہیں، اس لئے اگر محبوب الرحمن نے مرض الموت میں زبانی ہبہ عبدالکریم کو کیا ہے اور قبضہ بھی کرادیا ہے تب بھی یہ وصیت کے حکم میں ہے، لہذا بعد ادائے دین وغیرہ ایک تہائی ترکہ کا مستحق باعتبار وصیت عبدالکریم ہے (۱)۔

بقیہ دو تہائی کے حقدار محبوب الرحمن کے والد (عبدالرحمن) کے دادا (شاہ علی) کے بھائیوں (سردار علی و مصطفیٰ علی) کی اولاد اور اولاد میں جو قریب ترین مرد ہوں گے، وہ برابر کے حقدار ہوں گے (۲)، ماموں زاد بھائی کی لڑکیاں مستحق نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۰/۹۲ھ۔

- (۱) ”وأما لو وهب وسلم لغير الورثة، فإن خرج الموهوب من ثلث ماله، صحت الهبة. وإن لم يخرج ولم تُجز الورثة الهبة، فإنما تصح في ما يخرج من الثلث“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۸۴، (رقم المادة: ۸۷۹)، كتاب الهبة، الفصل الثاني في هبة المريض، مكتبه حنفية كوئٹہ)
- (و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۰۰، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض، رشيدية)
- (۲) ”الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة“۔ (السراجي، ص: ۱۳، باب العصابات، سعيد)
- (و كذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۷۷۴، كتاب الفرائض، فصل في العصابات، سعيد)
- (و كذا في الشريفة شرح السراجية، ص: ۳۹، باب العصابات، سعيد)
- (۳) چونکہ ماموں زاد بھائی کی لڑکیاں ذوی الارحام میں سے ہیں اور عصبہ کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام وارث نہیں ہوں گے، لہذا ماموں زاد بھائی کی لڑکیاں مستحق نہیں ہیں:

”إنما يرث ذوو الأرحام إذا لم يكن أحد من أصحاب الفرائض ممن يرد عليه، ولم يكن عصبه“۔ (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۹۵، كتاب الفرائض، الباب العاشر في ذوی الأرحام، رشيدية)

”هو كل قريب ليس بذی سهم ولا عصبه، ولا يرث مع ذی سهم ولا عصبه“۔ (الدر المختار: ۶/۷۹۱، كتاب الفرائض، باب توريث ذوی الأرحام، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۴/۵۲۲، كتاب الفرائض، فصل في ذوی الأرحام، مكتبه غفارية كوئٹہ)

الفصل الثانی فی مایتعلق بدین المیت وأمانته (میت کے قرض اور امانت کا بیان)

میت کے ذمہ قرض ہو تو اس کا حکم

سوال [۹۶۹۰]: ایک شخص کا انتقال ہو گیا اس حال میں کہ اس کے اوپر کافی قرض تھا، اس کی اولاد کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارا باپ فلاں کا مقروض تھا، اب قرض خواہ اپنا دیا ہوا قرض اس کی والدہ سے مانگتا ہے، تو اولاد نہ تو انکار ہی کرتی ہے اور نہ ہی اقرار۔ بتایا جائے کہ اس متوفی مقروض کا آخرت میں کیا حال ہوگا، نیز اولاد کا سب کچھ جانتے ہوئے کیا ہوگا؟ اور ان کی شرعی حیثیت اب کیا ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرض خواہ کے پاس اگر قرضہ کا شرعی ثبوت ہے، یا میت کی اولاد کو قرض کا علم ہے تو میت کے ترکہ سے اولاد کا قرض ادا کرنا ضروری ہے، قرض ادا ہونے کے بعد جو کچھ بچے اس کے ایک تہائی سے میت کی وصیت پوری کی جائے اگر کوئی وصیت کی ہو (۱)۔ اس کے بعد ورثاء شرعی طریقہ پر یہ تقسیم کرنے کے حقدار ہوں گے، اس سے پہلے حقدار نہیں ہوں گے، اگر قرض ادا نہیں کریں گے تو ظالم ہوں گے (۲)۔

(۱) ”ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد“۔ (الدر المختار)۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ”هو ما كان ثابتاً بالبينة مطلقاً أو بإقرار، ثم تقدم وصيته من ثلث ما بقي، ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته“۔ (الدر المختار: ۶/۷۶۰، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴۷ کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفيما يتعلق بالتركة، رشیدیہ)

(۲) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”مطل الغني ظلم“۔ (سنن أبي داود: ۲/۴۷۵، کتاب البيوع، باب في المطل، دار الحديث ملتان)

اگر میت نے کچھ نہیں چھوڑا تو ورثاء کے ذمہ اس قرض کا ادا کرنا ضروری نہیں، تاہم اگر اولاد کو اپنے والد کو آخرت کے مواخذہ سے بچانے کی فکر ہو تو اس کا قرض ادا کریں (۱)۔ اگر اتنا ترکہ چھوڑا جس سے قرضہ ادا کر دیا جائے تو آخرت میں اس میت کی پکڑ نہیں ہوگی، اگر اتنا ترکہ نہیں چھوڑا، پکڑ ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۸۸ھ۔

(۱) ”والمراد بالمدین دین له مطالب من جهة العباد فلا يلزم الورثة أدائها إلا إذا أوصى بها أو تبرعوا بها من عندهم“۔ (تبیین الحقائق: ۷/۲۷۷، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ بیروت)
(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۳۶۶، کتاب الفرائض، رشیدیہ)
(و کذا فی الدر المختار: ۶/۷۶۰، کتاب الفرائض، سعید)
(۲) ”عن أبی هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه“۔ (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۵۲، کتاب البیوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثانی، قدیمی)

”عن عبد الرحمن بن كعب بن مالك قال: كان معاذ بن جبل رضي الله تعالى عنه شاباً سخيّاً، وكان لا يمسك شيئاً، فلم يزل يذان حتى أغرق ماله كله في الدين، فأتى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فكلّمه ليكلّم غرماءه، فلو تركوا لأحد لتركوا لمعاذ، لأجل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فباع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ماله حتى قام بغير شيء“۔ (مشکوۃ المصابیح، المصدر السابق)
”عن أبی سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: أتى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بجنّازة ليصلي عليها، فقال: ”هل على صاحبكم دين؟“ قالوا: نعم، قال: ”هل ترك له من وفاء؟“ قالوا: لا، قال: ”صلوا على صاحبكم“۔ قال علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه على دينه يا رسول الله!، فتقدم فصلى عليه“۔
وفی رواية معناه: وقال: ”فك الله رهانك كما فككت رهان أخيك المسلم، ليس من عبد مسلم يقضى عن أخيه دينه إلا فك الله رهانه يوم القيامة“۔ (مشکوۃ المصابیح، المصدر السابق)

(وصحيح البخارى: ۱/۳۰۵، کتاب الحوالة، باب إذا حال دين الميت على رجل، قدیمی)

قال الحافظ العيني رحمه الله تعالى: ”وقال بعض أهل العلم: يجب على الإمام أن يقضى من بيت المال دين الفقراء اقتداءً بالنبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فإنه قد صرح بوجوب ذلك عليه حيث =

قرضہ میت کون ادا کرے؟

سوال [۹۶۹۱]: مرحوم کے قرض کا علم اس کی بیوی کو ہی ہے جس کا وہ قرض ہے، وہ اگر یہ کہے کہ میں اس بیوہ کے ہاتھ سے نہیں لوں گا، اگر اس کا بھائی وغیرہ کوئی دے تب لوں گا تو بیوہ ہی کو قرض ادا کرنا ضروری ہے یا بھائی بھی ادا کر سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرض مرحوم کے ترکہ سے ادا کیا جائے گا، خواہ بیوہ ادا کرے خواہ بھائی، جس کے ہاتھ سے بھی ادا کر دیا جائے گا، مرحوم بری ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

باپ کا قرض ادا کر کے اس کو میراث سے وصول کرنا

سوال [۹۶۹۲]: ایک شخص کے ذمہ قرض تھا، وہ قرض اس کے لڑکے نے ادا کیا۔ پھر اس شخص کا انتقال ہو گیا، لہذا اس شخص نے اپنے مرنے پر وہی مکان جو اس قرض میں مکفول تھا جو اس کے لڑکے کے قرض ادا کرنے سے بری ہوا تھا ترکہ میں چھوڑا، اور ایک لڑکا اور ایک لڑکی اپنے وارث چھوڑے۔ تو کیا جبکہ متوفی مرحوم کا ترکہ لڑکا اور لڑکی میں تقسیم کیا جائے تو اس قرضہ ادا شدہ میں سے بھی لڑکی کے ذمہ بقدر حصہ ڈالا جاوے یا نہیں،

= قال: "فعلى قضاءه". ولأن الميت المديون خاف أن يعذب في قبره على ذلك الدين، لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الآن" حين بردت جلدته. وكما أن على الإمام أن يسد رمقه ويراعى مصلحته الدنيوية، فالأخروية أولى". (عمدة القاری شرح صحيح البخاری: ۱۲/۱۱۳، کتاب الحوالة، باب: إذا حال دين الميت على رجل جاز، إدارة الطباعة المنيرية بيروت)

(۱) "ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد، ثم وصيته من ثلث ما بقى". (الدر المختار: ۶/۷۰، کتاب الفرائض، سعيد)

"تعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله". (السراجی، ص: ۲، ۳، سعيد)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

جبکہ یہ صورت ہے کہ اگر وہ لڑکا قرضہ ادا نہ کرتا تو وہ مکان باقی نہیں رہ سکتا تھا اور وہ مکان قرض میں لگ جاتا اور ورثاء کو کسی طرح ترکہ نہ پہنچتا؟ بینوا وتوجروا۔

خواجه عامر حسن، محلہ شاہ ولایت صاحب، سہارنپور، یکم/ اگست/ ۳۹ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر باپ کے کہنے پر بطور قرض ادا کیا ہے یعنی مثلاً: باپ نے یہ کہا تھا کہ اتنا روپیہ میرے ذمہ فلاں شخص کا قرض ہے جس کے عوض میں میرا یہ مکان مکفول ہے تو یہ قرض میری طرف سے ادا کر دے اور اتنا روپیہ بجائے اس شخص کے میرے ذمہ واجب ہے اور اب میں تیرا مقروض ہوں تب تو وہ روپیہ لڑکا باپ کے ترکہ سے وصول کر سکتا ہے، روپیہ کی ادائیگی تقسیم ترکہ سے مقدم ہے، لڑکے کو حق ہے کہ پہلے اپنا قرضہ وصول کر لے اس کے بعد ترکہ تقسیم کرے (۱)۔

مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس روپیہ کے قرض ہونے کا شرعی ثبوت موجود ہو، یا ورثاء سب اس کو تسلیم کریں (۲)۔ اگر لڑکے نے بطور قرض وہ روپیہ باپ کی طرف سے نہیں ادا کیا، بلکہ محض تبرع اور احسان کیا ہے تو اب اس کو ترکہ سے وصول نہیں کر سکتا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۵/۱۰/۵۸ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ شوال المکرم/ ۵۸ھ۔

(۱) ”ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد، ثم تقدم وصيته من ثلث ما بقي، ثم يقسم الباقي بعد

ذالك بين ورثته“۔ (الدر المختار: ۶/۷۰، كتاب الفرائض، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۴، كتاب الفرائض، رشيدية)

”كفّن الوارث الميث أو قضى دينه من مال نفسه، فإنه يرجع ولا يكون متطوعاً“۔

(الدر المختار: ۶/۷۱، ۷۱۸، كتاب الوصايا، فصل في شهادة الأوصياء، سعيد)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۴/۲۴۰، كتاب الوصايا، الفصل السادس في تصرفات الوصي، رشيدية)

(۲) ”ثم تقدم ديونه ويقدم دين الصحة“۔ (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: ”هو ما

كان ثابتاً بالبينة مطلقاً، أو بالإقرار في حالة الصحة“۔ (رد المختار: ۶/۷۰، كتاب الفرائض، سعيد)

(۳) ”تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات والتبرع لا يتم إلا =

مرحوم کا قرضہ مسجد میں دینا

سوال [۹۶۹۳]: زید عمر سے قرض لیتا ہے اور کسی مجبوری کی وجہ سے اس کو ادا نہیں کر پاتا، اب عمر مر جاتا ہے، اور کچھ دن بعد خود زید بھی مر جاتا ہے، اب زید کے ورثاء اس قرض کو ادا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ قرض کس کو ادا کیا جائے گا، کیا اس قرض کو مدرسہ، مسجد، یا مسجد کے کسی مکان میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کسی بیوہ، یتیم، محتاج کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نے قرض لیا تھا، اس کے ورثاء کے ذمہ لازم ہے کہ مقدار قرض مرحوم کے ترکہ سے اس شخص کے ورثاء کو دیں جس سے قرض لیا تھا (۱)، کسی اور بیوہ، یتیم محتاج، مدرسہ، مسجد کو دینا کافی نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۸۵ھ۔

= بالقبض“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۶۲/۱، (رقم المادة: ۸۳۷)، كتاب الهبة، مكتبة حنفية، كوئٹہ)

”من وهب لأصوله وفروعه فليس له الرجوع“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز:

۴۷۶/۱، (رقم المادة: ۸۶۶)، كتاب الهبة، الباب الثالث، مكتبة حنفية، كوئٹہ)

(و كذا في الدر المختار: ۷۰۴/۵، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمية: ۳۸۵/۲، كتاب الهبة، الباب الخامس في الرجوع في الهبة، رشيدية)

(۱) ”يبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بتجهيزه ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد“۔ (الدر المختار: ۷۰/۶، كتاب الفرائض، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمية: ۴۴۷/۶، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيدية)

(و كذا في الاختيار لتعليل المختار: ۵۵۳/۲، ۵۵۴، كتاب الفرائض، مكتبة حقانيه پشاور)

(و كذا في البرازية على هامش الفتاوى العالمية: ۴۵۳/۶، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيدية)

(۲) مال متروك ورثاء كالحق هو، لهذا ان کی اجازت کے بغیر اس میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں:

”لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذن“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۰/۱، =

میت پردعوای دین

سوال [۹۶۹۲]: شخص بر میت بعد از تقسیم ترکه بین الورثاء، یا قبل از تقسیم آن دعوائے دین می کند، و متوفی در باب دین مذکور هیچ اظهارے عند الموت نکرده، وراثتے میت هم عدم علمیت دین را اظهار می کنند، و مدعی بینہ و دیگر کدام ثبوتے ندارد. پس درین حالت بر مدعی حلف خوردن لازم است یا بر وراثتے میت یا دعویٰ اوشان غیر مسموع است؟ از جواب جلد مشرف فرمایند. فقط.

(مولوی) محمد عثمان بلوچ، مہتمم مدرسہ احرار العلوم کراچی، ۲/ جمادی الاولیٰ/ ۱۳۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

”ولو أن رجلاً قدم رجلاً إلى القاضي، وقال: إن أباً هذا قد مات، ولي عليه ألف درهم دين وإن لم تكن للمدعى بينة وأراد استحلاف هذا الوارث، يستحلف على العلم عند علمائنا رحمهم الله تعالى: ”بالله ما تعلم أن لهذا على أبيك هذا المال الذي ادعى وهو ألف درهم ولا شيء منه“؟ فإن حلف انتهى الأمر، وإن نكل يستوفى الدين من نصيبه. وفي الخانية: في ظاهراً الرواية فإن كان هذا الوارث المدعى عليه أقر بالدين على الأب أو أنكر، فلما حلف نكل حتى صار مقراً بالدين، إلا أنه قال: لم يصل إلى شيء من تركة الأب، فإن صدقه المدعى في ذلك، فلا شيء له، وإن كذبه وقال: لا بل وصل إليه ألف درهم أو أكثر دراهم، وأراد أن يحلف يحلفه على البتات: ”بالله ما وصل إليك من مال أبيك هذا الألف ولا شيء منه“؟ فإن نكل لزمه القضاء، وإن حلف لا شيء عليه، اه“. فتاویٰ ہندیہ: ۳/ ۴۰۰، کتاب أدب القاضي، الباب الخامس والعشرون (۱)۔

= (رقم المادة: ۹۶)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ

(و کذا فی الدر المختار: ۲/ ۲۰۰، کتاب الغصب، سعید)

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳/ ۴۰۶، ۴۰۷، کتاب أدب القاضي، الباب الخامس والعشرون فی إثبات

الوكالة والوراثه والدين، رشیدیہ) =

اگر میت در ترکہ مال گذاشتہ است، و مداعی بر دعویٰ خود بینہ نمی دارد، و ورثاء اقرار دین نمی کند، پس مدعی را حق است کہ از ورثاء حلف ستاند، اگر حلف کنند دعوائے مدعی ساقط خواہد شد. و اگر انکار کنند، دعویٰ لازم خواہد شد. والبسط فی الخانیۃ (۱) والہندیۃ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۵/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبداللطیف، ۲۵/جمادی الاولیٰ/۵۶ھ۔

ورثاء اور غرماء کے درمیان مصالحت

سوال [۹۶۹۵]: شامی، جلد چہارم، فصل فی التخرج میں ہے کہ جب ترکہ میں دین علی الناس ہو، تو

= (و کذا فی الدر المختار: ۵/۵۸۵، کتاب الدعوی، باب دعویٰ النسب، سعید)

(و کذا فی جامع الفصولین: ۲/۳۸، الفصل الثامن والعشرون فی مسائل التركة والورثة والدین فی التركة، اسلامی کتب خانہ کراچی)

(۱) (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۲/۴۲۱، ۴۲۲، کتاب الدعوی، باب الیمین، رشیدیہ)

(۲) (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب أدب القاضي، الباب الخامس والعشرون فی إثبات الوكالة والورثة والدین: ۲/۴۰۶، ۴۰۷، رشیدیہ)

ترجمہ سوال:

کوئی شخص ورثاء میں ترکہ تقسیم ہونے کے بعد، یا قبل تقسیم، میت پر دین کا دعوائے کرتا ہے اور مرحوم نے موت کے وقت اس کا کوئی اظہار بھی نہیں کیا، ورثاء بھی دین سے عدم علمیت کا اظہار کرتے ہیں اور مدعی گواہ وغیرہ کوئی ثبوت نہیں رکھتا، اس صورت میں مدعی پر حلف لازم ہے یا ورثائے میت پر، یا اس کا دعویٰ ہی ناقابل سماعت ہے؟ جواب سے جلد مشرف فرماویں۔ فقط۔

خلاصہ جواب:

اگر میت نے ترکہ میں مال چھوڑا ہے اور مدعی اپنے دعویٰ پر گواہ نہیں رکھتا، اور ورثاء دین کا اقرار نہیں کرتے تو مدعی کو حق ہے کہ ورثاء سے حلف لیوے، اگر حلف کر لیں تو مدعی کا دعویٰ ساقط ہو جائے گا، اگر حلف سے انکار کریں تو دعویٰ لازم ہو جائے گا۔ فقط۔

صلح کے جائز ہونے کے چار حیلے ہیں، جن میں سے حیلہ ثالثہ کو ”احسن الحیل“ لکھا ہے، حالانکہ جو ضرر حیلہ ثانیہ میں ہے وہ بعینہ ثالثہ میں بھی ہے یعنی ”النقد خیر من النسيئة“ (۱)۔

تو اب ثالثہ کا ثانیہ سے احسن ہونا سمجھ میں نہیں آتا، لہذا بندہ کی رائے ناقص میں حیلہ ثانیہ کا حاصل یہ ہے کہ ”مُصالح کا حصہ، دین سے تبرعاً پورا کر دیں اور اس کے حصہ میں غرماء پر رجوع نہ کریں“ غالباً اسی لئے حیلہ ثانیہ میں ”وَأَحَالِهِمْ بِحَصَّتِهِ“ پر محشی لکھتے ہیں: ”لَا مَحْلَ لِهَذِهِ الْجُمْلَةِ هَهُنَا“ (۲) پس اس حیلہ میں دو ضرر ہیں: ایک وہی جو حیلہ اولیٰ میں ہے اور دوسرا ”النقد خیر من النسيئة“ (۳) یعنی مُصالح کو حصہ نقد دل گیا اور باقی ورثاء کو ان کا حصہ نسیئہ ملے گا اور ثالثہ میں صرف ”النقد خیر من النسيئة“ (۴) کا ضرر ہے، یعنی مُصالح کو قرض فی الحال دیتے ہیں اور اس قرض کو، نیز اپنے حصہ کو غرماء سے نسیئہ وصول کریں گے۔

حیلہ اولیٰ میں بھی اگرچہ ایک ہی ضرر ہے، مگر وہ ثالثہ کے ضرر سے زیادہ ہے، اور ثانیہ میں دو ضرر ہیں، لہذا ثالثہ أحسن الحیل ہوا، اور رابعہ میں کوئی ضرر نہیں۔

مگر ایک اعتراض اب بھی باقی ہے، وہ یہ کہ مُصالح بہر صورت صلح تو دین کے سوا باقی ترکہ پر کرتا ہے تو حیلہ اولیٰ میں ورثاء اپنا حصہ قرض پورا لیتے ہیں اور مُصالح اپنے حصہ سے غرماء کو بری کرتا ہے تو اس میں ضرر مُصالح کا ہے نہ کہ ورثاء کا، بعینہ یہی ضرر مُصالح ثانیہ و رابعہ میں بھی ہے کہ وہ اپنا حصہ دین وصول نہیں کرتا، مگر

(۱) ”وَبَطُلَ الصَّلَاحُ إِنْ أَخْرَجَ أَحَدُ الْوَرَثَةِ وَفِي التَّرَكَّةِ دَيُونٌ بِشَرْطِ أَنْ تَكُونَ الدَّيُونُ لِبَقِيَّتِهِمْ؛ لِأَنَّ تَمْلِيكَ الدِّينِ مِنْ غَيْرِ مَنْ عَلَيْهِ الدِّينُ بَاطِلٌ. ثُمَّ ذَكَرَ لَصَحَّتَهُ حَيْثُ قَالَ: وَصَحَّ لَوْ شَرَطُوا إِبْرَاءَ الْغُرَمَاءِ مِنْهُ: أَيُّ مَنْ حَصَّتْهُ؛ لِأَنَّهُ تَمْلِيكَ الدِّينِ مِمَّنْ عَلَيْهِ، فَيَسْقُطُ قَدْرُ نَصِيْبِهِ عَنِ الْغُرَمَاءِ، أَوْ قَضَوْا نَصِيْبَ الْمُصَالِحِ مِنْهُ تَبَرُّعاً مِنْهُمْ وَأَحَالَهُمْ بِحَصَّتِهِ، أَوْ أَقْرَضُوهُ قَدْرَ حَصَّتِهِ مِنْهُ وَصَالَحُوهُ عَنْ غَيْرِهِمْ بِمَا يَصْلَحُ بَدَلًا وَأَحَالَهُمْ بِالْقَرْضِ عَلَى الْغُرَمَاءِ وَقَبِلُوا الْحَوَالَةَ، وَهَذِهِ أَحْسَنُ الْحِيلِ، ابْنُ كَمَالٍ. وَالْأَوْجَهُ أَنْ يَبِيعُوهُ كَفًّا مِنْ تَمَرٍ أَوْ نَحْوِهِ بِقَدْرِ الدِّينِ، ثُمَّ يَحِيلَهُمْ عَلَى الْغُرَمَاءِ“ (الدر المختار: ۵/۶۴۲، ۶۴۳، کتاب الصلح، فصل فی التخارج، سعید)

(۲) (رد المختار: ۵/۶۴۳، کتاب الصلح، فصل فی التخارج، سعید)

(۳) وہ ہے تملیک الدین من غیر من علیہ الدین اور یہ باطل ہے، شامی بحوالہ بالا۔

(۴) بحوالہ بالا۔

ثانیہ میں ورثاء کا بھی ضرر ہے، یعنی ”النقد خیر من النسيئة“ اور یہی ضرر ورثاء، ثالثہ میں بھی ہے۔
 غرضیکہ اولیٰ و رابعہ میں صرف مُصالح کا ضرر ہے اور ثالثہ میں صرف ورثاء کا اور ثانیہ میں جانبن کا،
 پس ثانیہ احسن الخیل ہونا چاہیئے، لیتحقق المساوات۔ آنجناب اپنی تحقیق عمیق کے فیصلہ سے مطلع فرماویں۔
 فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلحاً:

حیلہ ثالثہ کا ”احسن الخیل“ ہونا صاحب درمختار نے ابن کمال سے نقل کیا ہے، لیکن سبب الانہر:
 ۳۱۹/۲، میں اس کے احسن ہونے پر اشکال بھی کیا ہے: ”قلت: ولا يخلو أيضاً عن ضرر التقديم“ (۱)۔
 اسی اشکال کو شامی نے حیلہ رابعہ کے اوجہ ہونے کی وجہ سے پیش کیا ہے: ”(قوله: والأوجه)؛ لأن
 في الأخيرة لا يخلو عن ضرر التقديم في وصول مال، ابن ملك، اهـ“۔ شامی: ۶۶۴/۴ (۲)۔
 نیز علامہ زیلیعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بھی اس کا اعتراف ہے، مگر زیلیعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اولیٰ اور
 ثانیہ سے ثالثہ کے اوجہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے:

”وإن شرطوا أن يبرأ الغرماء منه: أي من الدين، صح؛ لأنه إسقاط أو تمليك للدين ممن
 عليه الدين، وكل ذلك جائز. وقال صاحب الهداية: وهذه حيلة الجواز، وأخرى: أي حيلة
 أخرى: أن يعجلوا قضاء نصيبه متبرعين. ثم قال: في الوجهين ضرر بقية الورثة، والأوجه أن
 يقرضوا المصالح مقدار نصيبه ويصالحوا عما وراء الدين، ويحيلهم على استيفاء نصيبه من
 الغرماء، وهذا في الوجهين ظاهر؛ لأنهم إذا أعطوا المصالح شيئاً بمقابلة الدين أو قدر الدين ولم
 يحصل لهم الدين، فقد حصل لهم ضرر دنيوي، وليس في الصورة الثالثة مثل ذلك من الضرر؛
 لأنهم وإن خرج منهم قدر الدين لكن حصل لهم الدين بمقابلته، فانتفى عنهم إلا ضرر النقد،

(۱) (الدر المنثور) شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۴۰، کتاب

الصلح، باب الصلح في الدين، مكتبه غفاريه كوئٹہ

(۲) (رد المحتار: ۵/۶۴۳، کتاب الصلح، فصل في التخرج، سعيد)

فإن العين خيرٌ من الدين، اهـ۔ زیلعی: ۵/۵۱ (۱)۔

اس کے بعد حیلہ رابعہ کو واجب کہا ہے اور ”وَأَحَالَهُمْ بِحَصَّتِهِ“ سے صاحب الدرر پر رد مقصود ہے:
 ”(قوله: وَأَحَالَهُمْ بِحَصَّتِهِ) ذكره رداً على صاحب الدرر، وتبعه المصنف حيث قال:
 ولا يخفى فيه: أي هذا الوجه من الضرر ببقية الورثة، ولكنه لا يرجع عليهم بما أحالهم به،
 فيكون الضرر عليهم مرتين، اهـ۔ طحطاوی، ص: ۳۶۰ (۲)۔

حیلہ ثانیہ میں جو ضرر ہے، اس میں فقہاء کی عبارتیں دو طرح کی ملتی ہیں: ایک: ”النقد خيرٌ من
 النسبة“۔ دوسری: ”عدم رجوع الورثة على الغرماء“ چنانچہ تکملہ فتح القدیر میں ہے (۳)۔ اور
 حاشیہ عنایہ شرح ہدایہ: ۵۴/۷ میں اسی کو حق کہا ہے (۴)، کفایہ میں بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کی

(۱) (تبیین الحقائق للزیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: ۵/۵۱۱، ۵۱۲، کتاب الصلح، باب الصلح فی
 الدين، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) (حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار: ۳/۳۶۰، کتاب الصلح، فصل فی التخرج، دار المعرفۃ
 للطباعة والنشر بیروت)

(۳) ”وإذا كان في التركة دينٌ على الناس، فأدخلوه في الصلح على أن يخرجوا المصالح عنه ويكون
 الدين لهم، فالصلح باطل؛ لأن فيه تمليك الدين من غير من عليه، وهو حصۃ المصالح. وإن شرطوا أن
 يبرأ الغرماء منه ولا يرجع عليهم بنصيب المصالح فالصلح جائز؛ لأنه إسقاط وهو تمليك الدين ممن
 عليه الدين وأخرى: أن يعجلوا قضاء نصيبه متبرعين، وفي الوجهين ضرر ببقية الورثة“۔ (فتح
 القدیر: ۸/۴۴۲، کتاب الصلح، فصل فی التخرج، رشیدیہ)

(۴) ”(قوله: وفي الوجهين ضرر ببقية الورثة) لعدم رجوعهم على الغرماء، كذا في الكفاية وشرح تاج
 الشريعة. وقالوا أما في الوجه الأول: فإن بقية الورثة لا يمكنهم الرجوع على الغرماء، وفي
 الوجه الثاني لزوم النقد عليهم بمقابلة الدين الذي هو نسيئة، والنقد خيرٌ من النسيئة، انتهى. وقال بعض
 الفضلاء بعد نقل المعنى الأول عن الكفاية: وهذا هو الحق، لاما في سائر الشروح من لزوم الرجوع
 بالنسيئة في الصورة الثانية إذ لا نسيئة عند التبرع، فليتأمل، انتهى“۔ (العناية شرح الهداية على فتح
 القدیر: ۸/۴۴۲، کتاب الصلح، فصل فی التخرج، مصطفى البابي الحلبي مصر)

وجہ بیان کی ہے۔ ”إذ لا نسيئة عند التبرع“ (۱)۔ اور علتِ اُولیٰ کے متعلق حاشیہ عنایہ میں ہے: ”أقول فيه بحث“ (۲)۔

اس تقدیر پر حیلہ اُولیٰ و ثانیہ ہر دو میں ورثاء کو حصہ مُصالح میں غرماء پر رجوع کا حق نہیں ہوگا، اور ثانیہ میں مزید براں یہ کہ مُصالح کا حصہ دین اپنے پاس سے تبرعاً دینا ہوگا، البتہ مُصالح کے حق میں ثانیہ احسن ہے اُولیٰ سے کیونکہ اُولیٰ میں مُصالح کو کچھ حصہ دین نہیں ملتا اور ثانیہ میں بقیہ ورثاء سے مل جاتا ہے اور حیلہ ثالثہ میں بقیہ ورثاء کو بعوض قرض مُصالح غرماء پر رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے اور وہ بدل قرض کے مستحق ہو جاتے ہیں تو گو مُصالح کا حصہ دین اور اپنا حصہ دین سب کچھ غرماء سے وصول کرتے ہیں، کوئی حق مالی فوت نہیں ہوتا، صرف وصولیابی میں تاخیر ہوتی ہے اور اتنی بات میں ثالثہ و رابعہ ہر دو شریک ہیں، پھر رابعہ کے اوجہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ”والأوجه: أي الأيسر والأخف، اه“۔ ط (۳)۔

الحاصل: اُولیٰ میں حصہ دین مُصالح غرماء سے قطعاً ساقط ہے اور بقیہ ورثاء کو بھی اس میں رجوع علی

(۱) ”(قوله: وفي الوجهين ضرر ببقية الورثة) لعدم رجوعهم على الغرماء، كذا في الكفاية وشرح تاج الشريعة. وقالوا أما في الوجه الأول: فإن بقية الورثة لا يمكنهم الرجوع على الغرماء، وفي الوجه الثاني لزوم النقد عليهم بمقابلة الدين الذي هو نسيئة، والنقد خير من النسيئة، انتهى. وقال بعض الفضلاء بعد نقل المعنى الأول عن الكفاية: وهذا هو الحق لا ما في سائر الشروح من لزوم النقد بالنسيئة في الصورة الثانية إذ لا نسيئة عند التبرع، فليتأمل، انتهى“۔ (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۴۴۲/۸، کتاب الصلح، فصل في التخارج، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) ”أقول: وفيه بحث؛ لأن ما ذكره إنما يفيد ثبوت الفائدة للغرماء لا لبقية الورثة، فإن قيل: إذا لم يبق للمصالح على الغرماء حق يسهل للغرماء أداء حصص بقية الورثة، فيحصل من هذه الجهة فائدة لبقية الورثة قلنا: إن حصل لهم فائدة من تلك الجهة، يحصل لهم الضرر من جهة أن حصة المصالح لا تصير لهم“۔ (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۴۴۲/۸، کتاب الصلح، فصل في التخارج، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۳۶۰/۳، کتاب الصلح، فصل في التخارج، دار المعرفه، بيروت)

الغرماء کا حق نہیں، البتہ اپنا حصہ دین پورا لیں گے، اس میں مصالح کا نقصان ظاہر ہے۔ ثانیہ میں مصالح اپنا حصہ دین پورا بقیہ ورثاء سے وصول کر لے گا اور ورثاء اس میں رجوع علی الغرماء نہیں کریں گے، کیونکہ انہوں نے مصالح کے ساتھ غرماء کے ساتھ تبرع کیا ہے، اس میں ورثاء کا نقصان ظاہر ہے۔ ثالثہ میں مصالح کو بھی حصہ دین مل جاتا ہے اور بقیہ ورثاء کے پاس سے بھی کچھ مفت خرچ نہیں ہوا، بلکہ جو کچھ دیتے ہیں وہ قرض ہے جس کو بذریعہ حوالہ غرماء سے وصول کر لیں گے، اگر نقصان ہے تو صرف نسیئہ کا ہے اور یہ اہون ہے، لہذا یہ احسن الحیل ہوا (۱)۔

رابعہ میں رجوع علی الغرماء کی وجہ سے نسیئہ ضرور ہے جیسا کہ ثالثہ میں تھا، لیکن بیع ہونے کی وجہ سے قرض کے معاملہ سے نجات ہے اور حق نہ مصالح کا ضائع ہوتا ہے، نہ بقیہ ورثاء کا، اس لئے یہ اوجہ ہے۔ ہذا ما عندی واللہ أعلم بحقیقة الحال۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۰/محرم/۶۶ھ۔

(۱) ”وصح لو شرطوا إبراء الغرماء منه: أى من حصته؛ لأنه تملیک الدین ممن علیہ الدین، فیسقط قدر نصیبہ عن الغرماء، أو قضاوا نصیب المصالح منه: أى الدین تبرعاً منهم وأحالهم بحصته، أو أقرضوا قدر حصته منه: أى الدین تبرعاً منهم وأحالهم بحصته، أو أقرضوا قدر حصته منه وصالحوه عن غیرهم بما یصلح بدلاً وأحالهم بالقرض علی الغرماء وقبلوا الحوالۃ، وهذه أحسن الحیل. والأوجه أن یتبعوا کفاً من تمر أو نحوه بقدر الدین، ثم یحیلهم علی الغرماء“. (الدر المختار). وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ”لأن فی الأولی ضرر للورثة، حیث لا یمکنهم الرجوع علی الغرماء بقدر نصیب المصالح، وكذا فی الثانیة؛ لأن النقد خیر من النسیئة“. (الدر المختار: ۵/۶۳۳، کتاب الصلح، فصل فی التخرج، سعید)

”قال رحمہ اللہ تعالیٰ: ”(وإن شرطوا أن یبرأ الغرماء منه): أى من الدین (صح)؛ لأنه إسقاط أو تملیک للدین ممن علیہ الدین، وکل ذلک جائز. وقال صاحب الہدایۃ: وهذه حیلۃ الجواز، وأخری: أى حیلۃ أخرى أن یعجلوا قضاء نصیبہ متبرعین، ثم قال: وفي الوجهین ضرر ببقیۃ الورثة. والأوجه أن یفرضوا المصالح مقدار نصیبہ ویصالحوا عما وراء الدین ویحیلهم علی استیفاء نصیبہ من الغرماء، وهذا =

ورثاء اور غرماء کی مصالحت پر اشکال

سوال [۹۶۹۶]: میت کا دین ہو کسی پر تو جواز صلح کے حیل اربعہ میں سے تیسرے حیلہ کا احسن الحیل ہونا سمجھ میں آ گیا، مگر رابعہ کا اوجہ بمعنی ”ایسر ہونا“ سمجھ میں نہیں آتا، کیونکہ اس میں مصالح کا ضرر ظاہر ہے، ثالثہ میں تو مصالح اپنا حصہ قرض پورا وصول کر لیتا ہے، رابعہ میں صرف ایک مشت کھجور کے بدلہ میں اپنا دین ان کے حوالہ کرتا ہے اور اسے بالکل کچھ نہیں ملتا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اوجہ اگر بمعنی ”أنفع للمصالح“ ہوتا تب بھی حیلہ اولیٰ کے مقابلہ میں صحیح ہوتا، اگرچہ ثانیہ و ثالثہ کے مقابلہ میں صحیح نہ ہوتا، لیکن یہ اوجہ بمعنی ”الایسر والأخف فی حق الورثة“ ہے، وهذا ظاہر (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دین مہر مقدم ہے میراث کی تقسیم پر

سوال [۹۶۹۷]: مسمیٰ محمد یسین مرحوم متوفی کے ایک لڑکا دو لڑکیاں: ایک بالغہ ایک نابالغہ، ایک زوجہ وارث ہیں، لیکن زوجہ بعوض دین مہر مبلغ پانچ ہزار روپیہ کی دعویٰ دار ہے اور ترکہ متوفی پانچ ہزار سے بہت کم ہے۔ تو اس صورت میں ترکہ متوفی تمام زوجہ کو بعوض دین مہر دیا جائے گا، یا جمیع ورثاء میں تقسیم ہوگا، اگر تقسیم ہوگا

= الوجهین ظاہر؛ لأنهم إذا أعطوا المصالح شيئاً بمقابلة الدين أو قدر الدين ولم يحصل لهم الدين، فقد حصل لهم ضرر دنيوی، وليس في الصورة الثالثة مثل ذلك من الضرر؛ لأنهم وإن خرج منهم قدر الدين، لكن حصل لهم الدين بمقابلته، فانتفى عنهم الضرر إلا ضرر النقد، فإن العين خير من الدين. والأوجه منه أن يبيعه كفاً من تمر أو نحوه بقدر الدين، ثم يحيلهم على الغرماء أو يحيلهم ابتداءً من غير بيع شئ ليقبضوه له، ثم يأخذ لأنفسهم“. (تبیین الحقائق: ۵/۵۱۲، کتاب الصلح، باب الصلح فی الدین، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۱) ”والأوجه: أي الأيسر لهم والأخف“. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۳/۳۶۰، کتاب

الصلح، فصل فی التخرج، دار المعرفة بیروت لبنان)

تو شرعاً ہر وارث کو کس قدر پہونچے گا؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں۔

سعید احمد از گنگوہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئلہ میں متوفی کا کل ترکہ زوجہ کو بعوض دین مہر دیا جائے گا اور ورثاء کو کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ قرضہ کی ادائیگی شرعاً ورثاء کے حق پر مقدم ہے:

فی السراجی، ص: ۳: "قال علمائنا رحمہم اللہ تعالیٰ: تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله، ثم نفد وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته، الخ" (۱)۔ بشرطیکہ زوجہ نے معاف نہ کیا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر العلوم، ۹/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۵۲ھ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمن غفرلہ، صدر المدرسین۔

صحیح: سعید احمد، صدر مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور یوپی۔

ودیعت کا روپیہ وفات مودع پر اس کی مرضی کے خلاف صرف کرنا

سوال [۹۶۹۸]: زید نے اپنی ضرورت کے لئے اپنے ایک عزیز مثلاً جمال سے کچھ قرض مانگا، جمال نے کہا کہ میری والدہ کا روپیہ ایک صاحب کے پاس رکھا ہوا ہے جو میری معرفت ہی امانت رکھوایا تھا، وہ میں تم کو دلوائے دیتا ہوں اس کو تم خرچ کرلو، جب ضرورت ہوگی تم ادا کر دینا۔ اس طرح جمال اور جمال کے بھائی کمال نے وہ روپیہ زید کو دیدیا اور زید نے اس کو اپنی ضرورت میں خرچ کر لیا۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد جمال و کمال کی والدہ نے اور جمال کے بڑے بھائی عقیل نے زید سے کہا

(۱) (السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳ سعید)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/ ۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/ ۴۴، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

کہ جو روپیہ جمال نے تم کو دیا ہے وہ تم اپنے پاس رکھنا، اور جب ہماری پوتی بھتیجی (ہندہ) جو یتیم ہے اس کا عقد ہو جائے تو اس بھتیجی کو دیدینا، ہم میں سے کسی کو نہ دینا۔

اس گفتگو کے بعد جمال کی والدہ کا انتقال ہو گیا (جن کا روپیہ تھا) اور عقیل صاحب پاکستان چلے گئے، ان سے زید کی کوئی خط و کتابت بھی نہیں رہی، اور عقیل صاحب بہت بیمار وغیرہ سنے گئے۔ جمال کے چھوٹے بھائی کمال سے زید کی سخت مخالفت ہو گئی، یہاں تک کہ کمال نے زید سے ملنا اور گفتگو کرنا بھی پسند نہیں کیا اور سخت ناراض ہو گیا۔

اب جمال اور کمال اور عقیل کی بھتیجی کا نکاح ہونے لگا تو اس ہندہ لڑکی کی والدہ جمال و کمال کی بھانج کا خط زید کے پاس ایک عزیز کی معرفت آیا کہ جو روپیہ تمہارے پاس ہندہ کی دادی نے رکھوایا تھا وہ اس وقت دیدو تا کہ ہندہ کا نکاح کر دیا جائے اور ضروری کاموں میں خرچ ہو سکے۔

زید نے ان عزیز کو یہ جواب دیدیا کہ ہندہ کی والدہ سے کہا کہ مجھ سے تو یہ کہا گیا تھا کہ نکاح کے بعد دینا۔ ہندہ کے چچا جمال نے جنھوں نے یہ روپیہ زید کو ابتداء دیا تھا، زید سے کہا کہ وہ روپیہ اس وقت دیدو، میں ہی ہندہ کا نکاح کر رہا ہوں۔ زید نے یہ سوچ کر کہ جمال ہی کی معرفت یہ روپیہ میرے پاس آیا تھا، اور جمال ہی اس لڑکی کا ولی بھی ہے، روپیہ کی اصل مالکہ والدہ جمال کا انتقال ہو چکا، ان کے دوسرے بیٹوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے جو ان سے معلوم کر سکوں، ادھر لڑکی کی والدہ بھی اس وقت روپیہ لینا چاہتی ہے اور چچا بھی کہہ رہے ہیں اس لئے زید نے وہ روپیہ جمال کو واپس کر دیا۔

اب ہندہ کا شوہر زید کو پریشان کرتا ہے کہ تم نے وہ روپیہ جمال کو کیوں واپس کیا، وہ تو بعد نکاح ہندہ کو دینا چاہیے تھا، تم ذمہ دار تھے تم روپیہ مجھے دیدو۔ زید نے کہا کہ جن لوگوں نے میرے پاس روپیہ رکھا تھا ان کے مانگنے پر میں نے واپس کر دیا۔ ہندہ کا شوہر کہنے لگا کہ ہندہ کی والدہ نے کوئی پرچہ نہیں لکھا تھا کہ تم روپیہ واپس کر دو، لڑکی کے چچا جمال نے دھوکہ سے ان کی طرف سے پرچہ لکھ کر بھجوایا تھا۔

زید نے کہا کہ مجھے یہ پتہ بھی نہیں تھا کہ یہ پرچہ جعلی بنا کر بھیجا گیا ہے کہ لڑکی کی والدہ اور اس کے چچا جمال جب دونوں اسی وقت روپیہ واپس لینا چاہتے ہیں تو مجھے کیا حق ہے، اصل مالک روپیہ کا زندہ نہیں ہے جو ان سے رائے لیتا، ان کے دو لڑکوں سے معلوم نہیں کر سکتا تھا، اس نے جمال ہی کے کہنے سے اور لڑکی کی والدہ کی

رضامندی سمجھ کر روپیہ واپس کر دیا۔

ہندہ کے شوہر نے اور اس کے ہمدردوں نے زید کے ساتھ زیادہ سختی کی، اس کی ایک کافی قیمتی چیز چرا کر لے گئے اور یہ کہا کہ جب تم روپیہ دیدو گے تو یہ چیز ملے گی، تم پر ذمہ داری یہ تھی کہ نکاح کے بعد لڑکی کو روپیہ دیتے، جمال کو روپیہ کیوں دیدیا؟ اگر ایسی حالت میں میرے اوپر اس رقم کی لڑکی ہندہ کو دوبارہ ادائیگی ضروری ہوگی تو میں وہ رقم ادا کر دوں گا، اس وقت میری چیز واپس کر دو۔

دریافت طلب یہ ہے کہ ان حالات میں کیا زید پر یہ واجب ہے کہ وہ رقم جو جمال وغیرہ نے زید کو دی تھی اور زید نے جمال کو واپس کر دی، اب زید وہ رقم اپنے پاس سے دوبارہ ہندہ کو ادا کرے؟ جو حکم ہو مطلع کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندہ کا شوہر اس روپیہ سے بالکل بے تعلق ہے اس کو مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں، اس نے زید کی جو چیز چوری کر کے رکھ لی ہے اس کا واپس کرنا ضروری ہے (۱)۔ اگر ہندہ اس پر رضامند تھی کہ اس کے چچا نے وہ روپیہ اس کی شادی کی ضروریات میں صرف کر دیا تو اب زید کے ذمہ دوبارہ وہ روپیہ ہندہ کو دینا لازم نہیں (۲)۔ زید نے بھی غلطی کی کہ اصل مالک ہندہ کی دادی کی ہدایت پر عمل نہیں کیا اور شادی سے قبل روپیہ ہندہ کے چچا کو دیدیا، اس کو چاہیے تھا کہ نہ چچا کو دیتا نہ والدہ کو، بلکہ شادی کے بعد براہ راست ہندہ کو دیتا۔ اب اگر ہندہ اس پر رضامند

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ، وَتَدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لْتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

”أَكَلَ الْمَالِ بِالْبَاطِلِ عَلَى وَجْهِينِ: أَحَدُهُمَا أَخَذَهُ عَلَى وَجْهِ الظُّلْمِ وَالسَّرِقَةِ وَالْخِيَانَةِ وَالْغَضَبِ وَمَا جَرَى مَجْرَاهُ، وَالْآخَرُ مِنْ جِهَةِ الْمُحْظُورِ وَقَدْ انْتَضَمَتِ الْآيَةُ حِظْرَ الْأَكْلِ مِنْ هَذِهِ الْوُجُوهِ كُلِّهَا“۔ (أحكام القرآن للجصاص: ۳۴۲/۱، قديمی)

(۲) ”أَجْنَبِيٌّ أَنْفَقَ عَلَى بَعْضِ الْوَرِثَةِ فَقَالَ: أَنْفَقْتُ بِأَمْرِ الْمُوصِيِّ وَأَقْرَبَهُ الْوَصِيُّ وَلَا يَعْلَمُ ذَلِكَ إِلَّا بِقَوْلِ الْوَصِيِّ بَعْدَ مَا أَنْفَقَ، يُقْبَلُ قَوْلُ الْوَصِيِّ وَفِيهِ: قَالَ: أَنْفَقْتُ عَلَى أَوْ عَلَى عِيَالِي أَوْ عَلَى أَوْلَادِي، فَفَعَلَ، قِيلَ: يَرْجِعُ بِلاَ شَرْطِهِ، وَقِيلَ: لَا. وَلَوْ قَضَى دَيْنَهُ بِأَمْرِ، رَجَعَ بِلاَ شَرْطِهِ، وَكَذَا كُلُّ مَا كَانَ مُطَالِبًا بِهِ مِنْ جِهَةِ الْعِبَادِ“۔ (الدر المختار: ۳/۳۱۷، ۳۱۸، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في أمر غيره

بالإنفاق، سعيد)

نہیں کہ جو روپیہ اس کی دادی نے اس کے لئے تجویز کیا تھا وہ اس کی شادی میں صرف ہو گیا اور وہ مطالبہ کرتی ہے تو زید ہندہ کو روپیہ دیدے (۱) اور جو روپیہ اس کے چچا اور والدہ کو دیا تھا وہ ان سے واپس لے لے (۲)۔

یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ ہندہ کی دادی نے اس روپیہ سے اپنی ملک ختم کر کے ہندہ کو اس کا مالک بنا کر زید کے پاس بطور امانت رکھا اور زید کو امین قرار دیا ہو، لیکن صورت واقعہ میں ایسا نہیں معلوم ہوتا، بلکہ زید مقروض ہے، ہندہ کی دادی کا اور قرض کی ادائیگی کی یہ صورت تجویز کی ہے کہ ہندہ کی شادی کے بعد اس کو دیدیا جائے، پھر دادی کا انتقال ہو گیا تو وہ روپیہ سب دادی کا ترکہ بن گیا جس میں شرعی وراثت جاری ہوگی (۳) اور ورثاء میں جب لڑکا موجود ہے تو پوتی کا کوئی حق نہیں (۴)، وہ جمال اور اس کے بھائی بہن کا حق ہے، ہندہ کا اس میں کوئی حصہ نہیں، نہ ہندہ کی والدہ کا نہ ہندہ کے شوہر کا (۵)۔ اگر جمال کی کوئی بہن نہیں تو سب

(۱) ”(وصح ضمان الولی مہرہا ولو) المرأة (صغيرة) ولو عاقدا؛ لأنه سفير“۔ (الدر المختار). وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ”(قوله: وصح ضمان الولی مہرہا): أى سواء كان ولی الزوج أو الزوجة، صغيرین كانا أو كبيرین، أما ضمان ولی الكبير..... منها فظاهر؛ لأنه كالأجنبي. ثم إن كان بأمره، رجع، وإلا لا“۔ (رد المحتار: ۱۴۰/۳، کتاب النکاح، باب المہر، مطلب فی ضمان الولی المہر، سعید)
(۲) ”لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۱/۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية فی بیان القواعد الفقهية، مكتبه حنفیه كوئٹہ)

(و كذا فی الدر المختار: ۳۰۰/۶، كتاب الغصب، سعید)

(۳) ”كما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم، كذلك يكون الدين الذى له فى ذمة آخر مشتركاً بينهم على قدر حصصهم“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۱۰/۱، (رقم المادة: ۱۰۹۲)، كتاب الشركة، الفصل الثالث فی الديون المشتركة، مكتبه حنفیه، كوئٹہ)

(۴) ”الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة، أعني أولهم بالميراث جزء الميت: أى البنون، ثم بنوهم وإن سفلوا“۔ (السراجی فی الميراث، ص: ۱۳، باب العصابات، سعید)

(۵) ”ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء“۔

(الفتاوى العالمكيريّة: ۴۴۷/۶، كتاب الفرائض، الباب الأول فی تعريفها وفيما يتعلق بالتركة، رشيدية)

بھائیوں کو برابر ملے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۲/۸۸ھ۔

میت کی امانت ورثاء کو دی جائے

سوال [۹۶۹۹]: ۲۵، ۲۴ سال کی عمر کا لڑکا اپنے باپ سے خفا ہو کر اپنے چچا کے یہاں رہنے لگا اور مرتے وقت اپنے دوست کے پاس چھ روپیہ امانت چھوڑ گیا، امانت رکھنے والے کے والد اور دو بھائی موجود ہیں۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میرا لڑکا تمہارے پاس مبلغ تیس روپے نقد چھوڑ کر مرا ہے اور یہ روپیہ میرے حوالہ کرو، جس کے پاس امانت رکھی تھی وہ روپیہ دینے سے انکار کرتے ہیں، کیونکہ اگر اقرار کریں تو تیس روپے دینے پڑیں گے۔ اگر امانت رکھنے والا مبلغ چھ روپے سے پوشیدہ کسی مدرسہ کے اسباب میں لگا دیں تو اس کے ذمہ سے ساقط ہوگا یا نہیں، اگر یہ روپیہ مدرسہ میں دینے سے ادا نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس چھ روپے کا مدرسہ میں دینا، یا اور کسی کام میں خرچ کرنا جائز نہیں، بلکہ مرنے والے کے ورثاء کو دینا ضروری ہے (۲)، اگر وہ تیس روپے کا دعویٰ کرے تو ثبوت پیش کرے، بغیر ثبوت کے تیس روپیہ کا دعویٰ شرعاً معتبر نہیں اور نہ اس کے ذمہ دینا ضروری ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) بھائی چونکہ عصبہ ہیں اس لئے ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں عصبہ تمام ترکہ کے مستحق ہیں:

”العصبۃ من يأخذ جميع المال عند انفرادہ وما أبقته الفرائض عند وجود من له الفرض“.

(تبیین الحقائق: ۴/۸۵، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۶/۴۴، کتاب الفرائض، باب العصبۃ، رشیدیہ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ (سورة النساء: ۵۸)

”لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً“۔ (شرح المجلة لسليم وستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهيۃ، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۳) ”عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال في خطبته: ”البينة على المدعى، واليمين على المدعى عليه“۔ (جامع الترمذی: ۲۴۹/۱، أبواب =

حررہ العید محمود گنگوہی عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

اگر اقرار میں اندیشہ ہے تو اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اتنی رقم ان کو کسی طرح دے دی جائے، اطلاع کی ضرورت نہیں ہے (۱)۔ باقی جوابات صحیح ہیں۔

سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

میت کا مہر بیوی کے سامنے رکھنے سے ادا ہو گیا

سوال [۹۷۰۰]: قمرالدین کے یہاں ایک لڑکا، دوسری لڑکی تھی، لڑکی کی شادی کرنے کے بعد سامان جہیز دیکر رخصت کیا۔ محمد عمر کی شادی قمرالدین نے کی، لیکن بچپن میں ہی عمر کی بیوی کا انتقال ہوا۔ قمرالدین کے انتقال کے بعد محمد عمر کا نکاح ماموں صاحب نے کیا، اس بیوی کے دو بچے پیدا ہوئے، لڑکی کا انتقال ہو گیا، لڑکا حیات ہے، لیکن چار سال کا تھا کہ اس کے والد محمد عمر کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی پھوپھی مع سامان کے لڑکے اصغر کو اپنے گھر لے گئی اور پرورش کرنے پر اپنی پوتی سے نکاح کر دیا اور پانچ چار سال لڑکی نکاح میں رہی، اس کے بعد لڑکی کے باپ نے کچھ تہمت یا الزامات لگا کر لڑکی کو آزاد یا طلاق حاصل کر لی ہے، لیکن بیوی کی زبانی معلوم ہوا کہ جو مہر بندھی تھی وہ لڑکی کے سامنے رکھا تو لڑکی نے بخوشی واپس لوٹا کر معاف کر دیا۔

اور اب رہا سامان و مکانات کا معاملہ یہ ہے کہ قمرالدین اور فرزند محمد عمر کی یہ میراث تھی، لیکن حیات اصغر کو پھوپھی صاحبہ تمام سامان گھر کا لے کر اپنے سسرال چلی گئی اور مکان مسجد کو دیدیا، جب کہ اصغر جوان ہو گیا تھا اور اس شرط پر دیا کہ میراث حق ہے، تم بھی اپنا حق دو۔ اب مکان میں اور سامان میں وہ حقدار ہے یا نہیں؟ اگر حقدار

= الأحکام، باب فی أن البینة علی المدعی، سعید

(۱) واجب الا و حقوق کے ادا کرنے میں دلی نیت کا اعتبار ہوتا ہے:

”نوی الزکاة إلا أنه سماه قرضاً، جاز فی الأصح؛ لأن العبرة للقلب لا للسان“

(الدر المختار: ۶/۷۳۳، کتاب الخنثی، مسائل شتی، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱/۱۷۱، کتاب الزکاة، الباب الأول، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الزکاة: ۲/۳۷۰، رشیدیہ)

ہے تو وہ اپنا سامان پھوپھی سے لے سکتا ہے اور مکان بھی لے سکتا ہے؟ آیا پھوپھی کو بھی کچھ حق پہونچے گا یا نہیں، اگر پہونچے تو اس کا طریقہ تقسیم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب شوہر نے مہر کا روپیہ ادا کرنے کے لئے بیوی کے سامنے رکھ دیا اور بیوی نے بخوشی وہ روپیہ شوہر کو دیدیا اور دونوں کو اس کا اقرار ہے تو مہر ادا ہو گیا (۱)۔ قمر الدین کے انتقال پر لڑکی اور لڑکا محمد عمر دونوں وارث ہیں، لڑکی کا اکہرا حصہ ہے اور لڑکے محمد عمر کا دوہرا حصہ ہے (۲)۔ محمد عمر کے انتقال پر اسی شرح کے ساتھ لڑکا (اصغر) اور لڑکی دونوں وارث ہیں، پھوپھی کو قمر الدین کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا وہ اس میں حقدار نہیں (۳) اگرچہ اپنے والد کے ترکہ میں حقدار ہے۔ پھوپھی صاحبہ نے بچہ کی پرورش کی بہت اچھا کیا، ان کو اجر ملے گا، لیکن قمر الدین اور محمد عمر کی متروکہ جائیداد، روپیہ، مکان، سامان کسی چیز میں بھی ان کو تصرف مالکانہ کرنے کا حق نہیں (۴)۔

(۱) ”للمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق و ليس لأحد من أوليائها أب ولا غيره الاعتراض

عليها“۔ (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۱۶/۱، کتاب النکاح، باب المہر، رشیدیہ)

”التخلية رفع الموانع بأن يضع المال بين يدي المولى بحيث لو مده يده أخذه، فحينئذ يحكم القاضى بأنه قبضه، وكذا فى ثمن المبيع وبذل الإجارة“۔ (رد المحتار، کتاب العتق، باب العتق على جعل بالضم ويفتح، المال: ۶۷۶/۳، سعید)

(و كذا فى البحر الرائق: ۴۳۴/۴، کتاب العتق، باب العتق على جعل، رشیدیہ)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِي﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۳) واضح رہے کہ جب میت کی اولاد موجود ہو تو ”اخت“ یعنی میت کی بہن کو کچھ بھی نہیں ملے گا:

”ويسقط بنو الأعيان وهم الإخوة لأبوين بالابن وابنه وبالأب وفى الجد خلاف“۔ (الفتاویٰ

العالمکیریة: ۴۵۳/۶، کتاب الفرائض، الباب الرابع فى الحجب، رشیدیہ)

(۴) قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

”عن أبى حرة الرقاشى عن عمه رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه

وسلم: ”ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه“۔ (مشکوٰۃ المصابيح، ص: ۲۵۵،

کتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانى، قديمى)

محض ان کے مکان مسجد میں دینے سے وہ مکان مسجد کا نہیں ہوا (۱)، ہاں! اگر اصغر نے بالغ ہونے کے بعد بخوشی مسجد میں دیا ہے تو وہ مسجد کا ہو گیا۔

اصغر کو پورا حق حاصل ہے کہ اپنے باپ دادا کا پورا سامان پھوپھی صاحبہ سے واپس لے لے، مگر چونکہ پھوپھی صاحبہ نے اس کی پرورش کی شادی کی، اس لئے ان کے احسان کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے، ان کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی سے پیش آئے اور اپنی وسعت کے موافق مالی خدمت بھی کرتا رہے، ویسے بھی پھوپھی صاحبہ کا رشتہ ایسا ہے کہ ان کی خدمت کرتے رہنا چاہیئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۸۹ھ۔



”لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل، كان ضامناً“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۱/۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتبة حنفية كوئٹہ)

(۱) ”ومن شرائطه (أى شرائط الوقف): الملك وقت الوقف حتى لو غصب أرضاً، فوقفها، ثم ملكها، لا يكون وقفاً“۔ (مجمع الأنهر: ۵۶۷/۲، كتاب الوقف، غفاريہ كوئٹہ)

”رجل وقف أرضاً لرجل آخر في برّ سماه، ثم ملك الأرض، لم يجز، وإن أجاز المالك، جاز عندنا“۔ (الفتاوى العالمكيرية: ۳۵۳/۲، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيدية)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ، وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى﴾ (سورة النحل: ۹)

”عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إن من أبرّ البر صلة الرجل أهل ودة أبيه بعد أن يولي“۔ (مشکوٰۃ المصابيح، ص: ۴۱۹، كتاب الأدب، باب البر والصلة، الفصل الأول، قديمی)

”روی أبو يعلى في مسنده وابن حبان في صحيحه: ”من أحب أن يصل أباه في قبره، فليصل إخوان أبيه من بعده“۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابيح: ۶۵۴/۸، كتاب الأدب، باب البر والصلة، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۹۱۷)، رشيدية)

الفصل الثالث فی وصیۃ المیت وإقرارہ

(میت کی وصیت اور اقرار کا بیان)

وصیت بحالت سكرات

سوال [۹۷۰۱]: زید کے تین فرزند ہیں: ۱- رسول خان جو کہ انتقال کر چکے ہیں۔ ۲- محمد خاں۔ ۳- سکندر خاں، یہ دونوں زندہ ہیں۔ ان بھائیوں کے درمیان اپنے والد کا ایک مکان ہے، اس مکان میں مرحوم رسول خان کی زوجہ رہتی تھی۔ رسول خان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ مرحوم رسول خان کی زوجہ کے انتقال کے وقت سکندر خان نے مذکورہ بالا مکان اپنی دختر مسماۃ عابدہ بی بی کے جبکہ ان کی شادی نہیں ہوئی تھی وصیت نامہ اس کے نام ایک دوسری جگہ اپنی مرضی سے کرا لیا، گل صاحبہ بی بی زوجہ رسول خان اس وقت حالت سكرات میں تھی اور ان کی لاعلمی میں ان کے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا نشان کرا لیا، اور یہ وصیت نامہ جبکہ عابدہ بی بی کی شادی ہو گئی تب ان کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اب عابدہ بی بی مذکورہ بالا مکان کو لینا چاہتی ہے۔

عابدہ بی بی کی والدہ کے بعد سکندر خان نے دوسری شادی کی ہے، زوجہ ثانی کے لطن سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں اور محمد خان کے تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے، کیا یہ مکان صرف عابدہ بی بی کو ملے گا یا سب کا حصہ ہوگا، اگر سب کا حصہ ہوگا تو کتنا حصہ ملے گا؟ کیا حالت سكرات میں جو انگوٹھا کا نشان کرایا یہ قابل قبول ہوگا یا نہیں، اور نشان لینے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سکرات اور لاعلمی کی حالت میں نشان انگوٹھا لگانے سے ملکیت کا دعویٰ کرنا شرعاً غلط ہے (۱)، یہ تدبیر

(۱) ”یلزم فی الہبۃ رضا الواہب، فلا تصح الہبۃ الّتی وقعت بالجبر والإکراہ“۔ (شرح المجملۃ لسلیم

رستم: ۴/۱، رقم المادۃ: ۸۵۹)، کتاب الہبۃ، حنفیہ کوئٹہ

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱۰۹/۶، کتاب الوصایا، الباب الرابع، فصل فی اعتبار حالۃ الوصیۃ، رشیدیہ)

بالکل بیکار ہے، دھوکہ ہے، گناہ ہے (۱)۔ والد کے انتقال کے وقت اگر تین لڑکے موجود تھے تو تینوں برابر کے حقدار ہیں (۲)، تنہا ایک لڑکے کی بیوی مالک نہیں نہ اس کے دینے سے وہ سب مکان کسی کو مل سکتا ہے (۳)، وہ تو اپنے شوہر سے حصہ پانے کی مستحق ہے (۴)۔ اگر ایک لڑکے کا انتقال پہلے ہو چکا تھا اور والد کے انتقال پر دو لڑکے زندہ رہے تو وہ دونوں برابر کے حقدار ہیں (۵)، مرحومہ لڑکے کی بیوی بالکل بے حق ہے (۶)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/۹۲ھ۔

(۱) قال الله تبارک وتعالى: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا“۔ (الصحيح لمسلم: ۷۰/۱، كتاب الإيمان، باب من غشنا، قديمی)

(۲) ”العصبة: وهم كل من ليس له سهم مقدر، يأخذ ما بقي من سهام ذوي الفروض. وإذا انفرد، أخذ جميع المال“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۲/۴۵۱، كتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبات، رشیدیہ)
(و كذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۶۲، كتاب الفرائض، فصل فی العصبات، مكتبه حقانيه، پشاور)

(و كذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۸۵، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمیة بیروت)

(۳) جب کہ یہ مکان تینوں بھائیوں کے درمیان مشترک تھا، لہذا ایک لڑکے کی بیوی کسی کو ہبہ نہیں کر سکتی: ”لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية فی القواعد الفقہیہ، مكتبه حنفیہ كوئٹہ)

(و كذا فی الدر المختار: ۲/۲۰۰، كتاب الغصب، سعید)

(۴) قال الله تبارک وتعالى: ﴿وَلَهْنِ الرِّبْعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ، فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ، فَلَهْنِ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دِينَ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۵) (راجع رقم الحاشیة: ۲)

(۶) بہوسر کی شرعی وارث نہیں: ”ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب: =

وارث کے لئے وصیت

سوال [۹۷۰۲]: اگر کوئی شخص کسی متقی، عابد و زاہد کی وصیت و مسلک و طریقہ عمل کے خلاف وراثت وغیرہ میں دست تصرف دراز کرے تو خائن و غاصب کہلائے گا کہ نہیں؟ اور اس وصیت کے مطابق ورثاء میں حقدار کو حق نہ ملنے پر حق تلفی ہوگی کہ نہیں؟ اور ایسا شخص غاصب کہلائے گا کہ نہیں؟ اور اس کے اس فعل سے موصی کو روحی تکلیف ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحق کو اس کا حق نہ دینا اس پر خود بے جا قبضہ و تصرف کرنا غصب ہے (۱)، موصی کو شرعی وصیت کے بعد اس کے خلاف کرنے سے موصی کو روحی اذیت کا مظنہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۱ھ۔

= وهو الزوجية، والولاء. (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۴۷/۶، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفيما يتعلق بالتركة، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۷۲۲/۶، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۵۵۵/۲، کتاب الفرائض، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

”عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”أَلَا لَا تَظْلِمُوا، أَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ إِلَّا بِطَيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ“. (مشکوٰۃ المصابیح: ۲۵۵/۱، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، قدیمی)

”لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه وإن فعل كان ضامناً ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعی، وإن أخذه، وجب عليه ردّه“. (شرح المجلة: ۶۱/۱، ۶۲، رقم المادة: ۹۶، ۹۷)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ

(و کذا فی الأشباه والنظائر، کتاب الغصب، الفن الثانی، الفوائد: ۴۴۴/۲، رقم القاعدة: ۱۷۱۳)،
إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی رد المحتار: ۶۱/۳، کتاب الغصب، سعید)

وصیت بحق وارث

سوال [۹۷۰۳]: خلاصہ سوال یہ ہے کہ حاجی نھو لاؤلد تھے، جو کچھ ان کے پاس روپیہ تھا وہ ان کی ذاتی کمائی کا تھا اور ان کا اپنے بھائی سے کوئی تعلق نہیں، جب ان کی طبیعت خراب ہوئی تو جس کے پاس روپیہ امانت تھا ان کو بلا کر کہا کہ میرا تمام روپیہ صرف میری بیوی کو دیا جائے، وہی مالک ہے۔ کیا یہ ہدایت حاجی نھو کی شرع کے مطابق ہے؟ ترکہ ۸۰۰ روپیہ ہے۔

۲..... حاجی نھو کے بعد ان کی بیوی مالک بن گئی اور اپنی زندگی میں وہ کل مال خرچ کرتی رہی، جب حاجی نھو کی بیوی بیمار ہوئی تو کوئی پُرساں حال نہ رہا، صرف حاجی نھو کی بہن کی لڑکی شہزادی نے خدمت کی، بیماری میں انھوں نے کہا کہ میرا کل روپیہ زیور وغیرہ سب شہزادی کو دے دیا جائے، پھر ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ ان کا انتقال ہوتے ہی حاجی نھو کے بھائی اور حاجی نھو کی بیوی کے بھائی کا لڑکا حقدار بن کر سامنے آگئے کہ ہم بھی وارث ہیں۔

بہر حال ان سب نے مل کر ایک تحریر لکھ دی کہ اگر ہمارا حق شرعاً نکلتا ہے تو ہم مسجد شیخ ہمایون میں وقف کرتے ہیں۔ یہ تحریر حاجی نھو کی بیوی کے بھائی کا لڑکا اور شہزادی نے مل کر لکھ دی ہے۔ حاجی نھو کے بھائی نقد روپیہ کا مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارا حصہ ہم کو دو، ہم ایصالِ ثواب کریں گے۔ اس مسئلہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ فقط۔ اس تحریر سے مال وقف ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... بیوی شرعی وارث ہے اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ شرعی وارث کے لئے جو وصیت کی جائے وہ اس وقت معتبر ہوتی ہے کہ دوسرے ورثاء بھی اجازت دیدیں، ورنہ وہ معتبر نہیں ہوتی (۱)۔ پس اگر حاجی نھو کے بھائی

(۱) ”عن یونس بن راشد عن عطاء عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”لا تجوز وصیۃ لوارث إلا أن تشاء الورثۃ“۔ قال ابن قطان فی کتابہ: ویونس بن راشد قاضی حران، قال أبو زرعة: لا بأس به۔ وقال البخاری: کان مرجئاً، وکان الحدیث عندہ حسن“۔ (نصب الراية للزیلعی: ۴/۴۰۴، کتاب الوصایا، (رقم الحدیث: ۸۰۷۰)، مؤسسة الریان بیروت لبنان)

”(ولا لوارثه وقاتله مباشرة) لا تسبیاً کما مر (إلا بإجازة ورثته) لقوله عليه السلام: ”لا وصیة =

نے بھی اس وصیت کی اجازت دی ہے تو حاجی نھو کی کل رقم اور کل ترکہ ان کی بیوی کا ہو گیا، اگر اجازت نہیں دی تو بیوی صرف ایک چوتھائی ترکہ کی حقدار ہے (۱) اور بقیہ کے مستحق بھائی ہیں (۲)، مثلاً: اگر کل ترکہ ۸۰۰/ ہے تو بیوی کو بعد ادائے مہر وغیرہ اس میں سے ۲۰۰/ ملے گا اور بقیہ ۶۰۰/ بھائی کا ہے، دوسرے بھائی کی اولاد اس میں حقدار نہیں (۳)۔

۲..... حاجی نھو کی بیوی مرحومہ کو اپنے کل مال کی وصیت کا حق نہیں، صرف ایک تہائی کی وصیت کا حق ہے (۴)، پس ایک تہائی ترکہ تو حسب وصیت شہزادی کو دیا جائے، بقیہ مرحومہ کے بھائی کے لڑکے کا ہے، بشرطیکہ

= لوارث إلا أن یجیزھا الورثة۔ یعنی عند وجود وارث آخر کما یفیدہ آخر الحدیث۔ (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۲۵۵، ۲۵۶، کتاب الوصایا، سعید)

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما ترکتم إن لم یکن لکم ولد﴾ (سورة النساء: ۱۲)
(۲) بھائی عصبہ ہے اور ذوی الفروض کے بعد عصبہ کل مال کا مستحق ہوگا:

”قال رحمہ اللہ: (ثم الأخ لأب وأم، ثم الأخ لأب، ثم ابن الأخ لأب وأم، ثم ابن الأخ لأب. وإنما قدموا علی الأعمام؛ لأن اللہ تعالیٰ جعل الإرث فی الکلالۃ للإخوة عند عدم الولد والوالد). (تبیین الحقائق، کتاب الفرائض: ۷/۴۸۶، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

”العصبۃ من یأخذ جمیع المال عند انفرادہ وما أبقتہ الفرائض عند وجود من له الفرض المقدر.“ (تبیین الحقائق: ۷/۴۸۵، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ بیروت)
(۳) بیوی کے بھائی کی اولاد شرعاً وارث نہیں ہے، اس لئے مستحق میراث نہیں:

”ویستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجیۃ، والولاء.“ (الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/۷۲۲، کتاب الفرائض، سعید)

(۴) ”(وكونه غیر وارث وقت الموت). (الدرالمختار). وقال الغلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ”(وقت الموت): أى لا وقت الوصیۃ، حتی لو أوصی لأخیه وهو وارث ثم ولد له ابن، صحت الوصیۃ للأخ. ولو أوصی لأخیه وله ابن، ثم مات الابن قبل موت الموصی، بطلت الوصیۃ.“ (الدرالمختار مع

ردالمحتار، کتاب الفرائض: ۶/۶۲۹، سعید)

اس سے قریب ترکوئی اور وارث نہ ہو (۱)۔ حاجی تھو کے بھائی کو اس ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا (۲)، جو کچھ ان سب نے وعدہ کیا ہے اس کو پورا کرنا چاہیے (۳)۔

شہزادی نے جو خدمت مرحومہ کی کی ہے، حق تعالیٰ کے یہاں اس کی بڑی قدر ہے، اس کو چاہیے کہ مرحومہ کے ترکہ کو اس خدمت کا معاوضہ نہ سمجھے، مرحومہ کے بھائی کے لڑکے نے اگر خدمت نہیں کی تو بہت بڑی حق تلفی کی (۴)، لیکن اس حق تلفی کی وجہ سے وہ شرعی میراث سے محروم نہیں ہوگا (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غنی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۵ھ۔

وارث کے حق میں وصیت

سوال [۹۷۰۴]: مسماۃ ہندہ کے زوج کا انتقال ہوا، اس کے والد نے دوسری جگہ نکاح ثانی مسمیٰ

(۱) چونکہ مرحومہ کے بھائی کا بیٹا یعنی ابن الأخ عصبہ ہے اور عصبہ ذوی الفروض کے نہ ہونے کی صورت میں کل مال کا مستحق ہوتا ہے (کما تقدم، فلیراجع، ص: ۱۸۵، رقم الحاشیة: ۲)

(۲) شوہر کا بھائی مرحومہ کا وارث نہیں ہے (کما تقدم، فلیراجع، ص: ۱۸۵، رقم الحاشیة: ۳)

(۳) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ (سورة الإسراء: ۳۴)

(۴) ”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”الرحم معلقة بالعرش تقول: من وصلنی وصلہ اللہ، ومن قطعنی قطعہ اللہ۔“ متفق علیہ۔ (مشکوۃ المصابیح: ۲/۴۱۹، کتاب الأدب، باب البر والصلة، الفصل الأول، قدیمی)

”الرحم“ قال السيوطی: أي رحم الأقارب كيف كانوا ”من وصلنی“..... ”ومن قطعنی“..... والقطع عبارة عن الغضب علیه والإعراض عنه۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح: ۸/۲۵۸، (رقم الحديث: ۴۹۲۱)، کتاب الأدب، باب البر والصلة، الفصل الأول، رشیدیہ)

(۵) میراث چونکہ متعین من جانب اللہ ہے، حق تلفی سے ساقط نہیں ہوتا:

”الإرث جبرئ لا يسقط بالإسقاط۔“ (تكملة رد المحتار: ۱/۵۰۵، کتاب الدعوی، مطلب:

واقعة الفتوى، سعيد)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۷۱، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۴/۴۹۴، کتاب الفرائض، غفاریہ کوئٹہ)

زید سے کر دیا، بعد اس کے ہندہ کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ ہندہ کو کف شرع نہ کہ باپ سے مکان کرائی پہونچا ہندہ کے زوج ثانی نے جو اس کا منشہ بنا بڑھی کا چھوڑ دیا اور کرائی اپنی کرایہ پر دیگر گزریات کرتے رہے، مرمت کرائی نواب خود کرتا رہا، اس کی آمدنی سے جدید کرائی ہی کرتا رہا، اسی کی آمدنی سے شوہر ثانی نے کچھ روپیہ جمع کر کے بلا اطلاع زوجہ ثانیہ نے اپنی دختر جو زوجہ اولیٰ سے تھی، کچھ زمین خرید کر کے اس کے نام کر دی اور جمع شدہ باقی کسی شخص کے پاس امانت رکھ دیا۔

اتفاق سے بیمار ہو گیا، حالت بیماری میں جس کے پاس روپیہ رکھا تھا اس نے کہا کہ اپنا روپیہ لے لو، اس نے کہا کہ اگر میں مر جاؤ تو یہ روپیہ میری دختر جو زوجہ اولیٰ سے ہے اس کو دے دینا۔ اس نے یہ کہا کہ تم جس کو چاہو اپنے سامنے دیدو۔ دینے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ زید کا انتقال ہو گیا، ہندہ کا زید سے جس وقت نکاح ثانی ہوا تھا اس کے پاس اس وقت کوئی ترکہ ذاتی یا پداری نہیں تھا، صرف مزدوری پر گزر رہا تھا، مرتے وقت بھی کوئی ترکہ نہیں چھوڑا سوائے زوجہ ثانیہ کے مال کے، اور جو اس میں اضافہ ہوا ہے وہ اسی کے مال سے ہوا ہے، البتہ محنت اور مزدوری ضرور اس نے کی ہے، ایسا ہی زوجہ ثانیہ کا نان و نفقہ اس کے ذمہ تھا۔ ایسی صورت میں ترکہ زید کے وارث کو پہنچتا ہے کہ نہیں اور وصیت شرعاً جاری ہوگی یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے انتقال کے وقت جو کچھ زید کی ملکیت میں تھا، وہ اس کے ورثاء کو بقدر حصص شرعیہ پہونچے گا (۱) اور لڑکی بھی چونکہ وارثہ ہے اس لئے اس کو میراث ملے گی، وصیت اس کے حق میں جائز نہ ہوگی، ہاں اگر دوسرے ورثاء بڑے یعنی بالغ ہوں اور وہ اس وصیت کی اجازت دے دیں تو وصیت جاری ہو سکتی ہے (۲)۔

(۱) قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ”یبدأ من ترکه المیت“۔ (الدر المختار)۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ”الترکہ فی الاصطلاح: ما ترکه المیت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعین من الأموال“ (رد المختار: ۶/۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۷۱، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) ”ولا تجوز (أی الوصیۃ) بما زاد علی الثلث إلا أن یجیزہ الورثاء بعد موتہ وهم کبار ولا

تجوز الوصیۃ للوارث إلا أن یجیزہا الورثۃ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۶/۹۰، کتاب الوصایا، رشیدیہ)

اور جو مال زوجہ ثانیہ کا تھا اگر زوجہ ثانیہ نے وہ مال ہبہ کر کے زید کا اس پر باقاعدہ قبضہ نہیں کرایا تھا تو وہ زوجہ ثانیہ کی ملک ہے (۱)، اس کو زید کا ترکہ تصور کر کے زید کے ورثاء میں تقسیم نہیں کیا جائے گا:

”لا وصیة لوارث إلا أن یجیزها الورثة یعنی عند وجود وارث آخر، اھ“۔ رد المحتار:

۵/۵۷۵ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ ہذا، ۱۱/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

چچا زاد اور پھوپھی زاد میں تقسیم ترکہ اور وصیت

سوال [۵۷۰]: عبد الجبار خان نے انتقال کیا، ترکہ میں بڑی جائیداد و مکانات چھوڑے۔ ورثاء میں ذوی الفروض کوئی نہیں، صرف چچا زاد اور پھوپھی زاد بھائی ہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

مرحوم کے چچا زاد بھائی ہیں اور پھوپھی زاد بھائی ہیں، چچا زاد بہنوں میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ نیز عبد الجبار خان مرحوم چونکہ لاؤلد تھے، ان کی بیوی بھی اکثر بیمار رہتی تھی، اس لئے موجودہ ذوی الارحام نے ان کی بھرپور خدمت کی، انھوں نے کچھ مطالبات بھی پیش کئے ہیں، مرحوم نے ان سے کچھ دینے اور مدد کرنے کا تذکرہ بھی کیا تھا اور اپنی حیات میں ان کی مدد کرتے تھے اور آئندہ بھی مدد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اندریں صورت کیا ذوی الارحام کو ترکہ سے حاصل سکتا ہے؟

نوٹ: موجودہ ورثاء کا کیسے مسئلہ ہوگا؟ دریافت طلب یہ ہے کہ موجودہ ورثاء اپنی رضامندی سے تقسیم ترکہ کا معاملہ کسی کمیٹی کے سپرد کریں اور کمیٹی کو اختیار دیں، اپنی صوابدید کے مطابق یہ کمیٹی ترکہ کی تقسیم اس طرح کرے کہ ترکہ سے ذوی الارحام کو ان کی خدمات کا صلہ مل جائے، یا دینی مدرسہ میں کمیٹی ترکہ کچھ دیدے جس مدرسہ کی مرحوم نے مدد کی ہو۔ کیا کمیٹی کو یہ اختیار ہے؟

(۱) ”یملک الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك“۔ (شرح المجلة:

۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، کتاب الہبۃ، الباب الثالث، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۵/۶۹۰، کتاب الہبۃ، سعید)

(۲) (الدر المختار: ۶/۶۵۶، کتاب الوصایا، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مرحوم کے ذمہ کوئی قرض ہو تو اول اس کو ادا کیا جاوے، پھر اگر کوئی وصیت کی ہو ذوی الارحام کے لئے یا مدرسہ وغیرہ کے لئے تو ایک تہائی ترکہ سے اس کو پورا کیا جاوے (۱)، پھر جو کچھ بچے وہ صرف دو چچازاد بھائیں کو نصف نصف دیدیا جاوے (۲)، چچازاد بہنوں اور پھوپھیوں کی اولاد (یعنی مذکورہ سب کی اولاد) کو اس ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا۔

ذوی الارحام نے جو خدمت کی اس کا اجر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت میں ملے گا (۳)، اس کے عوض دنیا میں میراث میں حصہ نہیں۔ مرحوم نے جو کچھ جس جس کو دینے اور مدد کرنے کا ارادہ کیا تھا، اب اس ارادہ کو وراثت سے پورا کرنے کا حکم نہیں (۴)۔ حصہ مساوی جب دونوں چچازاد بھائیوں کو ان کا حصہ مل

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳، سعید)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۵۹، ۷۶۱، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴، رشیدیہ)

(۲) "العصبة من يأخذ جميع المال عند انفراده، وما أبقتة الفرائض عند وجود من له الفرض المقدر". (تبیین الحقائق: ۷/۴۸۵، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمیہ بیروت)

"وإنما يرث ذوا الأرحام إذا لم يكن أحد من أصحاب الفرائض ممن يرث عليه ولم يكن عصبه". (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۹، کتاب الفرائض، الباب العاشر فی ذوی الأرحام، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/۷۹۱، کتاب الفرائض، باب توريث ذوی الأرحام، سعید)

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَضِيعُ أَجْرُ الْمُحْسِنِينَ﴾ (سورة التوبة: ۱۲۰)

(۴) مرنے کے بعد مال، جائیداد سب ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا اور میت کی ملک نہ رہے گا، تو میت کے صرف دینے کے ارادہ سے وہ مستحق نہیں ہوئے، الا یہ کہ وصیت کی ہو تو وہ ثلث میں جاری ہوگی، یا ورثاء از خود تبرعاً مرحوم کے ارادے کی تکمیل کریں:

"والإرث في الشرع: انتقال مال الغير إلى الغير على سبيل الخلافة". (الفتاویٰ العالمگیریہ: =

جائے، پھر وہ مرحوم کی نیت پوری کرنے اور مرحوم کے ذوی الارحام کے ساتھ خیر خواہی کرنے اور مرحوم کو ثواب پہنچانے کے لئے اپنی صوابدید کے مطابق جتنا بھی دیں گے، اس سے ان کو بھی ثواب ہوگا اور ذوی الارحام کی بھی خیر خواہی ہوگی، اور مدرسہ کی بھی مدد ہوگی، جس سے مرحوم کو بھی اجر و ثواب ملے گا (۱)۔

کسی کمیٹی یا انجمن کے حوالہ اگر اس تقسیم کو کیا جائے تو وہ بھی بطریقہ مذکورہ پر تقسیم کر دے، بحیثیت وراثت نہ ذوی الارحام کو دے نہ مدرسہ کو دے، دونوں وارثوں کو برابر دیدے (۲)، پھر وہ دونوں اپنے اپنے حصہ میں اپنی رائے کے مطابق تصرف کریں، جس جس کو جتنا چاہیں دیدیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۹۰ھ۔

لڑکی کے حق میں وصیت

سوال [۹۷۰۶]: مجھ کو ایک مسماۃ نے مبلغ ۵۰/ نقد اور کچھ سونے چاندی کی چیزیں بطور امانت دی اور یہ وصیت کی کہ اس میں سے میری چھوٹی بیٹی کے لئے کان اور ہاتھوں میں زیور بنوادینا اور باقی سب لڑکے کو

= ۶/۷۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۱) ”الأصل أن كل من أتى بعبادة ما، له جعل ثوابها لغيره وإن نواها عند الفعل لنفسه، لظاهر الأدلة“.
(الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: ”أى سواء كانت صلاة، أو صوماً، أو صدقة، أو قراءة، أو ذكراً، أو طوافاً، أو حجاً، أو عمرة، أو غير ذلك وجميع أنواع البر اهـ“.
(ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/۵۹۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في إهداء ثواب الأعمال للغير، سعيد)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۲/۴۱۹، ۴۲۰، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(۲) ”ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته: أى الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة أو الإجماع“.
(الدرالمختار: ۶/۷۶۱، ۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(و كذا في السراجی، ص: ۳، سعيد)

(۳) ”ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف شاء“، (شرح المجلة: ۱/۶۲۳، رقم المادة: ۱۱۶۲)، كتاب الشريعة، الفصل الثامن، مكتبه حنفية كوئٹہ)

دیدینا۔ اس پر میں نے یہ دریافت کیا کہ دوسری لڑکیوں کو بھی دیا جائے یا نہیں جو کہ شادی شدہ ہیں، اس نے کہا کہ میں سب کو دے چکی، ان کی شادی بکرمی، صرف ان ہی کو دینا ہے جن کا میں ذکر کر گئی ہوں۔

اس کے کچھ دن بعد وہ مسماۃ فوت ہو گئی اور عرصہ ایک دو ماہ بعد چونکہ سونا گراں ہو گیا تھا، میں نے ان کو فروخت کر دیا تاکہ ان کا زیادہ نفع ہو جائے، صرف اس غرض سے میں نے اس چیز کو فروخت کر دیا۔ اب میرے پاس ان کی کل رقم ۴۳۴ روپے کی ہے۔

لہذا التماس ہے کہ آپ مجھ کو مطابق حکم خداوندی آگاہ کر دیجئے، تاکہ میں اس کے مطابق ادا کروں، تاکہ میرے ذمہ کوئی معاوضہ نہ رہے۔

نوٹ: اس عورت کی کل تین لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔

محمد ابراہیم بقلم خود، بازار نخاسہ سہارنپور، مورخہ ۴/ جنوری/ ۱۹۳۷ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی شرعاً وارث ہوتی ہے اور وارث کے لئے شرعاً وصیت ناجائز ہے (۱)، البتہ اگر دوسرے سب وارث اجازت دیدیں اور وہ بڑے یعنی بالغ ہوں تو وصیت درست ہو سکتی ہے، ورنہ مثل دوسرے ترکہ کے اس میں بھی وراثت جاری ہوگی، کذا فی الشامی، ص: ۵۷۵ (۲)۔

(۱) ”عن یونس بن راشد، عن عطاء عن عکرمۃ، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”لا تجوز وصیۃ لوارث إلا أن تشاء الورثۃ“۔ قال ابن قطن فی کتابہ: ویونس بن راشد قاضی حران، قال أبو زرعة: لا بأس به، وقال البخاری: کان مرجئاً، وکان الحدیث عنده حسن“۔ (نصب الراية للزيلعي: ۴/۴۰۴، کتاب الوصایا، (رقم الحدیث: ۸۰۷۰)، مکتبۃ موسسۃ الریان بیروت، لبنان)

”عن أبی أمامة الباهلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول فی خطبۃ عام حجة الوداع: ”إن اللہ تبارک وتعالیٰ قد أعطی کل ذی حق حقہ، فلا وصیۃ لوارث“۔ (جامع الترمذی، أبواب الوصایا، باب ما جاء لا وصیۃ لوارث: ۳۲/۲، سعید)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الوصیۃ للوارث: ۴۰/۲، إمدادیہ ملتان)

(۲) ”ولا لوارثه مقاتله مباشرة إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلاة والسلام: ”لا وصیۃ لوارث إلا أن =

اگر اس عورت کے ماں باپ اور شوہر موجود نہیں تو اس کا ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ کل ترکہ پانچ سہام قرار دے کر ایک ایک تینوں لڑکیوں کو اور دو سہام لڑکے کو دے دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵

۳ لڑکیاں

لڑکا

۳

۲

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۹/شوال/۵۵ھ۔

لڑکی کے لئے وصیت یا ہبہ

سوال [۹۷۰۷]: اگر کوئی آدمی اپنی تمام جائیداد اپنی لڑکی کے نام تندرستی کی حالت میں کر دے جیسا کہ پنجاب میں رواج ہے کہ لڑکی کو باپ کے مرنے کے بعد کچھ نہیں ملتا۔ آیا یہ فعل درست ہے یا نہیں، اور اس لڑکی کو اس کی آمدنی کھانی جائز ہے یا نہیں؟ یا اس نے لڑکی کے نام تمام جائیداد وصیت کر دی تو اس وصیت سے یہ تمام جائیداد اگر مل جائے تو پھر اس کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟ اور اگر وہ اپنی زندگی میں نصف جائیداد لگا دے اور

= يُجيزها الورثة اھ۔“ وہم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير ومجنون“۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۵۵، ۲۵۶، کتاب الوصایا، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۲۱۲، کتاب الوصایا، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۹۰، کتاب الوصایا، الباب الأول، رشیدیہ)

(۱) واضح رہے کہ بیٹا اور بیٹی دونوں مل کر عصبہ ہیں اور ذوی القروض کی عدم موجودگی میں کل مال عصبہ کو دیا جائے گا:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِي﴾ (سورة

النساء: ۱۱)

”وَإِذَا اخْتَلَطَ الْبَنُونَ وَالْبَنَاتُ، عَصَبُ الْبَنُونَ الْبَنَاتُ، فَيَكُونُ لِلْبَنِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِي“۔ (الفتاویٰ

العالمگیریہ: ۲/۴۴۸، کتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی القروض، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۸۰، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیہ بیروت)

نصف عصبہ کے لئے چھوڑ دے اور وہ لڑکی اپنی خوشی سے باپ کے مرنے کے بعد کہہ دے کہ میں حصہ چھوڑتی ہوں، اس کو جو عصبہ میں سے نصف ملتا تھا۔ شریعت کے لحاظ سے اس لئے کہ ترکہ تو مرنے کے بعد ہی تقسیم ہوتا ہے، تو اس کا حکم تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بحالتِ صحت و تندرستی اگر باقاعدہ ہبہ کر کے لڑکی کا قبضہ کرادے تو بلاشبہ ہبہ صحیح ہوگا، اور لڑکی مالکہ ہو جائے گی اور آمدنی اس کے لئے درست ہوگی (۱)، لیکن دیگر ورثاء و مستحقین کو نقصان پہونچانے کی نیت سے ایسا کرنا گناہ ہے (۲)، لہذا جس قدر کی وہ مستحق ہوتی اس قدر دینا چاہیے۔

اگر اپنی زندگی میں تقسیم نہیں کیا، بلکہ یہ کہہ دیا کہ میرے مرنے کے بعد نصف ترکہ لڑکی کو دیا جائے، اور نصف کسی دوسرے مستحق کو، تو شرعی حکم یہ ہے کہ یہ وصیت ہے اور وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی جب تک کہ دیگر ورثاء راضی نہ ہوں (۳)۔ لہذا اگر لڑکی صرف ایک ہے اور لڑکا کوئی نہیں تو شرعاً وہ نصف ہی کی مستحق

(۱) ”یملک الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك“۔ (شرح المجلة:

۴/۲۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، کتاب الہبۃ، الباب الثالث، حنفیہ کوئٹہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۵/۶۹۰، کتاب الہبۃ، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۴/۳۷۴، کتاب الہبۃ، الباب الأول، رشیدیہ)

(۲) ”وفی فتاویٰ قاضی خان: لا بأس بتفضیل بعض الأولاد فی المحبة..... و کذا فی العطایا إن لم یقصد به الإضرار، وإن قصد فسوی بینهم“۔ (الدر المختار: ۵/۶۹۶، کتاب الہبۃ، سعید)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۳/۲۷۹، کتاب الہبۃ، فصل فی ہبۃ الوالد لولدہ، رشیدیہ)

(۳) ”عن یونس بن راشد عن عطاء، عن عکرمۃ، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”لا تجوز وصیۃ لوارث إلا أن تشاء الورثۃ“۔ قال ابن قطان فی کتابہ: ویونس بن راشد قاضی حران، قال أبو زرعة: لا بأس به، وقال البخاری: کان مرجئاً، وکان الحدیث عنده حسن“۔ (نصب الراية للزیلعی: ۴/۴۰۴، ۴۰۵، (رقم الحدیث: ۸۰۷۰)، مؤسسة الریان بیروت)

”عن أبی أمامة الباهلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم =

ہے، چاہے یہ وصیت کرتا، چاہے نہ کرتا۔ اگر وہ نصف سے کم کی مستحق تھی، مثلاً دو یا زیادہ لڑکیاں ہیں، یا لڑکا بھی موجود ہے تو ایسی حالت میں وہ نصف کی مستحق نہیں، بلکہ کم کی مستحق ہے، استحقاق سے زیادہ میں وصیت کا نفاذ دیگر ورثاء کی اذن پر موقوف ہے (۱)۔

اگر کوئی وارث کہہ دے کہ میں اپنا حق میراث چھوڑتا ہوں تو اس سے اس کا حق ساقط نہیں ہوتا: ”لو قال الوارث: ترک حقی، لم یطل حقه؛ إذ الملك لا یطل بالترك“۔ أشباه (۲)۔ لیکن اگر قبضہ کرنے کے بعد اپنا حصہ کسی وارث کو ہبہ کر دے تو درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۶ھ۔

= يقول في خطبة عام حجة الوداع: ”إن الله تبارك وتعالى قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث“۔ (جامع الترمذی، أبواب الوصایا، باب ماجاء لا وصية لوارث: ۳۲/۲، سعید)
(وسنن أبی داؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی الوصية للوارث: ۴۰/۲، إمدادیہ ملتان)
”ولا لوارثه وقاتله مباشرة إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلاة والسلام: ”لا وصية لوارث إلا أن يُجيزها الورثة..... اهـ“ وهم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير ومجنون“۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۲۵۵، ۶۵۶، کتاب الوصایا، سعید)
(و کذا فی البحر الرائق: ۲۱۲/۹، کتاب الوصایا، رشیدیہ)
(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۹۰/۶، کتاب الوصایا، الباب الأول، رشیدیہ)
(۱) قال الله تبارك وتعالى: ﴿فَإِنْ كُنْ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ، فَلَهُنَّ ثُلَاثًا مَّا تَرَكَ، وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ (سورة النساء: ۱۱)
”وأما النساء، فالأولى البنت، ولها النصف إذا انفردت، وللثنتين فصاعداً الثلثان“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۴۸/۶، کتاب الفرائض، الباب الأول، رشیدیہ)
(۲) (الأشباه والنظائر: ۵۳/۳، باب ما یقبل الإسقاط من الحقوق وما لا یقبله وبيان أن الساقط لا یعود، إدارة القرآن کراچی)
(و کذا فی جامع الفصولین، ص: ۴۰/۲، الفصل الثامن والعشرون فی مسائل التركة والورثة والدين، اسلامی کتب خانہ کراچی)

(۳) جب ہر وارث کو اس کا حصہ دے دیا تو وہ وارث اس حصہ کا مالک بن جاتا ہے اب اگر وہ اس حصہ کو کسی کو ہبہ کر دے تو اس کا =

وارث اور اجنبی کے لئے وصیت

سوال [۹۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

عبداللطیف کے والد مطیع اللہ نے اپنے فرزند عبداللطیف کو اپنے مکان سے علیحدہ کر دیا اور اپنے ساتھ سے اور بلا کسی چیز دیئے ہوئے صرف عبداللطیف کے جسم پر جو کپڑا تھا وہی تھا۔ والد سے علیحدہ ہونے پر عبداللطیف اپنے پھوپھا صاحب کے مکان پر گئے اور دس روز وہاں رہے۔ بعدہ عبداللطیف کے دادا صاحب جو کہ اپنے بیٹے مطیع اللہ صاحب سے علیحدہ رہتے تھے وہ آکر عبداللطیف کو اپنے ہمراہ مکان پر لے گئے اور اپنے ہمراہ ایک سال رکھا اور اپنے پاس سے کھانے پینے کا سامان اور پرورش کیا۔

عبداللطیف نے جو کمائی کی اور کام کیا، عبداللطیف کے دادا صاحب ان کو جمع کرتے رہے اور جب ایک سال ہو گیا تو عبداللطیف کی بیوی عبداللطیف کے ساتھ رہنے کے قابل ہوئی، اس وقت عبداللطیف کے دادا صاحب نے عبداللطیف کو ان کی کمائی دے کر عبداللطیف کو اپنے ہمراہ سے علیحدہ کر دیا۔ اب وہ کھانے کمانے لگے اور دادا صاحب نے انتقال کیا۔

بعدہ عبداللطیف کی دادی صاحبہ جو سوتیلی دادی تھی، وہ عبداللطیف کے ہمراہ آکر رہنے لگی اور عبداللطیف کے دادا صاحب کا جو سامان تھا گھرتی کا وہ عبداللطیف کے والد مطیع اللہ صاحب اٹھا کر لے گئے اور ایک پائی بھی سوتیلی ماں کو نہیں دیا۔

اب عبداللطیف اپنی سوتیلی دادی کو ساتھ لیکر کھاتے کھاتے رہے مع بیوی۔ اور بچے کے اور اپنی کمائی

= یہ ہبہ کرنا درست ہے:

رجل قال لغيره: هذه الأمة لك قال أبو يوسف رحمه الله تعالى: هذه هبة جائزة يملكها إذا قبض. (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الہبۃ، فصل فیما یكون ہبۃ من الألفاظ وما لا یكون: ۳/۲۶۱، رشیدیہ)

”وأما ما يرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، وكونه من أهلها أن يكون حراً عاقلاً بالغاً مالکاً للموهوب.“ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الہبۃ، الباب الأول فی تفسیر الہبۃ ورکنها وشرائطها وأنواعها وحکمها وفيما یكون ہبۃ من الألفاظ وما يقوم مقامها وما لا یكون:

۳/۳۷۴، رشیدیہ)

سے عبداللطیف نے ایک مکان بھی خرید لیا جس میں مکان کے علاوہ عبداللطیف کے پاس سات سو تیس روپے تھے، بقیہ برتن وغیرہ اور تمام گھرستی اور زیورات - وہ زیورات جو کہ عبداللطیف کے والد مطیع اللہ صاحب نے اپنی بہو کو بنوایا تھا اس زیور کی قیمت پانچ سو پچاس تھی - عبداللطیف کے والد مطیع اللہ صاحب نے لے لی تھی -

بعدہ عبداللطیف نے انتقال کیا اور عبداللطیف کی کمائی کا زیور جو تھا وہ بھی مطیع اللہ صاحب نے سمیٹ لیا اور اٹھا کر لے گئے، کیوں کہ عبداللطیف نے اپنی زندگی میں اپنے پھوپھا کے صاحبزادے احمد اللہ کو یہ وصیت کی تھی کہ میرے انتقال کے بعد میرے والد مطیع اللہ صاحب میرا سامان اور زیورات وغیرہ نہ لینے پائے اور میرے بیوی اور بچے اور دادی کو دیا جاوے، لیکن عبداللطیف کی وفات کے بعد ان کے والد مطیع اللہ صاحب تمام سامان اٹھا کر لے گئے اور اس پر قبضہ کیا - چھوڑا عبداللطیف نے وفات بعد فرزند محمد شریف عمر سات سال کو اور بیوی کو اور دادی کو -

سائل: حاجی محمد ابراہیم محمد عبداللہ، امیا کی منڈی، مکان نمبر: ۵۰/۷۲، شہر بنارس -

الجواب هو الموفق للصواب حامداً ومصلیاً ومسلماً:

صورت مسئلہ میں بعد تجہیز و تکفین وادائے دین و مہر وغیرہ (۱) از کل مال عبداللطیف کا ایک ثلث ترکہ بحسب وصیت سوتلی دادی کو ملے گا (۲) اور بقیہ دو ثلث ترکہ چوبیس سہام ہو کر ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگا، اس

(۱) "تعلق بترکۃ المیت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳، سعید)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۵۹، ۷۶۱، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفيما يتعلق بالترکة: ۶/۴۴۷، رشیدیہ)

(۲) "ثم تقدم وصيته من ثلث ما بقى بعد تجهيزه وديونه، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (الدر المختار: ۶/۷۶۰، ۷۶۱، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

طرح کہ چار سہام والد کو ملیں گے (۱) تین سہام زوجہ (۲) کو اور سترہ سہام لڑکے کو ملیں گے (۳)۔ والد کے متعلق ترکہ سے محروم ہونے کی جو وصیت کی ہے وہ شرعاً لغو اور ناقابل عمل ہے (۴)۔

وصیت وارث کے حق میں بغیر اجازت دیگر ورثاء کے نافذ نہیں ہوتی (۵)، وصیت کا حق صرف ایک

(۱) واضح رہے کہ جب میت کی اولاد ہو تو باپ کو سدس ملے گا اور چوبیس کا سدس چار ہے:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلِأَبْوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾

(سورة النساء: ۱۱)

”أما الرجال فالأول الأب، وله ثلاثة أحوال: الفرض المحض، وهو السدس مع الابن وابن

الابن وإن سفل.“ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴۸، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۲) میت کی جب اولاد موجود ہو تو زوجہ کو ثمن (آٹھواں حصہ) ملے گا اور چوبیس کا آٹھواں حصہ تین ہے:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿إِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكَتُمْ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۳) لڑکا چونکہ عصبہ ہے تو ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد باقی تمام جائیداد عصبہ کو ملے گی:

”العصبۃ من يأخذ جميع المال عند انفراده وما أبقته الفرائض عند وجود من له الفرض

المقدر.“ (تبیین الحقائق: ۷/۴۸۵، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/۷۷۷، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی السراجی، ص: ۳، سعید)

(۴) چونکہ میراث جبری حق ہے اختیاری نہیں ہے کہ اسقاط قبول کرے:

”الإرث جبرئ لا یسقط بالإسقاط.“ (تکلمة رد المحتار: ۱/۵۰۵، مطلب: واقعة الفتویٰ،

کتاب الدعویٰ، سعید)

”وهذا العلم مختص بحالة الممات، وغیره بالحیاءة أو باعتبار أسباب الملك، فإنها جبریة أو

اختیاریة، فالأول المیراث والثانی غیره من أسباب الملك.“ (تبیین الحقائق: ۷/۴۷۱، کتاب

الفرائض، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۴/۴۹۴، کتاب الفرائض، غفاریہ کوئٹہ)

(۵) ”عن یونس بن راشد، عن عطاء، عن عکرمۃ، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن النبی صلی اللہ

علیہ وسلم قال: ”لا تجوز وصیۃ لوارث إلا أن تشاء الورثۃ.“ قال ابن قطان فی کتابہ: ویونس بن راشد =

ثلث ترکہ میں ہوتا ہے، اگر اس سے زائد میں کی جائے تو ورثاء کی اجازت پر موقوف رہتی ہے، ایک ثلث میں بہر حال نافذ ہوگی، خواہ ورثاء راضی ہوں یا نہ ہوں (۱)۔ اگر کل مال میں وصیت کی جائے تب بھی ایک ثلث میں نافذ کرنا لازم ہے (۲)۔

اگر ایک ثلث کے اندر اندر کسی معین شئی کی وصیت کی جاوے جس میں وارث اور اجنبی دونوں کو شریک کیا جاوے یعنی: تنفیذ وصیت سے مانع موصیٰ لہ کی ہو، نہ کہ موصیٰ بہ کی تخصیص تو اس صورت میں حصہ اجنبی کی

= قاضی حمران، قال: أبو زرعة: لا بأس به، وقال البخاري: كان مرجئاً، وكان الحديث عنده حسن. (نصب الراية للزيلعي: ۴/۴۰۴، كتاب الوصايا، (رقم الحديث: ۸۰۷۰)، مكتبة مؤسسة الريان، بيروت)

”عن أبي أمامة الباهلي رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول في خطبة عام حجة الوداع: ”إن الله تبارك وتعالى قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث.“ (جامع الترمذي، أبواب الوصايا، باب ما جاء لا وصية لوارث: ۳۲/۲، سعيد)

(وسنن أبي داود، كتاب الوصايا، باب ما جاء في الوصية للوارث: ۴۰/۲، إمداديه ملتان)

”ولا لوارثه وقاتله مباشرة إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلاة والسلام: ”لا وصية لوارث إلا أن يُجيزها الورثة..... اهـ“ وهم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير ومجنون“. (الدر المختار مع رد المختار: ۶/۲۵۵، ۶۵۶، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۲، كتاب الوصايا، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيريہ: ۶/۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيديه)

(۱) ”ولو أوصى رجل بربع ماله ولا آخر بنصف ماله، إن أجازت الورثة، فنصف المال للذي أوصى له بالنصف، والربع للموصى له بالربع، والباقي للورثة على فرائض الله تعالى ولو لم يجز الورثة، تصح من الثلث، فيكون بينهما على سبعة أسهم أربعة للموصى له بالنصف وثلاثة للموصى له بالربع.“ (الفتاوى العالمكيريہ، كتاب الوصايا، الباب الثالث في الوصية بثلث المال الخ: ۶/۹۷، رشيديه)

(۲) ”وتجوز بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث ذلك لا الزيادة عليه، إلا أن تجوز ورثته بعد موته.“ (الدر المختار: ۶/۲۵۰، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۲، كتاب الوصايا، رشيديه)

وصیت درست ہوگی اور حصہ وارث کی وصیت باطل ہوگی (اگر دیگر ورثاء اجازت نہ دیں) (۱)، یہ ہی محمل ہے، ہدایہ کی اس عبارت کا: ”ومن أوصى لأجنبي ولوارثه، فلأجنبي نصف الوصية، وتبطل وصية الوارث، اه“ (۲)۔ اور ”نصف الوصية“ کی تفسیر ”الثلث“ ہدایہ میں مذکور نہیں۔ فتح القدير (۳) عنایہ وغیرہ میں بھی نہیں، اسی وجہ سے ملتقی الأبحر میں موصیٰ بہ کو عین قرار دیا اور شرح میں وارث کے ساتھ قاتل کو بھی ذکر کیا:

”وإن أوصى بعين لوارثه أو قاتله لأجنبي، فلأجنبي نصفها ولا شيء للوارث، اه“۔

سکب الأنهر: ۲/۷۰۲ (۴)۔

اور مجمع الانهر میں ”نصفها“ کی ضمیر کا مرجع متعین کیا ہے: ”أى نصف العين، اه“ (۵) یعنی جس معین شئی کی وصیت میں اجنبی کے ساتھ وارث کو بھی موصیٰ قرار دیا ہے، ایسی صورت میں اس اجنبی کو اس معین شئی کا نصف حصہ ملے گا۔

درر الحکام، ص: ۴۳۷، شرح غرر الأحکام میں اس جزئیہ کو ”الف“ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

”وفى بألف لوارث وأجنبي له نصفه وخاب الوارث يعنى: إذا أوصى لوارثه وللأجنبي، فلأجنبي نصف الوصية، وتبطل وصية الوارث؛ لأنه أوصى بما يملك الإيضاء به وبما لا يملك،

(۱) ”ولو أوصى لوارثه ولأجنبي، صح فى حصة الأجنبي، ويتوقف فى حصة الوارث على إجازة الورثة، إن أجازوا، جاز، وإن لم يجيزوا، بطل“، (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول، شيدیه)

(۲) (الهداية: ۲/۶۶۳، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، إمدادیه ملتان)

(۳) واضح رہے کہ فتح القدير میں یہ تشریح ہے..... البتہ عنایہ کی عبارت یوں ہے:

”ومن أوصى لأجنبي ولوارثه ظاهر..... وهذا بخلاف ما إذا أقر بعين أو دين لوارثه وللأجنبي، حيث لا يصح فى حق الأجنبي كما لا يصح فى حق الوارث“۔ (العناية على الهداية على هامش فتح القدير: ۱۰/۴۵۵، كتاب الوصايا، باب الوصية بالثلث، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(۴) (سکب الأنهر وملتقى الأبحر: ۲/۴۳۲، كتاب الوصايا، باب الوصية بالثلث، غفاریہ کوئٹہ)

(۵) ”وإن أوصى بعين لوارثه وللأجنبي، فلأجنبي نصفها: أى نصف العين، ولا شيء للوارث“۔ (مجمع

الأنهر، باب الوصية بالثلث: ۲/۴۳۲، مكتبه غفاریہ کوئٹہ)

فصح فی الأول لا الثانی، اھ“ (۱)۔

یہاں پر ”نصف الوصیۃ“ کا مصداق ”نصف الألف“ ہے جیسا کہ ملتقی الابحریں ”نصف العین“ تھا اور بعض کتب میں لفظ ”شیء“ مذکور ہے:

”ولو أوصی لأجنبی ولوارثه بشیء ولا وارث له غیره، ثم مات، فیکون له: أي للأجنبی نصف الوصیۃ، وبطل وصیۃ الوارث. وإن کان وارث غیره، فإن أجاز، لا یبطل أيضاً، اھ.“

”(قولہ: نصف الوصیۃ، الخ)“. لأنه أوصی بما یملک وبما لا یملک، فصح فی الأولى، وبطل فی الثانی، بخلاف ما إذا أوصی لحنی ومیت؛ لأن المیت لیس بأهل للوصیۃ، فلا یصح مزاحماً، فیکون الكل للحنی والوارث من أهلها، ولهذا یصح بإجازة الوصیۃ، فافترقا، اھ“. فتح المعین:

۳/۵۷۳ (۲)۔ والبسط فی تکملة بحر الرائق: ۸/۴۸۲ (۳)۔

یہاں ”نصف الوصیۃ“ کا مصداق ”نصف الشیء“ یا ”الموصی بہ“ ہے پس عبارت ہدایہ میں ”نصف الوصیۃ“ کی تعین ”الثلث“ اور پھر اس پر قیاس کر کے وارثین کی صورت میں ”ثلث الثلث“ کی تفریع صحیح نہیں (ثلث الثلث کا مصداق تین قرار دینا بھی سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ جب بارہ کو ایک ثلث مانا ہے تو اس کا ثلث ۴/ ہوتا ہے، تین نہیں ہوتا) مبسوط (۴)۔

(۱) (درر الحکام شرح غرر الأحکام، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث، ص: ۴۳۷، میر محمد کتب خانہ کراچی)

(۲) (فتح المعین: ۳/۵۳۷، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بثلث المال، سعید)

(۳) ”وإن أوصی لأحدهما بجميع ماله وللآخر بثلث ماله ولم تجز الورثة، فثلثه بينهما نصفان، وهذا عند أبی حنیفة رحمه الله تعالى. قال رحمه الله: ولا یضرب الموصی له بأكثر من الثلث وله أن الموصی له یضرب بما یتحققه وهو لا یتحقق ما وراء الثلاث إلا بإجازة الورثة، ولم توجأ.“ (البحر الرائق: ۹/۲۲۴، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بثلث المال رشیدیہ)

(۴) ”ولو ترک خمسة بنین وأوصی لأحدهم بکمال الثلث مع نفسه وأوصی لأجنبی بثلث مابقی من الثلث، فإن الأجنبی يأخذ سبع جميع المال؛ لأنه لا مزاحمة للوصیۃ للوارث مع الوصیۃ للأجنبی، فیاخذ الأجنبی کمال حقه كأنه لم یوص لأحد غیره، وثلث مابقی من الثلث، وهو ثلث الثلث إذا لم یکن =

فتاویٰ عالمگیری (۱)، قاضی خان وغیرہ (۲) کتب فقہ میں بھی جزئیہ مسئلہ کی نظیریں موجود ہیں۔

”سئل فی امرأة أوصت لولديها: زيد و هند، وإخوتها الثلاثة بجميع ما تملكه، ثم ماتت عن ولديها المذكورين وخلفت تركة ولم يجيز أوصيتها لهم هل تنفذ الوصية للإخوة من الثلث؟“

الجواب: نعم! ولو أوصى لوارثه ولأجنبي، صحت في حصة الأجنبي، وتتوقف في حصة الوارث على إجازة الورثة، فإن أجازوا، جاز، وإن لم يجيزوا، بطل. ولا تعتبر إجازتهم في حياة الموصى حتى كان لهم الرجوع بعد ذلك. خانيه، من فصل من تجوز الوصية ومن لا تجوز، اه. تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۳۱۵ (۳)۔

دیکھئے اس صورت میں دو وارث ہیں جن کو اجنبی کے ساتھ وصیت میں شریک کیا ہے اور کل مال کی وصیت کی ہے تو یہاں تنفیذ وصیت سے مانع دو چیزیں ہیں: موصی بہ یعنی کل مال، اور موصیٰ لہ یعنی اجنبی کے ساتھ وارث کی شرکت۔ تو یہاں دونوں چیزوں کی رعایت کی گئی ہے، موصیٰ لہ کی رعایت سے وارث کے حق میں

= هناك وصية أخرى“، (المبسوط للسرخسي، كتاب العين والدين، باب الوصية بأكثر من الثلث، الخ: ۱۵/۱۰، ۱۱، حبيبيه كوئٹہ)

(۱) ”ولو أوصى لوارثه ولأجنبي، صح في حصة الأجنبي، ويتوقف في حصة الوارث على إجازة الورثة، إن أجازوا، جاز، وإن لم يجيزوا بطل.“ (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيدية)

(۲) ”ولو أوصى لوارثه ولأجنبي، صح في حصة الأجنبي، ويتوقف في حصة الوارث على إجازة الورثة، إن أجازوا، جاز، وإن لم يجيزوا بطل. ولا تعتبر إجازتهم في حياة الموصى حتى كان لهم الرجوع بعد ذلك.“ (فتاوى قاضی خان علی هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲۹۶، فصل فيمن تجوز وصيته وفيمن لا يجوز، كتاب الوصايا، رشيدية)

(۳) (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۳۱۵، كتاب الوصايا، مطلب: أوصى لوارثه ولأجنبي في حصة الأجنبي، مكتبه ميمنيه مصر)

بلا اجازت نافذ نہیں کی گئی، موصی بہ کی رعایت سے صرف ایک ثلث میں نافذ کی گئی ہے جو کہ مقصود بالسوال ہے اور اسی کو ”حصۃ الاُجنبی“ جواب میں کہا گیا ہے۔

اسی طرح صورت مسئلہ میں ایک ثلث سوتیلی دادی کو ملے گا جو کہ اجنبی ہے، اور اس کے ساتھ دو وارث وصیت میں شریک ہیں ان کے حق میں بغیر اجازت و رثاء وصیت نافذ نہیں ہوگی، بلکہ ”حصۃ الوارث“ دو ثلث حسب میراث تقسیم ہوگا، جس کی تفصیل اوپر مذکور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/شوال/۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۵/شوال/۶۹ھ۔

وارث کے حق میں وصیت

سوال [۹۷۰۹]: زید کا انتقال ہوا، اس نے کافی جائیداد منقولہ وغیرہ منقولہ چھوڑی اور وارثان حقیقی میں ایک بھائی، ایک اہلیہ، چار بہنیں چھوڑی ہیں۔

بیوی اور بھائی نے بیماری کے زمانے میں زید پر دباؤ ڈالا کہ ہمارے نام وصیت نامہ لکھ دو، زید نے مجبور ہو کر اپنے بھتیجے کے نام وصیت نامہ لکھ دیا اور اہلیہ کے نام بھی۔ اس وصیت نامہ پر بھتیجے، اہلیہ اور ایک بہن کے دستخط ہیں۔ اگر وصیت نامہ کو صحیح مان لیا جائے تو بھائی اس وصیت شدہ جائیداد کے علاوہ مزید حصہ لینے کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی شرعی وارث ہے، اس کے حق میں وصیت معتبر نہیں جب تک دیگر ورثاء اجازت نہ دیدیں (۱)۔

(۱) ”حدثنا هشام بن عمار، ثنا اسمعيل بن عياش، ثنا شرحبيل بن مسلم الخولاني: سمعت أبا أمامة الباهلي رضي الله تعالى عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: ”إن الله أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث“۔ (سنن ابن ماجه، ص: ۱۹۵، كتاب الوصايا، باب: لا وصية لوارث، قديمی)

”عن عطاء عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

”لا تجوز وصية لوارث إلا أن تشاء الورثة“۔ (نصب الراية للزيلعي: ۴/۴۰۴، كتاب الوصايا، رقم =

بھیجے کے حق میں جو وصیت کی ہے، اگر وہ جبراً کرائی گئی ہے تو وہ بھی معتبر نہیں (۱)، اگر رضا مندی سے وصیت کی، پھر بعد میں یہ کہہ دیا کہ بھائی یہ تمہارا حق وراثت ہے، خواہ تم اس کو اپنے لئے رکھو خواہ اپنے لڑکے کو دیدو، تمہارا حق پھر نہیں ہے، تو گویا عوض میراث قرار دیکر وصیت کی ہے، یہ بھی شرعی اعتبار سے لغو اور بیکار ہے۔ ابھی بھائی میراث کا مستحق ہی نہیں ہوا تو پھر اس کے عوض کا کیا محل ہے (۲)۔ نیز اس اعتبار سے گویا کہ بھائی کے حق میں

= (الحديث: ۸۰۷۰)، مكتبة مؤسسة الريان بيروت لبنان)

”ولا لوارثه وقاتله مباشرة إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلاة والسلام: ”لا وصية لوارث إلا أن يُعجزها الورثة..... اه“ وهم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير ومجنون“. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۲۵۵، ۶۵۶، كتاب الوصايا، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۲، كتاب الوصايا، رشيدية)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيدية)

(و كذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۲، كتاب الوصايا، رشيدية)

(۱) کسی سے اس کا مال جبراً و قہراً لینا جائز نہیں:

”عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه“. (مشکوٰۃ المصابيح: ۱/۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمی)

(و كذا في شرح معاني الآثار للإمام الطحاوي رحمه الله تعالى، كتاب الكراهية، باب الرجل يمر بالحائط أله أن يأكل منه أم لا؟: ۲/۳۷۵، سعيد)

”ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، ولو أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده“. (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في القواعد الفقهية، مكتبه حنفية كوئٹہ)

(۲) اس لئے کہ میراث تو مرنے کے بعد جاری ہوتی ہے، نہ کہ زندگی میں:

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: ”(قوله: وهل الإرث الحي من الحي أم من الميت): أي قبيل الموت في آخر جزء من أجزاء حياته، والأول قول زفر ومشايخ العراق، والثاني المعتمد، والثاني قول صاحبين“. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۷۵۸، كتاب الفرائض، سعيد)

وصیت کی ہے جو کہ شرعی وارث ہے، لہذا معتبر نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۵ھ۔

وارث کے حق میں وصیت

سوال [۹۷۱۰]: سید عبدالاحد صاحب مرحوم نے اپنی وفات سے قبل جائیداد وغیرہ کے متعلق وصیت کی، ان کی وصیت استفتاء کے ساتھ ملحق کر دی گئی ہے، ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمائیں کہ آیا اس وصیت کا نفاذ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ہو سکتا ہے تو کس طرح پر؟ مدلل ارشاد فرمائیں۔
۲..... متوفی کے جملہ ورثاء کی فہرست بھی اسی کے ساتھ ملحق ہے۔ جائیداد کی تقسیم کس طرح ہوگی اور کن لوگوں کو حصہ مل سکتا ہے؟

المستفتی: محمد مرتضیٰ عفی عنہ، ۲۸/جمادی الاولیٰ/۶۶ھ۔

= (و کذا فی البحر الرائق: ۳۶۴/۹، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۴۹۴/۴، کتاب الفرائض، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۱) ”حدثنا هشام بن عمار، ثنا اسمعيل بن عياش، ثنا شرحبيل بن مسلم الخولاني: سمعت أبا أمامة الباهلي رضي الله تعالى عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: ”إن الله أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث“۔ (سنن ابن ماجه، ص: ۱۹۵، کتاب الوصايا، باب: لا وصية لوارث، قديمی)

”عن عطاء عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ”لا تجوز وصية لوارث إلا أن تشاء الورثة“۔ (نصب الراية للزيلعي: ۴۰۴/۴، کتاب الوصايا، رقم الحديث: ۸۰۷۰)، مکتبہ مؤسسة الريان بیروت لبنان)

”ولا لوارثه وقاتله مباشرة إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلاة والسلام: ”لا وصية لوارث إلا أن يُجيزها الورثة..... اه“ وہم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير ومجنون“۔ (الدر المختار مع ردالمحتار: ۶/۶۵۵، ۶۵۶، کتاب الوصايا، سعيد)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲۱۲/۹، کتاب الوصايا، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۹۰/۶، کتاب الوصايا، الباب الأول، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲۱۲/۹، کتاب الوصايا، رشیدیہ)

سید عبدالاحد مرحوم ولد سید ہدایت حسین مرحوم، ساکن مجھوا میر نے اپنی تاریخ انتقال سے تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل مندرجہ ذیل وصیت زبانی مجھ سے اور اسحاق سلمہ سے روبرو دیگر وارثان و اقرباء کے کی تھی، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- ”نور دیدہ زہرہ بی بی دختر متوفی کی ولیہ زمانہ نابالغیت میں اس کی ماں ہاجرہ بی بی بیوہ متوفی رہیں گی۔

۲- بذریعہ وصیت زبانی حسب ذیل جائیداد، حسب ذیل وارثان کی تنہا ملکیت ہوگی، ہاجرہ بیوہ متوفی۔
جملہ زمینداری کا ایک ٹکٹ (علاوہ حصہ شرعی) بقیہ وارثان و حقداران۔

۱: جملہ حصہ اندر باغیچہ قلمی واقع مجھوا میر،

۲: جملہ حصہ اندر باغیچہ واقع مجھوا شاہی۔

۳: جملہ حصہ مکان موجودہ مع اگواڑہ و پچھواڑہ (۱)۔

۴: جملہ سامان منقولہ اندر مکان علاوہ سامان مندرجہ۔

(ب) زہرہ بی بی دختر متوفی (علاوہ حق شرعی جائیداد کے) سنگاردان ۱/ عدد (۲) پتیلا کلاں ایک عدد، لگن کلاں ایک عدد (۳)، سینی ایک عدد (۴)، دیگی خور دو عدد، اگالدان دو عدد (۵)، فرش بدری ایک عدد (۶)، گلاس بدری ایک عدد (۷)، طشتری تانبہ ۳/ عدد (۸)، کشتی چینی ایک عدد (۹)، قاب چینی

(۱) ”اگواڑا: مکان کا سامنے والا حصہ، پچھواڑے کی ضد۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۱، فیروز سنز لاہور)

”پچھواڑا: عقب خانہ، گھر کی پشت، مکان کی پیٹھ۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”سنگاردان: سنگار کی چیزیں رکھنے کا صندوق یا پٹاری۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۱۴، فیروز سنز لاہور)

(۳) ”لگن: طشت، طاس، پرات، ٹب، شمعدان، اگردان۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۶۱، فیروز سنز لاہور)

(۴) ”سینی: دھات کا بنا ہوا خوان یا کشتی۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۳۰، فیروز سنز لاہور)

(۵) ”اگالدان: پیک دان، تھوکنے کا برتن۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۵۹، فیروز سنز لاہور)

(۶) ”فرش بدری: فرش پچھونا، بستر بچھانے کی چیز، بوریا، غالیچہ۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۲۸، فیروز سنز لاہور)

بدری: چھوٹی تھیلی: (فیروز اللغات، ص: ۱۸۸، فیروز سنز لاہور)

(۷) ”گلاس بدری: گلاس، پانی پینے کا برتن، ساغر، شیشہ۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۰۴، فیروز سنز لاہور) =

ایک عدد (۱)، روپیہ اندر سیونگ پاس بک ۶۷/ روپے (۲) ملکیت زہرہ بی بی۔

۳۔ کھیت نمبر: ۵۹۸ دوازی، ۸ بھڑا ٹھ بسوہ (۳) علاوہ بقیہ جائیداد غیر منقول حسب قانون شرع محمدی جملہ حقداران کو ملے گی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن کے حق میں وصیت کی ہے وہ شرعی وارث ہیں، وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی: ”لا وصیۃ لوارث“۔ الحدیث (۴)، لیکن اگر دیگر ورثاء بالغ ہوں اور وہ اس وصیت کی اجازت رضامندی سے دیں تو ان کی مرضی کے موافق نافذ ہو سکتی ہے (۵)۔

= (۸) ”طشتری: رکابی، چھوٹی تھالی، پرچ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۷۸، فیروز سنز لاہور)

(۹) ”کشتی چینی: کشتی، ناؤ، بیڑی، سفینہ، ڈونگا، ایک قسم کی پیالی“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۱۳، فیروز سنز، لاہور)

(۱) ”قاب چینی: بڑی رکابی، تھال“۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۴۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”سیونگ پاس بک: عوام کی بچت کارروپیہا متاثر رکھنے والا ادارہ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۳۰، فیروز سنز لاہور)

”پاس بک، Pass Book، بنک کی کتاب“۔ (The English to English Dictionary,)

Page: 636, Feroz Sons Lahore)

(۳) ”بسوا: ایک بیگھے کا بیسواں حصہ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۴، فیروز سنز لاہور)

(۴) ”حدثنا هشام بن عمار، ثنا إسماعیل بن عیاش، ثنا شرحبیل بن مسلم الحولانی: سمعت أبا أمامة الباهلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول فی خطبته عام حجة الوداع: ”إن الله أعطی کل ذی حق حقه، فلا وصیۃ لوارث“۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۹۵/۲، کتاب الوصایا، باب: لا وصیۃ لوارث، قدیمی)

(و جامع الترمذی، أبواب الوصایا، باب الوصیۃ لوارث: ۳۲/۲، سعید)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی الوصیۃ للوارث: ۴۰/۲، إمدادیہ ملتان)

(۵) ”ولا لوارثه..... إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلاة والسلام: ”لا وصیۃ لوارث إلا أن یجیزها

الورثة وهم كبار عقلاء“۔ فلم تجز إجازة صغیر“۔ (الدر المختار: ۶۵۶/۲، کتاب الوصایا، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲۱۲/۹، کتاب الوصایا، رشیدیہ) =

مسئلہ ۸

زوجہ	دختر	حقیقی بہن	سوتیلی ماں	سوتیلی بہن	خالہ	چچا زاد بھائی	چچا زاد بہن
۱	۲	۳					
							محروم

بعد تجہیز و تکفین و ادائے قرض (مہر وغیرہ) (۱) سید عبد الاحد صاحب کا کل ترکہ آٹھ سہام قرار دے کر حسب نقشہ بالا ورثاء پر تقسیم ہوگا، یعنی ایک سہم زوجہ کو ملے گا (۲) چار دختر کو ملیں گے (۳)، تین حقیقی بہن کو (۴)۔

= (و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۹۰/۶، کتاب الوصایا، الباب الأول، رشیدیہ)

(۱) ”تتعلق بترکۃ المیت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تُقضى ديونہ من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصایاہ من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يُقسم الباقي بين ورثته“۔ (السراجی فی المیراث، ص: ۳۰۲، سعید)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۷۵۹/۶، ۷۶۱، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفيما يتعلق بالترکۃ: ۴۴۷/۶، رشیدیہ)

(۲) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ، فَلَهُنَ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۳) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

”وأما النساء فالأولى البنت، ولها النصف إذا انفردت، وللبنتين فصاعداً الثلثان“۔ (الفتاویٰ

العالمگیریہ: ۴۴۸/۶، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی السراجی، ص: ۷، سعید)

(۴) حقیقی بہنیں چونکہ میت کی بنت کی وجہ سے عصبہ ہو گئیں، اور عصبہ ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد باقی ماندہ تمام ترکہ کا مستحق ہوتا ہے:

”وأما للأخوات لأب وأم، فأحوال خمس ولهن الباقي مع البنات أو بنات الابن، لقوله

عليه السلام: ”اجعلوا الأخوات مع البنات عصبۃ“۔ (السراجی، ص: ۱۰، سعید) =

باقی سوتیلی ماں، سوتیلی بہن (۱)، خالہ (۲)، چچا زاد بھائی، بہن سب محروم رہیں گے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/رجب/۶۶ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

بھانجے، بھتیجے، پھوپھی، قربانی اور ایصالِ ثواب کے لئے وصیت کرنا

سوال [۹۷۱۱]: مسماۃ زینب کا انتقال ہوا جس کے ورثاء دو بھائی اور ایک بہن موجود ہیں ترکہ ۱۴۹ روپیہ ہیں نیز وصیت کی کہ ۴/ بھانجے کو دینا اور ۲۵/ بھتیجے کو دینا ۲۰/ قربانی وغیرہ میں خرچ کرنا جس کا

= (و کذا فی شرح معانی الآثار، کتاب الفرائض، باب الرجل یموت ویترک بنتاً وأختاً وعصبۃ سواھا: ۴۶۷/۲، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۴۴۸/۶، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۱) واضح ہو کہ سوتیلی ماں اور سوتیلی بہن اس لئے محروم ہیں کہ وراثت کے اسبابِ ثلاثہ میں سے کوئی سبب پایا نہیں جاتا:
”و یتحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۴۴۷/۶، کتاب الفرائض، الباب الأول، رشیدیہ)

(و کذا فی الدرالمختار: ۷۶۲/۶، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) خالہ ذوی الارحام میں سے ہے اور ذوی الفروض وعصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام کو حصہ نہیں ملے گا:

”وإنما يرث ذوو الأرحام إذا لم يكن أحد من أصحاب الفرائض ممن يرد عليه ولم يكن عصبه“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۴۵۹/۶، کتاب الفرائض، الباب العاشر فی ذوی الأرحام، رشیدیہ)
(و کذا فی الدرالمختار: ۷۹۱/۶، کتاب الفرائض، باب توريث ذوی الأرحام، سعید)

(۳) چچا زاد بھائی، بہن اس لئے محروم ہیں کہ ان کا درجہ بعد میں ہیں اور عصبہ میں یہ قانون ہے کہ قریب کے ہوتے ہوئے بعید کو حصہ نہیں ملے گا:

”الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة“۔ (السراجی، ص: ۱۳، سعید)

”و یقدم الأقرب فالأقرب منهم“۔ (الدرالمختار: ۷۷۴/۶، کتاب الفرائض، فصل فی

العصبات، سعید)

ثواب مجھ کو پہونچا دینا، ایک جوڑا اور بتیس سیر گیہوں پھوپھی کو دینا۔ تو یہ وصیت اور ترکہ کس طرح پر تقسیم کریں؟ فقط والسلام۔

سعید احمد کھیڑہ افغانوی، ۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دو بھائی اور ایک بہن بالغ ہیں اور اس وصیت کی اجازت دیتے ہیں تو حسب وصیت مسماة زینب ۷۲/ کو مصارف مذکورہ پر صرف کر دیا جائے (۱)، آگے کچھ بچا ہی نہیں جو ورثاء پر تقسیم کیا جائے اور مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئے۔

اگر اس وصیت کی اجازت نہیں دیتے تو اس میں سے ایک ثلث کو یعنی ۲۱/ پیسہ سے ۱/ پیسہ مصارف مذکورہ بیان کردہ وصیت کے موافق صرف کر دیا جائے (۲) اور بقیہ دو ثلث یعنی ۴۲/ پیسہ اور ۱/ پیسہ کا دو تہائی کو پانچ سہام بنا کر ایک بہن کو اور دو سہام دونوں بھائیوں کو تقسیم کر دیا جائے (۳) اور تجہیز و تکفین اور دین کی

(۱) ”ولا تجوز بما زاد علی الثلث إلا أن یجیزہ الورثة بعد موتہ وہم کبار“۔ (الفتاویٰ العالمکیریہ:

۶/ ۹۰، کتاب الوصایا، الباب الأول، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/ ۲۱۲، کتاب الوصایا، رشیدیہ)

(و کذا الدر المختار: ۶/ ۶۵۶، کتاب الوصایا، سعید)

(۲) ”ولا تصح بما زاد علی الثلث ولا لقاتلہ ووارثہ إن لم تجز الورثة وفیہ: ویشرط أن یکون

المجیز من أهل التبرع بأن یکون بالغاً عاقلاً“۔ (تبیین الحقائق: ۷/ ۳۷۶، ۳۷۷، کتاب الوصایا،

دارالکتب العلمیہ بیروت)

”ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما بقى بعد الدین، ثم یقسم الباقی بین ورثتہ“۔ (السراجی،

ص: ۳، سعید)

(۳) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿یوصیکم اللہ فی أولادکم للذكر مثل حظ الأنثیین﴾ (سورة النساء: ۱۱)

”إذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون والبنات، فیکون للابن مثل حظ الأنثیین“۔ (تبیین

الحقائق: ۷/ ۴۸۰، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیہ بیروت)

ادائیگی تنفیذ وصیت اور تقسیم ترکہ پر مقدم ہے (۱)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۵/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ صحیح: عبداللطیف، ۱۹/جمادی الاولیٰ/۵۶ھ۔

بیٹی کے حق میں وصیت اور بیٹی اور مرحوم کے بھائی کے درمیان تقسیم ترکہ

سوال [۹۷۱۲]: واقعات اس طرح ہیں کہ قاضی فضل الرحمن صاحب کے دو لڑکے ہیں: قاضی تجل حسین، قاضی خلیل الرحمن۔ قاضی تجل حسین کی اولاد میں ایک لڑکی مسماۃ بدر النساء ہے، اور خلیل الرحمن کے لڑکے اور لڑکیاں ہیں، قاضی تجل کی لڑکی مسماۃ بدر النساء کا عقد قاضی خلیل الرحمن (یعنی چھوٹے بھائی) کے لڑکے جمیل احمد سے ہوا تھا، لیکن آپس کے اختلافات کی بناء پر جمیل احمد نے بدر النساء کو طلاق دیدی، اپنی اولاد کو بھی ساتھ لے گیا، اور جمیل احمد نے دوسری جگہ عقد کر لیا۔

قاضی فضل الرحمن کی چھوڑی ہوئی جائیداد میں دونوں بھائی: تجل حسین و خلیل الرحمن ۱/۲، برابر کے حصہ دار ہیں جس کا ذکر سرکاری کارڈ میں بھی ہے۔ قاضی فضل الرحمن صاحب مرحوم کی چھوڑی ہوئی جائیداد کے علاوہ سرکاری کارڈ میں قاضی تجل حسین کی نجی جائیداد اور بھی ہے۔

قاضی تجل حسین فوت ہو گئے اور فوت ہونے کے بعد میں ان کی بیٹی بدر النساء کو طلاق دیدی گئی۔ قاضی خلیل الرحمن حیات ہیں، اور قاضی تجل حسین نے اپنے مرنے سے قبل حیات میں ایک وصیت نامہ بھی تحریر کیا کہ میرے مرنے کے بعد میری لڑکی مسماۃ بدر النساء کو میری مشترکہ جائیداد، غیر مشترکہ جائیداد کی وارث ہوگی۔ مسماۃ بدر النساء کے گذر اوقات کا ذریعہ اس کے والد مرحوم قاضی تجل حسین کی مشترکہ وغیرہ مشترکہ جائیداد بھی ہے۔

۱..... تحریر فرمائیں کہ مسماۃ بدر النساء کا اس مشترکہ جائیداد میں کتنا حق اور حصہ ہے جو کہ دونوں بھائی تجل حسین مرحوم و خلیل الرحمن حیات کا برابر حصہ ہے۔

۲..... مسماۃ بدر النساء کا اس جائیداد میں کتنا حق پہونچتا ہے جو کہ اس کے والد مرحوم قاضی تجل حسین کی

(۱) ”یبدأ من ترکۃ المیت بتجهیزه، یعم التكفین..... ثم تقدم دیونہ التي لها مطالب من جهة العباد

..... ثم تقدم وصيته من ثلث ما بقى..... ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته“۔ (الدر المختار:

نجی یعنی بھائی سے علیحدہ اور جائیداد ہے، جس کا سرکاری کارڈ میں وجود ہے، اور کیا اس نجی جائیداد میں خلیل الرحمن کا بھی کوئی حق پہنچتا ہے یا نہیں؟

۳..... مسماۃ بدر النساء نے ابھی عقد نہیں کیا ہے، اور اگر عقد کر لے تو کیا وہ مشترکہ جائیداد اور غیر مشترکہ جائیداد میں اس کا حق رہے گا یا نہیں؟

۴..... مسماۃ بدر النساء کے گزراوقات کی ذمہ داری خلیل الرحمن پر عائد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲۱..... قاضی تجل حسین نے اپنے انتقال پر اگر صرف یہی دو وارث چھوڑے: ایک لڑکی مسماۃ بدر النساء اور ایک بھائی قاضی خلیل الرحمن، تو قاضی تجل حسین مرحوم کا ترکہ - بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث: دین وغیرہ (۱) - دو حصہ بنا کر نصف ان کی لڑکی مسماۃ بدر النساء کو ملے گا (۲) اور نصف ان کے بھائی قاضی خلیل الرحمن کو ملے گا (۳)۔

(۱) ”تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تُقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يُقسم الباقي بين ورثته.“ (السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳، سعید)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۵۹، ۷۶۱، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشیدیہ)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿وإن كانت واحدة فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

”وأما لبنات الصلب فأحوال ثلث: النصف للواحدة والثلاثان للثنتين فصاعداً.“ (السراجی فی

المیراث، فصل فی النساء، ص: ۷، سعید)

”وأما النساء فالأولى البنت، ولها النصف إذا انفردت، وللبنتين فصاعداً الثلثان.“ (الفتاویٰ

العالمگیریہ: ۶/۴۴۸، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۵، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۳) بھائی چونکہ عصبہ ہے، ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد باقی ماندہ تمام جائیداد عصبہ کو ملے گی:

=

قاضی تجل حسین کو جو کچھ اپنے والد کے ترکہ سے ملا ہے، اس کی تقسیم بھی اسی طرح ہوگی۔ جو کچھ ان کی ذاتی پیدا کردہ جائیداد وغیرہ ہو، اس کی تقسیم بھی اسی طرح ہوگی (۱) یعنی مشترکہ جائیداد کے ۱/۲، میں آدھا بدر النساء کا ہے اور آدھا قاضی خلیل الرحمن کا اور نجی میں بھی ان دونوں کا آدھا آدھا ہے۔

۳..... عقد کر لینے سے بھی وہ محروم نہیں ہوگی، بلکہ حسب تحریر بالا والد کی کل مملوکہ متروکہ سے نصف کی حقدار رہے گی (۲)۔

۴..... جب مسماۃ بدر النساء کے والد کا چھوڑا ہوا ترکہ (مشترکہ اور نجی) اتنا ہے کہ اس میں سے وہ نصف کی حقدار ہے اور وہ اس کے گذر اوقات کے لئے کافی ہے تو اس کی ذمہ داری (نان و نفقہ) قاضی خلیل الرحمن کے ذمہ نہیں ہے اور وہ اپنا حصہ وصول کر کے اپنے مصارف کا انتظام کرے (۳)۔

= وأما العصية بنفسه فكل ذكر لا تدخل في نسبته إلى الميت أنثى، وهم أربعة أصناف ثم جزء أبيه: أي الإخوة، ثم بنوهم وإن سفلوا“۔ (السراجی فی المیراث، باب العصبات، ص: ۱۳، سعید)

”العصبة من يأخذ جميع المال عند انفراده وما أبقته الفرائض عند وجود من له الفرض المقدر“۔ (تبیین الحقائق: ۴/۸۵، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۶/۴۵۱، کتاب الفرائض، باب العصبات، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۴/۵۰۳، کتاب الفرائض، غفاریہ کوئٹہ)

(۱) ترکہ سے ملا ہوا خود کمایا ہو، سب چونکہ میت کی ملکیت شمار ہوگی لہذا تمام اشیاء میں میراث جاری ہوگی:

”لأن التركة في الاصطلاح: ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال“۔ (الدر المختار: ۶/۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿وإن كانت واحدة فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

”ثم شرع في الحجب فقال: لا يحرم ستة من الورثة بحال ألبته: الأب والأم والابن والبنت، أي الأبوان والوالدان والزوجان“۔ (المرام المختار، کتاب الفرائض، فصل فی العصبات: ۶/۷۷۹، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الرابع فی الحجب: ۶/۴۵۲، رشیدیہ)

(۳) تندرست و توانا اور غیر عاجز، بالغ شخص کا نفقہ اپنے ذمہ ہے، چاہے مرد ہو یا عورت:

”وتجب (أي النفقة) أيضاً لكل ذی رحم محرم صغیر أو أنثی مطلقاً ولو كانت الأنثی بالغه“ =

اگر وہ ترکہ قاضی خلیل الرحمن کے قبضہ میں ہے تو ان کے ذمہ لازم ہے کہ نصف خود رکھ کر نصف بدر النساء کے حوالہ کر دیں اور ادائے حق کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں (۱)۔ بھتیجی اور مرحوم بھائی کی نشانی ہونے کی حیثیت سے وہ بہر صورت احسان و مروت کی مستحق ہے۔ لڑکے نے اگرچہ طلاق ویدی ہے اور وہ بہو نہیں رہی، لیکن بھتیجی تو اب بھی ہے، اس سے غافل نہ ہوں بلکہ ہمیشہ اس کے ساتھ شفقت کا معاملہ کریں (۲) اور اس کی اولاد کو اس سے کلیۃً جدا رکھ کر اس کے دل کو نہ تڑپائیں (۳)۔

= صحیحۃً أو كان ذكراً بالغاً لكن عاجزاً عن الكسب“۔ (الدر المختار)۔ وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ”(قوله: مطلقاً) سواء كانت بالغة أو صغيرة، صحیحۃً أو زمنۃً..... والمراد بالصحيحۃ القادرة على الكسب، لكن لو كانت مكتسبةً بالفعل كالقابلة والمغسلة، لانفقة لها“۔ (رد المختار: ۶۲۷/۳، کتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب فی نفقة قرابة غير الأولاد من الرحم المحرم، سعید) (و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۵۶۶/۱، کتاب الطلاق، باب النفقات، فصل فی نفقة ذوی الأرحام، رشیدیہ)

(و کذا فی الہدایۃ: ۴۴۶/۲، کتاب الطلاق، باب النفقة، مکتبہ شریکۃ علمیہ ملتان)

(۱) ”أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”مطل الغني“: أي تأخيرہ أداء الدين من وقت إلى وقت ”ظلم“ فإن المطل منع أداء ما استحق أداءه وهو حرام من التمكن ولو كان غنياً، ولكنه ليس متمكناً، جاز له التأخير إلى الإمكان“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب البیوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول: ۱۱۹/۶، رشیدیہ)

(۲) ”عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”الرحم معلقة بالعرش تقول: من وصلني وصله الله، ومن قطعني قطعه الله“۔ (مشکوۃ المصابیح، ص: ۴۱۹، کتاب الأدب، باب البر والصلة، الفصل الأول، قدیمی)

”وعن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”الراحمون يرحمهم الرحمن، ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء“۔ (مشکوۃ المصابیح، ص: ۴۲۳، کتاب الأدب، باب الشفقة والرحمة، قدیمی)

(۳) ”عن أبي أيوب رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من فرق بين والدته وولدها، فرق الله بينه وبين أحبته يوم القيامة“۔ رواه الترمذی“۔ =

تنبیہ: قاضی تجل حسین نے اپنی لڑکی کے حق میں مشترکہ، غیر مشترکہ جائیداد کی جو وصیت کی وہ شرعاً معتبر اور لازم نہیں ہے، ہاں! اگر قاضی خلیل الرحمن صاحب رضامندی سے اس کی اجازت دیں تو مسماۃ بدر النساء کل کی حقدار اور مالک ہو جاوے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۹۰ھ۔

وصیت ایک تہائی ترکہ سے نافذ ہوتی ہے

سوال [۹۷۱۳]: ایک بوڑھیا عورت ہے اس کی تین لڑکیاں ہیں، سب سے بڑی لڑکی کے ایک فرزند اور ایک لڑکی ہے۔ بوڑھیا اپنی نانی کے یہاں بود و باش کر رہی ہے۔ بوڑھیا مرتے وقت سولہ روپے چھوڑ گئی

= ”و عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: وھب لی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غلامین أخوین فبعث أحدهما، فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”یا علی! ما فعل غلامک؟“ فأخبرته، فقال: ”رُدَّه رُدَّه“..... ”وعنه: أنه فرق بین جارية وولدها، فنہاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك، فرد البیع“۔ (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۹۱، کتاب النکاح، باب النفقات وحق المملوک، الفصل الثانی، قدیمی)

(۱) ”عن یونس بن راشد، عن عطاء، عن عکرمۃ، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”لا تجوز وصیۃ لوارث إلا أن تشاء الورثۃ“۔ قال ابن قطان فی کتابہ: ویونس بن راشد قاضی حران، قال أبو زرعة: لا بأس به۔ وقال البخاری: کان مرجئاً، وکان الحدیث عنده حسن“۔ (نصب الرایۃ للزیلعی: ۴/۴۰۴، کتاب الوصایا، (رقم الحدیث: ۸۰۷۰)، مؤسسة الریان بیروت لبنان)

”عن أبی أمامۃ الباہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول فی خطبۃ عام حجة الوداع: ”إن اللہ تبارک وتعالیٰ قد أعطی کل ذی حق حقہ، فلا وصیۃ للوارث“۔ (جامع الترمذی، أبواب الوصایا، باب: لا وصیۃ للوارث: ۳۲/۲، سعید)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی الوصیۃ للوارث: ۴/۴۰، إمدادیہ ملتان)

(وکذا فی الدر المختار: ۶/۶۵۶، کتاب الوصایا، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۹/۲۱۲، کتاب الوصایا، رشیدیہ)

ہے اور یہ وصیت کر گئی ہے کہ یہ روپیہ تم کو نہیں دیتی ہوں اور نہ جس کے گھر میں بلکہ یہ روپیہ کسی کام میں صرف کر دیا جائے یہ بوڑھیا کی وصیت ہے۔ اب اگر یہ روپیہ کسی مدرسہ کے کام میں صرف کر دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں، یا اس مدرسہ کے مدرس جو صاحب نصاب ہیں، ان کو تنخواہ میں دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ روپیہ اس بوڑھیا کے کل ترکہ کا ایک تہائی حصہ، یا اس سے کم ہے تب تو اس کی وصیت کے موافق مدرسہ میں خرچ کرنا درست ہے (۱)۔ اگر ایک تہائی سے زائد ہے تو اس زیادہ کو مدرسہ میں دینا ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے، اگر سب ورثاء بالغ ہوں اور اجازت دیں تب تو مدرسہ میں خرچ کرنا صحیح ہوگا۔ اگر اجازت نہ دیں یا وہ نابالغ ہوں تو درست نہیں (۲)۔ جب وہ روپیہ مدرسہ کے مہتمم کو مدرسہ کی ضرورت کے لئے دیا جائے تو اس کو تنخواہ میں صرف کرنا بھی صحیح ہے اگرچہ مدرس صاحب نصاب ہو (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غنی عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۶/۶۱ھ۔

(۱) ”عن عامر بن سعد، عن أبيه قال: مرض مرضاً أشفى فيه، فعاده رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: فقال: يا رسول الله! إن لي مالاً كثيراً وليس يرثني إلا ابنتي، أفأتصدق بالثلثين؟ قال: ”لا“، قال: فبالشطر قال: ”لا“، قال: فبالثلث؟ قال: ”الثلث، والثلث كثير“، إنك إن ترك ورثتك أغنياء خيرٌ من أن تدعهم عائلةً يتكففون الناس“، (سنن أبي داؤد: ۵/۲، ۳۹۵، كتاب الوصايا، باب ما جاء فيما لا يجوز للموصي في ماله، دار الحديث ملتان)

(۲) ”وتجوز بالثلث للأجنبي وإن لم يجز الوارث ذلك لا الزيادة عليه، إلا أن تجيز ورثته بعد موته وهم كبار“، (الدر المختار: ۶/۶۵۰، كتاب الوصايا، سعید)

(و كذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۳، كتاب الوصايا، رشیدیہ)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۷/۳۷۶، ۳۷۷، كتاب الوصايا، دار الكتب العلمية بیروت)

(۳) ”وأما صدقة التطوع، فيجوز صرفها إلى الغنى؛ لأنها تجرى مجرى الهبة“، (بدائع الصنائع:

۲/۴۷۶، كتاب الزكوة، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه، دار الكتب العلمية بیروت)

(و كذا في التاتارخانيه: ۲/۲۷۵، كتاب الزكوة، باب من توضع الزكوة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في المحيط البرهانی: ۲/۴۳۵، كتاب الزكوة، الفصل الثامن في من توضع الزكوة فيه، غفاريہ كوئٹہ)

وصیت ایک تہائی میں

سوال [۹۷۱ ۴]: صوفی عبدالعزیز پیار ہوئے، انھوں نے وصیت کی کہ عبداللہ! تم اس زمین کو بونا کھانا اور نصف آمدنی مسجد کو دینا اور نصف تم رکھنا۔ اب عبدالعزیز کا بھتیجا پاکستان سے آیا ہے اور اس زمین کا مطالبہ کرتا ہے، مگر عبداللہ کہتے ہیں کہ یہ زمین مسجد کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ وصیت وقف درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرض الموت میں جو ہبہ یا وقف کیا جائے وہ وصیت کے حکم میں ہوتا ہے (۱) اور ایک تہائی ترکہ میں معتبر مانا جاتا ہے، لہذا اگر عبدالعزیز نے مرض الموت میں وصیت کی ہے تو ایک تہائی میں سے نصف آمدنی مسجد کیلئے ہوگی اور نصف عبداللہ کے لئے (۲)۔ دو تہائی عبدالعزیز کے وارث کی ہوگی۔ اگر وارث صرف ایک بھتیجا ہے تو وہی مستحق ہوگا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۸۵ھ۔

(۱) ”عن عامر بن سعد عن أبيه رضى الله تعالى عنه قال: مرضت عام الفتح، حتى أشفيت على الموت، فعادني رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت: أي رسول الله! إن لي مالا كثيراً وليس يرثني إلا ابنة لي، أفأتصدق بثلثي مالي؟ قال: ”لا“ قلت: فالشطر؟ قال: ”لا“ قلت: فالثلث؟ قال: ”الثلث، والثلث كثير، أن تذر ورثتك أغنياء خيرٌ من أن تذرهم عالةً يتكفون الناس“۔ (سنن ابن ماجہ، أبواب الوصايا، باب: لا وصية لوارث: ۱۹۴/۲، قدیمی)

(۲) ”وأما لو وهب وسلم لغير الورثة، فإن خرج الموهوب من ثلث ماله، صحت الهبة“۔ (شرح المجلة: ۴۸۴/۱، کتاب الهبة، الفصل الثانی فی ہبۃ المریض، (رقم المادة: ۸۷۹)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

”وإن أوصی بجميع ماله ولاخر بثلث ماله ولم تجز الورثة، فثلثه بينهما نصفان“۔ (البحر الرائق: ۲۲۴/۹، کتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۲۶۷/۶، کتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۳۸۷/۷، کتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۳) واضح رہے کہ بھتیجا عصبہ ہے اور ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں عصبہ کو کل ترکہ ملے گا:

=

وصیت اور تقسیم ترکہ

سوال [۹۷۱۵]: ایک مرتبہ میری والدہ نے فرمایا کہ چاول خرید لو، شاید کہ نفع ہو۔ بہن نے کہا کہ رقم میری ہوگی منافع آپ کا، جس کو منظور کر لیا۔ خریداری ہوئی، مگر قیمت گر گئی، نقصان سے فروخت کر دیئے گئے۔ ماہ رمضان میں موسم برسات میں والدہ کا پیر پھسل گیا، کافی چوٹ آئی، تدبیر کی گئی مگر افاقہ نہیں ہوا، جب طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو والدہ سے کہا گیا کہ کچھ کہنا ہو تو کہو۔ تو انھوں نے کچھ رقم کے بارے میں وصیت کی کہ چاول کی رقم سے اتنا فلاں اور اتنا فلاں کو اور کچھ زیور اور نقد والدہ کے بھی تھے، کچھ رقم دارالعلوم دیوبند کے لئے بھی بتلائی جس کو دے چکا ہوں۔ تو اب میں اس وصیت پر کیسے عمل کروں جبکہ چاولوں میں خسارہ ہوا؟

والدہ مرحومہ کی ذاتی رقم ۱۹۵ روپے اور دو زیور اور مال موجود ہے، اور وصیت کی رقم کی کل میزان ۱۱۵ روپے ہوتے ہیں۔

۲..... جو زمین بٹائی پردی گئی ہو (۱) اس کی تقسیم ہر چیز میں ہوگی، یا صرف غلہ میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جبکہ چاول کی رقم آپ کی تھی اور والدہ کے لئے صرف نفع کا وعدہ تھا اور نفع نہیں ہوا، بلکہ خسارہ ہوا تو والدہ صاحبہ کی یہ وصیت شرعاً واجب العمل نہیں (۲)، آپ ان کو ثواب پہنچانے کے لئے جو کچھ بھی

= ”العصبة من يأخذ جميع المال عند انفرادہ، وما أبقتہ الفرائض عند وجود من له الفرض

المقدر“، (تبیین الحقائق: ۷/۲۸۵، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/۷۷۴، کتاب الفرائض، فصل فی العصبات، سعید)

(و کذا فی السراجی فی المیراث، ص: ۳، سعید)

”وأما العصبة بنفسه، فكل ذكر لا تدخل فی نسبته إلى الميت أنشی، وهم أربعة أصناف.....

ثم جزء أبيه: أي الإخوة، ثم بنوهم وإن سفلوا“، (السراجی فی المیراث، ص: ۱۳، سعید)

(۱) ”بٹائی: پیداوار کی وہ تقسیم جو اجارہ دار اور مالک زمین میں قرار پائے“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۸۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) اس لئے کہ یہ وصیت دوسرے کی ملک کی ہے اور دوسرے کی ملک میں وصیت باطل ہے:

= ”ومن أوصی بنصيب ابنه أو غيره من الورثة، فالوصیه باطله؛ لأنه وصیه بمال الغير“، (اللباب

دیں گے ان کو نفع ہوگا (۱)۔ جو کچھ ترکہ ان کا (زیور یا نقد وغیرہ) ہے، اس میں سب ورثاء کا حصہ ہے، ورثاء کی تفصیل معلوم ہونے پر سب کا حصہ لکھا جاسکتا ہے۔ ورثاء اگر سب بالغ ہوں اور اس بات پر رضامند ہوں کہ ان کے ترکہ سے وصیت پوری کی جائے تو اس کی بھی اجازت ہے (۲)، یہ بھی درحقیقت وصیت کی شرعی تنفیذ نہیں، بلکہ ایصالِ ثواب ہے۔

۲..... بہتر صورت یہ ہے کہ ہر چیز میں بٹائی کی جائے (۳)، پھر کوئی فریق اس میں سے کوئی چیز نہ لینا

= فی شرح الكتاب: ۲۲۶/۵، کتاب الوصایا، قدیمی

(و کذا فی الدر المختار: ۶/۲۶۹، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۹۹، کتاب الوصایا، رشیدیہ)

(۱) ”الأصل فی هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة، صلاة كان أو صوماً، أو حجاً، أو صدقة، أو قراءة قرآن، أو الأذکار إلى غیر ذلك من جمیع أنواع البر، ویصل ذلك إلى المیت وینفعه..... وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أنه سأل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: یا رسول اللہ! إنا نتصدق عن موتانا ونحج عنهم وندعوا لهم، فهل یصل ذلك إلیهم؟ قال: ”نعم..... اهـ“۔ (تبیین الحقائق: ۲/۴۱۹، ۴۲۰، کتاب الحج، باب الحج عن الغير، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی الدر المختار: ۲/۵۹۵، کتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب فی إهداء ثواب الأعمال للغير، سعید)

(۲) ”ولا تجوز بما زاد على الثلث إلا أن یجیزها الورثة بعد موته وهم کبار“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۹۰، کتاب الوصایا، الباب الأول، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/۲۵۶، کتاب الوصایا، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۲۱۲، کتاب الوصایا، رشیدیہ)

(۳) ”ثم یقسم الباقي بعد ذلك بین ورثته بالکتاب، والسنة والإجماع“۔ (الدر المختار: ۶/۷۶۱،

۷۶۲، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی السراجی فی المیراث، ص: ۳، سعید)

چاہے تو اپنا حصہ دوسرے فریق کو قیمۃ دیدے یا بلا قیمت ہی شرعی طور پر دے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۸۷ھ۔

مال وصیت کے بارے میں اختلاف

سوال [۹۷۱]: عبد الحمید کے بھائی (پھوپھی زاد) تصور علی حاجی جس کے بچپن ہی میں والدین فوت ہو گئے تھے، اس کی پرورش میرے ہی والدین نے کی اور اس کو پڑھایا لکھایا، جوان ہونے پر اس کی شادی بھی کر دی تھی۔ یہ لا ولد تھا، یہ بیمار ہوا اور مجھ کو بلوایا، میں اس کے پاس آیا، میری موجودگی میں یہ فوت ہو گیا، اس کا گور، جنازہ کر یا (۲)۔ کفن دفن کرنے کے بعد چند آدمی جو کہ دنیا دار ہیں، مجھ کو یہ کہا کہ میرے والد کی جو نقدی رقم ہے یا سامان پکا کنواں ہے وہ سب مرنے والا مسجد میں دے گیا۔ میں نے کہا مجھ کو تو یہ بتلایا تھا کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ سب تیرا ہے، مگر ان لوگوں نے مجھ کو قطعی جواب دیدیا۔ آیا میرا حق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ اپنے حق میں وصیت کے مدعی ہیں، وصیت کا حکم یہ ہے کہ وہ ایک تہائی ترکہ میں نافذ ہوتی ہے، جبکہ ورثاء اس کو تسلیم کر لیں (۳) یا وصیت پر شرعی دلیل موجود ہو (۴)۔ نیز کسی ایک وارث کے حق میں معتبر اس

(۱) ”کل واحد من الشریکاء یصبح بعد القسمة مالکاً لحصته بالاستقلال، ولا یبقی لأحدہم علاقة فی

حصۃ الآخر، ولكل واحد منهم أن یتصرف فی حصته کیفما شاء“۔ (شرح المجلة لسلیم رستم باز:

۱/۲۳۳، (رقم المادة: ۱۱۶۲)، کتاب الشریکة، الفصل الثامن فی أحكام القسمة، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۲) ”گور: قبر“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۱۲، فیروز سنز، لاہور)

(۳) ”ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما بقى بعد الدین“۔ (السراجی فی المیراث، ص: ۳، سعید)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/۷۰، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۴/۲۹۵، کتاب الفرائض، غفاریہ کوئٹہ)

(۴) ”ادعی علی میت حقاً أو شیئاً مما کان بیدہ، فأقر الوارث به، لزمه فی حصته“۔ (جامع الفصولین:

۲/۲۳، الفصل التاسع والعشرون، اسلامی کتب خانہ کراچی)

(و کذا فی البحر الرائق: ۷/۳۶۹، کتاب الدعوی، رشیدیہ)

وقت ہوتی ہے جبکہ دیگر ورثاء اس پر راضی ہوں اور اجازت دیدیں (۱)۔ پس مرحوم کے ورثاء جس کے حق میں وصیت کو تسلیم کر لیں، اس کو ایک تہائی ترکہ دیا جائے گا (۲)، بقیہ دو تہائی ورثاء کا ہوگا (۳)، ورثاء کی تفصیل آپ لکھیں تو سب کے حصہ متعین کر دئے جائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۹۲ھ۔

میراث کی ایک صورت اور وصیت نامہ

سوال [۹۷۱]: زید کا انتقال ہو گیا ہے جس نے پسماندگان مندرجہ ذیل چھوڑے: تین بھتیجے اور دو بھتیجیاں، نیز دو حقیقی بھانجے اور دو بھانجیاں۔ مسئلہ یہ ہے کہ زید کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا، کس کو کس قدر حصہ ملے گا؟ جبکہ زید کی مندرجہ ذیل وصیتیں بھی ہیں اور زید کا تعلق ایک مدرسہ سے تاوفات رہا ہے:

وصایا:

۱۔ ”میرے پاس کچھ دہات کے برتن ہیں (۴) جو میری ملک نہیں بلکہ مدرسہ

(۱) ”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”لا تجوز وصیة لوارث إلا أن تشاء الورثة.“ (نصب الراية: ۴/۴۰۴، (رقم الحديث: ۸۰۷۰)، کتاب الوصایا، مؤسسة الريان، بیروت)
”ولا لوارثه وقاتله مباشرة إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلاة والسلام: ”لا وصیة لوارث إلا أن یجیزها الورثة.“ وهم كبار.“ (الدر المختار: ۶/۶۵۵، ۶۵۶، کتاب الوصایا، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۲۱۲، کتاب الوصایا، رشیدیہ)

(۲) ”ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما بقى بعد الدين.“ (السراجی فی المیراث، ص: ۳، سعید)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/۶۷۰، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۴/۴۹۵، کتاب الفرائض، غفاریہ کوئٹہ)

(۳) ”ثم یقسم الباقي بعد ذلك بین ورثته.“ (الدر المختار: ۶/۷۶۲، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۳۶۵، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی السراجی فی المیراث، ص: ۳، سعید)

(۴) ”دھات: وہ معدنی جوہر جس میں کھلنے کی خصوصیت ہو جیسے سونا، چاندی۔“ (فیروز اللغات، ص: ۶۵۹، فیروز سنز لاہور)

کے ہیں۔

۲- تمام کچے برتن میرے ہیں جن کو چاہیں دیئے جائیں۔

۳- دو چار کتابوں کے علاوہ سب کتابیں میری ہیں جن کو حسب استعداد ضرورت

مند لوگوں کو دیدی جائیں، جن میں میرا خادم عمر بھی شامل ہے۔

۴- میرے نئے پرانے کپڑے کسی ایک شخص کو نہ دیئے جائیں، بلکہ ضرورت

مندوں کو دے دیئے جائیں۔

۵- بڑا صندوق میرا ذاتی ہے، چھوٹا صندوق مدرسہ ہا ہے جو بغیر استعمال کئے

رکھا ہے۔

۶- دو عدد بور یوں میں کپڑے ہیں، کچھ سلے ہوئے کچھ بغیر سلے، وہ بھی میرے

نہیں ہیں، نیز لکڑی کا صندوق اور چار پائی بھی میری نہیں ہے۔

۷- میرے روپے کا حساب بکرو خالد دو شخصوں کو معلوم ہے، اگر کسی بھائی کا قرضہ

ہو تو وہ گواہوں کے ساتھ ان دونوں سے لے لے۔

۸- میرے خرچ کے علاوہ جو کچھ بچے وہ مدرسہ کو دیدیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو اشیاء زید کی ملک نہیں بلکہ بطور امانت اس کے پاس تھیں وہ زید کا ترکہ نہیں (۱)، اس میں کسی

وارث کا حق نہیں، وہ جس کی ہیں اس کو دیدی جائیں (۲)۔ جو اشیاء زید کی ملک تھی وہ ترکہ ہیں، اولاً تجھیز

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "يبدأ من تركة الميت". (الدر المختار). وقال العلامة ابن عابدين رحمه

الله تعالى: "التركة في الاصطلاح: ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال".

(ردالمحتار: ۶/۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۷/۴۷۱، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ (سورة النساء: ۵۸)

"يخبر تعالى أنه يأمر بأداء الأمانات إلى أهلها، وفي حديث الحسن عن سمرة رضي الله تعالى عنه أن

رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "أد الأمانة إلى من ائتمنك، ولا تخن من خانك". رواه الإمام أحمد =

وتکفین متوسط طریقہ پر کر کے جو کچھ بچے اس کے ایک تہائی میں وصیت پوری کی جائے، اس کے بعد بقیہ ترکہ تینوں حقیقی بھتیجیوں کو برابر ملے گا (۱)۔ بھتیجیوں (۲)، بھانجیوں، بھانجیوں کو اس کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۷/۸۹ھ۔

= اھ۔“ وهذا یعم جمیع الأمانات الواجبة علی الإنسان من حقوق اللہ عز وجل ومن حقوق العباد بعضهم علی بعض كالودائع وغير ذلك مما یأتمنون به بعضهم علی بعض“ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۶۸۵، دار السلام الریاض)

(۱) ”یبدأ بتکفینہ وتجهیزہ من غیر تبذیر ولا تقصیر، ثم تقضی دیونہ من جمیع ما بقى من .اللہ، ثم تنفذ وصایاہ من ثلث ما بقى بعد الدین، ثم یقسم الباقی بین ورثتہ“ (السراجی، ص: ۲، ۳، سعید)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) بھتیجا چونکہ عصبہ ہے اور عصبہ ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں کل مال کا مستحق ہوگا:

”ثم جزء أبیه: أی الإخوة، ثم بنوهم وإن سفلوا“ (السراجی، ص: ۱۳، سعید)

”العصبۃ من یأخذ جمیع المال عند انفرادہ، وما أبقتہ الفرائض عند وجود من له الفرض المقدر“ (تبیین

الحقائق: ۷/۴۸۵، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/۷۷۴، کتاب الفرائض، باب العصبۃ، سعید)

(۳) مذکورہ ورثاء ذوی الارحام میں سے ہیں اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام کو حصہ نہیں ملے گا:

”والمستحقون للترکۃ عشرة أصناف مرتبۃ فیبدأ بذی الفرض، ثم بالعصبۃ النسبیۃ، ثم بالعصبۃ

السبیۃ، ثم الرد علی ذوی الفروض النسبیۃ، ثم ذوی الأرحام“ (الفتاویٰ العالمکیرۃ: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض،

الباب الأول، رشیدیہ)

”هو کل من لیس بذی سهم ولا عصبۃ ولا یرث مع ذی سهم ولا عصبۃ“ (الدرالمختار:

۶/۷۹۱، کتاب الفرائض، باب ذوی الارحام، سعید)

”وإنما یرث ذووا الأرحام إذا لم یکن أحد من أصحاب الفرائض ولم یکن عصبۃ“ (الفتاویٰ

العالمکیرۃ: ۶/۴۵۹، کتاب الفرائض، باب ذوی الأرحام، رشیدیہ)

وصیت پورا کرنے کی ایک صورت

سوال [۹۷۱۸]: میری والدہ کا ابھی تھوڑا عرصہ ہوا انتقال ہوا ہے، انتقال کے بعد بحکم شرع ہم نے ہر ایک وارث کو اس کا حق دیدیا۔ قبل از فوت میری والدہ نے ۳/۱ میں سے وصیت کی تھی، اس وصیت میں کچھ وارثین کے لئے مثلاً بڑی لڑکی کو کچھ دیا، نواسی کو کچھ دیا، چھوٹی لڑکی کو ایک مکان دیا، نواسی کو، اسی طرح کچھ تعمیر مسجد کے لئے، مطلب یہ کہ ۳/۱ میں انھوں نے وصیت کی ہے، اس وصیت کے مطابق جو بچا وہ شرعی فیصلہ کے مطابق تقسیم کر دیا۔

کچھ دنوں کے بعد میری والدہ کو ہمارے ایک عزیز ہیں جو دیندار اور اکثر و بیشتر ان کے خواب بالکل صحیح ہوتے ہیں، انھوں نے خواب دیکھا، پوچھا کیسا حال ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے جو بھی صدقات وغیرہ دیئے ہیں ان سب کا اجر مجھے پورا پورا مل گیا ہے، لیکن میرے ایک غریب کو نہیں ملا جس کی وجہ سے تکلیف میں ہوں، لہذا تم فلاں بہن (جو عورتوں میں دینی و تبلیغی کام کرتی ہیں) حنیفہ بائی کو یہ میری امانت ہے ان کو بھجوادیں اور میری لڑکیوں کو کہہ دیں۔ یہ لوگ بہت ہی پریشان ہیں، آپ اس خواب کو حل فرما کر ہمارے حال پر کرم فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وصیت میں اس غریب عورت کے لئے بھی تجویز کیا تھا تو اس کو بھی دیا جائے (۱)، ورنہ اس کے ساتھ سلوک اور خیر کا معاملہ کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۷/۹۵ھ۔

(۱) ”ثم تنفذ وصاياہ من ثلث ما بقى بعد الدين“۔ (السراجی، ص: ۳، سعید)

”ثم تصح الوصية لأجنبي من غير إجازة الورثة“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۹۰، کتاب

الوصیة، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار: ۶/۲۵۰، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةُ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ، فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ،

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ (سورة النساء: ۸)

قربانی کی وصیت پر عمل کب تک واجب ہے؟

سوال [۹۷۱۹]: ہندہ آخر عمر میں تھی، اس کا بیٹا سفر میں تھا، اس نے کہا کہ وہ بیٹا آیا یا نہیں؟ تو ہندہ نے اپنے بھائی کو یہ وصیت کر کے اپنی دو بیگھ زمین بھائی کے نام پر لکھ کر جاری کرایا کہ ہر سال میرے لئے ایک قربانی کرنا۔ بعدہ ہندہ مر گئی، جب بیٹا گھر آیا تو وہ زمین بھائی نے بیٹے کے نام کر دی اور وصیت جاری رکھی، پھر بیٹا مر گیا، اس نے وہ زمین دوسرے کے نام فروخت کر دی تھی۔ سوال یہ ہے کہ:

۱..... قربانی کی وصیت کب تک جاری رہے گی؟

۲..... وصیت کردہ زمین وارثوں کا ترکہ بن سکتی ہے؟

۳..... اگر ترکہ بن سکتی ہے تو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۴..... اگر وارث نے فروخت کر دی تو مشتری کا روپیہ یعنی ثمن کس کے ذمہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جب تک وہ زمین بھائی کے پاس رہی اس وقت تک وصیت کے موافق قربانی بھائی کے ذمہ لازم رہی بعد میں نہیں (۱)۔

(۱) واضح رہے کہ وصیت شرعاً ایک ثلث میں جاری ہوا کرتی ہے، لہذا مذکورہ زمین کا حساب لگا کر صرف ایک ثلث کے بقدر قربانی کرنا بھائی کے ذمہ لازم ہے، ایک ثلث سے زائد میں نہیں:

”عن عامر بن سعد عن أبيه قال: مرض مرضاً أشفى فيه، فعاده رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إن لي مالا كثيراً وليس يرثني إلا ابنتي، أفأتصدق بالثلثين؟ قال: ”لا“. قال: فبالشطر؟ قال: ”لا“. قال: فبالثلث؟ قال: ”الثلث، والثلث كثير، إنك إن تترك ورثتك أغنياء خيرٌ من أن تدعهم عائلةً يتكففون الناس“. (سنن أبي داؤد: ۳۹۵/۲، كتاب الوصايا، باب ماجاء فيما لا يجوز للموصي في ماله، مكتبة دار الحديث ملتان)

”ولا تحوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزها الورثة بعد موته وهم كبار“. (الفتاویٰ

المكبرية: ۹۰/۶، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۶۵۶/۶، کتاب الوصایا، سعید)

۲..... جب بھائی نے مرحومہ کی وصیت کردہ زمین اس کے لڑکے کو دیدی تو وہ اس کی ملک ہوگئی، حسبِ تخریج شرعی اس میں وراثت جاری ہوگی (۱)۔

۳..... ہر وارث کو اپنا حصہ فروخت کرنے کا اختیار ہے (۲)۔

۴..... وصیت صرف بھائی کے حق میں تھی، اس نے جب مرحومہ کے لڑکے کو سبہ کردی تو وہ مالک ہو گیا (۳) اس کو بھی فروخت کرنے کا حق تھا، اور اس کے بعد جس کو وراثت میں ملی اس کو بھی فروخت کرنے کا حق ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۸ھ۔

وصی اور وارث میں اختلاف

سوال [۹۷۲۰]: ہمارا ایک پھوپھی زاد بھائی منشی حسین بخش ولد رحیم بخش عرصہ ۲۵/ سال کا ہوا، انتقال کر گیا تھا۔ اور مرحوم اپنی حیات میں مرنے سے پہلے اپنی بیوی اور اپنے لڑکے کو اور اپنے مال اسباب کو مجھ پر وصیت کر گیا تھا اور کہا کہ میرے مرنے کے بعد تم ان کے مختار ہو گے، یہ تمام اشیاء تمہارے سپرد ہیں۔ یہ بھی

(۱) ”ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته بالكتاب والسنة والإجماع“۔ (الدر المختار:

۷/۶۲، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۶۵/۴، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۴/۴۹۵، کتاب الفرائض، مکتبہ غفراریہ کوئٹہ)

(۲) ”کل واحد من الشركاء يصبح بعد القسمة مالکاً ل حصته بالاستقلال، ولا يبقى لأحدهم علاقة في

حصه الآخر، ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيفما شاء“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز:

۱/۶۴۳، (رقم المادة: ۱۱۶۲)، کتاب الشركة، الفصل الثامن في أحكام القسمة، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۳) ”يملك الموهوب الموهوب له بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك لا لصحة الهبة“۔ (شرح

المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(و کذا فی رد المحتار: ۵/۶۸۸، کتاب الهبة، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۶/۴۸، کتاب الهبة، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۴) (راجع رقم: ۲)

وصیت کر گیا تھا کہ سو روپے تمہارے میرے ذمہ ہیں اور ۱۲۷/ روپیہ پنچایتی (۱) میرے پاس ہیں۔ ۹۶/ روپیہ مرحوم کی بیماری اور کفن و دفن پر میں نے صرف کئے۔ دفن کرنے کے بعد میں نے پنچایت کی رقم اور جو کچھ مال اسباب تھا، وہ سب میں نے پنچایت میں رکھا اور میں نے پنچوں سے کہا کہ ان میں مختار کون ہونا چاہیے، مرحوم کی یہ وصیت تھی۔ تو اس پر پنچوں نے مجھے مختار بنایا اور جو کچھ بھی چیز تھی وہ سب میرے سپرد کر دی تھی، تحریر وغیرہ کوئی نہیں ہوئی۔

مرحوم کا بچہ سال بھر کا تھا، ڈیڑھ برس تک بیوہ اور بچہ کی پرورش میں نے کی جس پر ۱۳۰/ روپیہ میرا صرف ہوا۔

ان زیورات میں سے میں نے تین چار زیور بیوہ کو دیدئے تھے، بیوہ نے ڈیڑھ سال بعد نکاح کر لیا، لڑکے کی عمر اس وقت ڈھائی سال کی تھی۔ پھر میں نے پنچایت کی اور پنچایت نے یہ لڑکا میرے سپرد کر دیا اور میں نے اس کی پرورش کی اور لڑکے کی مسلمانی (۲) بھی میں نے کی اور سگائی بھی میں نے کی (۳)، مگر قدرت الہی سے یہ لڑکا جس کا نام کرم الہی تھا انتقال کر گیا، اس کا کفن و دفن و دیگر اخراجات سب میں نے کئے۔ اس کے بعد اس کے والیان جو کہ چوتھی یا پانچویں پشت میں ایک دادا کی اولاد ہیں، مندرجہ ذیل اشخاص ہیں:

مولا بخش، قادر بخش، نظام الدین، خیر الدین، علیم الدین۔

یہ سب ایک دادا کی اولاد ہیں۔ پھر انھوں نے مجھ سے تمام اشیاء طلب کی جس پر میں نے جواب دیا کہ جس وقت اس کا والد گذرا تھا اس نے مجھے اس کا سرپرست بنایا تھا اور پنچایت نے مجھے وارث بنایا، اور ساڑھے چار سال کے بعد انھوں نے مجھ پر دعویٰ ہی کیا تھا کہ یہ لڑکا ہمیں ملنا چاہیے۔ عدالت نے یہ فیصلہ کیا کہ جب پنچایت نے محمد خان کو وارث بنایا تھا تو عدالت کی طرف سے بھی یہ فیصلہ ہوا کہ محمد خان ہی ہر چیز کا سرپرست ہے۔

(۱) ”پنچایتی: عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کی حکومت“۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۵، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”مسلمانی ختنہ، سنت“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۷، فیروز سنز لاہور)

(۳) ”سگائی: مٹگنی، نسبت“۔ (ایضاً: ۸۰۴)

انہوں نے میرا تمام روپیہ فضول بیجا صرف کرایا اور پھر یہ دعویٰ بھی خارج ہو گیا اور محمد خان کے حق میں کامیابی ہوئی، اس کے بعد انہوں نے فوجداری مقدمہ ۴۰۶/ کا کیا جس میں خدا کے فضل سے محمد خان کو کامیابی ہوئی اور اب ان کا ارادہ دیوانی کرنے کا ہے (۱)، مگر میں نہیں چاہتا کہ کسی قسم کا جھگڑا ہو اور میرا بہت سا روپیہ ناجائز طریقہ پر خرچ ہو، آپ کا فتویٰ چاہتا ہوں۔

مرحوم منشی حسین بخش کی ایک سگی بھانجی ہے، اس لڑکی نے بھی نوٹس دیا ہے اپنے حقوق کے لئے، دادا کی اولاد صرف تین اشخاص ہیں اور یہ جائیداد مرحوم کی پیدا کردہ ہے جدی نہیں، صرف ایک مکان جدی تھا، وہ خیر الدین نے بچہ کی نابالغی میں ہی قبضہ کر لیا تھا۔ جو شرع کا حکم ہو اس پر عمل کیا جاوے، ان وارثوں کے سوا اور کوئی وارث نہیں۔

محمد خان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرحوم کا ترکہ بعد ادائے قرض وغیرہ (۲) اس طرح تقسیم ہوگا کہ آٹھواں حصہ بیوہ کو ملے گا (۳)، سات

(۱) ”دیوانی: عدالت خفیہ، وہ عدالت جس میں مال و زر جائیداد اور قرضہ وغیرہ کے مقدمات کی سماعت ہو“۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۷۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”تعلق بترکۃ المیت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تُقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يُقسم الباقي بين ورثته“۔ (السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳، سعید)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۵۹، ۷۶۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفيما يتعلق بالترکة: ۶/۴۴، رشیدیہ)

(۳) جب میت کی اولاد موجود ہو تو زوجہ کو ثمن (آٹھواں حصہ) ملے گا:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ، فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا

أَوْ دِينَ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

حصے لڑکے کو ملیں گے (۱)، پھر لڑکے کے انتقال کے بعد اس کے ترکہ سے ایک تہائی اس کی والدہ کو ملے گا (۲)، اور دو تہائی مولا بخش وغیرہ کو (۳)۔ ان میں سے جو لوگ زیادہ قریب ہیں اور ایک درجہ میں ہیں، وہ برابر کے حقدار ہیں۔ مرحوم کا جو کچھ ترکہ ہے، اس کو بطریق مذکورہ ورثاء کے حوالہ کر دیجئے، آپ کو خود رکھنا درست نہیں (۴)۔ اب سرپرستی بھی ختم ہو چکی، پنچایت کا فیصلہ بھی کچھ کارگر نہیں (۵)۔

جو روپیہ آپ نے اپنا خرچ کیا ہے وہ اگر احسان اور تبرع ہے تو آپ نہیں لے سکتے (۶)، اگر لڑکے کی

(۱) بیٹا عصبہ ہے اور عصبہ ذوی الفروض کو حصے دینے کے بعد تمام میراث کا مستحق ہوگا:

”العصبات وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ ما بقى من سهام ذوى الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۱، کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبات، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۸۵، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَاءُ أَبَوَاهُ، فَلَأُمُّهُ الثَّلَاثُ﴾ (سورۃ النساء: ۱۱)

”والثالثة: الأم، ولها ثلاثة أحوال: السدس مع الولد وولد الابن أو اثنين من الإخوة والأخوات والثلاث عند عدم هؤلاء اه“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴۹، کتاب الفرائض، الباب الأول، رشیدیہ)

(و کذا فی السراجی، ص: ۱۱، سعید)

(۳) چونکہ یہ عصبہ ہے اور عصبہ ذوی الفروض کے بعد کل مال کا مستحق ہوگا، کما تقدم فی رقم الحاشیۃ: ۱۔ پھر عصبہ قریب کو ترجیح ہوگی بعید پر:

”إذا اجتمعت العصبات بعضها عصبۃ بنفسها وبعضها عصبۃ بغير وبعضها عصبۃ مع غيرها، فالترجیح منہا بالقرب إلى المیت، لا بكونه عصبۃ بنفسها“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۲، کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبات، رشیدیہ)

”الأقرب فالأقرب یرجحون بقرب الدرجة“۔ (السراجی، ص: ۱۳، سعید)

(۴) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۸)

(۵) سرپرستی اس وقت تھی جب تک مرحوم بچہ زندہ تھا، اس کے فوت ہونے پر سرپرستی بھی ختم ہوئی۔

(۶) ”ورجع بما جهزه بالمعروف علی ترکته وذلك ان نوى الرجوع فإن نوى =

پرورش میں عدالت یا پنچایت کے حکم سے بطور قرض اپنا روپیہ خرچ کیا ہے اور خرچ کرتے وقت اس بات کے گواہ بھی آپ نے بنائے تھے کہ یہ روپیہ میں قرض دے رہا ہوں، پھر وصول کر لوں گا تو آپ وہ روپیہ لے سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ربیع الاول/۱۴۲۳ھ۔

بیوی کے لئے جائیداد کی وصیت

سوال [۹۷۲۱]: بکر کی دو بیویاں ہیں، زوجہ اول زاہدہ سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے، اس کے انتقال کے بعد دوسری زوجہ سعیدہ سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔ بکر کچھ اراضیات کا مالک ہے، زوجہ اول زاہدہ کے لئے کوئی اراضی مخصوص نہیں کی، زوجہ دوم سعیدہ کے لئے وصیت کی کہ فلاں اراضی دیدی جائے، بکر کے انتقال کے بعد وہ اراضی سعیدہ کو دیدی گئی اور وہ اپنی حقیقی اولاد کے ساتھ علیحدہ زندگی بسر کرنے لگی، اس اراضی سے وہی فائدہ اٹھاتی رہی۔ گورنمنٹ کے عام احکام کے پیش نظر، ظقبضہ سعیدہ ہی مالک اراضی قرار پائی، اب اہلیہ دوم سعیدہ کا انتقال ہو گیا۔

اس اراضی کی نسبت برادر خورد و کلاں میں یہ تکرار ہو رہا ہے کہ برادر خورد (۲) کا کہنا کہ والد نے میری والدہ کو یہ اراضی بذریعہ وصیت بلا شرط دیدی اور گورنمنٹ نے بلا کسی کارروائی کے ان کے نام ہبہ کر دیا، اس لئے

= التبرع، فلا رجوع له۔ (الفقه الإسلامی وأدلته: ۱۰/۵۹۶، کتاب الوصایا، المبحث الثالث فی أحكام تصرفات الوصی، رشیدیہ)

(و کذا فی قواعد الفقه، ص: ۱۰۶، الصدف پبلشرز)

(۱) ”أنفق الوصی من مال نفسه علی الصبی، وللصبی مال غائب، فهو متطوع فی الإنفاق استحساناً، إلا أن یشهد أنه قرض، أو أنه یرجع علیه؛ لأن قول الوصی لا یقبل فی الرجوع فیشهد لذلك“ (رد المحتار: ۱/۷۱، کتاب الوصایا، فصل فی شهادة الأوصیاء، سعید)

(۲) ”برادر خورد: چھوٹا بھائی“۔ (نور اللغات: ۱/۵۷۵، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور)

اس اراضی میں برادرکلاں اور اس کی ہمیشہ کو کوئی استحقاق نہیں، میں ہی اس اراضی کے پانے کا مستحق ہوں۔

۲..... بیچ کی رائے یہ ہے کہ جو اراضی اہلیہ دوم سعیدہ کو بذریعہ وصیت بلا کسی شرط کے دی گئی ہے وہ اسی وقت سے اس کی حیثیت مالکانہ قرار پائی ہے، اور گورنمنٹ کے اس کے نام پٹہ دارہ (۱) قرار دے کر اس کو مالکانہ حیثیت دے دی، اس لئے برادرکلاں (۲) اور اس کی ہمیشہ کو اس میں سے حق نہیں مل سکے گا۔

ان واقعات کے پیش نظر کیا برادرکلاں اور اس کی حقیقی بہن اراضی مذکورہ میں شرعاً حصہ پانے کے مجاز ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو کتنی اراضی کے مجاز ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... بکرنے زوجہ دوم سعیدہ کو جو اراضی دی ہے اگر بعوض مہر دی ہے، یا محض وصیت کی ہے مگر سب دیگر ورثاء نے اس کی اجازت دیدی ہے اور وہ اراضی سعیدہ کو دیدی گئی تو وہ تنہا مالک تھی (۳)، اس کے انتقال کے بعد خود اس کی اولاد تو اس کی مستحق ہوگئی، اور بکر کی زوجہ اولیٰ سے پیدا شدہ اولاد اس کی مستحق نہیں ہوگی، کیونکہ وہ بکر کا ترکہ نہیں (۴)۔

(۱) ”پٹہ دار: وہ تحریر جس کے ذریعے سے جائیداد غیر منقولہ لگان یا کرائے پر دی یا لی جائے۔ وہ دستاویز جو کاشت کار مالک زمین کو اجارے کی بابت لکھ کر دے۔“ (فیروز اللغات، ص: ۲۷۸، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”برادرکلاں: بڑا بھائی۔“ (نور اللغات، ص: ۳، ۸۱۲/۴)

(۳) ”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”لا وصیة لوارث إلا أن تشاء الورثة.“ (نصب الراية للزيلعي: ۴/۴۰۴، (رقم الحديث: ۸۰۷۰)، کتاب الوصایا۔ مؤسسة الريان بیروت)

”ولا لوارثه وقاتله مباشرة إلا بإجازة ورثته وهم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير ومجنون.“ (الدر المختار: ۶/۶۵۶، کتاب الوصایا، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۲۱۲، کتاب الوصایا، رشیدیہ)

(۴) جب کہ بکر نے زوجہ ثانیہ کے لئے وصیت کی اور دوسرے ورثاء نے اجازت دی تو اس صورت میں یہ زوجہ ثانیہ کا ترکہ ہوا، بکر کا ترکہ نہ رہا، لہذا زوجہ اولیٰ کی اولاد ذوی الارحام ہیں، وہ زوجہ ثانیہ کی اولاد (ذری الفروض) کے ہونے ہوتے مستحق میراث نہیں ہیں:

۲..... یہ رائے صحیح ہے، بیوی شرعاً وارث ہوتی ہے اور وارث کے حق میں جو وصیت کی جائے وہ اس وقت معتبر ہوتی ہے کہ سب ورثاء اس کی اجازت دیدیں، لہذا پہلی زوجہ کے لڑکے اور لڑکی نے اگر اس وصیت پر اعتراض نہیں کیا، بلکہ اس کو منظور کر لیا تو یہ وصیت معتبر ہوگی، اب اس کے مطالبہ کا حق نہیں رہا۔
تنبیہ: جو وارث نابالغ ہو، اس کی اجازت کا اعتبار نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۲ھ۔

کنواں کھدوانے کے لئے سو روپے کی وصیت

سوال [۹۷۲۲]: زید نے بہ ہوش و حواس بروقت انتقال ورثاء کے سامنے ایک شخص کو ایک سو روپیہ دیا اور وصیت کی کہ اس سے کنواں بنوادے۔ چونکہ رقم تھوڑی ہے اور اس سے کنواں نہیں بن سکتا تو یہ روپیہ اور کسی جگہ صرف ہو سکتا ہے یا نہیں، کسی کار خیر میں یا مدرسہ میں دیدیا جائے، مرحوم کو ثواب ملے گا یا نہیں، اور وصیت پوری نہ کرنے کا مواخذہ نہیں ہوگا؟ اور جب کہ مرحوم دے چکا ہے تو اب اس میں ورثاء کا تو کوئی حق نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مرض الموت میں سو روپیہ دیئے ہیں تو یہ وصیت ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ ایک ثلث میں جاری ہوئی ہے، یعنی اگر کل ترکہ کا ثلث سو روپیہ ہو تو وصیت پوری کی جاوے گی، ورنہ اس کا نافذ کرنا ضروری نہیں، اگر ورثاء چاہیں نافذ ہوگی ورنہ نہیں، بلکہ کل ترکہ کا ثلث نکال کر اس میں نافذ ہوگی، مگر اس رقم سے مستقل کنواں نہیں بن سکتا تو جو کنواں بن رہا ہو اس میں اس رقم کو دیدیا جائے تب بھی وصیت پوری ہو جائے گی۔ اگر کنواں کے اندر اس رقم کا خرچ کرنا دشوار ہو تو پھر کسی دینی مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں دیدیا جاوے: ہکذا ما ذکر وافی وصیۃ الحج:

”أوصی بحج، أحج عنه راکباً من بلدہ إن کفی نفقته ذلك، وإلا فمن حیث تکفی۔
 وإن مات حاج فی طریقہ أو أوصی بالحج عنه، یحج من بلدہ إن بلغ نفقته ذلك، وإلا فمن

= ”وہو (أی ذوو الأرحام) کل قریب (لا یرث مع ذی سہم ولا عصبۃ سوی الزوجین)
 لعدم الرد علیہما“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الفرائض، باب توریث ذوی الأرحام:

حیث تبلغ“ تنویر (۱)۔

قال الطحطاوی: ۳۲۱/۴: ”إن أوصی بمال یحج عنه، فإن حسن الطريق وإلا صرف إلى ما یراه الفقهاء من وجوه البر“ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۵۲ھ۔
صحیح: عبداللطیف عفی عنہ، ۱۶/۱۱/۵۲ھ۔

والد کی وصیت کہ میرا فلاں بیٹا میرے کفن و دفن میں شریک نہ ہو

سوال [۹۷۲۳]: میرے والد صاحب کی عمر ۸۰، ۹۰ سال کی ہے اور بہت زیادہ ضعیف ہو گئے ہیں۔ ہم لوگ تین بھائی ہیں اور دو بیویوں کی اولاد ہیں، ایک سوتیلہ بھائی ہے۔ والد صاحب سوتیلے بھائی اور سوتیلی ماں سے زیادہ انسیت رکھتے ہیں، والد صاحب کا کہنا ہے کہ ہمارے مرجانے کے بعد تم دونوں لڑکے اور تمہاری بیوی بچے ہمارے جنازہ پر ہاتھ نہ لگانا اور نہ ہمارے کفن و دفن میں شریک ہونا۔ ایسی صورت میں ہم دونوں بھائی مع اہل و عیال کے والد صاحب کے جنازے میں شریک ہو کر کفن و دفن کریں یا نہ کریں؟

۲..... والد صاحب کے اس تاکید حکم کے خلاف کرنا کیسا ہے؟

۳..... والد صاحب کا اس طرح کا حکم بچوں کو ماننا ضروری ہوگا یا نہیں؟

۴..... اس طرح کے حکم نہ ماننے پر قیامت کے دن کوئی مواخذہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے والد صاحب کی یہ وصیت قابل عمل نہیں، بالکل بیکار ہے (۳)، آپ سب ان کی تجہیز و تکفین

(۱) (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۶/۶۶۲، ۶۶۳، کتاب الوصایا، سعید)

(۲) (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۴/۳۲۱، کتاب الوصایا، دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۲۸۱، کتاب الوصایا، باب العتق فی المرض والوصیۃ، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۱۰، کتاب الوصایا، باب العتق فی المرض، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۳) غیر شرعی وصیت کا نفاذ اور اس میں وصیت کرنے والے کی اتباع جائز نہیں:

”یشترط فی الموصی لہ شروط صحۃ وشروط نفاذ، أما شروط الصحۃ، فہی ما یأتی

میں شریک ہوں (۱) اور سب کام شریعت کے مطابق کریں، قیامت میں آپ سے اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۸۸ھ۔

مرض الموت کی حد اور تعریف اور مرض الموت میں وارث کے حق میں اقرار

سوال [۹۷۲]: زید عرصہ دو تین سال سے ایک مرض مہلک میں مبتلا تھا، یعنی پیشانی پر مرض (سرطان) انگریزی میں (کینسر) اردو میں (پھوڑا) کہتے ہیں، زید نے مقامی حکماء و ڈاکٹر وغیرہ کا عرصہ تک مرض مذکور کا علاج کرایا، لیکن صحت یاب نہیں ہوا۔ بعد ازاں بیرونی ڈاکٹر بمقام (مراج) انتقال سے تین ماہ پیشتر

= وألا يكون الموصى له جهة معصية فإذا كان له جهة معصية، بطلت الوصية باتفاق الفقهاء كالوصية لأندية القمار والمراقص وإقامة القباب على المقابر أو النياحة على المولى لأن الوصية شرعت صلة أو قرابة، فلا يصح أن تكون في معصية، فإذا وقعت كذلك كانت باطلة اتفاقاً؛ لأنها وصية بمحرم شرعاً. (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱۰/۷۳۲، كتاب الوصية، المطلب الثاني: شروط الوصية، والوصية لجهة معصية، رشيدية)

”أوصى بأرض له تبنى بيعة أو كنيسة، عندهما لا يجوز. وجه قولهما أن الوصية بهذه الأشياء وصية بما هو معصية، والوصية بالمعاصي لا تصح.“ (بدائع الصنائع: ۷/۳۴۱، كتاب الوصايا، فصل: أما شرائط الركن، سعيد)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۲۹۰، كتاب الوصايا، باب الوصية للأقارب وغيرهم، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۹۵، ۹۶، كتاب الوصايا، الباب الثاني، رشيدية)

(و كذا في فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲۹۵، كتاب الوصايا، رشيدية)

(۱) ”عن أبى هريرة رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”حق المسلم على

المسلم خمس: رد السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة، وتشميت العاطس“.

(مشکوۃ المصابیح، ص: ۱۳۳، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المرض، الفصل

اپنے برادر کلاں (۱) کو ہمراہ لیکر بغرض علاج گیا، مرض مذکور کا علاج وہاں بھی نہیں ہوا۔ آخر کار بیرونی ڈاکٹر نے انتقال سے ڈھائی ماہ قبل زید کو لا علاج قرار دیکر اپنے وطن واپس کر دیا۔

پھوڑے کی یہ حالت تھی کہ روز بروز چہرہ پر بڑھتا جاتا تھا، یہاں تک نوبت پہونچی کہ مرض نے پیشانی سے تالوتک غار کر دیا جس سے بدبو اور عفونت بید پیدا ہو گئی، بس دماغ سے خون اور پیپ رات دن جاری تھا۔ انتقال سے ڈیڑھ ماہ قبل مریض کی ایک آنکھ پانی ہو کر خود بخود بوجہ مرض جاتی رہی، بعد ازاں دوسری آنکھ بھی جاتی رہی، سر پر اور آنکھوں پر ہر وقت پٹی بندھی رہتی تھی، دو تیمار دار زید کو اٹھاتے اور بٹھاتے تھے۔

چونکہ زید تاجر تھا، خرچ کچھ پاس نہیں تھا، آنکھوں پر پٹی بندھی رہتی تھی، سواری میں لیٹ کر تیمار دار کو ساتھ لے کر اپنی دوکان پر انتقال سے بیس یوم پیشتر گیا اور چھ سات سو کا پارچہ یک وقت میں دیگر دوکان داروں کو فی الوقت دے کر چند گھنٹے میں واپس مکان پر آ گیا، کیوں کہ مرض دماغی تھا نہ آنکھوں سے نظر آتا تھا، نہ دماغ کام دیتا تھا پس صاحب فراش ہو گیا۔

چنانچہ ایسی صورت میں زید نے اپنے انتقال سے ایک ماہ سولہ یوم پہلے اپنے ایک وارث بکر کے قرضہ کا اقرار کر کے قرضہ میں اپنی جائیداد منقولہ کو مکفول کر دیا جس سے دیگر ورثاء محروم الارث تصور کئے جا رہے ہیں۔

الحاصل: ۱..... مرض الموت کی تفسیر اور حد بموجب مذہب مختار کیا ہے؟

۲..... مرض مذکورہ بالا پر بموجب مذہب مختار مرض الموت کی تعریف صادق آتی ہے یا نہیں؟

۳..... کیا مرض متذکرہ بالا کی صورت میں زید کا اقرار نامہ اپنے وارث کے قرضہ کا شرعاً معتبر ہے یا

نہیں؟ فقط۔

المستفتی: حکیم ظہیر احمد خان، ٹونک قدیم، ۸/ جمادی الثانیہ/ ۱۴۲۷ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... فی الہندیۃ: ”المریض مرض الموت من لا یخرج إلی حوائج نفسه، وهو

الأصح، کذا فی خزائنة المفتی. حد مرض الموت تکلموا فیہ، والمختار للفتویٰ أنه إذا کان

الغالب منه الموت، کان مرض الموت، سواء کان صاحب فراش أولم یکن، کذا فی

(۱) ”برادر کلاں: بڑا بھائی“۔ (نور اللغات، ص: ۸۱۲/۴، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

المضممرات، اھ۔ عالم گیری: ۱۷۶/۴ (۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مرض الموت کے متعلق قول مختار للفتویٰ یہ ہے کہ جس مرض سے وقوع موت غالب ہو وہ ہی مرض الموت ہے، خواہ اس مرض کی وجہ سے مریض صاحب فراش ہو خواہ نہ ہو۔

۲..... اگر ماہرین فن طب اس کو مرض مہلک کہتے ہیں جیسا کہ سوال میں درج ہے تو یہ مرض

الموت ہے (۲)۔

۳..... مرض الموت میں اقرار کسی وارث کے حق میں دیگر ورثاء کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، پس اگر بکر اس مریض مقرر کا بوقت موت بھی وارث رہے تو یہ اقرار دیگر ورثاء کے اذن سے معتبر ہوگا۔ اگر بوقت اقرار تو بکر وارث ہے اور بوقت موت مقرر وارث نہ رہے تو یہ اقرار شرعاً معتبر ہوگا:

”إقرار المريض لو ارثه لا يجوز إلا بإجازة بقية الورثة، فإن كان المقر له وارث المريض وقت الإقرار وبقي وارثاً كذلك إلى أن مات المريض، فالإقرار باطل. وإن كان المقر له وارثاً وقت الإقرار وخرج من أن يكون وارثاً بعد الإقرار وبقي كذلك حتى مات، بأن أقر لدينه وليس له ابن ثم حدث له ابن وبقي هذا الابن حياً إلى أن مات المريض، فالإقرار جائز، هكذا في المحيط، اھ۔ عالم گیری: ۱۷۶/۴ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، ۱۵/ جمادی الثانیہ/ ۱۴۲۴ھ۔

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱۷۶/۴، کتاب الإقرار، الباب السادس فی إقرار المريض، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۳۸۳/۳، کتاب الطلاق، باب طلاق المريض، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲۵۶/۹، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بثلاث مالہ، رشیدیہ)

(و کذا فی الہدایۃ: ۳۹۲/۲، کتاب الطلاق، باب طلاق المريض، شرکۃ علمیۃ ملتان)

(و کذا فی الفقہ الإسلامی وأدلّته: ۷۵۷۴/۱۰، کتاب الوصایا، الفصل الثانی فی حکم تبرعات

المريض ومرض الموت، رشیدیہ)

(۲) (راجع الحاشیۃ المتقدمة آنفاً)

(۳) (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱۷۶/۴، کتاب الإقرار، الباب السادس فی أقاریر المريض وأفعاله، رشیدیہ)

”وإن أقر المريض لوارثه بمفرده أو مع أجنبي بعين أو دين، بطل إلا أن يصدقه بقية الورثة“

عورت کا ارادہ تھا کہ اپنے کڑے مدرسہ میں دیدے اس کے انتقال پر شوہر کیا کرے؟

سوال [۹۷۲۵]: زید کی بیوی کا انتقال ہو گیا وہ اپنے کڑے چلنامی کے مدرسہ میں دینا چاہتی تھی۔ تو جس مدرسہ میں کلام پاک، اردو کی تعلیم ہو، لیکن بیرونی بچے قیام و طعام والے نہ ہوں تو اس مدرسہ میں وہ چاندی وغیرہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور مسجد میں دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ زکوٰۃ یا صدقہ واجبہ نہیں، مدرسہ یا مسجد میں دینا درست ہے، تعمیر و تنخواہ میں بھی خرچ کرنا صحیح ہے (۱)، ہاں! اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اس میں نابالغ کا حصہ نہ ہو اور جس بالغ کا حصہ ہو وہ بھی بخوشی مسجد یا مدرسہ میں دینے کی اجازت دیدے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۶/۹۲ھ۔

= بعد موتہ“۔ (الدر المختار: ۵/۶۱۳، کتاب الإقرار، باب إقرار المريض، سعید)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاوی: ۴/۱۴۷، کتاب الإقرار، الفصل الثالث فی إقرار المريض، رشیدیہ)

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۷/۲۲۷، کتاب الإقرار، فصل فی إقرار المريض، سعید)

(۱) ”ولو أوصی أن يجعل أرضه مسجداً، يجوز بلا خلاف ولو أوصی بثلث ماله لأعمال البر، ذکر فی فتاویٰ أبی الیث رحمہ اللہ تعالیٰ أن کل مالیس فیہ تملیک، فهو من أعمال البر، حتی يجوز صرفه إلى عمارة المسجد وسراجه دون ترينہ وفي الفتاویٰ الخلاصۃ: ولو أوصی بالثلث فی وجوه الخیر، یصرف إلى القنطرة أو بناء المسجد أو طلبة العلم“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۹۷، کتاب الوصایا، الباب الثانی فی بیان الألفاظ التي تكون وصية والتي لا تكون وصية وما يجوز من الوصية وما لا يجوز، رشیدیہ)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاوی: ۴/۲۳۴، کتاب الوصایا، الفصل الثانی فی الوصية بالكفارة، رشیدیہ)

(۲) ”وتجوز بالثلث للأجنبي وإن لم يُجزِ الوارث ذلك لا الزیادة علیہ، إلا أن تجیز ورثته بعد موتہ وهم

کبار“۔ (الدر المختار: ۶/۶۵۰، کتاب الوصایا، سعید)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاوی: ۴/۲۲۴، کتاب الوصایا، الفصل الأول فی، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۹۰، کتاب الوصایا، الباب الأول، رشیدیہ)

الفصل الرابع فی استحقاق الإرث وعدمه

(استحقاق اور عدم استحقاق وراثت کا بیان)

حق وراثت موتِ مورث کے بعد ہوتا ہے

سوال [۹۷۲۶]: زید موجود ہے، زید کی اولاد میں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں، لڑکیوں میں ایک حیات ہے اور ایک کا انتقال ہو چکا ہے۔ زید کی موجودگی میں سب جائیداد کی تقسیم زبردستی کرنے لگے ہیں، حالانکہ زید موجود ہے۔ شرعاً زید کی اولاد کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید جب تک زندہ ہے اپنی جائیداد کا خود مالک ہے، کسی وارث کا بحیثیت وراثت کوئی حق نہیں (۱)۔ زید کا جب انتقال ہو جائے گا، اس وقت جو ورثاء ہوں گے وہ حسب قواعد شرعیہ وارث ہوں گے، اس وقت مسئلہ دریافت کرنا (۲)، ابھی کسی کو زبردستی لینے کا حق نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۸۸ھ۔

(۱) ”أما بيان الوقت الذي يجرى فيه الإرث قال مشايخ بلخ: الإرث يثبت بعد موت المورث“.

(البحر الرائق: ۳۶۴/۹، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ”وهل إرث الحي من الحي أم من الميت: أي قبيل الموت في آخر جزء من أجزاء حياته؟ المعتمد الثاني“. (الدر المختار).

”لأن التركة في الاصطلاح: ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من

الأموال“. (رد المحتار: ۷/۵۸، ۷/۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) ”وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقة أو حكماً، ووجود وارثه عند موته حياً والعلم بجهة

إرثه“. (رد المحتار: ۷/۵۸، کتاب الفرائض، سعید)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸) =

حق میراث نہ لینے سے باطل نہیں ہوتا

سوال [۹۷۷]: خواجہ کی تین لڑکیاں: ہندہ وغیرہ اور ایک لڑکا تھا۔ خواجہ کا تو انتقال ہو گیا، ہندہ وغیرہ لڑکیاں اور باب اللہ لڑکا کو چھوڑ گیا۔ سارا ترکہ باب اللہ کے نام ہو گیا، لیکن اس کی بہنیں ہندہ وغیرہ نے اپنا حق نہیں لیا، حتیٰ کہ اپنے بھائی باب اللہ سے سب سے پہلے انتقال کر گئیں۔ بعدہ باب اللہ دو لڑکیاں اور ایک لڑکا سرور کو چھوڑ کر انتقال کر گئے، باب اللہ کا سب ترکہ ان کے لڑکے سرور کے نام ہو گیا۔ بعدہ سرور بھی دو بہنیں اور ایک بیوی چھوڑ کر انتقال کر گئے، اب سرور کے ترکہ میں اس کی پھوپھیاں، ہندہ وغیرہ کے لڑکے حق کا دعویٰ کرتے ہیں۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ سرور کی پھوپھیوں، ہندہ وغیرہ نے جبکہ اپنے بھائی باب اللہ سے اپنی زندگی میں اپنا حق نہیں لیا اور باب اللہ کا سارا ترکہ ان کے لڑکے سرور کے نام ہو چکا ہے تو کیا پھوپھیوں کے مرجانے کے بعد بھی ان کا حق باقی ہے اور ان کے لڑکے شرعاً حصہ لے سکتے ہیں، اگر لے سکتے ہیں تو کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض نہ لینے سے وارث کی ملک مال مورث سے زائل نہیں ہوتی (۱)، لہذا اگر ہندہ وغیرہ نے باب اللہ

= ”عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه“۔ (مشکوٰۃ المصابيح: ۱/۲۵۵، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریۃ، الفصل الثانی، قدیمی)

”لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته“۔ (الدر المختار: ۶/۲۰۰، کتاب الغصب، سعید)

(و کذا فی شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية فی بیان القواعد الفقهية، مکتبه حنفیه کوئٹہ)

(۱) ”لو قال وارث: تركت حقى، لا يبطل حقه؛ إذ الملك لا يبطل بالترك“۔ (جامع الفصولین: ۲/۴۰، الفصل الثامن والعشرون فی مسائل التركة والورثة والدين..... اهـ، اسلامی کتب خانہ، کراچی)

(و کذا فی رد المختار: ۵/۶۲۳-۶۲۵، باب إقرار المريض، فصل فی مسائل شتى، سعید)

کو اپنا حصہ ہبہ کر کے باقاعدہ قبضہ کرا دیا تھا تب تو ہندہ کے ورثاء کو باب اللہ کے ورثاء سے اس کے لینے کا حق حاصل نہیں۔ اور اگر باقاعدہ ہبہ نہیں کیا تو پھر حق حاصل ہے (۱)، جس کی مقدار خواجه کے انتقال سے اس وقت تک نام بنام موتی کی ترتیب اور ورثاء کی تفصیل معلوم ہونے پر تحریر کی جاسکتی ہے:

”لو قال الوارث: ترک حق، لم یطل حقه؛ إذ الملك لا یطل بالترك“۔ أشباه،

ص: ۲۳۹ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۷/۱۲/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ذی الحجہ/۵۷ھ۔

حصہ میراث پر قبضہ نہ کرنے سے میراث باطل نہیں ہوتی

سوال [۹۷۲۸]: ایک عورت فوت ہوئی، اس نے اپنے ورثاء میں والد و شوہر اور ایک لڑکی چھوڑی،

ان ورثاء کے درمیان ترکہ متوفیہ ہر قسم بروئے مصلحت خود تقسیم ہو گیا اور ہر وارث متوفیہ اپنے اپنے حصہ پر قابض ہو گیا، مگر والد متوفیہ اپنے حصوں پر قابض ہونے کے بعد جب اپنے حصہ مکان مسکونہ پر قابض ہونے لگا تو اس نے اپنی نواسی یعنی دختر متوفیہ کو کچھ رنجیدہ پایا، اس وجہ سے والد متوفیہ نے ترکہ مکان پر اپنا قبضہ اس وقت حاصل نہیں کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دختر متوفیہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب والد متوفیہ مذکورہ بالا اپنے حصہ مکان پر قابض ہو سکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

(۱) ”یملک الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك“۔ (شرح المجلة لسليم

رستم باز: ۴/۵، رقم المادة: ۸۶۱)، الباب الثالث فی أحكام الهبة، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ

(و کذا فی الدر المختار: ۵/۶۹۰، ۶۹۱، کتاب الهبة، سعید)

(۲) (الأشباه والنظائر: ۳/۵۳، باب ما یقبل الإسقاط من الحقوق وما لا یقبله، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی جامع الفصولین: ۲/۴۰، الفصل الثامن والعشرون فی مسائل التركة والورثة والدين، اسلامی

کتب خانہ کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت

مسئلہ ۱۲

لڑکی

والد

شوہر

۶

$$\frac{2}{1} + \frac{1}{3}$$

۳

شریعت کے موافق صورت مسئلہ میں تقسیم ترکہ اس طرح ہے کہ کل ۱۲/۱۲ سہام ہوں گے: تین شوہر کے، تین والد کے، چھ لڑکی کے (۱)۔ اس کے خلاف اگر کسی طرح صلح اور تقسیم ہوگئی اور سب ورثاء بالغ ہیں اور اس پر رضامند ہیں تو وہ تقسیم میراث نہیں، بلکہ مال مشترک کی تقسیم ہے کہ فلاں چیز لڑکی کے لئے اور فلاں چیز شوہر اور فلاں چیز والد کے لئے، اس کے لئے سب کی رضامندی ضروری ہے (۲)۔ جب لڑکی رضامند نہیں اور تقسیم مذکور حکم حاکم سے نہیں ہوئی تو بروئے شریعت تقسیم کرنا چاہیے۔

اگر تقسیم کے وقت لڑکی رضامند تھی، بعد میں طبعی افسوس ہوا، اور والد نے دلداری کے لئے مکان پر قبضہ نہیں کیا، بلکہ لڑکی کو مستعار دیدیا تو اب اس پر قبضہ مالکانہ درست ہے (۳)۔ اگر مستعار نہیں دیا تھا بلکہ ہبہ کر دیا

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَهَا وَلَدٌ، فَلَكُمْ الرِّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةِ يَوْصِيْنَ بِهَا أَوْ دِينَ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۲) قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: "ولو كان في الميراث رقيق وغنم وثياب، فأقسموا وأخذ بعضهم الرقيق وبعضهم الغنم، جاز بالتراضي". (خلاصة الفتاوى: ۳/۲۱۰، كتاب القسمة، الفصل الأول فيما يقسم وفيما لا يقسم، رشيدية)

(و كذا في الفتاوى العالمية: ۲/۲۶۸، الباب الخامس عشر في صلح الورثة والوصى في الميراث، كتاب الصلح، رشيدية)

(۳) "وللمعير أن يسترد العارية متى شاء، سواء كانت العارية مطلقاً أو مؤقتة؛ لأنها غير لازمة". =

تھا، اور اس پر لڑکی کا قبضہ پہلے سے تھا تو وہ لڑکی کی ملک ہو چکا تھا اب اسے واپس لینا درست نہیں (۱)، بلکہ قانون شرع کے موافق اس میں میراث جاری ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۴/۷/۵۷ھ۔

پراویڈنٹ فنڈ کا ورثہ میں سے مستحق کون ہوگا؟

سوال [۹۷۲۹]: وراثت کے بارے فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ مطلوب ہے، سید عبدالعلیم صاحب

مرحوم نے ۱۹/اگست/۷۱ء کو انتقال فرمایا، انہوں نے مندرجہ ذیل ورثاء چھوڑے:

مسماۃ بی بی ہاجرہ زوجہ متوفی، جمیلہ خاتون دختر متوفی، نسیمہ خاتون دختر متوفی، رشیدہ خاتون دختر

متوفی، شوکت علی پسر متوفی۔

مرحوم ریلوے کے کارخانہ ملازم تھے، پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے تنخواہ کا ایک جزو ہر ماہ وضع ہو کر جمع

ہوتا رہتا ہے، اختتام ملازمت کا کل رقم جمع کنندہ کو ادا ہو جایا کرتی ہے، بصورت انتقال ملازم دوران ملازمت اس

شخص کو ملتی ہے جسے وہ نامزد کر جائے، اس طرح جمع شدہ رقم نامزد شخص کو ادا کر کے محکمہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش

= (خلاصۃ الفتاویٰ: ۲۹۲/۲، کتاب العاریۃ، الفصل الثالث فی طلب العاریۃ وردھا، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۶۷۷/۵، کتاب العاریۃ، سعید)

(و کذا فی شرح المجلة لسلم رستم باز: ۴۵۰/۱، (رقم المادة: ۸۱۳)، کتاب العاریۃ، الفصل الثانی،

مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۱) ”من وهب لأصوله وفروعه أو لأخيه أو أخته أو لأولادهما أو لعمه أو لعمته أو لخاله أو لخالته شيئاً،

فليس له الرجوع“۔ (شرح المجلة لسلم رستم باز: ۴۷۶/۱، (رقم المادة: ۸۶۶)، کتاب الهبة، الباب

الثالث منه، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۳۸۵/۲، کتاب الهبة، الباب الخامس فی الرجوع فی الهبة وفيما

يمنع، رشیدیہ)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاویٰ: ۴۰۲/۲، کتاب الهبة، الفصل الثانی فی الرجوع فی الهبة، رشیدیہ)

ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ مرحوم نے ہاجرہ بی بی کا نام نامزدگی کے خانہ میں تحریر کیا تھا، چنانچہ ہاجرہ بی بی نے دس ہزار سے کچھ زائد رقم اس مد میں وصول کر لی اور اس کو اپنی ذاتی ملکیت تصور کرتی ہیں، متوفی نے یہ رقم نہ انہیں ہبہ کی، نہ کسی اور مطالبہ میں دی، یہ رقم مرحوم کے قبضہ اور تصرف میں نہیں تھی۔

۱..... ایسی صورت میں کیا وہ رقم تنہا ان کی ملکیت ہوگی، یا سب ورثاء اس میں حصہ رسدی کے

مستحق ہیں؟

۲..... مسماۃ ہاجرہ بی بی نے متوفی کے انتقال کے بعد جب انہیں غسل و کفن کے بعد لٹایا گیا تو تمام حاضرین کے سامنے مہر معاف کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ معافی اس لئے درخود اعتناء نہیں ہے کہ متوفی نے نہ اس کو سنا اور نہ قبول کیا، اس لئے وہ بار دین مہر باقی ہے۔

۳..... مرحوم کی کچھ رقم ڈاکخانہ میں جمع تھی اور پندرہ سو روپیہ۔ جو بینک ڈرافٹ کی صورت میں تھا۔ نکل نہ سکتا، یہ پندرہ سو روپے حج کی درخواست کے ساتھ ڈرافٹ کی صورت میں کیا گیا تھا، درخواست کی نامنظوری کے بعد نکالا نہیں گیا اور درخواست دہندہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ رقم تنہا ہاجرہ بی بی کو ملے گی یا ورثاء میں تقسیم ہوگی؟

۴..... جمیلہ خاتون دختر متوفی اپنے شوہر فیض الرحیم صاحب کاظمی کے ساتھ لاہور میں ہیں، سیاسی حالات ناسازگار کے باعث آمد و رفت فی الحال غیر ممکن ہے، وارث میں ان کا بھی وہی حق ہے جو دوسرے ورثاء کا۔ انہوں نے اپنی خالہ اور خالو کو لکھا کہ جب تقسیم ہو تو ان کا حصہ بھی الگ کر دیا جائے، چنانچہ ورثاء نمبر ایک و پانچ کے باوجود جمیلہ خاتون کے خالو۔ مسمی مقبول صاحب۔ اس کے مؤید ہوئے اور انہوں نے چند بار اس کا اعادہ کیا، مگر بعد میں ان کے خیالات تبدیل ہو گئے۔ دوران گفتگو انہوں نے فرمایا کہ:

۱۔ ”تحریر کا کیا اعتبار، ہو سکتا ہے کہ بھالے کی نوک پر جمیلہ سے یہ تحریر لکھوائی گئی

ہے، استقرا حق کے لئے انہیں خود آنا چاہیے۔

۲۔ جمیلہ کا حصہ ورثاء نمبر ایک کے ساتھ شامل رہے گا اور اسی کی سپردگی میں رہے

گا، اس لئے کہ وہی اس کا سگا بھائی ہونے کی حیثیت سے شرعاً اس کا مجاز ہے، دوسرے کسی

کو اس کا حق نہیں پہونچتا کہ اس کی سپردگی میں جمیلہ کا حصہ دیا جائے۔ نیز یہ کہ جب بھی

جمیلہ آئیں گی تو ورثاء نمبر ایک انہیں کچھ دے دلا کر راضی کر لے گا۔“

اس رائے کی تائید میں فتاویٰ عالمگیری کا حوالہ بھی دیا گیا۔

جمیلہ خاتون ماں اور بھائی سے اپنے حصہ کی طلب میں حصہ کا الگ نہ کیا جانا اور بھائی کے ساتھ اور ان کی سپردگی میں دینے پر اصرار، اس پر فتویٰ کی آڑ فسادِ نیت پر مبنی ہے، جمیلہ خاتون کو اختیار ہونا چاہیے کہ وہ جسے پسند کریں ان کی سپردگی میں ان کا حصہ دیا جائے۔ ورثاء نمبر ایک کے دل میں یہ خدشہ ہے کہ اگر جمیلہ خاتون کا حصہ الگ کر دیا گیا تو وہ لازماً ان کے بڑے باپ اور خسر سید عبدالرحیم صاحب کی سپردگی میں چلا جائے گا، اس طرح ورثاء نمبر ایک اس سے محروم ہو جائیں گے، اس خدشہ کے دفعیہ کی یہ صورت بھی پیش کی گئی کہ جمیلہ خاتون کا حصہ الگ کر کے اس کی معقول قیمت ادا کر دی جائے تاکہ وہ رقم انہیں دیدی جائے، مگر اس پر بھی آمادہ نہیں ہے۔ براہ کرم جملہ امور کا واشگاف جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... سید عبدالعلیم کا ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا۔

مسئلہ ۸ تصـ ۴۰					سید عبدالعلیم	
زوجہ	ابن	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت
ہاجرہ بی بی	شوکت علی	جمیلہ	نسیمہ	رشیدہ		
$\frac{1}{5}$	۱۴	۷	۷	۷		

بعد اداۓ حقوق متقدمہ علی الارث ترکہ مرحوم چالیس سہام بنا کر پانچ سہام زوجہ (ہاجرہ بی بی) کو

ملیں گے (۱)۔ سات سات سہام ہر لڑکی کو ملیں گے، چودہ سہام لڑکے کو ملیں گے (۲)۔ مرحوم کی تنخواہ سے وضع

(۱) جب میت کی اولاد موجود ہو تو زوجہ کو ثمن (آٹھواں حصہ) ملے گا اور مذکورہ صورت میں چالیس کا آٹھواں پانچ ہے، وہ اس کا

حصہ ہے:

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ، فَلَهُنَّ الثَّمَنُ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۲) بیٹا اور بیٹیاں دونوں مل کر عصبہ بن جاتے ہیں، تو بقاعدہ ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ کے بیٹے کو دو ہر اور بیٹیوں کو اکہرا

حصہ ملے گا: =

ہو کر جمع شدہ رقم بھی مرحوم کا ترکہ ہے (۱)۔ خانہ نامزدگی میں کسی کا نام لکھا دینے سے ہبہ ہو کر اس کی ملک نہیں ہوگی (۲)، یہ شرعی وصیت بھی نہیں (۳)۔ پس ہاجرہ بی بی کا ایسی رقم کو وصول کر کے تنہا اپنی ذات ملک تصور کرنا

= قال الله تبارك وتعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْإُنثَىٰ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۱) ”المدرس لو مات أو عزل في أثناء السَّنة قبل مجئ الغلة وظهورها من الأرض، يعطى بقدر ما باشر، ويصير ميراثاً عنه كالأجير إذا مات في أثناء المدة“۔ (ردالمحتار: ۴/۲۳۵، كتاب الوقف، مطلب فيما لو مات المدرس أو عزل قبل مجئ الغلة، سعيد)

”كما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين ورثته على حسب حصصهم، كذلك يكون الدين الذي له في ذمة آخر مشتركاً بينهم على قدر حصصهم“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱۰، (رقم المادة: ۱۰۹۲)، كتاب الشركة، الفصل الثالث في الديون المشتركة، مكتبه حنفية، كوئٹہ)

”زید دائن کے انتقال کے بعد وارث اپنے اپنے حصے کے لائق دین کا مطالبہ دیون سے کر سکتے ہیں اور دیون کا انتقال ہو جائے تو اس کے ترکہ میں سے دائن اپنے دین کا مطالبہ کر سکتا ہے“۔ (کفایت المفتی، کتاب الديون: ۱۳۸/۸، دارالاشاعت)

(۲) پراویڈٹ فنڈ چونکہ سب یکمشت نہیں ہوتا، اس وجہ سے اگر کوئی کسی کو ہبہ کریں تو اس سے بھی ملک میں نہیں آتا، کیونکہ ملک کے لئے قبضہ شرط ہے اور یہاں قبضہ نہیں پایا جاتا:

”تس عقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، كتاب الهبة، مكتبه حنفية، كوئٹہ)

(و كذا في الدر المختار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(۳) ”(هي [أى الوصية] تملك مضاف إلى ما بعد الموت) عيناً كان أو ديناً“۔ (الدر المختار مع

ردالمحتار، كتاب الوصايا: ۶/۶۳۸، سعيد)

غلط ہے، اس میں سب ورثاء حسب تفصیل بالا شریک ہیں۔

۲..... غسل و کفن کے وقت زوجہ متوفی نے مہر معاف کر دیا تو وہ معاف ہو گیا (۱)، اس کے لئے شوہر کا سننایا قبول کرنا ضروری نہیں۔

۳..... یہ پندرہ سو کی رقم بھی مرحوم کا ترکہ ہے (۲)، تنہا ہاجرہ بی بی اس کی مالک نہیں، حج کمیٹی سے واپس لے کر حصہ رسد سب پر تقسیم کی جائے۔

۴..... جمیلہ خاتون کا حصہ محفوظ رکھنا ضروری ہے، اس میں کسی وارث کو بلا اجازت جمیلہ خاتون تصرف کا حق نہیں (۳)، جبکہ حالات خراب ہونے کی وجہ سے وہاں سے آنا فی الحال دشوار ہے تو یہ مطالبہ کہ ان

(۱) ”وصح حطها لکله (أی حط الزوجة المهر) أو بعضه، قبل أولاً“۔ (الدر المختار: ۱۱۳/۳، کتاب النکاح، باب المهر، سعید)

(و کذا فی الہدایہ: ۳۲۵/۲، کتاب النکاح، باب المهر، شرکۃ علمیہ ملتان)

(۲) ”المدرس لو مات أو عزل فی أثناء السنۃ قبل مجئ الغلة وظهورها من الأرض، يعطى بقدر ما باشر، ویصیر میراثاً عنه کالأجیر إذا مات فی أثناء المدة“۔ (رد المختار: ۴۳۵/۴، کتاب الوقف، مطلب فیما لو مات المدرس أو عزل قبل مجئ الغلة، سعید)

”کما أن أعيان المتوفی المتروکۃ عنه مشترکۃ بین ورثته علی حسب حصصهم، كذلك یكون الدین الذی له فی ذمۃ آخر مشترکاً بینهم علی قدر حصصهم“۔ (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۶۱۰/۱، (رقم المادة: ۱۰۹۲)، کتاب الشرکۃ، الفصل الثالث فی الدیون المشترکۃ، مکتبہ حنفیہ، کوئٹہ)

”زید دائن کے انتقال کے بعد وارث اپنے اپنے حصے کے لائق دین کا مطالبہ دیون سے کر سکتے ہیں اور دیون کا انتقال ہو جائے تو اس کے ترکہ میں سے دائن اپنے دین کا مطالبہ کر سکتا ہے“۔ (کفایت المفتی، کتاب الدیون: ۱۳۸/۸، دارالاشاعت)

(۳) ”مشرکۃ الأملاک العین یرثها رجلان أو یشتريانها، فلا یجوز لأحدهما أن یتصرف فی نصیب الآخر إلا بإذنه، وکل واحد منهما فی نصیب صاحبه کالأجنبي“۔ (الہدایہ: ۶۲۴/۳، کتاب الشرکۃ، طبع شرکۃ علمیہ ملتان)

کو خود آنا چاہیے بے محل اور مہمل ہے، خاندان والے اہل دیانت اور اہل الرائے جس کے پاس رہنے سے اس کی حفاظت تصور کریں، یا اس کے پاس محفوظ کر کے جمیلہ کو مطلع کر دیں۔ پھر اگر وہ کسی کو خود نامزد کر دے تو اس کی سپردگی میں دیدیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

پراویڈنٹ فنڈ کا مستحق انتقال ملازم کے بعد کون ہے؟

سوال [۹۷۳۰]: زید ایک اسکول کا ملازم تھا، اس کا کچھ روپیہ پراویڈنٹ فنڈ میں کٹ کر جمع ہے، انہوں نے اپنا لائف انشورنس بھی کروایا تھا جو سرکاری ملازموں کے لئے ضروری ہے، اور روپیہ پانے کی جگہ صرف اپنے لڑکے عمر کا نام درج کروایا۔ نیز زید نے اپنا روپیہ پہلی بیوی عائشہ کے نام بینک میں جمع کیا اور پاس بک لا کر عائشہ کے حوالہ کر دی اور کچھ روپیہ دوسری بیوی شاکرہ کے نام جمع کئے، لیکن پاس بک حوالہ نہ کیا، بلکہ اپنے ہی پاس رکھا۔ اب چند ماہ ہوئے زید کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے اپنے وارثوں میں دو بیویوں: عائشہ اور شاکرہ اور دو لڑکے: عمر و بکر اور تین لڑکیوں کو چھوڑا۔

اب چند امور استفسار طلب ہیں:

(الف): پراویڈنٹ فنڈ والا روپیہ تمام وارثوں کو حصہ شرعی ملے گا، اگر ملے گا تو کیوں، یا حکومت جس وارث کو چاہے دیدے؟

(ب): لائف انشورنس والا روپیہ صرف بڑے لڑکے عمر کو ملے یا تمام وارثوں کو؟

(ج): دونوں بیویوں کے نام جو بینک بیلنس جمع ہے، کیا وہ ہبہ نہیں، اگر ہبہ نہیں تو کیوں؟

= (و کذا فی شرح المجلة لسلم رستم باز: ۶۰۱/۱، (رقم المادة: ۱۰۷۵)، کتاب الشركة، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۱) ”حصة أحد الشريكين في حكم الوديعة في يد الآخر“ (شرح المجلة لسلم رستم باز: ۶۰۸/۱، (رقم المادة: ۱۰۸۸)، کتاب الشركة، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

”أما حكمها فوجوب الحفظ على المودع وصيرورة المال أمانة في يده ووجوب أدائه عند

طلب مالكة“ (الفتاوى العالمگیریہ: ۳۳۸/۳، کتاب الوديعة، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف): ملازم کی کارکردگی کی اجرت کا جز جو کہ جمع کر لیا جاتا ہے وہ ملازم کا دین ہے، اس پر جتنی رقم زائد ملتی ہے وہ اسی کا انعام ہے، گو کہ اس پر ابھی ملازم کی ملک حاصل نہیں ہوئی، لیکن اس کا اصل مستحق ملازم ہی ہے، ملازمت ختم ہونے پر وہ اس کو وصول کر سکتا ہے، اگر اس سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا تو ورثاء پر حصہ شرعی اس کی بھی تقسیم ہوگی (۱)۔ تاہم انعام دینے والا چونکہ ابھی تک اپنے انعام کا مالک ہے، وہ اگر ملازم کی کارکردگی کا انعام اس کے کسی مخصوص وارث کو دینا چاہے تو اس کو حق ہے۔

(ب): محض اتنی بات سے وہ روپیہ بڑے لڑکے عمر کی ملک نہیں ہوا، کیونکہ اس میں ”تملیک الدین ممن لیس علیہ الدین“ ہے (۲)۔ ہاں! اگر عمر کو روپیہ دے کر بطور ہبہ مالک بنا دیتا، پھر اس کی طرف سے وکیل ہو کر جمع کرتا تو دوسری بات تھی (۳)۔ اب تو وہ سب ورثاء کا حق ہے، لیکن اصل جمع کردہ رقم سے جو رقم زائد ملے

(۱) ”وتنفسخ الإجارة بموت أحد المتعاقدين: أي أحد من الآجر والمستأجر، وأن المنافع والأجرة صارت ملكاً للورثة، والعقد السابق لم يوجد منهم، فينتقض“ (مجمع الأنهر: ۵۵۹/۳، باب فسخ الإجارة، مكتبه غفارية کوئٹہ)

”المدرس لومات أو عزل في أثناء السنة قبل مجيء الغلة وظهورها من الأرض، يعطى بقدر ما باشر، ويصير ميراثاً عنه كالأجير إذا مات في أثناء المدة“ (رد المحتار: ۴۳۵/۲، کتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف في إجارته، سعيد)

(و کذا فی فتح القدير: ۱۲۵/۹، کتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(۲) ”أحد الورثة لو قبض شيئاً من بقية الورثة وأبرأ من التركة وفي التركة ديون على الناس إن كان مراده البرأة من قدر حصته من الدين، صح. وإن كان مراده تملك حصته من الورثة، لا يصح؛ لأنه تملك الدين من غير من عليه الدين“ (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲۴۹/۲، کتاب المداینات، مكتبه ميمية مصر)

(۳) ”يملك الموهوب له الموهوب بالقبض“ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۷۳/۱، رقم المادة: ۸۶۱)، الباب الثاني في أحكام الهبة، مكتبه حنفية کوئٹہ)

اس کو صدقہ کریں (۱)۔

(ج): ہبہ کے لئے موہوب لہ کا قبضہ کرادینا لازم ہوتا ہے، یہاں ایسا نہیں ہوا، اس لئے یہ ہبہ تام نہیں، پاس بک لا کر حوالہ کر دینے سے قبضہ نہیں ہو گیا، بلکہ جمع شدہ روپیہ کے وصول کرنے کا حق ہو گیا (۲) وصول کرنے سے پہلے وہ روپیہ اصل مالک کا ہے اور انتقال کے بعد ورثاء مستحق ہیں، وھذا کلہ ظاہر۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۸۹ھ۔

مدرس کے انتقال کے بعد اس کی بقایا تنخواہ کا مستحق اس کا بڑا لڑکا ہوگا یا سب اولاد؟

سوال [۹۷۳۱]: قصبہ کیرانہ میں ایک مدرسہ قرآن پاک کی تعلیم کا عرصہ سے قائم ہے، اس کا خرچ وقف جامع سے نہیں دیا جاتا ہے، بلکہ ایک صاحب خیر نے کچھ اراضی خرید کر کے مدرسہ کے نام وقف کی، مگر وہ آمدنی بہت قلیل ہے، مدرسہ کا خرچ کچھ بچوں کی فیس اور اہل خیر کے چندہ سے پورا کیا جاتا ہے۔ بعض وجوہ کی بنا پر مولوی مسیح الزماں نے۔ جو اس مدرسہ کے مہتمم تھے۔ استعفیٰ دیدیا، اور مولوی خالد صاحب جو جامع مسجد کے جمعہ کے امام ہیں، وہ اس کے کارکن اور متولی ہو گئے۔

(۱) ”لو مات الرجل وکسبه من بیع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى، ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه“۔ (رد المحتار: ۳۸۵/۶، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳۴۹/۵، کتاب الکراہیۃ، الباب الخامس فی الکسب، رشیدیہ)

(۲) ”تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۶۲/۱، رقم المادة: ۸۳۷)، کتاب الهبة، مکتبہ حنفیہ، کوئٹہ)

”وتتم الهبة بالقبض الكامل“۔ (الدر المختار: ۶۹۰/۵، کتاب الهبة، سعید)

”ومنها أن يكون الموهوب مقبوضاً حتى لا تثبت الملك للموهوب له قبل القبض“۔ (الفتاویٰ

العالمگیریہ: ۳۷۴/۴، کتاب الهبة، الباب الأول، رشیدیہ)

جس وقت مولوی صاحب موصوف نے استعفیٰ دیا، مدرسین کی تنخواہوں کا حساب باقی تھا، حافظ رحمت اللہ صاحب مدرس اول کی تنخواہ قریب گیارہ ماہ کی باقی تھی، جس میں ان کو مبلغ فیس ماہانہ اور چندہ ماہانہ کی رقم وصول تھی، اور بقایا بعد وصول چندہ و فیس باقی تھی، دستخط کسی رقم پر نہیں تھے۔ حافظ رحمت اللہ صاحب مدرس اول کا انتقال ہو گیا، ان کی جگہ حافظ حنیف ان کا بڑا لڑکا مدرس ہو گیا، یہ بڑا لڑکا حالت حیات میں اپنے والد حافظ رحمت اللہ کی جگہ اکثر کام کرتا تھا، اور بقول مولوی خالد صاحب ایک زمانہ میں اس بڑے لڑکے نے گیارہ بارہ ماہ تک حافظ رحمت اللہ کی جگہ مدرسہ کا کام کیا، اور اس لڑکے کے ساتھ حافظ صاحب مذکور کا رہن سہن کھانا پینا تا حیات رہا۔

جب مولوی صاحب نے اہتمام سے استعفیٰ دیا ہے تو اس میں یہ بات طے ہو گئی کہ استعفیٰ تک جو تنخواہیں مدرسین کی بقایا ہیں ان کی ادائیگی کی ذمہ داری مولوی صاحب پر ہے، اور بعد ازاں مولوی خالد صاحب مولوی صاحب اب اس بقایا تنخواہ کو ادا کرنا چاہتے ہیں۔ حافظ رحمت اللہ فوت شدہ کے علاوہ حافظ حنیف کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی بقید حیات ہیں، مگر ان دونوں کا حافظ رحمت اللہ مرحوم کے ساتھ رہن سہن کا کوئی تعلق نہیں ہوا۔ مولوی خالد صاحب کا کہنا ہے کہ اس بقایا رقم کا مستحق بوجہ بالا حافظ حنیف ہے جو اب ان کی جگہ مدرس ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس بقایا تنخواہ کے وارث تینوں یعنی بڑا لڑکا اور چھوٹا لڑکا اور لڑکی ہیں، یا صرف بڑے لڑکے کو یہ بقایا رقم دیدی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بقایا تنخواہ حافظ صاحب مرحوم کا ترکہ ہے، جملہ ورثاء حسب حصص شرعیہ اس کے مستحق ہیں، تنہا بڑا لڑکا پوری تنخواہ کا حقدار نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۰/۶۲ھ۔

(۱) ”ثم يقسم الباقي بين ورثته: أي الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة ويستحق الإرث برحم

ونكاح وولاء“۔ (الدر المختار: ۶/۶۱، ۶۲، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۴/۳۹۵، کتاب الفرائض، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۴/۴۳، کتاب الفرائض، مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

غیر شادی شدہ لڑکا شادی کا خرچ میراث سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

سوال [۹۷۳۲]: ایک شخص مسمی زید کا انتقال ہوا، مرحوم نے اپنے پس پشت ایک بیوی اور ایک خواہر حقیقی اور پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے وارث چھوڑے۔ از روئے شرع شریف بیوی اور خواہر اور اولاد ذکور و اناث کو وراثت سے فرداً فرداً کس قدر حصہ ملے گا؟ مرحوم نے اپنی حیات میں پانچ لڑکیوں اور ایک لڑکے کی شادی اپنے حصے سے کی تھی، ایک لڑکا بے شادی شدہ ہے تو اس بے شادی شدہ لڑکے کو علاوہ حصہ کے شادی کا حصہ بھی باپ کی ملک سے علیحدہ شرعاً ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بشرط صحت سوال وعدم موانع ارث و بعد ادائے دین میت و مہر زوجہ و تحفیذ وصایا (۱) زید کے کل ترکہ کو بہتر سہام پر تقسیم کیا جاوے گا اور ہر وارث اپنے حصہ کا بقدر استحقاق مستحق ہوگا (۲)۔ اور بے شادی شدہ لڑکے کو علاوہ حصہ میراث کے باپ کے ترکہ سے شرعاً شادی کا حصہ نہیں ملے گا (۳)۔

تفصیل حصہ وراثت

مسئلہ ۸ تص ۷۲

زوجہ	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	اخت حقیقی
$\frac{1}{9}$	۱۲	۱۲	۷	۷	۷	۷	۷	محروم

(۱) ”یبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بتجهيزه، ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد، ثم تقدم وصيته من ثلث مابقي، ثم يقسم الباقي بين ورثته“۔ (الدر المختار: ۷۵۹/۲ - ۷۶۱، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الشریفۃ، ص: ۳ - ۷، سعید)

(۲) ”و يستحق الإرث برحم ونکاح و ولاء، فبدأ بذوی الفروض، ثم بالعصبات اه“۔ (الدر المختار: ۷۶۲/۲، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۶۵/۹، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۳) قال الله تبارک و تعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ، فَلَهُنَ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (سورة النساء: ۱۲) =

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۵۱/۱۲/۲۷ھ۔

صحیح: بندہ عبد الرحمن غفرلہ، ۵۱/۱۲/۲۷ھ۔

رخصتی سے پہلے انتقال ہو جائے تو مہر اور وراثت پوری پوری ملے گی

سوال [۹۷۳۳]: ایک نابالغہ لڑکی کا نکاح وکیل و گواہوں کی موجودگی میں حسب روئے شرع شریف اور دولہا کی جانب سے کچھ کپڑا اور سونا بھی دولہن کو دیا گیا، لیکن خطبہ نکاح نہیں پڑھایا گیا۔ نیز جانبین اولیاء کی طرف سے قرار پایا کہ رخصتی آٹھ ماہ بعد ہوگی، بقضائے الہی شوہر کا ۸/ ماہ کے بعد انتقال ہو گیا، اب تک بیوی سے ایک بار بھی خلوت صحیحہ نہیں ہوئی تھی۔ لہذا سوال ہے کہ عورت کس قدر مہر کی مستحق ہے، نیز جائیداد منقولہ وغیرہ ترکہ شوہر سے حصہ پائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئلہ میں نکاح صحیح ہو گیا، کیونکہ خطبہ پڑھنا نکاح کے لئے مندوب ہے فرض نہیں:

”ویندب إعلانه وتقديم خطبة، اه. ”در علی الشامی: ۲/ ۴۲۸ (۱)۔

اور لڑکی مہر مقررہ کی مستحق ہوگی:

”ومن سمی مہراً عشرةً فما زاد، فعليه المسمى إن دخل بها أو مات عنها؛ لأنه بالدخول يتحقق تسليم المبدل، وبه يتأكد البدل، وبالموت ينتهي النكاح نهائيه، والشئ بانتهاه يتقرر ويتأكد، فيتقرر بجميع مواجبه“۔ ہدایہ: ۲/ ۳۰۴ (۲)۔

= وقال الله تعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِي﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۱) (الدر المختار: ۸/۳، کتاب النکاح، سعید)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/ ۳۳۱، کتاب النکاح، فصل فی شرائط النکاح، رشیدیہ)

(۲) (الہدایہ: ۲/ ۳۲۲، کتاب النکاح، باب المہر، مکتبہ شریکۃ علمیۃ ملتان)

= ”ویجب الأكثر منها إن عند وطء أو خلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما“۔

اور میراث کی بھی مستحق ہوگی:

قال الکمال فی الفتح: ۴۳۸/۲: ”(قوله: والشئ بانتھائه يتقرر)؛ لأن انتھائه عبارة عن

وجوده بتمامه، فيستعقب مواجهه الممكن إلزامها من المهر والإرث والنسب، الخ“ (۱)۔

ويتحقق الإرث برحم ونكاح صحيح ولو بلا وطئ ولا خلوة إجماعاً۔ شامی:

۶۶۶/۸ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۲۴/ ذی الحجہ/ ۱۴۵۱ھ۔

صحیح: بندہ عبد الرحمن غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

داد اور مربی کے مال میں حق

سوال [۹۷۳۲]: شیخ عبدالکریم نے انتقال کیا اور مسمی عبدالشکور ایک لڑکا چھوڑا اور اپنی بیوی اور ایک لڑکی مسماۃ شافعہ کو۔ شیخ مرحوم کے انتقال کے بعد ہی ان کے والد شیخ عبدالقادر بھی بیمار پڑے، جب بظاہر بچنے کی کوئی علامت معلوم نہ ہوئی تو محلہ کے چند بزرگوں مثلاً: مولوی عبدالعالی مرحوم، شیخ خان محمد مرحوم، حاجی نور محمد مرحوم اور شیخ محمد عثمان۔ جو اب بھی بقید حیات ہیں۔ نے عبدالشکور کے واسطے سفارش کی کہ آپ کے لڑکے عبدالکریم کا انتقال ہو چکا ہے، آپ ان کے لڑکے عبدالشکور کے متعلق کیا کہتے ہیں جو بوجہ والد کے انتقال کے محبوب اور محروم رہے، تو جواب میں بولنے کی معذوری کی وجہ سے تینوں انگلیاں اٹھا کر اس کا اشارہ کیا کہ تینوں (یعنی لڑکا محمد نعیم اور لڑکا عبدالحمید اور عبدالشکور پوتا) برابر برابر ہیں۔

اس کے بعد عبدالقادر نے انتقال کیا اور ان کے ترکہ جائیداد کو وصیت کے مطابق عبدالحمید، محمد نعیم اور عبدالشکور نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ باپ دادا دونوں کے انتقال، اور متروکہ جائیداد کے وصیت کے مطابق تقسیم

= (الدر المختار: ۱۰۲/۳، کتاب النکاح، باب المهر، سعید)

(۱) (فتح القدیر: ۳۲۲/۳، کتاب النکاح، باب المهر، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(۲) (رد المحتار: ۷۶۲/۶، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۴۷/۶، کتاب الفرائض، الباب الأول، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۶۵/۹، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

ہو جانے کے بعد عرصہ ڈیڑھ دو ماہ کے عبدالکریم مرحوم کے ایک لڑکا مسمیٰ محمد پیدا ہوا، چونکہ باپ دادا دونوں کے انتقال کے بعد محمد کی پیدائش ہوئی تھی اس لئے ان کی پرورش اور جملہ ضروریات کی تمام ذمہ داری عبدالشکور کے ذمہ رہی، عبدالشکور ان کی جملہ ضروریات کو پوری کرتے رہے۔

عبدالشکور کو جو رقم بذریعہ وصیت ترکہ میں ملی اس سے کاروبار کرنے لگے اور اپنے دست بازو سے کمائے ہوئے سرمایہ سے اپنے اہل و عیال اور نیز محمد کی پرورش اور نگہداشت کرتے رہے، ان کی متعدد شادیاں بھی کیں۔ محمد جب کام سیکھنے کے قابل ہوئے تو استطاعت کے مطابق وہ بھی عبدالشکور کا ہاتھ بٹاتے رہے اور کام کاج کرتے رہے، اس طرح سے محمد، عبدالشکور کے ہمراہ عرصہ دراز تک رہے اور عبدالشکور ان کی جملہ ضروریات زندگی کو پوری کرتے رہے۔ اب عرصہ پانچ چھ سال سے محمد، عبدالشکور سے الگ رہنے لگے ہیں اور اپنے حق شرعی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

لہذا مذکورہ بالا حالات کی روشنی میں حسب ذیل سوالات کے جوابات بیان فرمائے جائیں:

۱..... جب کہ محمد اپنے باپ دادا دونوں کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے تو محمد کا وصیت میں کوئی حق شرعی ہوتا ہے یا نہیں، اگر ہوتا ہے تو کتنا اور کیونکہ، اور اگر نہیں تو کیونکر؟

۲..... عبدالشکور نے جو کاروبار کیا اور جائیداد فراہم کی اس میں بحالت مذکورہ محمد کا کوئی حق شرعی ہوتا ہے یا نہیں، اگر ہوتا ہے تو کتنا اور کیونکر، اور اگر نہیں ہوتا ہے تو بھی کیونکر؟ مدلل اور واضح بیان فرمایا جائے؟ بینواتوجروا؟

نیازمند: محمد مصطفیٰ اعظمی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر شیخ عبدالقادر جب ہی بولنے سے معذور ہوئے اور زبان بند ہوئی تھی تو اس وصیت کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، بلکہ حسب ضابطہ علم فرائض میراث تقسیم ہوگی۔ اگر زبان بند ہوئے دیر ہو چکی تھی اور اپنے مقصد کو اشارات ہی سے سمجھاتے تھے اور پاس رہنے والے اشاروں کو سمجھتے تھے تو شرعاً ان کی وصیت معتبر ہوگی (۱) اور محمد

(۱) "ولا من معتقل اللسان بالإشارة إلا إذا امتدت عقلته حتى صارت له إشارة معهودة، فهو كأخرس

..... وقيل: إن امتدت لموته، جاز إقراره بالإشارة والإشهاد عليه، وكان كأخرس، قالوا: وعليه الفتوى." =

بوقت وصیت پیدا نہیں ہوا تھا، نہ اس کے حق میں کوئی وصیت کی، وصیت کی رو سے کوئی استحقاق نہیں:

”إيماء الآخرس وكتابتہ كالبيان باللسان، بخلاف معتقل اللسان في وصية ونكاح وطلاق وبيع وشراء وقود وغيرها من الأحكام: أي إيماء الآخرس فيما ذكر معتبر، ومثله معتقل اللسان إن علمت إشارته رامتدت عقلته، به يفتى، اه“۔ درمختار۔ ”(قوله: به يفتى) هو رواية عن الإمام، ومقابله ما في الكفاية عن الإمام التمرتاشي تقديره بسنة، اه“۔ شامی: ۵/۶۴۵ (۱)۔

۲..... جبکہ اصل سرمایہ عبدالشکور کا ہے اور اس نے ہی محمد کی پرورش کی ہے اور پھر بعد میں محمد نے عبدالشکور کی پرورش وغیرہ میں خرچ کیا ہے (۲)، اس کے عوض میں محمد نے عبدالشکور کی اعانت کی ہے، لہذا محمد کو مطالبہ کا حق نہیں۔ عبدالشکور اگر از خود کچھ دیدے تو تبرع اور احسان سمجھ کر قبول کر لینا چاہیے، جیسا کہ باپ کوئی کاروبار کرے اور بیٹا اس کا ہاتھ بٹائے تو وہ سب باپ کی ملک ہوتا ہے:

”الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن

= (الدرالمختار: ۶/۶۵۷، کتاب الوصایا، سعید)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۱۰۹، کتاب الوصایا، الباب الرابع، فصل في اعتبار حالة الوصية، رشیدیہ)

(و كذا في البزازیة على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۵۳، کتاب الوصایا، نوع في تصرف المريض، رشیدیہ)

(۱) (ردالمحتار: ۶/۷۳۷، ۷۳۸، کتاب الوصایا، مسائل شتى، سعید)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ”ولو أنفق على عبد مشترك أو أدى خراج كرم مشترك، فهو متطوع الكل“۔ (الدرالمختار)۔

”وذكر قبيله في قن أو زرع بينهما، فغاب أحدهما وأنفق الآخر، يكون متبرعاً“۔

(ردالمحتار: ۴/۳۳۲، کتاب الشركة، مطلب مهم فيما إذا امتنع الشريك من العمارة والإنفاق في المشترك، سعید)

كَانَ الْإِبْنُ فِي عِيَالِهِ، لَكُونَهُ مَعِينًا لَهُ، أَلَا تَرَى لَوْ غَرَسَ شَجْرَةً تَكُونُ لِلْأَبِ، أَهْ. شَامِي:
 ۴/۸۳ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور۔
 الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/رجب/۶۷ھ۔

غائب غیر مفقود کا حصہ وراثت

سوال [۹۷۳۵]: شجاعت علی خان مرحوم کے تین لڑکے: حلیم خاں، سلیم خاں، نعیم خاں ہیں۔ حلیم خان ۱۹۴۳ء میں گھر سے چلے گئے تلاشِ معاش کے سلسلہ میں، ۱۹۵۲ء میں معلوم ہوا کہ حلیم خان مونگیر جیل میں ہیں، چنانچہ اس کے ملاقاتی ایک جیل کے سپاہی نے حلیہ بھی بتلادیا، لیکن کوششِ بلوغ کے باوجود حلیم خان سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ اس درمیان شجاعت علی خان مرحوم نے اپنے بیٹے سلیم خان اور نعیم خان کے ساتھ مل کر جائیداد بڑھائی اور کل جائیداد مرحوم نے اپنے نام رکھی۔ بعدہ شجاعت علی خان مرحوم ۱۹۵۶ء میں انتقال کر گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ مرحوم کی جائیداد میں مفقود الخیر حلیم خان کا حصہ ہوگا یا نہیں؟ حلیم خان کی بیوی اور ایک لڑکا موجود ہے جو اپنے باپ حلیم خان کا حصہ چاہتا ہے، کیونکہ شجاعت علی خان مرحوم کی جائیداد سے ان کی بیوی اور ان کے دوسرے لڑکے سلیم خان اور نعیم خان فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لہذا دریافت یہ ہے کہ شجاعت علی خان مرحوم کی جائیداد سے کس کا کیا حصہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ حلیم خان کا مونگیر جیل میں ہونا معلوم ہے تو اس کو مفقود الخیر قرار نہیں دیا جائے گا (۲)، بلکہ سلیم

(۱) (رد المحتار: ۳/۳۲۵، کتاب الشریکۃ، فصل فی الشریکۃ الفاسدۃ، سعید)

(و کذا فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ: ۲/۱، کتاب الدعوی، مطلب: ما اکتسبه الابن لابیہ، مکتبۃ میمنیۃ مصر)

(۲) ”المفقود هو غائب لم يُدر أحيى هو فيتوقع، أم ميت“۔ (الدر المختار)۔ ”(قوله: هو غائب) أفاد أن قول الكنز: هو غائب لم يدر موضعه، معناه: لم تدرك حياته ولا موته. قال في البحر: فالمدار إنما هو على الجهل بحياته وموته لا على الجهل بمكانه..... قلت: الظاهر أن علم المكان يستلزم العلم بالموت =

خان اور نعیم خان کی طرح وہ بھی ترکہ کا برابر مستحق ہوگا۔ اگر شجاعت علی خان کے والدین اور بیوی کا انتقال پہلے ہو چکا ہے اور اس کے ورثاء صرف یہ تین لڑکے ہیں تو بعد اداۓ حقوق متقدمہ علی المیراث ان تینوں کو برابر تقسیم ہوگا (۱)، پھر حلیم خان کے حصہ میں جو کچھ آئے اس کو محفوظ رکھا جائے، اور خود اس سے دریافت کر کے اگر وہ کہے تو اس کی بیوی اور لڑکے کو دیدیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۸۸ھ۔

گناہ کی وجہ سے میراث ساقط نہیں ہوتی

سوال [۹۷۳۶]: ایک شخص عبداللہ نامی کا انتقال ہوا، انتقال کے وقت دو لڑکے: خالد وزاہد اور ایک لڑکی شہناز بیگم کو چھوڑا۔ بڑے بھائی نے شہناز بیگم کی شادی کر دی۔ ابھی چھوٹے بھائی کی شادی نہیں ہوئی تھی، نہ ترکہ کی تقسیم ہوئی تھی کہ بہن نے ایک شخص سے منہ کالا کر لیا اور حمل قرار پا گیا، جب لوگوں میں شہرت ہوئی تو دونوں بھاگ کر چلے گئے اور پہلے شخص کے طلاق دینے کے بعد دونوں نے آپس میں شادی کر لی۔ اب مال کی تقسیم ہوئی، دونوں بھائیوں نے دنیوی رسم کے مطابق آپس میں تقسیم کر لیا اور بہن کا حصہ نہیں رکھا۔

کچھ دنوں کے بعد کسی خیر خواہ نے کہا: اس میں تمہاری بہن کا بھی حصہ ہے اور یہ حق العبد ہے، یہ معاف نہیں ہو سکتا، اس کو اس کا حق دیدو۔ تو انھوں نے غصہ میں آ کر کہا ہم بھی جانتے ہیں کہ اس کا بھی حق ہے، لیکن

= والحیاء غالباً۔ (ردالمحتار: ۲۹۲/۴، کتاب المفقود، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۴۵۶/۶، الباب الثامن فی المفقود والأسیر، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص: ۱۳۷، فصل فی المفقود، سعید)

(۱) ”یبدأ من ترکۃ المیت الخالیۃ عن تعلق حق الغیر بعینہا کالرهن بتجهیزہ من غیر تقتیر ولا

تبدیر ثم تقدم وصیتہ من ثلث مابقی، ثم یقسم الباقی بعد ذلک بین ورثتہ: أى الذین ثبت إرثہم

بالکتاب والسنة“۔ (الدرالمختار)۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ”(قوله: أى الذین ثبت إرثہم

بالکتاب): أى القرآن وهم الأبوان، والزوجان، والبنون والبنات، والإخوة“۔ (ردالمحتار، کتاب

الفرائض: ۷۶۲/۶، سعید)

ایسے نالائقوں کو حق نہیں ملنا چاہیے، یہ کہہ کر انکار کر دیا، گویا زنا ان کے نزدیک مانع ارث ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعۃً ازروئے شرع زنا مانع ارث ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زنا گناہ کبیرہ ہے (۱)، لیکن لڑکی اس کی وجہ سے اپنے والد کے ترکہ سے محروم نہیں کی جائے گی (۲)، جو لوگ اس کا حق نہیں دیتے ہیں وہ غاصب و ظالم ہیں، اس کا وبال دنیا و آخرت دونوں جگہ ہوگا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۹۱ھ۔

کیا پاگل کی بیوی کو میراث ملے گی؟

سوال [۹۷۳]: مجنون اور پاگل شخص کو اس کے والد مرحوم کی جائیداد میں حصہ ملے گا یا نہیں؟ اس پاگل شخص کا انتقال باپ کے بعد مگر ماں کی موجودگی میں ہوا ہے۔

۲..... مطلقہ بیوی نے اپنے شوہر پر مقدمہ دائر کیا، شوہر کے بھائی نے صلح کر کے مقدمہ واپس کر دیا اور مطلقہ کو پاگل شوہر کی جائیداد سے ساڑھے تین آنہ کا حصہ دیدیا، یہ وکلاء کی رائے سے دیا گیا اور اس لئے دیا تا کہ

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ (سورة الإسراء: ۳۲)

(۲) اس لئے کہ زنا موانع ارث میں سے نہیں ہے:

”الموانع من الإرث أربعة: الرق والقتل واختلاف الدينين، واختلاف الدارين“۔ (السراجی، ص: ۴ ط: سعید)

(وکذا فی الدر المختار: ۶/۶۶۷، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۴، کتاب الفرائض، الباب الخامس فی الموانع، رشیدیہ)

(۳) ”عن أبي حرة الرقاشی عن عمه رضی اللہ تعالیٰ عنہ، أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه“۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۴/۳۸۷، رقم الحدیث:

۵۴۹۲)، باب شعب الإيمان، دارالکتب العلمیہ بیروت)

”ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعی“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۲،

(رقم المادة: ۹۷)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

آئندہ کوئی جھگڑا نہ رہے، مگر اس کے باوجود مطلقہ بیوی اب پھر مطالبہ کر رہی ہے اور کورٹ میں کر رہی ہے۔ کیا کورٹ کا کیا ہوا فیصلہ ٹھیک اور درست ہو سکتا ہے؟

۳..... کورٹ کو اسلامی (لاء) قانون کے خلاف فیصلہ کرنے کا حق ہے، کیا اس فیصلہ پر عمل کیا جائے خصوصاً مسلمانوں کو؟ فقط۔

سلطان احمد، ڈی این مرچنٹ، ٹرنک روڈ، راپنچور (اے پی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جنون موانع ارث میں سے نہیں ہے (۱)، حسب قانون شرع مجنون بھی اپنے والد مرحوم کے ترکہ سے حصہ میراث پائے گا (۲)۔

۲..... مرحوم کی اولاد موجود ہے، اگر مرحوم نے مرض الوفات میں طلاق دی تھی تو بیوہ مطلقہ کو ترکہ مرحوم سے بعد ادائے دین مہر وغیرہ آٹھواں حصہ ملے گا ۱/۸، جبکہ عدت ختم ہونے سے پہلے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو (۳)،

(۱) ”الموانع من الإرث أربعة: الرق، والقتل، واختلاف الدينين، واختلاف الدارين“۔ (السراجی، ص: ۴، سعید)

(و کذا فی الدر المختار: ۷۶۶/۶، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) ”ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء“۔

(الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۴۷/۶، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۷۶۲/۶، کتاب الفرائض، سعید)

(۳) ”الرجل إذا طلق امرأته طلاقاً رجعياً في حال صحته أو في حال مرضه ثم مات وهي في

العدة، فإنهما يتوارثان بالإجماع ولو طلقها طلاقاً بائناً أو ثلاثاً، ثم مات وهي في العدة، فكذلك

عندنا ترث“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۶۲/۴، کتاب الطلاق، الباب الخامس فی طلاق

المريض، رشیدیہ)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۵۵۵/۱، کتاب الطلاق، فصل فی

المعتدة التي ترث، رشیدیہ)

(و کذا فی شرح الوقایہ: ۹۳/۲، کتاب الطلاق، باب طلاق المريض، سعید)

اس سے زائد کی وہ حقدار نہیں۔

۳..... تقسیم میراث میں قرآن کریم کا فیصلہ معتبر ہے، قرآن ہی نے حصہ میراث متعین کیا ہے، اسی کو فیصلہ کا حق ہے (۱)، حصہ کسی اور نے متعین کیا ہوتا تو اس کے فیصلہ کا اعتبار ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۹۵ھ۔

ناراض بیوی کو میراث کا حصہ اور مہر دونوں ملیں گے

سوال [۹۷۳۸]: ہندہ کنواری لڑکی، قوم بلوچ کا عقد اس کے باپ نے زید جو کہ قوم سے جو یہ ہے کرادیا، اس کے بعد ہندہ اپنے خاوند زید کے پاس تھوڑے ایام ٹھہری تھی کہ ہندہ کا باپ کسی ناراضگی کی وجہ سے اپنی لڑکی ہندہ کو اپنے گھر لے گیا۔ بعدہ کچھ عرصہ بعد زید بیمار ہو گیا اور کئی پیغام بھیجے کہ میری بیوی مسماۃ ہندہ کو میرے پاس کر جاؤ، مگر ہندہ کے باپ نے زید کے پاس ہندہ کو نہیں بھیجا اور نہ خود ہندہ اپنے خاوند کے پاس آئی، حتیٰ کہ زید فوت ہو گیا۔ کیا اس صورت میں مسماۃ ہندہ کو زید کے مال و متاع سے شرعاً کچھ حصہ ملے گا یا نہیں؟
۲..... نیز ہندہ کو اس کے خاوند نے مہر بھی نہیں دیا تھا کہ فوت ہو گیا تو اب بعد انتقال ہندہ مہر کی حقدار ہے یا نہیں اور ہندہ کو زید کے مال سے مہر کس طرح ادا کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... زید نے ہندہ کو طلاق نہیں دی، لہذا شرعی طریق پر وہ میراث کی مستحق ہے، اس ناراضگی کی وجہ سے

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا، فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ، إِنْ اللَّهُ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (سورة النساء: ۱۱)

وقال العلامة أبو بكر الرازی: ”قيل: معناه: لا تعلمون أيُّهم أقرب لكم نفعاً في الدين والدنيا، والله يعلمه، فاقسموه على ما بينه؛ إذ هو عالم بالمصالح“. (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۱۲۰، قديمی).
”سمى هذا العلم فرائض؛ لأن الله قدره بنفسه ولم يفرض تقديره إلى ملكٍ مقرب ولا نبيٍّ مرسل، وبین نصيب كل واحد بخلاف سائر الأحكام“. (تبيين الحقائق: ۷/۴۷۱، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۷۵۸، كتاب الفرائض، سعيد)

وہ میراث سے محروم نہیں ہوئی، اگر زید کے گھر بالکل نہ گئی ہوتی تب بھی وارث ہوتی:

”وتوارثا قبل الفسخ؛ لأن النكاح صحيح والملک به ثابت، فإذا مات أحدهما فقد انتهى النكاح، سواء مات قبل البلوغ أو بعده؛ لأن الفرقة بينهما لا تقع إلا بقضاء القاضي، فيتوارثان ويجب المهر كله وإن مات قبل الدخول، اه“۔ زیلعی: ۱۲۵/۲ (۱)۔

۲..... اگر زید نے مہر ادا نہیں کیا اور ہندہ نے معاف نہیں کیا تو ہندہ اس مہر کی مستحق ہے، میراث کی تقسیم کرنے سے پہلے اور قرض کی طرح مہر کی ادائیگی بھی ضروری ہے (۲)، اولادین مہر وغیرہ ادا کر دیا جائے، اس کے بعد اگر کچھ بچے تو اس کو ورثاء میں حسب حصص شرعیہ تقسیم کیا جائے، دلیلہ ما مرفی الجواب الأول۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بِحَالَتِ مَرَضٍ طَلَّاقٍ سَے بیوی کو وراثت ملے گی یا نہیں؟

سوال [۹۷۳۹]: ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ أيہا العلماء الکرام والجہابذہ العظام فی ہذہ المسئلۃ أن رجلاً قد طلق امرأته ثلاثاً فی حالة الصحة، ثم مات الرجل وهی فی العدة، فهل ترثه أم لا؟ بینوا بحوالۃ الکتب والبرہان، توجروا عند اللہ المنان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لاترث فیہ، قال فی الكنز: ”طلقها رجعیاً أو بائناً فی مرضه ومات فی عدتها، ورثت، وبعدها لا“۔ الی آخرہ (۳)۔

قال فی البحر: ”أطلق البائن، فشمّل الواحدة والثلاث، وقید بأن یكون فی مرضه

(۱) (تبیین الحقائق: ۵۱۱/۲، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) ”ثم تقدم دیونہ التي لها مُطالبٌ من جهة العباد“۔ (الدر المختار: ۷۶۰/۲، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۶۴/۹، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی الشریفیۃ، ص: ۵، سعید)

(۳) (کنز الدقائق، ص: ۱۲۳، کتاب الطلاق، باب طلاق المریض، سعید)

احترازاً عما إذا طلق في الصحة ثم مرض ومات وهي في العدة، لا ترث“۔ إلى آخره (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

کیا کوئی وارث ترکہ میت کا کرایہ دار ہو سکتا ہے؟

سوال [۹۷۴۰]: میرے والد صاحب مرحوم نے اپنی حیات میں اپنی جائیداد اپنی اولاد کے درمیان تقسیم کر دی اور ایک مکان اس تصریح کے ساتھ باقی رکھا کہ اس کے کرایہ کی آمدنی میں سے ۱/۴ حصہ میرے اور

(۱) (البحر الرائق: ۷۰/۴، کتاب الطلاق، باب طلاق المريض، رشیدیہ)

قال العلامة كمال الدين ابن الهمام: ”(قوله: في مرض موته) احتراز عما لو صح من ذلك المرض بعد ما طلقها، ثم مات وهي في العدة، لا يكون له حكم مرض الموت، فلا ترثه وأجمعوا أنه لو طلقها في الصحة في كل طهر واحدة، ثم مات أحدهما، لا يرثه الآخر“۔ (فتح القدیر:

۱۴۵/۴، کتاب الطلاق، باب طلاق المريض، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و كذا في الدر المختار، ص: ۳۸۸، کتاب الطلاق، باب طلاق المريض، سعید)

ترجمہ سوال

ایک شخص نے حالت صحت میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں، عورت ابھی عدت ہی میں تھی کہ اس شخص کا انتقال ہو گیا۔ تو اس صورت میں وہ عورت وارث ہوگی یا نہیں؟

ترجمہ جواب

اس صورت میں وراثت نہیں ہوگی، کنز میں ہے: کسی شخص نے اپنی بیوی کو اپنی حالت مرض میں رجعی یا بائن طلاق دیدی اور شخص بیوی کے زمانہ عدت میں مر گیا تو وہ عورت وارث ہوگی اور اگر اس کی عدت کے بعد مر تو وارث نہیں ہوگی، الخ۔ بحر میں کہا ہے کہ بائن کو مطلق ذکر کیا ہے، پس یہ ایک اور تین دونوں کو شامل ہے اور اپنے مرض میں ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے، یہ اس صورت سے احتراز ہے جبکہ حالت صحت میں طلاق دی ہو پھر مریض ہوا ہو اور عورت کے زمانہ عدت میں مر گیا ہو کہ اس صورت میں عورت وارث نہیں ہوگی، الخ۔

میرے والدین کے ایصالِ ثواب میں خرچ ہوگا اور بقیہ ۴/۳ حصہ ورثاء آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ ورثاء میں پانچ لڑکے اور ایک لڑکی شامل ہیں، چنانچہ ان کے انتقال کے بعد اس پر عملدرآمد ہوتا رہا۔

اس مکان کے ایک حصہ میں میرے ایک بھائی کرایہ پر آباد ہیں، اور پرانا کرایہ متعین کیا ہوا ادا کر رہے ہیں، جبکہ اب مارکیٹ میں کرایہ کاریٹ بہت بڑھ گیا ہے۔ میں نے ایک بھائی اور بہن کا حصہ خرید لیا ہے، اب میں ڈھائی حصہ کا مالک ہوں۔ کرایہ دار بھائی کے علاوہ بقیہ سب حصہ داروں کا ان سے مطالبہ ہے کہ موجودہ کرایہ میں موجودہ نرخ کے مطابق اضافہ کریں جس سے ایصالِ ثواب کی رقم میں اضافہ ہو اور ورثاء کے حصہ رسد میں بھی، لیکن اس پر وہ بھائی تیار نہیں ہیں، اس لئے سب حصہ دار چاہتے ہیں کہ وہ مکان خالی کر دیں تاکہ دوسرے کو موجودہ کرایہ پر دیا جاسکے، لیکن وہ اس کے لئے بھی آمادہ نہیں ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کرایہ دار بھائی بقیہ بھائیوں (حصہ داروں) کا مطالبہ ماننے کے پابند ہیں یا نہیں؟ سوال کا منشاء یہ ہے کہ چونکہ وہ بھی ۴/۳ حصہ میں ۱۱/۲ حصہ کے مالک ہیں تو کیا اتنی ملکیت کی بناء پر وہ سب کا مطالبہ رد کرنے کے مجاز ہیں، اور بقیہ بھائیوں کا مطالبہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً:

جبکہ وہ بھائی بحیثیت وارث اس مکان سے منتفع ہونے کے حقدار ہیں تو نہ ان کو مکان خالی کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے، نہ ان سے کرایہ وصول کیا جاسکتا ہے۔ وصیت پوری کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ مکان کی تقسیم کر کے ۴/۱ کو حسب وصیت کرایہ پر دیا جائے، پھر خواہ کوئی وارث کرایہ پر لے یا غیر، اور کرایہ ایصالِ ثواب میں صرف کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ۴/۱ حصہ فروخت کر دیا جائے (۱)، وارث اگر

(۱) "صحت الوصیۃ بخدمة عبده وسكنی داره مدة معلومة وأبداء، وبغلتها، فإن خرجت الرقبة من الثلث سلمت إليه: أي الموصی له، لها: أي لأجل الوصیة، وإلا تخرج من الثلث، تقسم الدار أثلاثاً". (الدر المختار).

"ولو أوصی بغلة داره أو عبده فی المساکین، جاز..... لأن الغلة عین مال يتصدق به".

(ردالمحتار: ۶/۶۹۱، ۶۹۲، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالخدمة والسكنی والثمرۃ، سعید)

(وکذا فی الهدایۃ: ۳/۲۸۲، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالسكنی والخدمة والثمرۃ، مکتبہ شرکت

علمیہ ملتان) =

خریدنا چاہے تو وہ مقدم ہے (۱)، اس کی قیمت ایصالِ ثواب میں صرف کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۹۵ھ۔

سوال متعلق استفتاء بالآ

سوال [۹۷۴]: ایک استفتاء نمبر ۳۹ (ت) کیا تھا جس کا جواب گیا تھا، اسی مسئلہ میں ایک بات اور معلوم کرنی ہے۔ جو جواب گیا تھا، اس کو ذیل میں درج کر رہا ہوں:

”جبکہ وہ بھائی بحیثیت وارث اس مکان سے منفعہ ہونے کے حقدار ہیں تو نہ ان کو

مکان خالی کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے، نہ ان سے کرایہ وصول کیا جاسکتا ہے۔ وصیت پوری

کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ مکان کی تقسیم کرے، ۴/۱ کو حسب وصیت کرایہ پر

= (و کذا فی البحر الرائق: ۹/۲۹۴، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالخدمة والسکنی والثمرۃ، رشیدیہ)

(۱) ”الشفعة واجبة للخلیط فی نفس المبیع، ثم للخلیط فی حق المبیع أفاد أن هذا اللفظ ثبوت

حق الشفعة لكل واحد من هؤلاء، وأفاد الترتیب، أما الثبوت فلقوله علیه السلام: ”الشفعة لشريك

مالم يقاسم“. ولقوله علیه السلام: ”جار الدار أحق بالدار“. (الهدایة: ۴/۳۸۷، کتاب الشفعة، مکتبہ

شرکت علمیہ ملتان)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۱۶، کتاب الشفعة، سعید)

(۲) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: ”وفي البحر: من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره

من الأموات والأحياء، جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة، كذا في البدائع“.

(رد المحتار: ۲/۲۴۳، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳/۱۰۵، کتاب الحج، باب الحج عن الغير، رشیدیہ)

”فلإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة، صلاةً كان، أو صوماً، أو

حجاً، أو صدقةً، أو قراءة القرآن، أو الأذکار، أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت“.

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، ص: ۶۲۲، قدیمی)

دیا جائے کہ پھر خواہ کوئی وارث کرایہ پر لے یا غیر، اور ایصالِ ثواب میں خرچ کیا جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ۱/۴ حصہ فروخت کر دیا جائے، وارث اگر خریدنا چاہے تو مقدم

ہے، اس کی قیمت ایصالِ ثواب میں خرچ کی جائے۔

آپ نے وصیت پوری کرنے کی دو صورتیں بیان کی ہیں، دوسری صورت یہ بیان کی ہے کہ وہ ۱/۴ حصہ

فروخت کر دیا جائے، وارث اگر خریدنا چاہے تو مقدم ہے۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ اگر اکثر وارث یہ چاہتا

ہے کہ میں خرید لوں تو اس سلسلہ میں رفعِ نزاع کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل تو وصیت پورا کرنے کی پہلی ہی صورت ہے، یعنی تقسیم کر کے ۱/۴ حصہ کو بالکل جدا کر دیا جائے،

لیکن اگر باہمی نزاع کی وجہ سے یہ صورت ممکن نہ ہو، یا تقسیم کے بعد ۱/۴ حصہ قابلِ انتفاع نہ رہے تو پھر دوسری

صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے، جو شخص زیادہ قیمت دے اس کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے (۱)، پھر قیمت کو

ایصالِ ثواب میں خرچ کرنے کے لئے کوئی دوسرا مکان خرید کر اس کو کرایہ پر دیا جائے (۲)، اس کا کرایہ صدقہ کیا

(۱) ”و کذا یفتی بکل ما هو أنفع للوقف فیما اختلف العلماء فیہ، ومتی قضی بالقیمۃ شری بہا عقاراً

آخرًا، فیکون وقفاً بدل الأول“۔ (الدر المختار: ۴/۸۰۸، ۴۰۹، کتاب الوقف، سعید)

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۲/۵۵۳، کتاب الوقف، فصل: یراعی شرط الواقف فی

إجارته، دار المعرفۃ بیروت)

(۲) قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ”وفی البحر: من صام أو صلی أو تصدق وجعل ثوابہ لغيرہ

من الأموات والأحیاء، جاز، ویصل ثوابہا إلیہم عند أهل السنۃ والجماعۃ، کذا فی البدائع“۔

(رد المختار: ۲/۲۴۳، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجنازۃ، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳/۱۰۵، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، رشیدیہ)

”فلإنسان أن يجعل ثواب عملہ لغيرہ عند أهل السنۃ والجماعۃ، صلاۃ کان، أو صوماً، أو حجاً،

أو صدقۃ، أو قرأۃ القرآن، أو الأذکار، أو غیر ذلک من أنواع البر، ویصل ذلک إلی المیت“۔ (حاشیۃ =

جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۸/۹۵ھ۔

دین مہر کی وراثت

سوال [۹۷۲]: ایک عورت کا انتقال ہوا اور شوہر اس کا زندہ ہے اور شوہر کے ذمہ اس کا دین مہر ہے اور عورت کے ایک لڑکا اور والدہ اور تین بھائی ہیں۔ لہذا از روئے شریعت دین مہر سے کس کس کو اور کتنا کتنا پہونچتا ہے؟ اور عورت کے پانچ ماہ بعد لڑکے کا انتقال ہو گیا اور اس کے والد اور نانا اور تین ماموں ہیں۔ لہذا از روئے شریعت اس کے حصہ کے کون کون حقدار ہوں گے اور کتنا کتنا پہونچے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کا ترکہ بعد تجہیز و تکفین و ادائے دین میت و تنفیذ وصایا (۱) بارہ سہام قرار دے کر حسب نقشہ ذیل صورت مسئلہ میں تقسیم ہوگا (۲)۔

= الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجنائز، ص: ۲۲۲، قدیمی

(۱) ”یبدأ من ترکۃ المیت بتجهیزه، ثم تقدم ديونه التي لها مُطالبٌ من جهة العباد، ثم تقدم وصيته من

ثلث مابقي، ثم يقسم الباقي بين الورثة“۔ (الدر المختار: ۶/۷۱، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الشریفیۃ، ص: ۳-۷، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۳۶۵، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۲) اولاد کی موجودگی میں شوہر کو ترکہ کا چوتھائی حصہ ملے گا:

قال الله تعالى: ﴿فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ، فَلَكُمْ الرِّبْعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةِ يَوْصِيْنَ بِهَا أَوْ دِينَ﴾

(سورة النساء: ۱۲)

اور اولاد کی موجودگی میں میت کے والدین کو سدس (چھٹا حصہ) ملے گا:

وقال الله تبارك وتعالى: ﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾

(سورة النساء: ۱۱)

مسئلہ ۱۲	مسماة
شوہر	بھائی
۳	محروم
والدہ	لڑکا
۲	۷

مسئلہ ۱	مستقیم	لڑکا ص ۷
والد	نانا	ماموں
$\frac{1}{2}$	محروم	محروم

مسئلہ ۱۲	الأحیاء الملۃ	غناء
شوہر	عورت کی والدہ	
۱۰	۲	

دین مہر کو بمنزلہ ترکہ موجودہ فرض کر کے مثل اور ترکہ کے اس میں بھی بصورت بالا وراثت جاری ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ ہذا، ۲۳/۷/۵۵ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۳/رجب۔

جہیز، مہر، وراثت

سوال [۹۷۳]: زید کے دو بیٹے: بکر و عمر ہیں، ہر دو کی شادی مسماة الف و ب دونوں حقیقی

بہنوں سے ہوئی ہے، الف بکر کی اور ب عمر کی منکوحہ ہے۔ کچھ عرصہ بعد بقضائے الہی عمر لا ولد فوت ہو جاتا ہے،

اس کی منکوحہ مسماة ب عدت مقررہ اپنی سسرال میں گزار کر بعد انقضائے عدت مسماة ب بیوہ کو اس کے والدین

میکے لے جانا چاہتے ہیں تو مسمی زید مذکور بیوہ مذکورہ کو اس کے والدین کے حوالہ نہیں کرتے، بلکہ مسماۃ مذکورہ کو خلاف مرضی مسماۃ ب و والدین مسماۃ ب جبراً سرال میں روکے رکھتا ہے، حتیٰ کہ زید مذکور بیمار ہو کر بستر مرگ پر دراز ہو جاتا ہے اور مرنے سے پیشتر اپنی بہو مسماۃ ب کو کہتا ہے کہ میرے بعد میری جملہ جائیداد و املاک نفقہ کی تم مالک ہو اور نصف دیگر مسمی بکر کی ملک ہے۔

زید مذکور کے مرنے کے بعد جب مسماۃ ب اپنے میکہ میں آئی اور مسمی بکر سے اپنے مال کا مطالبہ کیا تو مسمی بکر نے مسماۃ ب کو مال دینے سے صاف انکار کر دیا اور باپ اور متوفی بھائی کی جملہ جائیداد املاک پر قابض ہو گیا، حتیٰ کہ مسماۃ ب کو میکے سے ملے ہوئے زیورات اور پارچہ جات و اسباب بھی نہ دیا۔ اندریں حالت از روئے شرع شریف مسماۃ ب بیوہ کی حق رسی کیسے ہو سکتی ہے؟

نیز کیا مسماۃ ب اپنے میکے سے ملے ہوئے زیورات اسباب وغیرہ۔ جو اسی وقت سے بکر نے اپنے قبضہ میں کر رکھے ہیں۔ مالک اور ان اشیاء کا بکر سے مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

۲..... بکر سے اپنے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

۳..... وہ زیورات و اسباب وغیرہ جو مسماۃ ب کو سرال سے ملے تھے، کیا وہ مسماۃ مذکورہ کی ملک ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو کل، یا جز؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسماۃ ب کو جو زیورات و پارچہ جات و اسباب وغیرہ اس کے میکے سے ملے ہیں وہ تمام اس کی ملک ہیں، ان میں بکر کا کوئی حق نہیں، بکر کا ان کو خود رکھنا صریح ظلم اور غصب ہے (۱)۔ مسماۃ ب کو اپنا مہر وصول کرنے کا حق حاصل ہے بشرطیکہ شوہر نے ادا نہ کیا ہو اور مسماۃ نے معاف نہ کیا ہو۔ اولاً ترکہ شوہر سے مہر وغیرہ ادا کیا

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ (سورة النساء: ۱۲۹)

”عن أبي حرة الرقاشی عن عمه رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه“۔ (مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۲۵۵،

کتاب البیوع، باب الغصب والعاریۃ، الفصل الثانی، قدیمی)

جاوے گا (۱)، اس کے بعد میراث تقسیم ہوگی۔ بکر کا متوفی بھائی کے کل ترکہ پر قبضہ کرنا جائز نہیں، بلکہ اس کے ذمہ لازم ہے کہ جملہ ورثاء کا حق حصہ شرعی ان کو دیدے (۲)۔

اور زید نے جو بوقت مرض الموت وصیت کی ہے وہ کل مال میں جاری نہیں ہوگی بلکہ ایک تہائی میں جاری ہوگی (۳)۔ اور مسماۃ ب چونکہ زید کی شرعاً وارث نہیں اس کے حق میں یہ وصیت ضروری جاری ہوگی (۴) اور بکر چونکہ شرعی وارث ہے اس کے حق میں اس وصیت کا جاری ہونا دیگر ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے (۵)۔

(۱) ”ویدأ من تركة الميت بتجهيزه، ثم تقدم ديونه التي لها مُطالبٌ من جهة العباد، ثم تقدم وصيته من ثلث ما بقى، ثم يقسم الباقي بين الورثة“۔ (الدرالمختار: ۶/۷۱، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (سورة النساء: ۱۲۹)
”عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه“۔ (مشکوٰۃ المصابيح: ۱/۲۵۵، کتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمی)

(۳) ”ثم تقدم وصيته ولو مطلقةً على الصحيح من ثلث ما بقى بعد تجهيزه وديونه، ثم يقسم الباقي بين ورثته“۔ (الدرالمختار: ۶/۷۱، کتاب الفرائض، سعید)
(و كذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۴، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۴) ”وتجوز بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجر الوارث ذلك لا الزيادة عليه، إلا أن تجيز ورثته بعد موته وهم كبار“۔ (الدرالمختار: ۶/۲۵۰، کتاب الوصاية، سعید)

”رجل مات ولم يدع وارثاً غير امرأته وأوصى بماله كله لرجل، فإن أجازت المرأة، فالمال كله للموصى له، وإن لم يجر فالسدس للمرأة وخمسة أسداسه للموصى له“۔ (خلاصة الفتاوى: ۴/۲۳۵، کتاب الوصايا، الفصل الثالث في الوصية للأقرباء والجيران، رشیدیہ)

(۵) ”عن أنس بن مالك رضى الله تعالى عنه قال: إني لتحت ناقة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يسيل على لعابها فسمعتة يقول: ”إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، ألا! لا وصية لوارث“۔ (سنن ابن ماجه: ۲/۱۹۵، أبواب الوصايا، باب: لا وصية لوارث، قديمی)

”ولا لوارثه وقاتله مباشرةً إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلاة والسلام: ”لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة، وهم كبار عقلاء“۔ (الدرالمختار: ۶/۲۵۵، ۶/۲۵۶، کتاب الوصايا، سعید)
(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۹۰، کتاب الوصايا، الباب الأول، رشیدیہ)

مسماة کو حق ہے کہ وہ اپنا مہر اور اپنا میکہ سے ملا ہوا کل سامان اور حسب وصیت اپنا حصہ میراث بکر سے بذریعہ عدالت وصول کر لے۔

اور جو زیورات مسماة کو سسرال سے ملے تھے وہ اگر بطور تملیک ملے تھے، یا برادری میں بطور تملیک ملنے کا رواج ہے تو وہ بھی تمام مسماة ب وصول کر سکتی ہے، اگر بطور عاریت ملے تھے، یا بطور عاریت ملنے کا رواج ہے تو وہ وصول نہیں کر سکتی (۱)، ہاں! ترکہ شوہر ہونے کی حیثیت سے بطور میراث وصول کر سکتی ہے۔ حصہ میراث کل ورثاء کے معلوم ہونے پر معلوم ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، ۳۰/۵/۶۴ھ۔

متوفیہ بیوی کی اولاد کا مہر کا مطالبہ کرنا

سوال [۹۷۴]: ایک صاحب فرماتے ہیں: ایک بیوی ان کی حیات میں اور ایک بیوی عرصہ چالیس سال کے قریب گذرا کہ انتقال کر گئی ہیں اور دونوں بیویوں سے اولاد ہے۔ موجودہ بیوی اور ان کی اولاد مہر کا مطالبہ کرتی ہے، اور جب سابقہ بیوی کی اولاد مہر کا مطالبہ کرتی ہے تو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ متوفی نے کہا تھا کہ سابقہ بیوی سے مہر میں معاف کرا چکا ہوں۔

تو کیا متوفی کا یہ کہنا کافی ہوگا یا ثبوت شرعی کی ضرورت ہوگی؟ اور اگر معافی کا ثبوت شرعی متوفیہ یعنی اپنا مہر معاف کرنے والی بیوی کے مرض الموت کا ثبوت شرعی ہو جائے تو یہ معاف کرنا درست ہوگا، یا وصیت مان کر ایک ثلث معاف رکھا جائے گا۔ اور دو ثلث ورثاء کیلئے محفوظ رہے گا؟ وصیت وارث کیلئے جو نہیں ہوتی ہے اس

(۱) ”جہز ابنتہ بجہاز وسلمہا ذلک، لیس لہ الاسترداد منها ولا لورثتہ بعدہ إن سلمہا ذلک فی صحتہ، وبہ یفتی..... جہز ابنتہ، ثم ادعی أن ما دفعہا عاریۃ، وقالت: ہو تملیک، أو قال الزوج ذلک بعد موتہا لیرث منہ، وقال الأب: عاریۃ، فالمعتمد أن القول للزوج، ولہا إذا کان العرف مستمراً أن الأب یدفع مثله جہازاً لا عاریۃ. وأما إن کان مشترکاً کمصر والشام، فالقول للأب.“ (الدراۃ المختار:

۳/۱۵۵، ۱۵۶، باب المہر، کتاب النکاح، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱/۳۲۷، کتاب النکاح، باب المہر، رشیدیہ)

کا معافی پر کیا اثر پڑے گا، آیا وصیت مان کر کلام عبث ہو جائے گا، یا معافی مکمل ہو جائے گی؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر موجودہ ورثاء کے نزدیک متوفی کا قول پہلی بیوی کے مہر کی معافی کے متعلق صحیح ہے تو اس کیلئے کسی شرعی ثبوت کی ضرورت نہیں، یعنی جب وہ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ متوفی نے یہ کہا تھا کہ پہلی بیوی سے مہر معاف کرا چکا ہوں تو بس اتنا کافی ہے، مہر معاف کرتے وقت گواہوں کا ہونا ضروری نہیں۔ اگر ورثاء یہ کہیں کہ پہلی بیوی نے بحالت مرض الموت معاف کیا ہے، اور متوفی کا قول یہ تھا کہ بحالت صحت معاف کیا ہے، تب بھی متوفی کا قول معتبر ہوگا۔ اگر مرض الموت میں معاف کیا جائے تو یہ وصیت ہے جو کہ وارث کے حق میں نافذ نہیں ہوتی، نہ کل میں نہ ثلث میں:

”لو أبرأت زوجها من مهرها أو وهبته إياه، ثم ماتت بعد مدة، فقالت الورثة: أبرأته في مرض موتها، وأنكر الزوج، فالقول قوله، كذا في التبیین، اهـ“۔ عالمگیری: ۱/۳۲۲ (۱)۔
”لا وصية لوارث إلا أن يسجيزها الورثة، اهـ“۔ درمختار: ۵/۵۷۵ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/شوال/۱۳۶۷ھ۔

جبکہ زوجہ اولیٰ کے وارث مہر کا مطالبہ کرتے ہیں اور معافی کے منکر ہیں تو دوسرے ورثاء کے ذمہ مہر کی معافی کا ثبوت ہے۔ عند اللہ معافی کیلئے تو گواہوں کی ضرورت نہیں ہے، لیکن قضاء اختلاف کی صورت میں

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۳۲۱، ۳۲۲، کتاب النکاح، الباب السابع فی المہر، الفصل الثانی عشر فی اختلاف الزوجین فی المہر، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۵۸۳، کتاب النکاح، باب المہر، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۲) (الدر المختار: ۶/۶۵۶، کتاب الوصایا، سعید)

”عن یونس بن راشد، عن عطاء، عن عکرمہ، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”لا تجوز وصیة لوارث إلا أن تشاء الورثة“۔ (نصب الرایۃ للریلعی: ۴/۴۰۴،

رقم الحدیث: ۸۰۷۰)، کتاب الوصایا، مؤسسة الریان بیروت لبنان)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۲۱۲، کتاب الوصایا، رشیدیہ)

مدعی معافی کیلئے گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور اگر معافی کے گواہ موجود نہ ہوں تو فریقِ ثانی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ اسی طرح مرض الموت میں اگر معافی کا دعویٰ زوجہ اولیٰ کے وارث کرتے ہیں تو ان کے ذمہ اس کا اثبات گواہوں سے ضروری ہے، اگر وہ اس کا ثبوت نہ دے سکیں تو پھر دیگر ورثاء کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ شوال/ ۱۳۶۷ھ۔

بیوی کے انتقال کے بعد ادائیگی مہر کی صورت

سوال [۹۷۵]: زید کی بیوی اس کی عدم موجودگی میں فوت ہوئی اور زید کو مہر معاف کرانے کی مہلت نہ ہوئی، اس نے دو بچے: ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑے ہیں، والدین بھی حیات ہیں۔ اس حالت میں ادائیگی مہر کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اولاد موجود ہونے کی وجہ سے زید رُبْع ترکہ کا مستحق ہے، لہذا ایک چوتھائی اپنا حصہ کاٹ لے اور تین

(۱) ”عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال في خطبته: ”البينة على المدعى، واليمين على المدعى عليه“۔ (جامع الترمذی: ۲۴۹/۱، أبواب الأحكام، باب ما جاء أن البينة على المدعى، سعيد)

”البينة على المدعى واليمين على المنكر“۔ (شرح المجلة: ۵۱/۱، (رقم المادة: ۷۶)،

المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتب حنیفہ کوئٹہ)

”فإذا صحت الدعوى من المدعى، سأل القاضى المدعى عليه عنها، لينكشف له وجه الحكم،

فإن اعترف بدعواه، قضى عليه بها وإن أنكر، سأل المدعى البينة لإثبات ما ادعاه، فإن أحضرها

قضى بها لظهور صدقها، وإن عجز عن ذلك وطلب يمين خصمه، استحلف عليها“۔ (اللباب في شرح

الكتاب: ۱۲۲/۳، كتاب الدعوى، قديمی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الدعوى: ۳۴۵/۷، رشیدیہ)

حصے دیگر ورثاء پر حسب حصص تقسیم کر دے (۱)۔

مسئلہ ۱۲۱۲

زوج	اب	ام	ابن	$\frac{5}{15}$	بنت
$\frac{3}{9}$	$\frac{2}{6}$	$\frac{2}{4}$	۱۰		۵

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ربیع الاول/۵۶ھ۔

وفات شوہر پر مطالبہ مہر اور حصہ میراث

سوال [۹۷۴۶]: مسماۃ زینب کا نکاح بعوض نو سو روپے کے ایک داروغہ صاحب سے ہو گیا تھا، داروغہ صاحب نے ایک مرتبہ مسماۃ زینب سے حالت غصہ میں یہ کہا: ”تو گھر سے نکل جا، تجھ کو طلاق“ اس کے بعد پھر دوبارہ عقد کیا گیا تھا۔ اب داروغہ صاحب کے انتقال کے بعد ان کی جائیداد وغیرہ پر ان کی پہلی بیوی کی اولاد (۱) اولاد کی موجودگی میں شوہر چوتھائی حصہ کا مستحق ہوتا ہے:

قال الله تعالى: ﴿فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ، فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيَنَّ بِهَا أَوْ دِينَ﴾
(سورة النساء: ۱۲)

میت کے والدین کو اولاد میت کی موجودگی میں چھٹا حصہ ملتا ہے:

وقال الله تعالى: ﴿وَلِأُولَئِكَ مِنْكُمْ الرُّبْعُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

بقیہ میراث صورت مسئلہ میں اولاد میں سے لڑکوں کو دو دو اور لڑکیوں کو ایک ایک حصہ ملے گا:

وقال الله تبارک وتعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِي﴾ (سورة النساء: ۱۱)

﴿وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً، فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِي﴾ (سورة النساء: ۱۷۶)

قابض ہے۔ مسماۃ زینب نے اپنے مہر اور ترکہ کا دعویٰ کیا ہے، لیکن مخالفوں نے یہ افواہ اڑا رکھی ہے کہ داروغہ صاحب نے تو طلاق دیدی تھی۔

اب یہ عرض ہے کہ صورت موجودہ میں مسماۃ زینب کو اپنے ترکہ اور مہر کے وصولی کرنے کا حق داروغہ صاحب کی جائیداد سے ہے یا نہیں؟ اور عقد ثانی کے ثابت ہونے کی صورت میں اس کا استحقاق ہوگا یا نہیں؟ نیز مخالفوں کی افواہ سے نکاح ثانی پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور اگر نکاح ثانی کا باضابطہ ثبوت بہم نہ پہنچ سکے تو کیا حکم ہوگا؟ امید کہ ہر پہلو پر نظر فرما کر جواب باصواب مع حوالہ کتب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نکاح ثانی ثابت ہو جائے اور داروغہ صاحب کے انتقال تک دوبارہ شرعی جدائی ثابت ہو کر عدت نہ گزر چکی ہو تو مسماۃ مذکورہ اپنے حصہ میراث کی مستحق ہوگی اور نکاح ثانی کی وجہ سے مہر ثانی کی بھی مستحق ہوگی۔ اگر نکاح ثانی کا ثبوت نہ ہو سکا، یا بحالت صحت داروغہ صاحب دوبارہ جدائی کا ثبوت ہو کر عدت ختم ہو چکی ہو تو حصہ میراث کی مستحق نہ ہوگی اور عقد اول کی وجہ سے مہر مذکور کا بہر حال مطالبہ کر سکتی ہے، بشرطیکہ مہر ادا نہ کیا گیا ہو اور مسماۃ مذکور نے معاف نہ کیا ہو۔ اور مہر ثانی کے استحقاق کا مدار نکاح ثانی کے ثبوت پر ہے اور مہر کی ادائیگی تقسیم ترکہ سے مقدم ہے:

”المهر يتأكد بأحد معان ثلثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل، حتى لا يسقط منه بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق، اهـ“۔
فتاویٰ ہندیہ، ص: ۳۱۴ (۱)۔

”للمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق“۔ ص: ۳۲۸ (۲)۔

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳۰۳/۱، کتاب النکاح، الباب السابع فی المہر، الفصل الثانی فیما یتأكد به المہر والمتعة، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار: ۱۰۲/۳، کتاب النکاح، باب المہر، سعید)

(۲) (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳۱۶/۱، باب المہر، الفصل العاشر فی ہبة المہر، رشیدیہ)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳۸۰/۱، کتاب النکاح، باب المہر، رشیدیہ)

”إذا تزوج امرأة ودخل بها، ثم طلقها بائناً، ثم تزوجها في العدة، ثم طلقها قبل الدخول بها في النكاح الثاني“۔ ص: ۳۳۶ (۱)۔

”الرجل إذا طلق امرأته طلاقاً رجعياً في حال صحته أو في حال مرضه برضاها أو بغير رضاها، ثم مات وهي في العدة، فإنهما يتوارثان بالإجماع. ولو طلقها طلاقاً بائناً أو ثلاثاً، ثم مات وهي في العدة، فكذلك عندنا ترث. ولو انقضت عدتها، ثم مات، لم ترث، اه“۔ فتاویٰ ہندیہ، ص: ۴۸۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۴/۵۶ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ربیع الثانی/۵۶ھ۔

ایک بیوی کی اولاد کو دوسری بیوی کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا

سوال [۹۷۴]: زید نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں، تینوں بیویوں کے انتقال کے بعد زید کا بھی انتقال ہو گیا۔ پسماندگان میں اس وقت زید کے چھ بیٹے ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے: محل اولیٰ سے دو بیٹے، محل ثانی سے دو بیٹے، محل سوم سے دو بیٹے اور ایک بیٹی بھی تھی، لیکن بیٹی صغریٰ میں ہی زید کے سامنے مر گئی تھی۔

زید نے اپنی موت سے پہلے کچھ زیورات حاجی عبدالرشید صاحب کی امانت میں رکھے تھے جس کا علم زید کے چند دوستوں اور بیٹوں کو بھی تھا اور ہے، مگر محل سوم کے لڑکوں نے باپ کے انتقال کے بعد اپنے باپ کی امانت حاجی عبدالرشید صاحب سے یہ کہہ کر واپس لے لی ہے کہ جو زیورات میرے باپ کے آپ کے پاس امانت میں ہیں وہ میری ماں کے ہیں، میری ماں کو میری ماں کے والدین کی طرف سے ملے تھے، لہذا ان

(۱) (الفتاویٰ العالمیہ المکیہ: ۳۲۳/۱، کتاب النکاح، باب المہر، الفصل الثالث عشر فی تکرار المہر، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۲/۳، کتاب النکاح، باب المہر، سعید)

(۲) (الفتاویٰ العالمیہ المکیہ: ۴۶۲/۱، کتاب الطلاق، باب طلاق المریض، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۳۸۸/۳، کتاب الطلاق، باب طلاق المریض، سعید)

زیوروں کے حقدار جن کے امین آپ ہیں ہم دونوں بھائیوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ حاجی عبدالرشید صاحب لڑکوں پر بھروسہ کرتے ہوئے اس وعدہ کے ساتھ کہ میں تمہیں تمہارے باپ کی امانت لوٹا تو رہا ہوں، لیکن تم اگر صادق القول ثابت نہ ہو سکے تو ایسی حالت میں تمہیں زیورات مجھ کو واپس کر دینے پڑیں گے۔ علاوہ مرقومہ زیورات کے زید کی اور بھی جائیدادیں ہیں جن کا ہٹوارہ ہنوز عمل میں نہیں آیا ہے (۱)۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ موجودہ حقائق کی روشنی میں محل سوم کے لڑکوں کا دعویٰ لغو اور غلط ثابت نہ ہونے کی صورت میں متذکرہ زیورات کے حقدار از روئے شرع کیا محل سوم کے لڑکے ہی ہوں گے؟ برخلاف اس کے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مذکورہ زیورات محل سوم کے نہیں، بلکہ زید کی کمائی کے ہیں، تو ایسی صورت میں زیورات کی، نیز دیگر جائیداد کی تقسیم کس طرح ہونی چاہیے، یعنی تینوں محل کے لڑکوں میں کس کو کتنا ملنا چاہیے؟ از راہ کرم حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر محل سوم کے لڑکوں کے علاوہ دیگر اولاد کو بھی اس کا اقرار ہے کہ یہ زیورات محل سوم کے زید کے پاس امانت تھے جو اس نے حاجی عبدالرشید صاحب کے پاس رکھے ہیں، یا اس پر شرعی شہادت موجود ہو تو یہ صرف محل سوم کے دونوں لڑکوں کو ملیں گے، زید کی دیگر اولاد کا اس میں کوئی حصہ نہیں (۲)، ورنہ دیگر جائیداد وغیرہ کی طرح ان میں بھی سب حقدار ہوں گے (۳)، چھ حصہ بنا کر سب کو ایک ایک حصہ برابر ملے گا (۴)، اگر زید کے ذمہ کوئی

(۱) ”ہٹوارہ: تقسیم“۔

(۲) ”ادعی علی میت حقاً أو شیئاً مما کان بیدہ فأقر الوارث بہ، لزمہ“۔ (الفتاویٰ الأنقرویة: ۸۵/۲، کتاب الدعوی، دارالإشاعت قندھار)

(و کذا فی شرح المجلة لسلم رستم باز: ۹۵۲/۲، (رقم المادة: ۱۶۴۲)، کتاب الدعوی، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۳) ”عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”البينة على المدعى، واليمين على المدعى عليه“۔ رواه الترمذی“۔ (مشکوٰۃ المصابیح: ۳۲۷/۲، باب الأقضية والشهادات، قدیمی)

(۴) ”إذا اجتمع جماعة من العصابة في درجة واحدة، يقسم المال عليهم باعتبار أبدانهم لكل =

قرض دین مہر وغیرہ باقی ہو تو اس کو تقسیم ترکہ سے پہلے ادا کیا جائے گا (۱)۔ اگر زید کے والدین زندہ ہوں تو چھٹا حصہ ان کو بھی ملے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ربیع الثانی/۱۳۹۴ھ۔

کیا بیوی کے ساتھ پہلے شوہر سے آئی ہوئی لڑکیوں کو وراثت میں حصہ ملے گا؟

سوال [۹۷۸]: میرے والد اپنی دوکان کے خود مالک تھے، انہوں نے اپنی زندگی میں کئی مرتبہ میری والدہ کے سامنے کہا کہ میرے بعد یہ سب تیرا ہے۔ میری والدہ کے ہمراہ پہلے شوہر سے دو لڑکیاں تھیں، پھر میں پیدا ہوئی، اب ماں چاہتی ہے کہ میرے باپ کی جائیداد میں ان پہلی دو لڑکیوں کو بھی شامل کرے۔ کیا از روئے شرع ساتھ آئی لڑکیاں بھی میرے باپ کی جائیداد میں حقدار ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تمہارے والد کے تم کو محض یہ کہہ دینے سے کہ ”میرے بعد سب تیرا ہے“ ان کی متروکہ جائیداد کی تم تنہا وارث نہیں ہوگی (۳)، بلکہ تمہارے والد کے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ تمہاری والدہ کو ملے گا (۴)، اور بقیہ کی تم

= واحد سهم“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۲/۴۵۱، کتاب الفرائض، باب العصبات، رشیدیہ)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۶۳، کتاب الفرائض، باب العصبات، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۳۸۲، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۱) ”ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته“.

(الدر المختار: ۲/۷۶۰، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۳۶۶، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۷۲، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۲) قال الله تبارک وتعالی: ﴿وَلَا يُوْرِدُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۳) ”ومنها أن يكون الموهوب مقبوضاً، حتى لا يثبت الملك للموهوب له قبل القبض“۔ (الفتاویٰ

العالمگیریہ: ۴/۳۷۴، کتاب الهبة، الباب الأول، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الهبة: ۷/۴۸۶، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۳/۴۹۱، کتاب الهبة، غفریہ کوٹہ)

(۴) قال الله تبارک وتعالی: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ، فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

مالک ہوگی (۱)، بشرطیکہ تمہارے والد کے دادا پر دادا میں سے کوئی مرد زندہ نہ ہو۔ تمہاری والدہ کی دونوں لڑکیاں جو تمہارے والد سے نہیں وہ تمہارے والد کے ترکے میں حقدار نہیں (۲)۔ ہاں! تمہاری والدہ اپنا آٹھواں حصہ تم کو اور ان کو دینا چاہتی ہیں تو دے سکتی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۸۸ھ۔

کسی وارث کی ترکہ سے دستبرداری، زندگی میں لڑکے، لڑکی کو ہبہ میں برابری اور ان کے حصے سوال [۹۷۴۹]: زید بنارسی ساڑیوں کا تاجر ہے اور اس وقت اس کی اولاد میں چھ لڑکے اور ایک لڑکی موجود ہے اور اس کی زوجہ بھی موجود ہے۔ عرصہ تک زید کے لڑکے زید کے ساتھ رہتے رہے اور اس کے کاروبار میں بھی ہاتھ بٹاتے رہے۔ مورخہ ۱/۷/۷۰ء کو ان میں سے ایک لڑکا عمر زید سے الگ ہو گیا اور اس نے اپنا الگ کاروبار شروع کر دیا اور بقیہ پانچ لڑکے زید کے ساتھ ہنوز شریک ہیں۔ زید چاہتا ہے کہ اپنی حیات ہی میں اپنے کاروبار کا حساب لگا کر عمر کو اس کا حصہ رسد دے کر اس سے دست برداری لکھوا لے تاکہ زید کے انتقال کے بعد کوئی نزاع باقی نہ رہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں:

(الف) کیا اس طرح دست برداری عمر سے لکھوانے کا زید کو حق حاصل ہے، اور عمر بعد فوت ہونے زید کے دوبارہ حصہ میراث کا حقدار ہوگا؟ اگر عمر دست برداری پر آمادہ نہ ہو تو زید کو مذکورہ بالا کارروائی کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

(ب) اپنی حیات میں تقسیم کرتے وقت زوجہ، لڑکی، لڑکے کا حصہ برابر ہوگا یا نصف کے حساب سے؟

(۱) بیٹی کو نصف ذوی الفروض میں سے ہونے کی وجہ سے ملے گا اور بقیہ بطور رد کے ملے گا: ”ما فضل عن فرض ذوی الفروض ولا مستحق له، یرد علی ذوی الفروض بقدر حقوقهم إلا علی الزوجین، وهو قول عامة الصحابة رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین“ (السراجی فی المیراث، ص: ۲۸)

(۲) ان لڑکیوں میں چونکہ استحقاق ارث کے اسباب ثلاثہ پائے نہیں جاتے، اس وجہ سے محروم ہیں: ”ویرث حق الارث باحد ثلاثة: برحم، ونکاح صحیح، وولاء“۔ (الدر المختار: ۶/۷۲، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴، کتاب الفرائض، الباب الاول فی تعریفها وفيما يتعلق بالترکة، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف و ب) زید زندگی میں جو کچھ اپنی اولاد اور بیوی کو دے گا وہ میراث یا میراث کا بدل نہیں، بلکہ عطیہ ہے، جس بیٹے کو دیدے گا اور اس کا قبضہ کرادے گا وہ مالک ہو جائے گا (۱)، پھر زید کے انتقال پر وہ بھی دوسرے بیٹوں کی طرح میراث کا حقدار ہوگا، دست برداری لکھوانے کی وجہ سے وہ میراث سے محروم نہیں ہوگا (۲)۔ اپنی حیات میں جو کچھ دیا جائے وہ سب کو برابر دیا جائے، لڑکی اور لڑکے کو بھی برابر دیا جائے (۳)، اگر ضرورت یا حسن عمل یا خدمت کی وجہ سے کسی کو زیادہ دیا جائے تب بھی گنجائش ہے، مگر دوسرے کو نقصان پہونچانے کی غرض سے ہرگز ایسا نہ کیا جائے، ورنہ ظلم ہوگا (۴)، کیا بیوی کو بھی دے کر الگ کرنا مقصود ہے، ایسا نہیں چاہیے۔

اگر کسی لڑکے میں صلاحیت ہے کہ وہ الگ کام کرے اور اس میں منفعت و مصلحت ہے تو اس کو الگ

(۱) ”یملک الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴/۱، رقم المادة: ۸۶۱)، کتاب الہبة، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ

(و کذا فی الدر المختار: ۵/۲۸۸، کتاب الہبة، سعید)

(۲) میراث جبری حق ہے، دست برداری لکھوانے سے ساقط نہیں ہوتا ہے: ”الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط“۔ (تکملة رد المحتار: ۱/۵۰۵، کتاب الدعوی، مطلب: واقعة الفتوی، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۷۱، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۴/۳۹۴، کتاب الفرائض، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۳) ”المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة“۔ (البحر الرائق: ۷/۴۹۰، کتاب الہبة، رشیدیہ)

(و کذا فی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمگیریة: ۶/۲۳۷، کتاب الہبة، رشیدیہ)

(۴) ”لو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض..... روى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه لا بأس به إذا كان التفضل لزيادة فضل في الدين، وإن كانا سواء يكره، وروى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار“۔ (الفتاوی العالمگیریة: ۳/۳۹۱، کتاب الہبة، الباب السادس فی الہبة للصغير، رشیدیہ)

(و کذا فی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمگیریة: ۶/۲۳۷، کتاب الہبة، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۷/۴۹۰، کتاب الہبة، رشیدیہ)

کر دیا جائے اور مناسب رقم اس کو دیدی جائے، پھر دوسرے اور تیسرے اور بعد والے لڑکوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے تاکہ کسی کو کمی زیادتی کی شکایت نہ ہو، پھر زید کے انتقال پر سب لڑکے برابر کے حقدار ہوں گے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۴ھ۔

عورت کا سوتیلا بیٹا وارث نہیں

سوال [۹۷۵۰]: زینب فوت ہوئی، وارث میں صرف دو لڑکیاں، ایک سوتیلا بیٹا نعیم الدین کو چھوڑا، پس متروکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اور کوئی وارث نہیں تو ترکہ دونوں لڑکیوں کو ملے گا، سوتیلا (شوہر کا لڑکا) اس کا وارث نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

داماد وارث نہیں

سوال [۹۷۵۱]: اگر دختر و داماد کو متوفی نے اپنے پاس رکھ لیا ہو اور وہ اس کے شامل رہتا ہو تو خانہ داماد اور دختر دونوں کا حق ہے یا صرف دختر کا، کیونکہ متوفی کا قریبی چچا و برادر حقیقی نہیں ہے؟

(۱) "المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة". (البحر الرائق: ۷/۴۹۰، کتاب الهبة، رشیدیہ)

(و کذا فی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمگیریة: ۶/۲۳۷، کتاب الهبة، رشیدیہ)

(۲) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاوی العالمگیریة: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، الباب الأول، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/۷۲۲، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۳۶۵، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

داماد کو داماد ہونے کی وجہ سے کوئی ترکہ نہیں پہنچتا (۱)، بلکہ صرف دختر کو پہنچتا ہے۔ اگر داماد سے کوئی دوسرا رشتہ بھی ہے تو اس کے ظاہر ہونے پر حکم معلوم ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/۴/۶۰ھ۔

صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/۴/۶۰ھ۔

حق وراثت جبراً و وصول کرنا

سوال [۹۷۵۲]: پنجاب کا دستور ہے کہ عورت کو وراثت شرعی سے محروم کر دیا جاتا ہے، لیکن کسی عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو وہ خاوند کی کل جائیداد پر قابضہ ہو جاتی ہے، اس کو فروخت کا حق نہیں، تاحین حیات اس کا قبضہ رہتا ہے۔ دریں صورت باقی ورثاء کو کہا جاوے کہ عورت بے اولاد کو چوتھا حصہ سرکاری طور پر اس کے نام کرادو اور باقی حصہ اپنا لے لو۔ اگر ورثاء اس فیصلہ پر راضی نہ ہوں تو کیا وہ عورت کل جائیداد پر قابض رہ کر جائیداد کی آمدنی سے اپنے شرعی حصہ کی مالیت وصول کرنے کی حقدار ہے یا نہیں؟ فقط۔

المستفتی: لطف الرحمن، شہر میرٹھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ورثاء خاوند، عورت کا شرعی حصہ نہ دیں تو عورت کو حق ہے کہ جس طرح قدرت ہو اپنا شرعی حصہ

(۱) داماد میں استحقاق ارث کے اسباب ثلاثہ میں سے کوئی سبب نہیں پایا جاتا، لہذا وہ کسی حصہ میراث کا مستحق نہیں:

”ویقسم الباقي بين ورثته: أي الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة، كقوله عليه السلام: ”أطعموا الجدات السدس“، أو الإجماع، فجعل الجد كالأب وابن الابن. ويستحق الإرث برحم ونكاح وولاء. والمستحقون للتركة عشرة أصناف مرتبة كما أفاده بقوله: فيبدأ بذوی الفروض ثم بالعصبات اه“۔ (الدر المختار: ۶/۷۲، کتاب الفرائض، سعید)

”ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية،

والولاء“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۳۶۵، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

وصول کر لے، زائد لینے کا حق نہیں (۱)، زائد کو دیگر ورثاء کے حوالہ کر دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۵/۱۳۶۳ھ۔

دوسرے وارث کے حصہ پر قبضہ کرنا

سوال [۹۷۵۳]: زید متوفی کی بیوی اور چار بہنیں ہیں۔ زید کے خسر نے اپنی ہر لڑکی کو ۲۵،۲۵ بیگہ زمین باقاعدہ لکھ دی تھی، دو بہنیں پاکستان چلی گئیں، اس لئے ہندوستانی بہنوں نے کل سو بیگہ

(۱) ”عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضى الله تعالى عنها قالت: دخلت هند بنت عتبة امرأة أبي سفيان على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقالت: يا رسول الله! إن أباسفيان رجلٌ شحيحٌ لا يعطني من النفقة ما يكفني ويكفي بني إلا ما أخذت من ماله بغير علمه، فهل عليّ في ذلك من جناح؟ فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”خذى من ماله بالمعروف ما يكفيك ويكفي بنيك“۔ (الصحيح لمسلم: ۷۵/۲، كتاب الأقضية، باب قضية هند، قديمي)

”ثم اختلف العلماء في جواب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم هل كان قضاءً أو إفتاء؟ والصحيح أنه كان إفتاءً..... استدلل الشافعي رحمه الله تعالى بحديث الباب على مذهبه أن الدائن إن ظفر بشيء من مال المديون الباطل، جاز له استيفاء دينه من ذلك المال، سواء كان المال من جنس حقه أو غيره. وتسمى هذه المسئلة مسألة الظفر. والمشهور من مذهب الحنفية أنه يجوز له الأخذ إن كان ما ظفر به من جنس حقه، ولا يجوز إن كان من غير جنسه، غير أن المتأخرين من الحنفية أفتوا في هذه المسئلة بمذهب الشافعي“۔ (تكملة فتح الملهم: ۵۷۸/۲، كتاب الأقضية، باب قضية هند، مكتبه دارالعلوم کراچی)

”ورأيت في الحظر والإباحة من المجتبى..... وجد دنائير مديونه وله عليه درهم، له أن يأخذ؛ لاتحادهما جنساً في الثمنية..... وقال الحموي في شرح الكنز نقلاً عن العلامة المقدسي عن جده الأشقر عن شرح القدرى للأخصب: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أى مال كان، لاسيما في ديارنا لمداءاتهم العقوق“۔ (رد المحتار: ۱۵۱/۶، كتاب الحجر، سعيد)

زمین نصف نصف بانٹ لی اور پچاس پچاس بیگہ زمین پر بہن قابض ہو گئی۔ زید کی پہلی بیوی نے فوت ہونے سے قبل اپنی مقبوضہ پچاس بیگہ زمین زید کو باقاعدہ لکھ دی تھی۔ زید بیوی کے فوت ہونے کے بعد اس پر قابض رہا۔ اب زید کی وفات کے بعد زید کے ترکہ میں پچاس بیگہ زمین بھی شامل ہوگی یا صرف ۲۵/ بیگہ جو زید کی بیوی کو اس کے والد نے دی تھی؟

پاکستانی بہنیں ابھی حیات ہیں اور انہوں نے اپنے حصہ کی زمین کسی کو ہبہ نہیں کی۔ زید کی موجودہ بیوی کے متعلق زید نے اپنی زندگی میں مرنے سے ایک ماہ قبل یہ کہا تھا کہ میرے بعد تم میری ۹۰/ بیگہ زمین کی مالک ہوگی۔ سرکار کے قانون کے اعتبار سے زید کی بیوی کے نام زید کی اراضی کل اس کے نام ہو چکی تھی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے خسر نے اپنی ہر لڑکی کو ۲۵/ بیگہ زمین لکھ دی تھی جن میں سے دو پاکستان چلی گئیں، بقیہ دو نے ان کے حصہ کی زمین پر بھی بغیر کوئی معاملہ (بیع، ہبہ وغیرہ) طے کئے قبضہ کر لیا تھا، یہ قبضہ شرعاً غلط تھا، اس سے وہ سب کی مالک نہیں ہو گئی، پس ان میں زید کی بیوی کا زید کو اپنی پوری مقبوضہ زمین (۲۵/ بیگہ اپنی اور ۲۵/ بیگہ پاکستانی بہن کا حصہ) دینا شرعاً درست نہیں ہوا، پاکستانی بہن کے حصہ میں تصرف کا اس کو حق نہیں تھا (۱)، لہذا وہ ترکہ زید نہیں (۲)۔ موجودہ بیوی کے حق میں زید کا زمین کے متعلق وصیت کرنا اس شرط پر معتبر ہو سکتا ہے کہ اس کے بھائی اور بہن نے بھی اس کی اجازت دی ہو (۳)، ورنہ یہ وصیت معتبر نہیں۔ زمین کی مالک اگر حکومت ہے تو

(۱) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان

ضامناً"۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبة حنفية كوئٹہ)

(و كذا في الدر المختار: ۶/ ۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

(۲) "لأن التركة ما تركه الميت من الأموال صافيًا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال"۔ (رد المحتار:

۶/ ۷۵۹، كتاب الفرائض، سعيد)

(۳) "عن عطاء، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم

قال: "لا تجوز وصية لوارث إلا أن تشاء الورثة"۔ (نصب الراية للزيلعي: ۴/ ۴۰۴، رقم الحديث:

۸۰۷۰)، كتاب الوصايا، مؤسسة الريان بيروت)

(و كذا في سنن ابن ماجه: ۲/ ۱۹۵، كتاب الوصايا، باب: لا وصية لوارث، قديمي)

اس کا قانون معتبر ہوگا، وہ چاہے جس کے نام کر دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

والد کے موروثی مکان کو تعمیر کر کے اس میں دوسرے ورثاء کا حق

سوال [۹۷۵۴]: زید کے والد کا موروثی مکان جس کو زید نے ۳۵، ۴۰/ ہزار روپے ذاتی صرف

کر کے پختہ بنوایا ہے، اس کی تقسیم شرعی کس طرح ہوگی؟ اور اس مکان میں زید کے بھائیوں کی اولاد کا شرعاً کیا حصہ ہوگا؟ براہ کرم تقسیم شرعی فرما کر فتویٰ دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے اگر دیگر ورثاء سے کوئی معاملہ مکان تعمیر کرنے سے پہلے کر لیا ہے تو اس کو لکھنا چاہیے کہ معاملہ کیا ہے۔ اگر کوئی معاملہ نہیں کیا اور ان سے تعمیر مکان کی اجازت بھی نہیں ملی تو اس تعمیر کا زید تنہا مالک ہے، دوسرے ورثاء کا اس تعمیر میں کوئی حصہ نہیں، البتہ زمین میں ان کا حصہ ہے۔ اب یا تو وہ اپنے حصہ کی زمین لے لیں اور جس قدر تعمیر اس حصہ میں آئے اس کی قیمت زید کو دیدیں، یا زید ان کے حصہ زمین سے اپنی تعمیر ہٹالے:

”سئل فیما إذا بنی قصرأ بماله بنفسه فی دار مشتركة بینہ وبین إخوته بدون إذنهم قبل أن یکون البناء ملکاً له؟ الجواب: نعم، وإذا بنی فی الأرض المشتركة بغير إذن الشریک، له أن ینقض بناءه، ذکره فی التاتارخانیة من متفرقات القسمة، اهـ“۔ تنقیح الفتاویٰ الحامدیة: ۱/۱۰۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۱۳۹۴ھ۔

= ”وقال المنذرى: إنما یطل الوصیة للوارث فی قول أكثر أهل العلم من أجل حقوق سائر

الورثة، فإذا أجازوها جازت، كما إذا أجازوا الزیادة علی الثلث“۔ (عمدة القاری، کتاب الوصایا، باب:

لاوصیة للوارث: ۱۴/۵۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) (تنقیح الفتاویٰ الحامدیة: ۱/۱۰۰، کتاب الشرکة، مطلب: بنی له قصرأ بماله فی دار مشتركة،

= (مکتبة میمنیة مصر)

مشترکہ زمین میں کسی وارث کا مکان تعمیر کر کے ملکیت کا دعویٰ کرنا

سوال [۹۷۵۵]: زید و عمر کے نام سے ایک فرم تھی جس میں سنگی رسی کا کام ہوتا تھا (۱) جس کے مالک اور کام پرداز زید، خالد، سلمان، صابر تھے۔ خورد و نوش یکجائی تھی۔ سلمان نے آپس کے تعلقات کی ناخوشگواری کی شکل میں سرمایہ اور مکان میں سے اپنا حصہ لے کر الگ کام شروع کر دیا۔ اس کے بعد زید، خالد و صابر مالک فرم رہے اور خورد و نوش یکجائی رہی۔ اس کے بعد خالد کا انتقال ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد زید و صابر نے خالد کی اہلیہ کو حصہ شرعی کے مطابق سرمایہ و مکان دیکر مطمئن کر دیا، وہ الگ رہنے لگی۔

اس کے بعد زید کا انتقال ہو گیا، جس نے دو لڑکے بالغ: واقد اور ساجد، اور دو لڑکیاں بالغہ راشدہ و رابعہ، اور بیوی اور برادر صابر چھوڑے۔ اب دونوں لڑکوں بیوی اور صابر کے درمیان کوئی تقسیم نہیں ہوئی۔ فرم ان ہی تینوں کی نگرانی میں چلتی رہی اور مشترکہ فرم سے زید نے بحالت حیات کافی اراضی خریدی تھی۔

کچھ دنوں کے بعد دونوں لڑکے اور صابر میں تعلقات کشیدہ ہو گئے اور اس دوران سرمایہ و مکانات اور اشیائے ضروریات زندگی و اراضی نصف نصف تقسیم کر لی گئی، اور دونوں بھائیوں میں کام مشترک رہا۔ کہا جاتا ہے کہ اس مشترکہ دور میں کچھ اراضی حاصل کی یا بنائی، حالانکہ زید کے دونوں لڑکوں نے زید کے انتقال کے بعد دونوں تینوں کے ترکے کا کوئی لحاظ نہ کرتے ہوئے تمام چیزوں میں نصف صابر سے لے کر مشترک کام کرتے رہے۔ کافی عرصہ کے بعد ان دونوں کے تعلقات خراب ہو گئے، ایک فریق نے ضروریہ چاہا کہ حساب فہمی، سرمایہ و ہزارہ مکانات و اراضی و اشیاء کا ہو جائے، لیکن ایک فریق تیار نہیں ہوا۔ بدرجہ مجبوری جس کے پاس جتنا تھا الگ اس سے کام کرنے لگے۔

اس صورت میں شرعی حکم سے آگاہ فرمایا جائے اور جن اراضی کے بارے میں یہ دونوں بھائی کہتے ہیں کہ لوگوں نے بنائی ہے یا حاصل کی ہے، وہ خاص کر ان لوگوں کی ملک ہوگی یا مشترکہ جبکہ اب تک تمام

= (و کذا فی شرح المجلة لسلم رستم باز: ۱/۶۴، (رقم المادة: ۱۱۷۳)، کتاب الشریکة، الفصل الثامن فی احکام القسمة، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۲/۲۶۸، کتاب القسمة، سعید)

(۱) ”سنگی رسی: ایک قسم کا ریشمی کپڑا جس میں سوت ملا ہوتا ہے۔“ (فیروز اللغات، ص: ۸۱۴، فیروز سنز لاہور)

جائیداد مشترک رہی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان کے پاس ثبوت ہے کہ الگ سرمایہ سے انہوں نے اراضی حاصل کی ہے، مشترکہ سرمایہ سے حاصل نہیں کی ہے تو ان کی بات تسلیم کی جائے گی اور اس اراضی کو مشترک نہیں قرار دیا جائے گا، یعنی کل فرم میں جتنے شرکاء ہیں ان کو حصہ دار نہیں تصور کیا جائے گا۔ جس کا سرمایہ اس اراضی میں لگا ہے وہی مالک ہے، دوسروں کو اس کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ اگر ثبوت نہیں تو جس جس کا حصہ اس مشترک فرم اور سرمایہ میں وہ ہر ایک اپنے حصہ کے بقدر شریک ہے۔ اب چاہیں اس اراضی سے حصہ دیا اور لیا جائے، چاہے قیمت کا مطالبہ کر لیں، جائز ہے، کذا فی فتاویٰ الہندیہ (۱) وتنقیح الفتاویٰ الحامدیہ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۹/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۹/۱۳۸۷ھ۔

باپ کی جائیداد پر زبردستی قبضہ کرنا

سوال [۹۷۵۶]: جو شخص اپنے والد کی جائیداد پر جابرانہ قابض ہو جائے اور باپ کو کچھ نہ دینا چاہے، نہ اس کی کسی قسم کی خدمت کرے، بلکہ اس کو دھمکائے اور ڈرائے اور باپ اس قابل نہ ہو کہ وہ اپنی طاقت سے کما سکتا ہو۔ ایسا شخص عند اللہ گنہگار ہے یا نہیں، اور قیامت میں اس کا کیا حال ہوگا؟

(۱) ”لم أجده في الهندية، وقد قال الشيخ سليم رستم باز: ”إذا بنى أحد الشركاء لنفسه في الملك المشترك القابل للقسمة بدون إذن الآخرين، ثم طلب الآخرون القسمة، تقسم، فإن خرج ذلك البناء في نصيب بانيه فيها، وإن خرج في نصيب الآخر، فله أن يكلف بانيه هدمه ورفعها“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۴۷، (رقم المادة: ۱۱۷۳)، كتاب الشركة، مكتبة حنفية كوئٹہ)

(۲) ”سئل فيما إذا بنى زيد قصراً بماله لنفسه في دار مشتركة بينه وبين إخوته بدون إذنهم، فهل يكون البناء ملكاً له؟ الجواب: نعم! إذا بنى في الأرض المشتركة بغير إذن الشريك، له أن ينقض بناؤه“۔ (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۱۰۰، كتاب الشركة، مطلب: بنى له قصراً بماله في دار مشتركة، مكتبة

ميمنية مصر)

(و كذا في الدر المختار: ۲/۲۶۸ كتاب القسمة، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا آدمی غاصب اور بڑا ظالم ہے اور سخت گنہگار ہے، اس کی دنیا بھی تباہ اور آخرت بھی برباد ہے، اپنے اس ظلم کا وبال اس پر یہاں بھی پڑ کر رہے گا، بغیر اس کے بھگتے موت نہیں آئے گی۔ اس کو لازم ہے کہ والد کی جائیداد واپس کر دے (۱)، اور والد کی خدمت کر کے ان کو راحت پہنچائے اور ان سے معافی مانگے، ورنہ اللہ پاک اس سے ناراض ہوں گے اور وہ شخص مستحق غضب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲/۱۳۸۸ھ۔

غیر کفو میں نکاح اور مکانِ مورث پر قبضہ

سوال [۹۷۵۷]: زید ہاشمی کے انتقال کے بعد اس کی بیوی نے اولاد کی نابالغی کی حالت میں غیر کفو میں نکاح کر لیا، تمام گھر والے اور ماں بھائی سب اس سے ناراض ہوئے اور سمجھایا، پر وہ نکاح سے باز نہیں رہی۔ اس غیر کفو میں نکاح سے بہت شور مچا، چارہ جوئی تک کی گئی، لیکن شنوائی تک نہیں ہوئی، مزید حالات بہت پیچیدہ

(۱) "عن سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". (متفق عليه). (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۵۴، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریۃ، الفصل الأول، قدیمی)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحساناً، إما يبلغن عندك الكبر أحدهما أو كليهما، فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما، وقل لهما قولاً كريماً﴾. (سورة الإسراء: ۲۳) وقال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿أن اشكر لي ولوالديك، إلى المصير﴾ (سورة لقمان: ۱۴) وقال تعالیٰ: ﴿وصاحبهما في الدنيا معروفاً﴾ (سورة لقمان: ۱۵)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "الوالد أوسط أبواب الجنة، فأضع ذلك الباب أو أحفظه".

"عن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه أن رجلاً قال: يا رسول الله! ما حق الوالدين علي ولدهما؟ قال "هما جنتك ونارك". (سنن ابن ماجه: ۲/۲۶۰، كتاب الأدب، باب بر الوالدين، قدیمی)

اور معاملات غلط صورت اختیار کر گئے۔

آخر مسماۃ کے ماں بھائی سب کو وطن چھوڑ کر پاکستان جانا پڑا۔ زید ہاشمی کا صرف ایک مکان باقی رہ گیا ہے، روپیہ مالیت اور زمین تو غاصبین و برباد کرنے والوں نے برباد کر دی جو زید کے یتیم لڑکوں کو پہنچتا۔ اب اس مکان پر بھی دانت ہے (۱) اور لڑکوں کو محروم کر دینا چاہتے ہیں۔ زید کی اولاد سے مسماۃ کو سخت عداوت ہے اور دوسرے ناجائز شوہر کی اولاد کو بہت چاہتی ہے، اور وارثوں کے اس مکان میں اپنے ناجائز شوہر کی اولاد کو حصہ دار بنانے کیلئے زید ہاشمی کے مکان کو اپنے نام بتاتی ہے، اور اب تک کوئی ثبوت بھی نہ دے سکی۔

اب سوال یہ ہے اس صورت میں مسماۃ کا نکاح - جو سید مشہور ہے - غیر کفو میں جائز ہو یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ حسب تحریر صورت میں مکان زید ہی کی اولاد کو ملنا چاہیے، یا دوسرے شوہر کی اولاد کو بھی حصہ پہنچتا ہے، جبکہ ہم نے سنا ہے کہ نکاح بھی اس سے شرعاً نہیں ہوا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید ہاشمی مرحوم کے ترکہ سے (خواہ مکان ہو یا کچھ اور) مسماۃ بحق زوجیت آٹھواں حصہ پانے کی حقدار ہے (۲)، اگر مہربانی ہو تو اس کی بھی حقدار ہے (۳)۔ مسماۃ کا نکاح ثانی اگر صحیح طریقہ پر بھی تسلیم کیا جائے اور اس سے اولاد پیدا ہو تو وہ زید ہاشمی کے ترکہ سے حصہ پانے کی بالکل حقدار نہیں، وہ تو قطعاً غیر ہے (۴)، البتہ مسماۃ کی

(۱) ”دانت: میل، رغبت، خواہش، قصد، ارادہ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۱۱، فیروز سنز، لاہور)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثَّمَنُ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

”وأما للزوجات فحالتان: الربع عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل، والثلث مع الولد وولد

الابن وإن سفل“۔ (السراجی فی المیراث، ص: ۷، سعید)

(۳) ”ثم تقدم ديونه التي لها مُطالبٌ من جهة العباد“۔ (الدر المختار: ۶/۷۶۰، كتاب الفرائض، سعید)

(و كذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۴، كتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و كذا في الشريفة، ص: ۵، سعید)

(۴) ”ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء“۔

(الفتاوى العالمكيريّة: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و كذا في الدر المختار: ۶/۷۶۲، كتاب الفرائض، سعید)

جو کچھ ملک ہو خواہ اس کے پہلے شوہر سے یا والدین وغیرہ سے ملی ہو وہ ضرور مسماۃ کی ہے۔

مکان مذکور کے متعلق مسماۃ کا دعویٰ بغیر ثبوت کے تسلیم نہیں ہوگا (۱)، بلکہ وہ زید ہاشمی کا ترکہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۳/۱۳۹۴ھ۔

متوفی کی زمین کو صرف نام کر دینے سے ملکیت نہیں ہوتی، بلکہ وہ ورثاء کا حق ہے

سوال [۹۷۵۸]: میرے والد جمشید خان کا انتقال ۱۹۶۵ء میں ہو گیا، اس کے کئی برس پہلے میرے والد صاحب کے ایک دوست حافظ علی نے میرے والد صاحب سے کہا کہ مجھے گورنمنٹ سے بندوق کا لائسنس لینا ہے۔ گورنمنٹ بندوق کا لائسنس اس کو دیتی ہے جس کے نام کوئی اراضی ہو، والد مرحوم نے حافظ صاحب کے نام ۵۳/۱ ایکڑ زمین کر دی اور انہوں نے یہ کھاتا دکھلا کر گورنمنٹ سے لائسنس حاصل کر لیا۔

لائسنس ملنے کے بعد حافظ صاحب نے زمین واپس کرنے کا وعدہ کیا تھا، اس لئے والد صاحب نے برائے نام کر دیا تھا، یعنی صرف کاغذات تک محدود تھا، ورنہ حافظ صاحب کا کوئی تعلق اس اراضی سے نہیں تھا۔ چنانچہ حافظ صاحب کی وفات کے بعد ان کے ورثاء نے ان کا نام جمشید حسین خان کے ورثاء کے نام کر دیا، تو اس کے کئی برس بعد پتہ چلا کہ حافظ صاحب نے والد صاحب کی بغیر اجازت اس اراضی کو گورنمنٹ میں رہن رکھ کر

= (و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲ / ۵۵۵، کتاب الفرائض، حقانیہ پشاور)

(۱) ”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”لویعطی الناس بدعواہم، لا دعی ناس دماء رجال وأموالہم، ولكن الیمین علی المدعی علیہ“۔ رواہ مسلم“۔

وفی شرحہ للنووی ”أنه قال: وجاء فی رواية البیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعاً: ”لكن البینة علی المدعی والیمین علی من أنکر“۔ (مشکوۃ المصابیح، ص: ۳۲۶، کتاب القضاء، باب الأقضية والشهادات، الفصل الأول، قدیمی)

”قال النووی: هذا الحدیث قاعدة شریفة کلیة من قواعد أحكام الشرع، ففيہ أنه لا یقبل قول الإنسان فیما یذعیہ بمجرد دعواہ، بل یمحتاج إلى بینه أو تصدیق المدعی علیہ“۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح: ۴/۳۲۶، کتاب الإمارة والقضاء، باب الأقضية والشهادات، (رقم الحدیث:

(۳۷۵۸)، رشیدیہ)

چھ ہزار روپیہ حاصل کر لیا۔ اب کئی برس کے بعد سات ہزار سے زائد مع سود کے ہو گئی۔

اب گورنمنٹ بعلت بقایہ اس اراضی کو نیلام کر رہی ہے، ہم اور ہمارے نابالغ بھائی سخت پریشان ہیں، کچھ ذی اثر حضرات کو ساتھ لے کر حافظ صاحب مرحوم کے صاحبزادگان کے پاس گئے اور ان لوگوں سے کہا کہ جو زمین آپ نے ہمارے نام واپس کر دی تھی، حافظ صاحب مرحوم نے رہن رکھ کر چھ ہزار نقد لے لیا تھا، اس رقم کو آپ لوگ داخل کریں۔ ورثاء اس رقم کو داخل سرکار کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حافظ صاحب نے مذکورہ واقعہ کے تحت ہمارے والد صاحب کے ساتھ بے ایمانی یا دھوکہ نہیں دیا؟

۲..... کیا سعادت مند اولاد کا یہ فریضہ نہیں ہے کہ اگر والد نے کوئی غلطی کی ہو تو ان کے انتقال کے بعد ہماری والدہ اور ہم لوگوں سے اپنے والد حافظ صاحب کی غلطی چاہ کر اپنے والد کو خدا کی پکڑ سے بچاتے؟

۳..... حافظ صاحب نے جو چھ ہزار روپے حاصل کیا ہے تو اب وہ مع سود کے سات ہزار سے زائد پر ہماری ہی جائیداد سے گورنمنٹ حاصل کرے گی تو حافظ صاحب کے ذمہ سے قرضہ ختم ہو جائے گا؟ کیا حافظ صاحب کے ورثاء ہم یتیم نابالغ بیوہ کی جائیداد سے زبردستی یہ رقم سات ہزار کی دلو کر اپنے باپ کو آخرت کی پکڑ سے بچا سکتے ہیں؟

۴..... جو لوگ اس وقت حافظ صاحب کے ورثاء کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں، وہ کس درجہ خدا کی نافرمانی کر رہے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر پہلے طے کر لیا کہ محض لائسنس حاصل کرنے کی مصلحت سے صرف کاغذ میں نام درج کرایا جا رہا ہے، مالک نہیں بنایا جا رہا ہے، پھر اس پر حافظ صاحب کا قبضہ نہیں ہوا تو شرعاً یہ ہبہ معتبر نہیں (۱)، حافظ

(۱) "تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۶۲/۱، (رقم المادة: ۸۳۷)، کتاب الهبة، مکتبہ حنفیہ، کوئٹہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۵/ ۲۸۸، کتاب الهبة، سعید)

صاحب کو اس کا حق نہیں تھا کہ وہ اس زمین کو رہن رکھ کر اس پر قرض لیں (۱)۔ اولاد نے بعد میں وہ اراضی واپس کر دی، یہ بھی دلیل ہے کہ اولاد نے اس کو ہبہ نہیں تصور کیا۔ اب قرض کے متعلق یہ حکم ہے کہ حافظ صاحب کے ترکہ سے قرض ادا کیا جائے، اس کے بعد جو کچھ بچے وہ بطور ترکہ تقسیم کیا جائے (۲)۔ جمشید حسین خان کی زمین سے قرض ادا کرنے کا حق نہیں (۳)۔

اگر ترکہ نہیں، چھوڑا تو اولاد کے ذمہ قرض ادا کرنا واجب نہیں، اگر ادا کر دے گی تو والد مرحوم کے ساتھ احسان ہوگا اور ان کو پکڑ سے بچانے میں مدد ملے گی (۴)، جس کی کوشش حتی الوسع کرنا تقاضائے سعادت مندی ہے۔ اور اہل حق کو ان کا حق پہنچانے میں پوری کوشش کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۳/۱۳۹۴ھ۔



= (و کذا فی الہدایۃ: ۳/۳۸۱، کتاب الہبۃ، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(۱) ”لا یجوز لأحد أن يتصرف فی ملک غیرہ بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية علیہ“۔ (شرح المجلة لسلم رستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۲) ”ثم تقدم ديونه التي لها مُطالبٌ من جهة العباد، ثم وصيته من ثلث مابقي، ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته“۔ (الدر المختار: ۶/۷۶۰، کتاب الفرائض، سعید)

(۳) (راجع رقم: ۱)

(۴) ”والمراد بالدين دينٌ له مُطالبٌ من جهة العباد لادین الزكاة والكفارات فلا يلزم الورثة أداؤها إلا إذا وصى بها أو تبرعوا بها من عندهم“۔ (تبيين الحقائق: ۷/۷۷۲، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۶۰، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۳۶۶، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

الفصل الخامس فی موانع الإرث

(موانع ارث کا بیان)

کیا اختلاف دارین مانع ارث ہے، وارث ہونے کا دعویٰ کیسے ثابت ہوگا؟

سوال [۹۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے حالت صحت و تندرستی میں اپنی تمام جائیداد زمین روپیہ ایک مدرسہ اور ایک مسجد کے لئے وصیت کی تھی، ان کی کوئی اولاد وارثین نہیں تھے، خود ہندہ نے کسی دن کسی سے اس بات پر اقرار بھی نہیں کیا، محلہ والے کو بھی کوئی وارث موجود ہونے کا علم نہیں۔ لہذا ہندہ کی وصیت کے مطابق ان کی رحلت کے بعد جب پنچایت نے اس وصیت کو جاری کرنے کے لئے مجلس قائم کی تو اتفاقاً ایک شخص نے ایک خط نکالا جس میں یہ تحریر ہے کہ۔

”پاکستان میں اس ہندہ کا ایک بھائی ہے جو وراثت کا دعویٰ کر رہا ہے۔“

اب سوال یہ ہے کہ پاکستان سے ہندہ کا بھائی ہونے کا دعویٰ خط کے ذریعہ کر رہا ہے، یا شہادت پیش کرنی پڑے گی؟ شق ثانی میں وہاں سے باقاعدہ شہادت لے کر خط کے ذریعہ بھیج دینا کافی ہے، یا شاہدین کا یہاں آکر شہادت دینا ضروری ہے، حالانکہ پاکستان سے ہندوستان آنا ممنوع ہے؟

وارث ہونے کی صورت میں کل جائیداد میں وصیت جاری ہوتی ہے یا نہیں جیسا کہ درمختار میں ہے:

”وصحت بالکل عند عدم ورثہ“ (۱)۔ لیکن حالت شبہ مثلاً: صورت مرقومہ ثلث پر وصیت جاری ہو جاتی ہے، یا شبہ دور ہو جانے تک موقوف رہتا ہے۔

اختلاف دارین مسلمانوں کے حق میں مانع ارث کے بارے میں کیا حکم رکھتا ہے؟ شریفیہ شرح سراجی کے قول: ”دون المسلمین“ اس تخصیص پر اشکال پیش کر کے شارح بسیط کے حوالہ سے عمومیت نقل کر کے جواب تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”وما فی حق المسلمین، فقد لا یكون مانعاً كأهل البغی والعدل والمسلم فی دارنا مع المسلم المستأمن فی دار الحرب، یرث کل واحد منهما عن صاحبه. وقد یكون مانعاً كما أسلمنا فی دار الحرب وهاجر أحدهما إلى دار الإسلام بالنص، اه. فمراد التخصیص أن الاختلاف بصفة الكلية مختص بالكفار لا أن مطلق الاختلاف المسطور مختص بهم، اه، (۱)۔

اب جواب طلب امر یہ ہے کہ اختلاف الدار کے اختصاص اور عدم اختصاص میں مفتی بہ قول کیا ہے اور ہندوستان، پاکستان کے درمیان وراثت جاری ہو سکتی ہے یا نہیں؟ مدلل باحوالہ جواب تحریر فرما کر مطمئن فرمائیں۔ واضح رہے کہ ہندوستان میں اگر پاکستان کی جائیداد موجود ہو تو حکومت قبضہ کر سکتی ہے۔ فقط والسلام۔
العارض: مخلص الرحمن، خادم دارالعلوم بانسکندی، ۹/۹/۸۲ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہندہ نے کبھی اپنے کسی وارث کا اقرار نہیں کیا اور اہل خاندان اور اہل محلہ کو بھی کسی وارث کا علم نہیں تو ہندہ کے انتقال کے بعد محض خط کی بنا پر خط لکھنے والے کو ہندہ کا بھائی اور وارث شرعی قرار نہیں دیا جائے گا جب تک وہ شہادت سے ثابت نہ کر دے، شہادت کے لئے حاضر ہونا شرط ہے، غائب کی شہادت کافی نہیں، یعنی بھائی اپنے دعویٰ پر دو گواہ پیش کرے تب اس کا دعویٰ ثابت ہوگا:

”وفی الأقضية: شهدا بأنه وارثه، لا وارث له غیره، أو أخوه أو عمه لا نعلم له وارثاً غیره، لا تقبل حتی یبینا طریق الوراثة له، والأخوة والعمومة لا اختلاف الأسباب..... ویشرط ذکر لا وارث له غیره لإسقاط التلوم عن القاضی، والشرط فی سماع هذه البينة إحضار الخصم وهو إما وارث أو غريم الميت له على الميت دين أو مودع الميت أو الموصی له أو به، لا فرق بین أن یكون مقراً بالحق أو منکراً..... ذکر محمد رحمه الله تعالى فی

(۱) (الشریفة شرح السراجیة، ص: ۱۶ فصل فی الموانع، سعید)

الكتاب: من ادعى أنه أخوه لأبيه وأمه وأقام البينة، تقبل.“ تنقيح الفتاوى الحامدية، ص: ۳۳۶ (۱)۔

اگر پنچایت کو اس خط سے شبہ پیدا ہو گیا ہے تو فی الحال وصیت ایک ثلث میں کر دی جائے اور دو ثلث کو محفوظ رکھا جائے، تا آنکہ پنچایت کو اطمینان ہو جائے جتنے وقت میں بھی اطمینان ہو، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک سال نقل کیا ہے۔
عبارت منقولہ بالا سے پہلے عبارت ذیل:

”وذكر أن القاضى يحتاط ويتلوم زماناً يقع فى غالب رأيه أنه لو كان له وارث آخر لظهر فى مثل هذه المدة، ولم يقدره لا بشئ. وذكره الطحاوى فى مختصره، وقدره لذلك حولاً؛ لأن الغيبة قد تمتد إلى الحول. قيل: هذا قولهما. وما ذكر فى المبسوط قول أبى حنيفة رحمه الله تعالى؛ لأنه لا يرى التقدير بالاجتهاد إذا لم يكن فيه نص ولا إجماع، بل هو موكول إلى رأى من ابتلى به، وهما يثبتان المقدار بالاجتهاد، كما قال فى التعزير محيط السرخسى، اه.“ حواله بالا (۲)۔

اختلاف دارین کے ذیل میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قول کو دفع کیا ہے جس نے اہل اسلام

(۱) (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۳۳۶/۱، كتاب الشهادة ومطالبه، مطلب: لا بد فى شهادة الميراث من بيان طريقه، مكتبه ميمية بمصر)

(۲) (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۳۳۵/۱، كتاب الشهادة ومطالبه، مطلب فى الشهادة فى الميراث، مكتبه ميمية بمصر)

”ولا بد مع الجر المذكور من بيان سبب الوراثه وبيان أنه أخوه لأبيه وأمه أو لأحدهما ونحو ذلك وهو قول الشاهد: لا وارث أولاً أعلم له وارثاً غيره، ورابع وهو أن يدرك الشاهد الميت، وإلا فباطلة لعدم معاينة السبب.“ (الدر المختار: ۴۹۶/۵، كتاب الشهادة، باب الاختلاف فى الشهادة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية: ۴۸۹/۳، كتاب الشهادة، الباب السادس فى الشهادة فى الموارث، رشيدية)

کے حق میں اختلاف کو مانع ارث قرار دیا ہے:

”فمدفوع بقول بعض علمائنا: يخاليل لى أن هذا كان فى ابتداء الإسلام حين كانت الهجرة فريضة، ألا ترى أن الله تعالى نفى الولاية بين من لم يهاجر فقال: ﴿والذين آمنوا ولم يهاجروا مآلکم من ولايتهم من شئ حتى يهاجروا﴾ فلما كانت الولاية بينهما منتفية، كان الميراث منتفياً؛ لأن الميراث على الولاية، فأما اليوم فينبغى أن يرث أحدهما من الآخر؛ لأن حكم الهجرة قد نسخ بقوله صلى الله عليه وسلم: ”لا هجرة بعد الفتح، اه“۔ رد المحتار: ۶۷۳/۵ (۱)۔

البتہ ثبوت وارث محتاج بینہ ہے (۲)، اب صورت مسئلہ میں اختلاف دار مانع ارث نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا مرتدہ وراثت کا حق دار ہے؟

سوال [۹۷۰]: خالہ نکاح توڑنے کے لئے مرتدہ ہوگئی حالانکہ اس طرح نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ تو کیا وراثت کی حقدار ہے؟

(۱) (رد المحتار: ۷۶۸/۲، کتاب الفرائض، سعید)

”ولكن هذا الحكم فى أهل الكفر لا فى حق المسلم، حتى أن المسلم إذا مات فى دار الإسلام وله ابن مسلم فى دار الهند أو الترك، يرث“۔ (البحر الرائق: ۳۶۵/۹، کتاب الفرائض، رشیدیہ)
(و کذا فى الشریفۃ شرح السراجیۃ، ص: ۱۶، فصل فى الموانع، سعید)
(و کذا فى مجمع الأنهر: ۳۹۸/۲، کتاب الفرائض، مکتبہ غفراریہ کوئٹہ)

(۲) ”و ذکر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتاب: من ادعى أنه أخوه لأبيه وأمه وأقام البينة، تقبل“۔ (تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ: ۳۳۶/۱، کتاب الشہادۃ، مطلب: لا بد فی شہادۃ المیراث من بیان طریق، مکتبہ میمنیہ مصر)

(و کذا فى الفتاوى العالمکیریۃ: ۲۸۸/۳، کتاب الشہادۃ، الباب السادس فى الشہادۃ فى الموارث، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلحاً:

اصل مذہب اور ظاہر الروایہ تو یہی ہے کہ ارتداد سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے، مگر چونکہ عورتوں نے اس کو مفارقت کا آلہ بنالیا ہے، اس لئے بعض علماء نے حکم فرمایا ہے کہ نکاح تو فسخ ہو جاتا ہے، لیکن عورت کو تجدید اسلام پر مجبور کیا جائے گا۔ پھر دیکھا گیا کہ اس میں بھی مشکلات کا سامنا ہے اور جبر کرنا دشوار ہے، اس لئے فتویٰ دیا گیا کہ نکاح فسخ نہیں ہوتا، تاہم جب تک وہ تجدید اسلام اور پھر تجدید نکاح نہ کرے اس وقت تک صحبت وغیرہ بھی ممنوع ہے، لیکن دوسری جگہ نکاح درست نہیں۔ یہ سب کچھ بطور سزا اور تعزیر کے ہے اور یہی غایت ہے، لہذا صورت موجودہ میں عورت کو مستحق وراثت قرار دینا اس غایت کے منافی ہے، اسی سزا کے ذیل میں مرتدہ کا نفقہ بھی ساقط ہو جاتا ہے، نیز اختلاف دین کا مانع ارث ہونا مصرح ومنصوص ہے:

”وارتداد أحدهما فسخٌ عاجلٌ، فللموطوءة كل مهرها، ولغيرها نصفه لو ارتد. ولا شيء من المهر والنفقة سوى السكنى، به يفتى لو ارتدت لمجئى الفرقة منها قبل تأكده وصرحوا بتعزيرها خمسة وسبعين، وتجبر على الإسلام وعلى تجديد النكاح زجراً لها بمهر يسير كدينار، وعليه الفتوى، ولو العجبة. وأفتى مشايخ بلخ بعدم الفرقة بردتها زجراً وتيسيراً، اه.“
درمختار (۱)۔

”(قوله: والنفقة) قد علمت أن الكلام في غير المدخول بها، وهذه لانفقة لها لعدم العدة، لا لكون الردة منها، لكن المدخول بها كذلك لا نفقة لها لو ارتدت، ولذا قال في البحر: وحكم نفقة العدة كحكم المهر قبل الدخول، فإن كان هو المرتد فلها نفقة العدة. وإن ارتدت فلا نفقة لها. (قوله: وعلى تجديد النكاح) فلكل قاض أن يجده بمهر يسير ولو بدينار رضيت أم لا، وتمنع من التزوج بغيره بعد إسلامها. ولا يخفى أن محله ما إذا طلب الزوج ذلك. (قوله: زجراً لها) عبارة البحر: حسماً لباب المعصية والحيلة للخلاص منه، اه. ولا يلزم من هذا أن يكون الجبر على تجديد النكاح مقصوراً على ما إذا ارتدت لأجل الخلاص منه، بل

(۱) (الدر المختار: ۳/ ۱۹۳، ۱۹۴، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/ ۳۷۲ - ۳۷۶، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، رشيدية)

قالوا ذلك سداً لهذا الباب من أصله، سواء تعمدت الحيلة أم لا، كيلا تجعل ذلك حيلة..... اهـ.

ولا يخفى أن الإفتاء بما اختاره بعض أئمة بلخ أولى من الإفتاء بما في النوادر، ولقد شاهدنا من المشاق في تجديدها فضلاً عن جبره بالضرب ونحوه مالا يعد ولا يحد. وقد كان بعض مشايخنا من علماء العجم ابتليَ بامرأة تقع فيما يوجب الكفر كثيراً، ثم تنكر، وعن التجديد تأبى. ومن القواعد: المشقة تجلب التيسر، والله الميسر لكل عسير. شامى بقدر الحاجة: ۲/۶۱۶ (۱)۔

”أما المرتد، فلا يرث من أحدٍ لا من مسلمٍ ولا من مرتدٍ، وكذلك المرتدة لا ترث من أحد؛ لأنها ليست ذات ملة، اهـ.“ شريفیه، ص: ۱۵۵ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حرره العبد محمود عفا الله عنه، معين مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۶/۷/۶۱ھ۔

جو عورت قادیانی ہو جائے کیا وہ مستحق میراث ہے؟

سوال [۹۷۱]: حفیظ اللہ کا انتقال ہوا، انہوں نے تین لڑکے اور ایک لڑکی غفورہ اور ایک بیوی چھوڑی۔ حفیظ اللہ کی زوجہ کی رضامندی سے ان کے لڑکوں نے ایک دوسرے متروکہ مکان میں تین قرعے ڈال لئے اور اس طرح مکان میں شرکت کے ساتھ رہنے لگے۔ غفورہ نے کہا کہ میں اپنا حصہ نہیں لوں گی، کچھ عرصہ کے

(۱) (ردالمحتار: ۳/۱۹۴، ۱۹۵، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، سعید)

(۲) (الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص: ۱۴۱ فصل فی المرتد، سعید)

”المرتد لا يرث من مسلم ولا من مرتد.“ (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۶/۴۵۵، کتاب الفرائض،

الباب السادس: میراث المرتد، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ البزازیۃ علی هامش الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۶/۴۷۲، کتاب الفرائض، الفصل الخامس

فی موانع الإرث، رشیدیہ)

(و کذا فی الدرالمختار: ۴/۲۵۴، کتاب الجہاد، باب المرتد، سعید)

بعد غفورہ نے اپنے قادیانی شوہر کے اثر سے قادیانیت اختیار کر لی۔ سوال یہ ہے کہ غفورہ باوجود قادیانی ہونے کے اپنے مسلم باپ کے ترکہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حفیظ اللہ کے انتقال کے وقت اس کی لڑکی غفورہ مسلمان تھی، اس وقت مستحق میراث ہو گئی تھی، جس وقت اس نے قادیانیت اختیار کر لی تھی اس وقت اگر حفیظ اللہ زندہ ہوتے اور پھر انتقال ہوتا تو وہ مستحق میراث نہ ہوتی (۱)، لیکن مسلمان لڑکی کا نکاح قادیانی سے شرعی نکاح نہیں (۲)، اس پر بڑا ظلم کیا گیا جس کا نتیجہ ظاہر ہوا کہ وہ خود بھی قادیانی ہو گئی۔ افسوس! آج جبکہ میراث دینے کا وقت آیا تب تو پوچھا جاتا ہے اور جب اس کے ایمان و عصمت کو تباہ کر کے نکاح قادیانی سے کیا جا رہا تھا، اس وقت دریافت نہیں کیا گیا کہ یہ اقدام کس درجہ کا جرم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۴/۱۳۹۱ھ۔



(۱) قال العلامة السيد الجرجاني رحمه الله تعالى: "وأما المرتد، فلا يرث من أحدٍ لا من مسلمٍ ولا من مرتدٍ؛ لأنه جان بارتدادہ، فلا يستحق الصلة الشرعية التي هي الإرث بل يحرم عقوبة". (الشریفيہ شرح السراجیہ، ص: ۱۴۱، فصل فی المرتد، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۵، کتاب الفرائض، الباب السادس فی میراث أهل الکفر، رشیدیہ)
(و کذا فی الفتاویٰ البرازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۷۲، کتاب الفرائض، النوع الثالث فی المناسخة، الفصل الخامس فی موانع الإرث، رشیدیہ)

(۲) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا، وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ﴾ (سورة البقرة: ۲۲۱)

"ولا يجوز للمرتد أن يتزوج مرتدة ولا مسلمة..... ولا يجوز تزوج المسلمة من مشرك ولا كتابی". (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۲۸۲، کتاب النکاح، القسم السابع: المحرمات بالشرك، رشیدیہ)
"والمرتدة لا يجوز نکاحها مع أحد، وكذلك المرتد لا يجوز نکاحه مع أحد. وفي الهدایة: مسلمة ولا کافرة ولا مرتدة". (الفتاویٰ التاتارخانیہ: ۳/۸، کتاب النکاح، الفصل الثامن فی بیان مايجوز من الأنکحة وما لايجوز، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی الهدایة: ۲/۳۴۵، کتاب النکاح، باب نکاح أهل الشرك، شركة علمية ملتان)

الفصل السادس فی التصرف فی التركة

(ترکہ میں تصرف کرنے کا بیان)

میراث میں بعض ورثاء کا تصرف

سوال [۱۹۷۲]: مخدوم مطاع جناب مولوی صاحب دام ظلہم!

بعد تحیہ تعظیم و سلام مسنون عرض ہے مندرجہ ذیل میراث کے ایک جھگڑے کے بعض اجزاء کے متعلق، اس سے قبل چند بار پوچھا جا چکا ہے مگر تجربہ یہ ہوا ہے کہ جب تک مفصل حالات اور واقعات عرض نہیں کئے جائیں گے، اطمینان بخش جوابات حاصل نہ ہوں گے۔ نیز چند باتیں اب ایسی معلوم ہوئی ہیں جن کی وجہ سے گذشتہ جوابات میں تبدیلی کا قوی احتمال پیدا ہو گیا ہے۔ لہذا مفصل حالات عرض کر کے جوابات کی درخواست ہے۔

زید نے اپنے بیمار بھائی عمر کا علاج کرایا، سو روپیہ تو عمر کے پاس موجود تھے، اور بقول زید ان کے علاوہ چار سو روپیہ زید کے عمر کے علاج میں اور خرچ ہو گئے، عمر جانبر نہ ہوا (۱)۔ اس کی وفات کے بعد اس کی بیوی ہندہ کے باپ نے ہندہ کے مہر، نیز دیگر حقوق کا مطالبہ ورثاء عمر سے کیا۔ زبانی طور پر ہندہ نے مہر معاف کر دیئے تھے، مگر پدر ہندہ نے اس معافی کو نہیں مانا اور مقدمہ بازی شروع کر دی جس میں بقول زید دو سو روپیہ زید کے خرچ ہو گئے، آخر زید نے پدر ہندہ کو آٹھ سو روپیہ دے کر جملہ حقوق سے دستبرداری کرائی۔ ان آٹھ سو روپیہ میں سے چار سو روپیہ تو زید کے اپنے تھے اور چار سو روپیہ ایک شخص فخر الدین سے قرض لئے گئے۔

عمر کا کچھ ترکہ وطن میں تھا اور کچھ بمبئی میں۔ وطن میں تو ایک متوفی باپ کے چھوڑے ہوئے مکان میں عمر کا حصہ تھا، یہ حصہ اس زمانہ ارزانی کی قیمت کے حساب سے اندازاً تین سو روپیہ کا ہوگا۔ دوسرے ایک زمین تھی جو زید و عمر کے آدھے ساجھے کی تھی (۲)۔ وفات عمر سے کئی سال کے بعد زید نے اس زمین کو چار سو پچاس روپیہ

(۱) ”جانبر: زندہ، صحیح سلامت“۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۴۴، فیروز سنز، لاہور)

(۲) ”ساجھے: شراکت“۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۶۲، فیروز سنز، لاہور)

میں بیچا اور اس کی کل قیمت اپنے ذاتی خرچ میں کر لی۔ تیسرے عمر کا کچھ سامان غیر نقد تھا جو اندازاً ایک سو اسی روپیہ کا ہوگا جس میں سے سو روپیہ کا سامان تو تنہا زید نے لے لیا، اور باقی زید سمیت سب ورثائے عمر پر بحساب شرعی تقسیم ہوا۔

پدر ہندہ سے فارغ ہو کر زید بمبئی گیا اور وہاں اول عمر کے جمع کردہ بارہ سو روپیہ بینک سے وصول کئے جس میں سے چار سو روپیہ فخر الدین مذکور کو بھیج دیئے اور پانچ سو روپیہ اپنے ایک چھوٹے بھائی بکر کو قرض دیئے۔ بعدہ زید نے بمبئی میں ایک شخص سے ۱۲۵ روپیہ اور دوسرے شخص یا مین نامی سے پندرہ سو روپیہ اور وصول کئے، لیکن بمبئی میں ترکہ عمر کو وصول کرنے کی کوشش میں بقول زید چھ سو روپیہ خرچ ہو گئے۔ شخص مذکور نہ تو عمر کا قرضدار تھا نہ امانتدار، پھر بھی اس نے پندرہ سو روپیہ زید کو اس طرح دیئے کہ بمبئی میں عمر اور اس شخص کی ایک مشترکہ دوکان دستکاری کی تھی۔

بعد وفات عمر، زید نے اس کے پاس پہنچ کر اس سے کہا: یا تو عمر کی جگہ مجھ کو دوکان میں اپنا شریک بنا، یا حق شرکت بمبئی میں جو گڈول کے انگریزی نام سے رائج ہے۔ اور یہ بھی خیال ہے کہ عمر اور اس شخص کے درمیان ۲۱ حق شرکت کا معاہدہ شاید طے ہوا ہو۔ کیونکہ شرکت دوکان کے متعلق عمر اور اس کے درمیان ایک عہد نامہ لکھا گیا تھا، جس میں بہت سی دفعات تھیں۔ بہر حال اس شخص نے زید کی آخری بات کو مان کر پندرہ سو روپیہ گڈول کے دیئے تھے۔

عمر کی بیماری، ہندہ سے مقدمہ بازی، بکر کو قرض دہی اور بمبئی میں ترکہ عمر کو وصول کرنے کے کوششوں میں جتنا روپیہ خرچ ہوا، اس کو کم کر کے ترکہ عمر کا زید نقد جو کچھ بچا وہ زید کے اپنے مال میں مخلوط ہو کر زید ہی کے ہاتھوں سے تھوڑا سا زید اور اس کے اہل و عیال پر اور زیادہ تر ورثائے عمر باستثنائے چند پر کئی سال تک خرچ ہوا۔ اس خرچ میں بڑا حصہ زید کے اپنے روپیہ کا تھا، کیونکہ خرچ اتنا وسیع تھا کہ باقی ماندہ زید نقد ترکہ عمر اس کے مقابلہ میں نہایت قلیل تھا۔

زید نے رقم ترکہ عمر سے بکر کو جو پانچ سو روپیہ قرض دیئے تھے اس کے متعلق بکر نے زید سے دریافت

کیا کہ یہ قرض آپ ہی کو ادا کیا جائے یا اس کو قابل تقسیم قرار دیکر سب ورثاء کو بقدر ان کے حصوں کے دیدیا جائے۔ زید نے جواب دیا کہ جیسا کہ تیری سمجھ میں آئے ویسا کر دے۔ بکر نے اپنی سہولت کے لئے یہ تجویز کیا کہ رقم قرض سے بقدر اپنے حصہ کے کاٹ کر باقی کو زید ہی کو ادا کرنے کا ارادہ کر لیا، چنانچہ کچھ ادائیگی تو زید نقد سے کردی اور باقی کے بدلہ میں مکان متروکہ پدر میں سے اپنے حصہ کو زید کو دیدینے کا وعدہ کر لیا۔

ان واقعات سے عرصہ دراز کے بعد اب زید کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو گئی کہ متوفی باپ کے مکان کو تنہا اپنی ملکیت میں کر لیا جائے، کیونکہ اول تو زید کے پانچ سو روپیہ باپ پر قرض تھے جو ار روئے وصیت زید کو مکان پدر سے وصول کرنے تھے، دوسرے مکان مذکورہ کی مرمت میں زید کے سو روپیہ خرچ ہوئے، تیسرے مکان پر ایک شخص سے مقدمہ بازی ہوئی، تو اس میں زید کے تین سو روپے خرچ ہوئے۔

اس کے علاوہ مکان مذکور میں سے اپنی ایک بہن کا حصہ زید خرید چکا ہے اور ایک بھائی بکر نے بھی اپنا حصہ مکان زید کو دیدینے کا وعدہ کیا ہوا ہے، جیسا کہ اوپر مذکور بھی ہو چکا۔ تو از روئے حساب ورثاء پدر میں سے جس جس کا تھوڑا بہت حق مکان مذکور میں باقی نکلے وہ دے دلا کر مکان کو اپنا کر لیا جائے۔ زید کی یہ خواہش دیگر ورثاء کو ناگوار ہوئی جس کی وجہ سے انہوں نے ترکہ عمر کو یاد کیا کہ اگر ترکہ عمر میں ہمارے کچھ حقوق باقی ہوں تو ان کے ذریعہ سے ہمارے وہ بوجھ ہلکے ہو جائیں جن کے دباؤ سے ہم سے دستبرداری کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

چنانچہ انہوں نے اول تو زید سے ترکہ عمر کے حسابات کا مطالبہ کیا، دوسرے یہ کہ ترکہ عمر سے متعلق خرچ کی جو رقمیں زید نے بتائیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ان پر اعتراضات کئے کہ یہ رقوم اندازہ سے بہت زیادہ ہیں۔

زید نے کہا میرا اپنا روپیہ تم لوگوں پر خرچ ہوا جس کا اگر حساب لگایا جائے تو ترکہ عمر میں حقدار بننے کے بجائے تم لوگ میرے زیر احسان ہو، اور اگرچہ میرے احسانات تم پر بطور قرض کے نہیں ہیں تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ ترکہ عمر کی جو اشیاء اب تک بھی باقی ہیں، اگر از روئے حساب وہ میری ملکیت قرار نہ پاسکیں تو میرے احسانات کے معاوضہ ہی میں وہ میری ہو جائیں، چنانچہ باہر کے مکان میں سے عمر کا حصہ مجھے مل جائے اور بکر کا

بھی مل جائے، جبکہ بکر مجھ سے اس کا وعدہ بھی کر چکا ہے۔

اور میرے پانچ سو روپیہ جو والد مرحوم کے مکان پر قرض ہیں، نیز مرمت مکان اور مقدمہ بازی میں جو میرا روپیہ خرچ ہوا ہے اس کے بدلہ میں دیگر ورثاء اگر پدر سے دستبرداری کو گوارہ نہیں کرتے ہیں تو کم از کم اتنا ہی کر دیں کہ مکان کو میرے نام پانچ سال کیلئے دخلی رہن کر دیں پھر میرے قرض کی ادائیگی کی کوشش کرتے رہیں، اور در صورت عدم ادائیگی مجھے اختیار ہوگا مکان سے وصول کر لینے کا۔ اور میری بتائی رقوم اخراجات متعلق ترکہ عمر میں غیر معمولی زیادتیوں کا شبہ، سو تم لوگوں نے میرے احسانات کو بالکل بھلا دیا، تم دوسرے کے دست نگر ہو کر زندگیاں گزارنے والو! اخراجات کی وسعت کا صحیح اندازہ کیسے لگا سکتے ہو۔

مہربانی فرما کر سوالات ذیل کے جوابات کے علاوہ جو اور باتیں قابل اطلاع ہوں ان سے بھی مطلع فرمایا جائے:

۱..... آخری سطور میں مذکورہ زید کا اظہار برہمی مع عدم جوابدہی، احتمال زیادتی، اخراجات متعلق ترکہ عمر بجا ہے یا بیجا؟

۲..... یا مین سے وصول شدہ روپیہ ترکہ عمر میں شمار ہونے کے قابل تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کے احکام سے مطلع فرمایا جائے۔

۳..... ورثاء عمر جن پر ترکہ عمر خرچ ہوا اور وہ جن پر نہیں ہوا، ترکہ عمر ختم شدہ اور باقی ماندہ میں اگر کچھ حقوق رکھتے ہوں تو ان سے مفصل مطلع فرمایا جائے۔

۴..... بکر نے جو اپنا حصہ مکان زید کو دیدینے کا وعدہ کیا ہے اس وعدہ کو پورا کرے، یا رقم قرض باقی ماندہ کو تمام ورثاء عمر پر تقسیم کرے؟

۵..... ترکہ عمر سے متعلق خرچ کی جو رقوم زید نے بتائی ہیں اور ان میں اندازہ سے بہت زیادہ زیادتیوں کے احتمال کا کوئی جواب زید نے نہیں دیا تو ان کو زید کے بتانے کے مطابق ہی ماننا پڑے گا، یا اندازہ کے مطابق بھی کیا جاسکتا ہے؟

۶..... زید نے کثیتِ مسلمان ہونے کے ترکہ عمر کو ورثائے عمر باستثنائے چند پر بے حساب خرچ کیا ہے، حالانکہ ترکہ میں حساب ہوتا ہے، مثلاً: ماں کا اتنا، بہن کا اکہرا، بھائی کا دوہرا۔ تو کیا ولی ہونے کی وجہ سے زید کیلئے یہ حساب معاف ہے؟

۷..... زید نے بیوہ عمر ہندہ کو جو آٹھ سو روپیہ دے کر جملہ حقوق سے دستبرداری لی، اس کے ساتھ متوفی باپ کے مکان میں عمر کے حصہ میں سے ہندہ کا جتنا حصہ نکلتا تھا بیع نامہ ہندہ سے اپنے نام کرا لیا۔ کیا زید کی یہ کار والی شرعاً درست ہوگئی؟ فقط۔

احقر احمد حسین، مراد آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... یہ برہمی مغلوب الغضب ہونے کی بناء پر ہے، کوئی باضابطہ جواب نہیں۔
۲..... اس کے لئے زید کا بیان سامنے ہونا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس نے کس بناء پر روپیہ وصول کیا ہے، اگر اس نے ناحق جبراً وصول کیا ہے تو یہ حرام ہے، اور ہرگز ترکہ عمر نہیں (۱)۔ اگر واقعہ عمر نے روپیہ دیا اور شرکت کا معاملہ کیا اور حساب سے اس قدر روپیہ عمر کا ہوتا تھا تو پھر یہ ترکہ عمر شمار ہوگا۔ اور اول صورت میں اس روپیہ کی واپسی زید کے ذمہ لازم ہے (۲)، ثانی صورت میں جو اور ترکہ کا حال وہی اس کا بعد ادائے قرض وغیرہ (۳)۔ ترکہ عمر میں جمیع ورثاء شریک ہیں اور یہ شرکت حسب استحقاق وراثت ہوگی جس کی تفصیل ورثاء کی

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (سورة البقرہ: ۱۸۸)

”عن أبی حرۃ الرقاشی عن عمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”أَلَا لَا تَظْلَمُوا، أَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ إِلَّا بِطَيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ“۔ (مشکوۃ المصابیح: ۱/۲۵۵، کتاب البیوع، باب الغضب والعاریۃ، الفصل الثانی، قدیمی)

(۲) ”أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”مطل الغنی“۔ أى تأخیرہ أداء الدین من وقت إلى وقت ”ظلم“ فإن المطل منع أداء ما استحق أداءه وهو حرام من المتمکن. ولو كان غنیاً، ولكنه ليس متمکناً، جازله التأخیر إلى الإمكان“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب البیوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول: ۱۱۹/۶، رشیدیہ)

(۳) ”یبدأ بترکة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بتجهیزه، ثم يقدم دیونہ التي لها مطالب من جهة“

تفصیل و تعیین معلوم ہونے پر تحریر کی جاسکتی ہے۔

جن ورثاء پر ان کے استحقاق سے زیادہ خرچ ہوا، اگر ان کی طلب پر خرچ ہوا تو ان کے ذمہ اس مقدار زیادتی کی واپسی لازمی ہے، وہ ایسے ورثاء کو دیں جن کو باوجود استحقاق کے کچھ نہیں ملا، یا استحقاق سے کم ملا۔ اگر بغیر ان کی طلب کے یہ زیادتی ان پر خرچ ہوئی، تو خرچ کرنے والا اس کا ضمان ان ورثاء کو ادا کرے، جن کو ترکہ نہیں ملا، یا استحقاق سے کم ملا (۱)۔

۴..... جبکہ زید نے عمر کے جمع کردہ بارہ سو روپیہ بینک سے وصول کر کے بکر کو پانچ سو روپیہ قرض دیئے اور ادائیگی کی صورت دریافت کرنے پر اختیار دیدیا کہ جیسا تیری سمجھ میں آئے ویسا کر دے، یعنی رقم قرض خواہ کل زید کو دیدے خواہ جملہ ورثاء میں حسب حصص تقسیم کر دے، پھر بکر نے اپنا حصہ میراث کاٹ بھی لیا تو اب بکر کو چاہیے کہ بقیہ رقم (اپنا حصہ کاٹنے کے بعد) تنہا زید کو نہ دے، نہ بصورت نقد نہ بصورت حصہ مکان (۲)، بلکہ جس

= العباد، ثم وصيته من ثلث مابقي، ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته: أي الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة أو الإجماع“۔ (الدرالمختار: ۶/۵۹، ۷۲، کتاب الفرائض، سعید)

”كما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم، كذلك يكون الدين الذي له في ذمة آخر مشتركاً بينهم على قدر حصصهم“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱۰، كتاب الشركة، الفصل الثالث في الديون المشتركة، (رقم المادة: ۱۰۹۲)، مكتبة حنفية، كوئٹہ)

(۱) ”ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعي، وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده عيناً إن كان قائماً، وإلا فيضمن قيمته إن كان قيمياً، ومثله إن كان مثلياً“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتبة حنفية كوئٹہ)

(و كذا في الدرالمختار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعید)

(۲) ”ما يقبضه كل واحد من الدائنين من الدين المشترك، يكون مشتركاً بينهما، وللشريك الآخر أخذ حصته منه، ولا يسوغ للقباض أن يختص به وحده“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱۳، (رقم المادة: ۱۱۰۱)، كتاب الشركة، الفصل الثالث في ديون المشتركة، مكتبة حنفية كوئٹہ)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۳۷، كتاب الشركة، الباب السادس في المتفرقات، رشديہ)

طرح اپنا حصہ خود کاٹ لیا ہے زید کو نہیں دیا، اسی طرح ہر وارث کا حصہ اس وارث کو دے، صرف زید کے حوالہ نہ کرے، زید کو صرف زید کا حصہ دے۔

۵..... زید سے تفصیل دریافت کر لی جائے، جب تک جھوٹ اور خیانت کا ثبوت نہ ہو زید کے قول کا اعتبار ہوگا۔ اگر دیگر ورثاء کو یقین نہ ہو تو زید سے قسم لی جاسکتی ہے (۱)۔

۶..... یہ معاف نہیں، زید کے ذمہ کے ہر ایک کا حصہ پورا پورا دینا واجب ہے (۲)، ایک کا حصہ دوسرے پر از خود خرچ کرنا جائز نہیں (۳)۔

۷..... اگر بیوہ ہندہ نے مہر معاف کر دیا تو وہ شرعاً معاف ہو گیا، پدر ہندہ کو مہر کے مطالبہ اور مقدمہ بازی کا ہر گز حق نہیں (۴)، جبکہ ہندہ موجود ہے اور کہتی ہے کہ میں نے مہر معاف کر دیا تو پھر پدر ہندہ کا ورثاء عمر

(۱) ”وہو أن الشریک أمین فی المال، فیکبل قوله بیمنه فی مقدار الربح والخسران والضیاع والدفع لشریکه ولو بعد موته“۔ (الدر المختار)۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ”ولو وکل بقبض ودیعتہ، ثم مات المؤکل، فقال الوکیل: قبضت فی حیاته وھلک، وأنکرت الورثة، أو قال: دفعته إلیه، صدق“۔ (رد المحتار: ۳۱۹/۴، کتاب الشریکة، سعید)

(۲) ہر شخص کا حصہ چونکہ زید کے پاس امانت ہے اور امانت کو اپنے مالک تک پہنچانا واجب ہے: قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ یَأْمُرُکُمْ أَنْ تُوَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ (سورة النساء: ۵۸)

(۳) ”لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه أو وکالته أو ولاية علیہ، وإن فعل کان ضامناً“۔ (شرح المجلة لسلم رستم باز: ۶۱/۱، المقالة الثانية فی بیان القواعد الفقہیة، (رقم المادة: ۹۶)، مکتبه حنفیہ کوئٹہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۲۰۰/۶، کتاب الغصب، سعید)

(۴) ”للمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق، دخل بها زوجها أو لم یدخل، ولیس لأحد من أولیاء أب ولا غیره الاعتراض علیها“۔ (الفتاویٰ العالمگیریة: ۳۱۶/۱، کتاب النکاح، باب المهر، الفصل العاشر فی هبة المهر، رشیدیہ)

(و کذا فی الهدایة: ۳۲۵/۲، کتاب النکاح، باب المهر، مکتبه شرکة علمیة ملتان)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۱۱۳/۳، کتاب النکاح، باب المهر، سعید)

سے مقدمہ بازی کر کے مہر وصول کرنا سراسر ظلم ہے (۱)۔ البتہ ہندہ اپنا حصہ میراث ضرور وصول کر سکتی ہے (۲)۔ اور زید نے جو آٹھ سو روپے دیئے ہیں تو معلوم نہیں ہو سکا کہ اس میں بعوض مہر کس قدر ہیں اور بعوض میراث ہندہ کس قدر ہے۔

جس قدر رقم زید نے بعوض حصہ میراث ہندہ ادا کی ہے، اس کے عوض میں وہ ہندہ کے حصہ میراث کا مالک ہو گیا (۳)، اور شرعاً یہ درست ہے، خواہ وہ مکان کا حصہ ہو خواہ دیگر سامان کا، دیگر ورثاء اب اس کے متعلق کچھ نہیں کر سکتے۔ جس طرح زید نے اپنے نام بیعنامہ کر لیا ہے، دیگر ورثاء کو بھی یہ حق حاصل تھا، جب زید نے اس حق کو وصول کر لیا اور دیگر ورثاء خاموش رہے تو اب اوروں کا حق ساقط ہو گیا (۴)، اور چونکہ یہ رقم زید نے ترکہ عمر سے نہیں دی، اس لئے ورثاء عمر کو اس میں شرکت کا حق نہیں۔ یہاں تک سوالات کے جوابات تھے۔

عمر کی بیماری پر جو کچھ زید نے خرچ کیا، اگر عمر کی طلب پر بطور قرض خرچ نہیں کیا تو زید کو اس کے مطالبہ کا حق نہیں (۵)۔

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

(۲) ”والمراة تأخذ مهرها من التركة من غير رضی الورثة إن كانت التركة دراهم أو دنانیر، وإن كانت التركة شیئاً یحتاج إلى البیع، فبیع ما كان یصلح ویستوفی صداقها“۔ (خلاصة الفتاویٰ: ۲/۲۴۱، کتاب الوصایا، الفصل السابع فی الدعوی والشهادة، رشیدیہ)

(۳) ”وصیه أو ورثته نقدوا ثمن کفنه من مالهم، يرجع به فی التركة، وكذا أداء دینه“۔ (جامع الفصولین)۔ ”وللوارث أن یقضى دین المیت وأن یکفنه بغير أمر الورثة، کان له أن یرجع فی مال المیت“۔ (جامع الفصولین مع حاشيته: ۲/۳۶، الفصل الثامن والعشرون فی مسائل التركة والورثة والدين، اسلامی کتب خانہ کراچی)

”وکذا لو قضی الوارث أو الوصى دیناً من ماله، کان له أن یرجع فی مال المیت“۔ (خلاصة الفتاویٰ: ۲/۲۴۰، کتاب الوصایا، الفصل السادس فی تصرفات الوصى، رشیدیہ)

(۴) ”سکوت المالك القديم حین قسم ماله بین الغانمین رضا“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب: المواضع التي یكون فیها السکوت كالقول: ۲/۴۸۲، سعید)

(۵) ”کفن الوارث المیت أو قضی دینه من مال نفسه، فإنه یرجع، ولا یكون متطوعاً“۔ (الدر المختار)۔ =

حصہ ہندہ کو جبکہ زید نے اپنے نام بیع کرایا ہے تو اس کی قیمت ترکہ عمر سے ادا کرنا درست نہیں، لہذا فخر الدین کا روپیہ بھی زید کو اپنے پاس سے دینا چاہیے نہ کہ ترکہ عمر سے (۱)۔ زمین مشترکہ کو فروخت کر کے نصف قیمت بطور اصل مالک زید کی ہے، اور بقیہ نصف میں جملہ ورثاء عمر شریک ہیں (۲)، زید کا کل قیمت کو اپنے ذاتی خرچ میں لانا درست نہیں۔ جملہ ورثاء اپنے حصہ میراث کا مطالبہ زید سے کر سکتے ہیں۔

باپ کے مکان متروکہ میں جو حصہ عمر کا تھا اس میں بھی جملہ ورثاء شریک ہیں۔ ایک سو اسی روپیہ کے سامان میں سے زید کو سو روپیہ کا سامان تنہا رکھنا بھی جائز نہیں، صرف اپنا حصہ رکھ سکتا ہے (۳)۔ بارہ سو روپیہ میں بھی سب شریک ہیں (۴)، اسی طرح ۱۲۵ روپیہ اور پندرہ سو روپیہ کا حال ہے۔

جس قدر رقم زید کی ترکہ عمر کے وصول کرنے میں خرچ ہوئی، اس کو زید ترکہ عمر سے استحقاقاً کاٹ سکتا ہے (۵)، ہندہ کے پدر سے مقدمہ بازی میں جو کچھ خرچ ہوا، اس کو ترکہ عمر سے نہیں کاٹ سکتا (۶)، اس

= "أنفق الوصى من مال نفسه على الصبي، وللصبي مال غائب، فهو متطوع في الإنفاق، إلا أن يشهد أنه قرض أو أنه يرجع عليه وتكفيه النية فيما بينه وبين الله تعالى". (رد المحتار: ۷/۷۱، ۷۱۸، کتاب الوصایا، فصل فی شہادۃ الأوصیاء، سعید)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاوی: ۴/۲۴۰، کتاب الوصایا، الفصل السادس فی تصرفات الوصى، رشیدیہ)

(۱) (راجع، ص: ۳۰۴، رقم الحاشیة: ۳)

(۲) "ثم تقضى ديونه من جميع مابقى ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة". (السراجی، ص: ۳، سعید)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

(۴) "وللشريك الآخر أخذ حصته منه، ولا يسوغ للقبض أن يختص به وحده". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱۳، (رقم المادة: ۱۱۰۱)، كتاب الشركة، الفصل الثالث في الديون، مكتبه حنفية كوئته)

(۵) "وأما أجره نقد الدين، فعلى المديون، إلا إذا قبض رب الدين الدين فالأجرة على رب الدين؛ لأنه بالقبض دخل في ضمانه". (رد المحتار: ۴/۵۶۰، كتاب البيوع، مطلب: فساد المتضمن يوجب فساد المتضمن، سعید)

(۶) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه وإن فعل، كان ضامناً". (شرح المجلة =

نے وہ مقدمہ محض اپنی ذات کیلئے لڑایا ہے، نہ کہ دیگر ورثاء کیلئے۔ جس قدر ترکہ عمر و رثاء مستحقین کے پاس پہنچ چکا، اس قدر سے زید سبکدوش ہو گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۶/۱۳۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۳/جمادی الثانی/۱۳۶۶ھ، صحیح: عبداللطیف۔

ادائے قرض سے پہلے ترکہ میت سے نفع اٹھانا

سوال [۹۷۳]: زید نے اپنے وارثوں میں تین بالغ لڑکے چھوڑ کر انتقال کیا، ترکہ میں ایک موروثی سکنی مکان ہے جس میں زید کا بھائی بھی شریک ہے، اس کے علاوہ گیارہ سو کے قریب رقم ایک میعاد معینہ کیلئے سرحدی تحویل میں امانت ہے اور دوسری طرف متفرق واجب الادا قرض کی رقم ہیں جن میں چار سو کے قریب سودی قرضہ بھی شامل ہے۔ زید کے بعض ورثاء اور دوستوں نے مرحوم کی عاقبت میں بہتری کے اور اس خیال سے کہ دیر کرنے سے سود کی رقم زیادہ جائے گی، سرکاری تحویل سے اختتام میعاد سے قبل رقم لے کر سارے قرضے ادا کرنے پر اتفاق کر لیا ہے۔

تین وارث لڑکوں میں دو چھوٹے بھائی برسر روزگار ہیں، لیکن بڑا بھائی (الف) عرصہ سے کسی روزگار پر قادر نہیں اور اپنے متعلقین کی کفالت کیلئے بعض اوقات بادل ناخواستہ دوسروں سے استمداد پر مجبور ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ سے اس کا ارادہ زراعت کا ہے اور اسی غرض سے قطعہ اراضی بھی لگان پر لیا ہے، مگر زراعت کے دیگر اخراجات کیلئے سودی قرضہ لینے کے سوائے اس وقت کوئی اور وسیلہ نہیں ہے، اس کے بغیر ملنا ناممکن نظر آتا ہے اور بہ ہزار دقت بہت گراں سود پر مل سکتا ہے۔

اس لئے (الف) یہ چاہتا ہے کہ جو واجب الادا سودی قرضہ ہے اس کی ادائیگی بالفعل ملتوی کر کے اس رقم سے اس کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے، وہ زراعت کے حاصل سے دو تین سال کے اندر رقم قرضہ مع سود کے صراف کو واپس کر دے گا، کیونکہ اس وقت رقم صراف کو واپس کر کے جدید قرضہ کے ملنے کی امید نہیں ہے۔

ذی علم اور تجربہ کا شخص ہے اس کے خلاف بے اعتمادی کی کوئی وجہ نہیں۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا قرضہ کی ایسی رقم کی ادائیگی کو ایک گھر کیلئے ذریعہ معاش قائم کرنے کی مفید اور جائز غرض سے مدت مذکورہ تک ملتوی کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کے ترکہ میں سے تقسیم میراث سے قبل قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے (۱)، خصوصاً جب کہ قرض سودی ہو تو جس قدر جلدی اس کا ادا کرنا ممکن ہو اس میں تاخیر کی گنجائش نہیں (۲)، اور صورت مسئلہ میں واقعات کا تجربہ بتلاتا ہے کہ سودی قرض تمام بڑی سے بڑی جائیداد کو کھا کر فنا کر دیتا ہے۔ اور اس پر بھی وثوق نہیں کیا جاسکتا کہ مدت مذکورہ میں الف کو زراعت میں کچھ نفع اور بچت ہو کہ جس سے وہ قرض ادا کر سکے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رقم مذکورہ تمام کی تمام زراعت میں صرف ہو جائے اور کچھ بھی وصول نہ ہو، اس لئے موہوم امید پر سودی قرض کی ادائیگی کو مؤخر کرنا درست نہیں، بلکہ اس کو جلد از جلد ادا کر دیا جائے۔

اور اس کے بعد اگر الف میں صدق اور خوف خدا ہے اور وہ حرام سے بچ کر اکل حلال کا طالب ہے تو اس کے لئے اللہ پاک ضرور بالضرور جائز طریقہ سے رزق مہیا فرمائیں گے اور حرام سے محفوظ رکھیں گے۔ اگر اس کو قرض کی ضرورت پیش آئیگی تو بلا سود قرض ملے گا۔

اس پر آشوب زمانہ میں ایسے بندگان خدا موجود ہیں اور بڑے بڑے کاروبار کر رہے ہیں جن کو کبھی سودی قرض کی نوبت نہیں آتی اور بلا سود ہزاروں کی رقم مہیا ہو جاتی ہے:

قال الله تبارك وتعالى في كتابه المجيد: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ، يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ

(۱) "ثم تقدم ديونه التي لها مُطالبٌ من جهة العباد". (الدر المختار: ۶/۷۰، كتاب الفرائض، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۳، كتاب الفرائض، رشيدية)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "مطل الغني ظلم". (مشکوٰۃ

المصابيح: ۱/۲۵۱، باب الإفلاس والإنظار، قديمی)

حيث لا يحتسب ﴿الآية (۱)﴾۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/محرم/۱۳۵۹ھ۔

ترکہ میت میں اگر بعض ورثاء تجارت کریں، کیا اس میں سب شریک ہوں گے؟

سوال [۹۷۶۲]: زید نے انتقال کے وقت ایک بیوہ تین لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑی، اس میں سے زید

ہی نے اپنی حیات میں بڑی لڑکی کی شادی کر دی۔ زید کے کل متروکہ کا حساب تیرہ سو روپے ہوا۔ زید کے دو لڑکے بڑے تھے، ان پر ایک چھوٹی بہن، ایک چھوٹے بھائی اور والدہ کی کفالت عائد تھی، لہذا کل وارثوں میں سے کسی نے بھی اپنا حصہ طلب نہیں کیا۔ اور اسی تیرہ سو روپے سے دونوں بڑے لڑکوں نے تجارت شروع کر دی، جس کو گیارہ سال گزر گئے۔ اور بڑی شادی شدہ لڑکی کے علاوہ سب کا نان و نفقہ چلتا رہا اور اب بھی چل رہا ہے۔

اب بڑے دو لڑکوں کے علاوہ سب ورثاء کہتے ہیں کہ جو موجودہ ترکہ ہے وہ سب کا ہے، وہ سب تقسیم کیا جائے۔ زید کے دونوں بڑے لڑکوں کا کہنا ہے کہ صرف مرتے وقت تیرہ سو روپے تقسیم ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ کونسا ترکہ تقسیم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کا ترکہ وہ ہے جو اس کے انتقال کے وقت چھوڑا ہے (۲)، اس میں سب ورثاء شریک ہیں، جن دو لڑکوں نے روپیہ لے کر تجارت کی ہے اس میں دوسرے شریک نہیں، وہ خود ان کی محنت ہے نہ کہ سب کی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۶/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۶/۱۳۸۷ھ۔

(۱) (سورۃ الطلاق: ۲، ۳)

(۲) "لأن التركة ماترکہ الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعین من الأموال". (رد المحتار:

۶/۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(۳) "إذا أخذ أحد الورثة مبلغاً من نقود التركة قبل القسمة بدون إذن الآخرين وعمل فيه وخسر، كانت =

ترکہ مشترکہ سے ایک وارث نے زمین خریدی، اس میں دوسرے وارث کا حصہ

سوال [۹۷۵]: ایک قطعہ زمین خریدی گئی اس وقت جب کہ دو حقیقی بھائی اور ان کے حقیقی والد تو ایک گھر میں رہتے تھے اور کام دھندہ بھی سب ایک ہی میں تھا، لیکن خریدی خطہ زمین مذکورہ کی صرف ایک ہی بھائی کے نام کی گئی جو بڑا تھا۔ لہذا چھوٹا بھائی اس زمین میں نصف کا شریک ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نے وہ زمین خریدی ہے اگر اس نے اپنے ہی لئے خریدی ہے تو وہ اسی کی ہے، اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں، قیمت اگر مشترک روپیہ سے ادا کی ہے تو شرکاء کا روپیہ حسب حصص دینا اس کے ذمہ واجب ہے:

”لو تصرف أحد الورثة في التركة المشتركة وربح، فالربح للمتصرف وحده، كذا في الفتاوى الغياثية، اهـ.“ ہندیہ: ۴/ ۳۴۶ (۱)۔

اگر وہ شرکت کیلئے خریدی ہے تو مشترک ہے، شرکاء قیمت میں بھی شریک ہوں گے، بیٹہ نہ ہونے کی صورت میں وجوب ثمن کیلئے مشتری کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا:

”لو صدقه في الشراء للشركة وكذبه في دعوى الأداء من مال نفسه، قال الخیر الرملى

= الخسارة عليه، كما أنه إذا ربح لا يسوغ لبقية الورثة أن يقاسموه الربح.“ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۶۱۰، (رقم المادة: ۱۰۹۰)، كتاب الشركة، الفصل الثانی، مكتبه حنفیه كوئٹہ)

(و كذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/ ۹۳، كتاب الشركة، مكتبه ميمنيه مصر)

(۱) (الفتاوى العالمكيريّة: ۲/ ۳۲۶، كتاب الشركة، الباب السادس في المتفرقات، فصل: لو تصرف أحد الورثة، رشيديه)

”إذا بذر بعض الورثة الحبوب المشتركة بإذن الكبار أو وصى الصغار في الأراضى المورثة، تصير جملة الحاصلات مشتركة بينهم. وأما لو بذر بغير إذن بقية الورثة، فالغلة للزارع فقط ولو كان البذر مشتركاً..... ولكن لو بذر أحدهم حبوب نفسه، فالحاصلات له خاصة، لكنه يضمن لبقية الورثة حصتهم مما نقصت الأرض بزراعته.“ (شرح المجلة لسليم رستم، ص: ۶۰۹، (رقم المادة: ۱۰۸۹)، كتاب الشركة، مكتبه حنفیه كوئٹہ)

(و كذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/ ۲۰۷، كتاب المزارعة ومطالبه، مكتبه ميمنيه مصر)

فی حاشیۃ المنح: والذي يظهر أن القول للمشتري؛ لأنه لما صدقه الآخر في الشراء، ثبت الشراء للشركة، وبه يثبت نصف الثمن بدمته، ودعواه أنه دفع من مال الشركة دعوى وفائه، فلا يقبل بلاينة، ولذا قالوا: إذا لم يعرف شراءه إلا بقوله، فعليه الحجة؛ لأنه يدعى وجوب المال في ذمة الآخر وهو ينكر وهنا ليس منكرًا بل مقر بالشراء الموجب لتعلق الثمن بدمته، وله تحليفه أنه مادفعه من مال الشركة، قال المشتري: هولي خاصة اشتريته بمالي لنفسي قبل الشركة، فالقول له بيمينه: بالله ما هو من شركتنا، أو حال الشركة لو من جنس تجارتها، فهو للشركة، وإن لم يكن من تجارتها فهو له خاصة. شامی بتغیر: ۳/ ۵۴۹ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲/ ۵۹، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۴/ ربيع الثاني/ ۵۹ھ۔

میت کا زمین بیوی کے نام خریدنا، اور مال مشترک میں ورثاء کا تصرف

سوال [۹۷۶]: زید فوت ہو چکا اور ورثاء ذیل چھوڑے:

ایک زوجہ، چھ بنات، اخ عینی، شرعاً۔ اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

زید نے جو زمین اپنی کمائی سے خرید کر اپنی زوجہ کے نام خرید کرائی، اس خیال سے کہ اولاد نرینہ نہیں ہے، مرنے کے بعد بھائی مالک ہو جائے گا، اگر زوجہ کے نام ہوگی بھائی محروم رہے گا۔ اور بقیہ جائیداد منقولہ از قسم نقد وغیرہ وہ زید کی عورت کے پاس ہے، اس کو وہ اپنے صرف میں کر رہی ہے، زید کے بھائیوں کو کچھ نہیں دیتی۔ سوال یہ ہے کہ جو جائیداد زوجہ کے نام ہے وہ ترکہ میں شمار ہو کر قابل تقسیم ہے یا نہیں؟

زید کی زوجہ کا حق مہر..... ۲۵/ روپیہ تھا، اگر زید نے تمام جائیداد بعوض حق المہر عورت کو لکھ دی ہو اس غرض سے کہ دوسرا وارث محروم رہے۔ کیا یہ تحریر شرعاً جائز ہے؟ جس قدر جائیداد منقولہ وغیرہ منقولہ جو ترکہ میت

(۱) (رد المحتار: ۳/ ۳۱۴، کتاب الشركة، مطلب فی دعوی الشریک أنه أدى الثمن من ماله، سعید)

(و کذا فی منحة الخالق علی البحر الرائق: ۵/ ۲۹۴، کتاب الشركة، رشیدیہ)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳/ ۶۱۸، کتاب الشركة، باب شركة

العنان، رشیدیہ)

سے ہے اور عورت کے قبضہ میں ہے اس کو وہ عورت فروخت کر سکتی ہے بغیر رضا مندی دیگر ورثاء کے یا نہیں؟ فقط۔
نفیس احمد، پھلاؤدہ، ضلع میرٹھ (یو، پی)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۲۴ ۷۲

اخ عینی
 $\frac{5}{15}$

بنات ۶
 $\frac{16}{28}$

زوجہ
 $\frac{3}{9}$

بشرط صحت سوال وعدم موانع ارث بعد تجہیز و تکفین و ادائے دین میت و تنفیذ وصیت وغیرہ از ثلث مال (۱)، زید کا ترکہ بہتر [۷۲] سہام قرار دے کر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ۹/ سہام زوجہ کو ملیں گے (۲)، ۲۸/ سہام ست بنات (۳)، کو یعنی ہر ایک کو آٹھ آٹھ سہام، ۱۵/ سہام اخ عینی کو (۴)۔

(۱) ”تعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته“۔ (السراجی فی الميراث، ص: ۲، ۳، سعید)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/ ۷۵۹، ۷۶۱، سعید)

(۲) میت کی جب اولاد ہو تو زوجہ کو ثمن (آٹھواں حصہ) ملے گا:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ، فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا

أَوْ دِينَ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۳) بنات کو مذکورہ صورت میں ثلثان یعنی دو تہائی حصے ملیں گے:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثُ مَا تَرَكَ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۴) اخ عینی عصبہ ہے، ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد جو رہ جائے وہ عصبہ کو ملے گا۔

”العصبۃ: وهم كل من ليس له سهم مقدر، يأخذ ما بقى من سهام ذوی الفروض، وإذا انفرد

أخذ جميع المال“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/ ۲۵۱، کتاب الفرائض، باب العصبات، رشیدیہ) =

سوال کے ابتداء میں ہے کہ ”وہ جائیداد زوجہ کے نام خرید کرائی ہے“ آخر میں ہے کہ ”زوجہ کے نام منتقل کرائی ہے“۔ اگر یہ مطلب ہے کہ بائع سے براہ راست جائیداد زوجہ کے نام خریدی اور منتقل کرائی ہے تب تو وہ زوجہ کی ملک ہے، ترکہ زوج نہیں (۱)، مگر یہ کہ زوجہ اس بات کا اقرار کر لے، یا ورثاء زوج کے پاس اس کا ثبوت ہو کہ یہ جائیداد متوفی نے اصلۃً اور حقیقۃً اپنے لئے خریدی تھی اور کسی عارضی مصلحت کی وجہ سے کاغذ میں زوجہ کا نام تحریر کر دیا تھا تو اس وقت ترکہ میت شمار ہو کر حسب تحریر بالا ورثاء پر تقسیم ہوگا۔

اگر یہ مطلب ہے کہ اپنے نام خرید کر پھر زوجہ کے نام منتقل کرادی تھی تو اس صورت میں اگر بحالتِ صحت و تندرستی بطور ہبہ منتقل کر کے زوجہ کا قبضہ اس پر کر دیا تھا تو وہ زوجہ کی ملک ہے ترکہ متوفی نہیں، بھائی مطالبہ نہیں کر سکتا (۲)۔

اگر بحالتِ صحت و تندرستی لکھی ہے تو یہ تحریر معتبر ہے (۳)، اگر مرض الموت میں لکھی ہے تو اس کی کیفیت لکھ کر دوبارہ دریافت کریں۔

جس قدر حصہ زوجہ کی ملک ہے، خواہ زوج نے اپنی حیات میں اس کو دیا ہو خواہ ترکہ میں ملا ہو، اس کو فروخت کر سکتی ہے، اس میں رضا مندی کی ضرورت نہیں اور کسی کو منع کرنے کا حق نہیں، خواہ وہ جائیداد مشترک ہو

= (و کذا فی تبیین الحقائق: ۴۸۵/۷، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۱) جب کہ کوئی شخص اپنے ہی مال سے کسی کے لئے کوئی چیز خرید کر اسے دے دے تو یہ ہبہ ہے، اور ہبہ دراصل قبض سے تام ہو جاتا ہے، کما سیأتی تحت الحاشیۃ الآتیۃ۔

(۲) ”یملک الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك“۔ (شرح المجلة، ص: ۴۷۳، کتاب الہبۃ، الباب الثالث، (رقم المادۃ:)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۶۹۰/۵، کتاب الہبۃ، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۳۷۴/۴، کتاب الہبۃ، الباب الأول، رشیدیہ)

(۳) واضح رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب میت ”زید“ نے مذکورہ زمین اپنی زوجہ کو بحق مہر یا بطور ہبہ دینے کیلئے لکھا ہو اور ساتھ قبضہ بھی کرایا ہو، بغیر قبضہ کے ہبہ اور ملک تام نہیں ہوتا ہے:

”ومنها أن يكون الموهوب مقبوضاً، حتى لا يثبت الملك للموهوب له قبل القبض“۔ (الفتاویٰ

العالمگیریۃ: ۳۷۴/۴، کتاب الہبۃ، الباب الأول، رشیدیہ)

خواہ تقسیم شدہ ہو (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/رجب/۱۳۶۲ھ۔

مشتترکہ موروثہ بائیداد میں کسی شریک کا اپنے حصہ پر قبضہ نہ کرنا

سوال [۹۷۶]: مسائل ذیل بغرض جواب ارسال خدمت سراپا برکت ہے۔ بعد ارقام جواب

فتویٰ مزین بمہر فرما کر احقر کے پاس واپس فرمادیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔ جواب جلد درکار ہے۔

شجرہ

سوتیلی ماں میاں شرف الدین صاحب، وصیت کنندہ بحق محمد صادق

میاں شرف الدین

میاں نذر محمد صاحب

میاں عطا محمد صاحب

میاں شوق محمد صاحب

میاں عاشق محمد صاحب

محمد صادق

میاں دوست محمد صاحب

میاں محمد افضل صاحب

(۱) ”کیف ما يتصرف صاحب الملك المستقل في ملكه، فكذا يتصرف أيضاً في الملك المشترك

اتفاقاً“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۵۹۹، (رقم المادة: ۱۰۶۹)، کتاب الشریکة، الفصل

الثانی، حنفیہ کوئٹہ)

میاں شرف الدین صاحب، میاں عطا محمد صاحب مع دو پسران: میاں عاشق محمد صاحب و میاں شوق محمد صاحب۔ میاں نذر محمد صاحب مع ہر دو پسران اور محمد صادق ہر ایک علیحدہ علیحدہ رہا کرتے تھے اور خرچ بھی ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ تھا۔ میاں شرف الدین صاحب نے جائیداد سکنی علاوہ جائیداد زرعی کے جو ان کے نام درج کاغذات سرکار تھی، چاہے وہ جدی تھی یا بعدہ خود خرید کردہ تھی، چاہے خود خرید کردہ زر ترسیل شدہ ہر دو پسران میاں شرف الدین صاحب سے خرید کی گئی تھی، اور صاحب موصوف نے کاغذات میں بوجہ ملازمت پردیس و عدم حاضری پسران خود اپنے نام رجسٹر وغیرہ کرا لی۔ مندرجہ ذیل طریق پر تقسیم کردی:

میاں شرف الدین صاحب نے اپنے بڑے پسر میاں عطا محمد صاحب کو سکنی زمین سے تخمیناً سات مرلہ اراضی جس پر علاوہ کچا مکیہ کے مکانات کے ایک مکان پختہ ملبہ کا تعمیر شدہ تھا۔ اور میاں نذر محمد صاحب کو سکنی زمین پیمائشی دس مرلہ بنا بروجہ کہ اس اراضی پر کچا ملبہ کے مکانات تعمیر شدہ تھے، حوالہ کردی اور اپنے لئے تین مکانات سکنی علیحدہ رکھ لئے اور ہر دو پسران کے مکانات سے بھی حصہ مکانات بڑے رہائش تاحین حیات تصرف میں رکھ لئے۔

ماسوائے ایک کمرہ (در حصہ میاں نذر محمد صاحب) و سیڑھی کمرہ و راستہ وغیرہ (در حصہ میاں عطا محمد صاحب) کمرہ متذکرہ جو علی الترتیب میاں نذر محمد صاحب و میاں عطا محمد صاحب کے حصہ میں آئے۔ اور جس پر محمد صادق پسر عطا محمد بموجب وصیت پردادی مندرجہ بالا در شجرہ و زان بعد فیصلہ شرعی قابض اور رہائش پذیر تھا۔ ہر دو پسران میاں شرف الدین صاحب نے قبضہ کر لیا اور میاں شرف الدین صاحب نے ان تین مکانات سے دو دو مکانات پر مکمل تصرف کر لیا اور تیسرا مکان جو بطور بیٹھک مشترکہ طور پر ہر ایک فریق کے زیر استعمال جیسا کہ قبل از تقسیم تھا رہا۔

اس دوران میں بعد تقسیم قبضہ ہائے مکانات بطریق بالا میاں عطا محمد صاحب راہی ملک بقا ہو گئے۔ اور بعد وفات میاں عطا محمد صاحب مرحوم محمد صادق نے اپنے والد ماجد میاں شرف الدین صاحب سے درخواست کی کہ چونکہ اس کے پاس کوئی اور بیٹھک نہیں اور نہ ہی شریعت میں پسران میاں عطا محمد صاحب مرحوم موصوف کی وفات کے بعد بموجودگی میاں نذر محمد صاحب ان کے وارث ہو سکتے ہیں، اپنی جائیداد یعنی سہ

مکانات سے جو صاحب موصوف بوقت تقسیم اپنے تصرف میں رکھ لئے تھے بیٹھک متذکرہ بطور ہبہ یا قیمۃ جیسا مناسب خیال فرمادیں پسران میاں عطا محمد صاحب مرحوم کے حق میں منتقل فرمادیں، کیونکہ اس مکان بیٹھک پر محمد صادق نے بلا شرکت کسی دیگر فریق کے کافی ملبہ لگایا ہوا ہے۔

اور اگر میاں شرف الدین مکان بیٹھک محمد صادق کے حوالہ نہ کرنا چاہیں تو اس ملبہ کی موجود الوقت یا اسی قدر ملبہ اگر بروئے شریعت محمد صادق لینے کا حق دار ہو تو مرحمت فرمادیں۔ جس کے جواب میں صاحب موصوف نے ارشاد فرمایا کہ مکان بیٹھک پر دو صورت میں محمد صادق کو نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی ملبہ کی موجود الوقت قیمت اور نہ ہی اسی قدر ملبہ دیا جاسکتا ہے۔ اس جواب پر محمد صادق نے ملبہ مکان بیٹھک پر سے جو اس نے لگایا تھا اتارنے کی درخواست کی تو جواب ملا کہ ملبہ جو محمد صادق نے مکان متذکرہ پر لگایا ہوا ہے چاہے شریعت، رواج، پنچایت، یا قانون محمد صادق کو اجازت نہ بھی دے تو بھی محمد صادق کو ملبہ متذکرہ اتارنے کی بخوشی اجازت ہے اور اس بات پر صاحب موصوف رضا مند ہیں۔

اس تصفیہ کے بعد محمد صادق بیٹھک کے حصول میں کوشاں رہا، حتیٰ کہ عرصہ زائد از دو سال گزر گیا اور بیٹھک بدستور سابق مشترکہ طور پر استعمال ہوتی رہی۔ اب میاں شرف الدین صاحب نے بذریعہ تحریری رقعہ اپنے سابقہ فیصلہ کی رو سے محمد صادق کو ملبہ اتارنے کا حکم دیا اور جملہ برادران محمد صادق کو اپنا اپنا سامان نشست و برخاست مکان بیٹھک سے اٹھانے کا حکم دیا اور یہ بھی فرمایا کہ بیٹھک خالی کردو، کیونکہ محمد صادق اور اس کے دیگر برادران میاں عاشق محمد و میاں شوق محمد صاحبان پابندی شرع محمدی کے دعویدار ہیں۔ لہذا مندرجہ ذیل امور کیلئے مفصل شرعی احکام درکار ہیں:

۱..... آیا ملبہ متذکرہ بیٹھک جو محمد صادق نے بلا شرکت کسی دیگر فریق بیٹھک پر لگایا ہوا ہے اور جس کے اتارنے کی اجازت میاں شرف الدین صاحب نے برضا مندی دی، محمد صادق شرعاً لینے کا حقدار ہے یا نہیں، جبکہ کسی دیگر فریق نے نہ ہی کوئی ملبہ لگایا اور نہ ہی شکست و ریخت میں خرچ کر کے محمد صادق کا ہاتھ بٹایا، حالانکہ استعمال مشترکہ ہوتا رہا؟

۲..... آیا میاں شرف الدین صاحب کو اس جائیداد سے جو بوقت تقسیم جائیداد مابین پسران خود

صاحب موصوف نے اپنے قبضہ میں رکھی تھی، بیٹھک متذکرہ کوئی امر شرعاً مانع ہے، اگر میاں شرف الدین صاحب اپنے مرحوم پسر میاں عطا محمد صاحب کی اولاد کو کچھ حصہ یا سالم اپنی زندگی میں منتقل فرما دیوں؟

۳..... اگر میاں شرف الدین صاحب اپنے پسر میاں نذر محمد صاحب، یا اس کی اولاد کو اپنی زندگی میں اپنی جائیداد پر تصرف کرنے کی اجازت دیں اور پسران میاں عطا محمد صاحب مرحوم کو نظر انداز فرما دیوں تو کیا:
(الف) یہ عمل صاحب موصوف کا شرعاً قطع رحمی کے مترادف نہ ہوگا، تو قطع رحمی کرنے والے کیلئے شرعاً کیا حکم ہے؟

(ب) اگر یہ عمل میاں شرف الدین صاحب شرعاً قطع رحمی کے مترادف ہوگا۔
۴..... جو جائیداد زرمرسلہ میاں عطا محمد مرحوم سے میاں شرف الدین صاحب خرید کرتے رہے اور بجائے اپنے پسر میاں عطا محمد صاحب مرحوم کے نام رجسٹری کرانے کے بعد اپنے نام رجسٹری وغیرہ کراتے رہے ہیں۔

(الف) ایسی جائیداد کا شرعاً کون مالک ہے؟
(ب) کیا اس جائیداد کا میاں شرف الدین صاحب کو کسی دیگر شخص کے حق میں منتقل کرنے کا شرعاً حق ہے یا نہیں؟

(ج) کیا میاں شرف الدین صاحب ایسی جائیداد اپنے قبضہ میں رکھنے کے شرعاً حقدار ہیں؟
(د) کیا یہ جائیداد میاں شرف الدین صاحب کی وفات کے بعد ترکہ میاں شرف الدین صاحب میں شامل کی جاسکتی ہے؟

۵..... مرحوم میاں عطا محمد صاحب کے ترکہ میں ان کے والد میاں شرف الدین صاحب بحیثیت والد متوفی ۱/۶ حصے کے شرعاً حقدار ہیں اور مطالبہ بھی کرتے ہیں، لیکن عملاً باوجود اصرار و رثاء میاں عطا محمد صاحب مرحوم اپنا حصہ لینے سے لیت وعل فرما رہے ہیں، حالانکہ مرحوم کو فوت ہوئے عرصہ تخمیناً ساڑھے سات سال کا گذر رہا ہے، لہذا:

(الف) اگر میاں شرف الدین صاحب اپنی زندگی میں ۱/۶ حصہ حاصل نہ کریں اور لینے سے انکار بھی نہ کریں تو کیا بعد وفات میاں شرف الدین صاحب یہ حصہ ۱/۶ حصہ ترکہ میاں شرف الدین صاحب میں

شمار ہوگا؟

(ب) اگر میاں شرف الدین صاحب ۶/۱ حصہ لینے میں لیت وعل کرتے ہیں اور زندگی وفانہ کرے تو کیا ورثاء میاں عطا محمد مرحوم گنہگار تو نہ ہوں گے؟

(ج) اگر شرعاً ورثاء میاں عطا محمد صاحب مرحوم گنہگار ہوں گے تو ان کو شرعاً کیا عمل کرنا چاہیے جس وجہ سے وہ اس بارے سبکدوش ہو سکیں؟

احقر الناس: محمد صادق کھوکھر بقلم خود۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... محمد صادق حقدار ہے (۱)۔

۲..... بیٹھک کو اپنے قبضہ و تصرف میں رکھنا شرعاً درست ہے کوئی مانع نہیں۔ بحالتِ صحت و تندرستی اگر منتقل کر دیں گے تو شرعاً یہ انتقال معتبر ہوگا اور عطا محمد کی اولاد کی طرف منتقل ہو جاوے گی (۲)۔

۳..... (الف، ب): اپنی زندگی میں کلی اختیار ہے۔ عطا محمد کی اولاد کو نظر انداز کر دینے سے کوئی حق تلفی بھی نہیں (۳)، البتہ مروت کا تقاضا یہ ہے کہ نظر انداز نہ کریں۔

(۱) ”عمر دار زوجته بماله باذنها، فالعمارة لها، والنفقة دين عليها، لصحة أمرها. ولو عمر لنفسه بلا إذنها، فالعمارة له، ويكون غاصباً للعرصة، فيومر بالتفريغ بطلبها ذلك“. (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: ”(قوله: والنفقة دين عليها)؛ لأنه غير متطوع في الإنفاق، فيرجع عليها لصحة أمرها، فصار كالمأمور بقضاء الدين“. (الدر المختار، كتاب الوصايا، مسائل شتى: ۶/۷۷، سعيد)

(۲) ”ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف ما شاء“. (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۴۳، كتاب الشركة، الفصل الثامن في أحكام القسمة، (رقم المادة: ۱۱۶۲)، مكتبه حنفية كوثه)

”تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض“. (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، كتاب الهبة، حنفية كوثه)

(و كذا في الدر المختار: ۵/۶۸۸، كتاب الهبة، سعيد)

(۳) ”وفي الخانية: لو وهب شيئاً لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض، روى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل في الدين. وإن كانوا سواء، يكره“. =

۴..... (الف، ب، ج، د): اگر عطا محمد نے اس لئے روپیہ بھیجا کہ آپ میرے لئے جائیداد خرید لیں اور میاں شرف الدین نے اس کیلئے خریدی مگر کسی مصلحت یا مجبوری سے عطا محمد صاحب کا نام درج نہیں کرایا، بلکہ اپنا نام درج کرایا ہے وہ جائیداد عطا محمد ہی کی ملک ہے (۱)، میاں شرف الدین کو اس میں اصل مالکانہ تصرف کا حق نہیں، وہ کسی کے حق منتقل نہیں کر سکتے اور بعد وفات میاں شرف الدین صاحب کا ترکہ شمار ہو کر ورثاء میں تقسیم نہیں ہوگی، بلکہ ترکہ عطا محمد کا قرار پا کر عطا محمد کے ورثاء میں تقسیم ہوگی (۲)۔ ۱/۶ میاں شرف الدین کو ہی ملے گا (۳)۔

اگر عطا محمد نے روپیہ بطور ہبہ اپنے والد کو دیا ہے اور والد نے اپنے لئے یہ جائیداد خریدی ہے تو وہ کلیۃً میاں شرف الدین کی ملک ہوگی (۴)، ان کو اس میں مالکانہ تصرف کا حق بھی حاصل ہوگا، جس کے حق میں چاہیں

= (ردالمحتار: ۴/۴۴۴، کتاب الوقف، مطلب مهم فی قول الواقف، سعید)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳/۲۷۹، کتاب الہبۃ، فصل فی ہبۃ الوالد لولدہ، رشیدیہ)

(و کذا فی البزازیہ علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۲/۲۳۷، کتاب الہبۃ، الجنس الثالث فی ہبۃ الصغیر، رشیدیہ)

(۱) ”والملک یثبت للمؤکل ابتداءً فی الأصح، فلا یعتق قریب الوکیل بشرائہ..... حتی لو أضافه إلی نفسه، لا یصح..... تتعلق بمؤکله لابه، لکونه فیہا سفیراً محضاً“۔ (الدرالمختار: ۵/۵۱۴، کتاب الوكالة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳/۵۶۷، کتاب الوكالة، الباب الأول، رشیدیہ)

(۲) ”والمراد من التركة ما ترکہ المیت خالیاً عن تعلق حق الغير بعینه“۔ (تبیین الحقائق: ۷/۴۷۱، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۳) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَأَبْوِیْہُ لَکُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ﴾۔ (سورة النساء: ۱۱)

”وأما الرجال فالأول الأب، وله ثلاثة أحوال: الفرض المحض وهو السدس مع الابن وابن الابن وإن سفل“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴۸، کتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی الفروض، رشیدیہ)

(۴) ”یملک الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك“۔ (شرح المجلة لسیم =

وہ منتقل بھی کر سکیں گے، اور بعد وفات ترکہ میاں شرف الدین شمار ہو کر ان کے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

۵..... میاں شرف الدین کو چاہئے کہ معاملہ کو صاف کر دیں یعنی اپنا حصہ ۶/۱ اصول کر لیں، پھر اگر کسی کو دینا چاہیں تو اس کو دیدیں، معلق رکھنا اچھا نہیں (۱)۔

(الف) یہ ایک ۶/۱ حصہ ترکہ میاں شرف الدین شمار ہوگا۔

(ب) میاں شرف الدین بھی ورثائے میاں عطا محمد صاحب میں سے ہیں، دیگر ورثاء کو چاہئے کہ ۶/۱ حصہ میاں شرف الدین کے حوالہ کر دیں، پھر بھی وہ قبضہ نہ کریں تو ان ورثاء پر کوئی الزام نہیں۔ تاہم اگر میاں شرف الدین صاحب نے اپنا حصہ باوجود اس سعی ورثائے عطا محمد کے نہیں لیا اور میاں شرف الدین صاحب کا انتقال ہو گیا تو ان ورثاء پر گناہ نہیں (۲)۔

= رستم: ۱/۳۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، کتاب الہبۃ، الباب الثالث، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ

(و کذا فی الدر المختار: ۵/۶۸۸، کتاب الہبۃ، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳/۳۷۴، کتاب الہبۃ، رشیدیہ)

(۱) واضح رہے کہ میراث میں ایک جبری ہے اور حق حصہ نہ لینے سے بھی باطل نہیں ہو جاتا:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فَرِيضَةٌ مِنَ اللَّهِ﴾. (النساء: ۱۱)

”وہی ضربان: شریک ملک وہی ان یملک متعدد عیناً او دیناً..... یارث او بیع او غیرہما بأی سبب کان جبریاً او اختیارياً ولو متعاقباً“۔ (الدر المختار). وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ”(قوله: بأی سبب کان) هو مفهوم قوله: یارث او بیع، فإن الأول جبري والثاني اختياري“۔ (رد المحتار: ۳/۳۰۰، کتاب الشریکۃ، سعید)

”والثالث: إما اختياري وهو الوصية أو اضطراري، وهو الميراث“۔ (مجمع الأنهر: ۳/۴۹۴، کتاب الفرائض، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۷۱، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۵۹۸، (رقم المادة: ۱۰۶۲)، ۱۰۶۳، کتاب الشریکۃ، الفصل الأول، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۲) اس لئے کہ میاں عطا محمد کے ورثاء کی طرف سے کوئی تعدی اور ظلم نہیں، لہذا ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

(ج) حسب تحریر (ب) عمل کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ صفر/ ۱۳۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ صفر/ ۱۳۶۸ھ۔

مالِ موروث مشترک سے صدقہ دینا

سوال [۹۷۸]: زید کا انتقال ہو گیا، اب زید کی بیوی ہندہ اور ایک نابالغ لڑکی ہے، مالِ موروثہ غیر مقسوم ہے۔ زید کی زندگی کی حالت میں ہندہ کی والدہ بیوہ کو زید اپنے مال سے نان و نفقہ دیتا تھا۔ کیا بعد موت بیوہ والدہ ہندہ اس مالِ موروثہ سے بطور سابق نان نفقہ میں تصرف کر سکتی ہے یا نہیں؟ زید نے بوقت موت اس بارے میں کچھ تصریح نہیں کی۔ فی الحال وہ نابالغ لڑکی اور اس کی بیوی کے اندر مالِ موروثہ مشترک ہے اور ہندہ اپنے عزیز واقارب و طالب علم وغیرہ کی اس غیر مقسومہ مال سے مہمانداری اور دعوت وغیرہ کر سکتی ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالِ مشترک سے ہندہ کیلئے جائز نہیں کہ کوئی صدقہ وغیرہ کسی کو دے یا مہمانداری کرے اور ہندہ کی والدہ کو بھی اس مال سے طریقہ سابقہ پر نان نفقہ لینا جائز نہیں، البتہ بعد تقسیم ہندہ کو حق ہے کہ اپنا مال والدہ کو دے یا مہمانوں کو کھلائے یا صدقہ کرے:

”ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من أهل المیت؛ لأنه شرع فی السرور لافی الشرور، وہی بدعة مستقبحة ولا سیمًا إذا کان فی الورثۃ صغاراً أو غائب، اھ“، رد المحتار:

۱/ ۹۴۰ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(۱) (رد المحتار: ۲/ ۲۴۰، کتاب الصلوٰۃ، مطلب فی کراہۃ الضیافۃ من أهل المیت، سعید)

(و کذا فی البزازیۃ علی هامش الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۴/ ۸۱، کتاب الصلوٰۃ، باب الجنائز، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱/ ۱۶۷، کتاب الصلوٰۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، رشیدیہ)

مالِ مشترک سے اعزہ کی ضیافت

سوال [۹۷۶۹]: (الف) کسی شخص کے اپنے بھائی یا اپنی لڑکی کی اولاد ہے، ان میں سے بعض بالغ اور بعض نابالغ ہیں جو کہ یتیم ہیں، ان کا مال متروکہ مشترک ہے۔ مذکورہ اولاد اپنے چچا، نانا کو کھانا کھلانے کے لئے زور لگاتے ہیں، حالانکہ چچا، نانا مالِ مشترک کو یتیم کا مال سمجھ کر کھانا نہیں چاہتے۔ ایسی حالت میں اگر چچا یا نانا کھانا کھالیوے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اولاد مذکورہ میں سے جو بالغ ہو چکے ہیں ان کو نکاح کی ضرورت ہے اور نکاح میں روپیہ وغیرہ خرچ کرنا، نیز تقریب ولیمہ، رشتہ داروں اور ہمسایہ کے لوگوں کو کھانا کھلانا پڑتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بالغ کو مالِ متروکہ مشترک سے خرچ کرنا اور لوگوں کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ بتقدیر اول کس طرح جائز ہے اور بتقدیر ثانی بالغوں کا نکاح کے جملہ خرچ کس طرح کرنا ہوگا؟ جواب تحریر فرمائیں۔

(ترکہ میت میں ایک وارث کی محنت سے اضافہ ہوا، اس کی تقسیم کس طرح ہو)

۲..... (الف): خالد کی بہن زینب کو اس کے باپ عمر نے نکاح دیدیا، عمر نے مرتے وقت اپنے بیٹے خالد کو کہا کہ: بیٹا! میرے بعد تم ہی تو میرے مالِ متروکہ کے مالک ہو گے، تم اپنی بہن زینب کو ہر سال سسرال سے لایا کیجیو، اگر ہو سکے اسے کھلا پلا کر کپڑا وغیرہ دے کر خوش رکھو۔ زینب کا خیال ہے کہ اگر بھائی کے مکان پر ہر سال آجایا کروں تو کافی ہے، باپ کا متروکہ مال بھائی کے پاس رہے اس کا تقاضہ نہیں کرتی، صراحۃً اپنا حصہ چھوڑتی بھی نہیں۔

نیز عمر کے مرنے کے بعد خالد نے کمائی کر کے مالِ متروکہ کو اور بڑھایا، نیز جائیداد کا بھی منافع ملتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ خالد مالِ متروکہ مشترک میں سے مہمانداری، قربانی، خیرات، زکوٰۃ، مدرسہ کا چندہ وغیرہ دینی کار خیر میں خرچ کرتا ہے، آیا خالد کیلئے جائز ہے یا نہیں؟ مفصل تحریر کریں۔

(ب) حالتِ مذکورہ میں خالد کی بہن زینب ایسی حالت میں اپنی اولاد چھوڑ کر مر گئی تو زینب کی اولاد کو مالِ مذکورہ میں حصہ ملے گا یا نہیں، اگر ملے گا تو خالد کو ان یتیموں کا مال علیحدہ کئے بغیر کار خیر میں مال خرچ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ فقط۔

لطف الرحمن، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... (الف) یہ کھانا شرعاً جائز نہیں، اگر ان بچوں کی دل شکنی کے خیال سے چچا، نانا کھانا کھالیں تو اس کی قیمت بصورت نقد، یا کسی دوسری صورت سے ان کو دیدیں (۱)۔ یہ حکم نفس کھانے کا ہے۔ اگر یہ کھانا سویم، چہلم وغیرہ مروجہ رسوم و بدعات کے ماتحت ہو تو اس کو دل شکنی کے خیال سے بھی نہیں کھانا چاہئے (۲):

”ویکره اتخاذ ضیافة من الطعام من اهل الميت؛ لانه شرع فی السر، ر لافى الشرور، وهى بدعة مستقبحة. روى الإمام أحمد رحمة الله تعالى عليه وابن ماجة بإسناد صحيح عن جرير ابن عبد الله رضى الله تعالى عنه قال: كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة، اه ولا سيما إذا كان فى الورثة صغار أو غائب، اه“. شامی (۳)۔

(ب) تقسیم کر کے بالغ اپنے حصہ سے خرچ کریں، مال مشترک سے اپنے نکاح وغیرہ میں خرچ کرنا درست نہیں، کیونکہ اس شرکت میں ہر ایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی ہے:

”ولا يجوز لأحد هما أن يتصرف فى نصيب الآخر إلا بأمره، وكل واحد منهما كالأجنبى فى نصيب صاحبه، اه“. عالم گیری (۴)۔

(۱) قال الله تبارك وتعالى: ﴿وَاتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ، وَلَا تَبْدِلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ، وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ، إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا﴾. (سورة النساء: ۲)

قال العلامة الجصاص رحمه الله تعالى: ”وروى محمد فى كتاب الآثار عن أبى حنيفة رحمه الله تعالى عن رجل عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه قال: ”لا يأكل الوصى من مال اليتيم قرصاً ولا غير“. وهو قول أبى حنيفة رحمه الله تعالى. وذكر الطحاوى أن مذهب أبى حنيفة رحمه الله تعالى أنه يأخذ قرصاً إذا احتاج، ثم يقضيه“. (أحكام القرآن، (سورة النساء: ۲): ۲/۶۵، دار الكتاب العربى بيروت)

(۲) ”ویکره اتخاذ الطعام فى اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع والأعياد ونقل الطعام إلى القبر فى المواسم فالحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره“. (الفتاوى البرازية على

هامش الفتاوى العالمکیریة: ۸۱/۴، کتاب الصلوة، باب الجنائز، رشیدیہ)

(۳) (ردالمحتار: ۲/۲۴۰، کتاب الصلوة، باب الجنائز، سعید)

(۴) (الفتاوى العالمکیریة: ۳۰۱/۲، کتاب الشریکة، الباب الأول، رشیدیہ) =

۲..... (الف) خالد کے ذمہ واجب ہے کہ باپ کے مرنے کے وقت جس قدر ترکہ موجودہ تھا اس کو حسب وراثت شرعیہ تقسیم کر کے بہن کا حصہ بہن کو دیدے (۱)، اور جو کچھ مال مشترک سے خرچ کیا ہے، اس کو بعد تقسیم اپنے حصہ میں محسوب کرے (۲)۔

(ب) جبکہ زینب نے اپنا حصہ خالد کو ہبہ نہیں کیا تو اب اس کا حصہ اس کی اولاد کو ملے گا، زید کے ذمہ ضروری ہے کہ اس کو بہن کی اولاد کے حوالہ کر دے، ایسے مال مشترک سے خرچ کرنا جائز نہیں، جو کچھ خرچ کیا وہ اپنے حصہ میں شمار کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۸/۱۳۶۴ھ۔

ترکہ میت سے ضیافت و ایصال ثواب

سوال [۹۷۷۰]: مال متروکہ میں میت کا حق کس قدر باقی رہتا ہے اور ورثاء نابالغ ہوتے ہوئے بغیر وصیت میت اموال متروکہ غیر مقسوم میں سے کوئی کار خیر جیسے ضیافت وغیرہ کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں، اور در صورت وصیت کیا حکم ہے؟

= (وکذا فی الدر المختار: ۴/۳۰۰، کتاب الشرکۃ، سعید)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳/۶۱۲، کتاب الشرکۃ، رشیدیہ)

(۱) ”ثم یقسم الباقي بعد ذلک بین ورثته: أى الذین ثبت إرثهم بالکتاب والسنة..... والإجماع“.

(الدر المختار: ۶/۷۶۱، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی السراجی، ص: ۳، سعید)

(۲) ”لیس لأحد أن يأخذ مال غیره بلا سبب شرعی، وإن أخذه ولو علی ظن أنه ملكه، وجب علیه ردّه

عیناً إن کان قائماً، وإلا فیضمن قیمته إن کان قیمیاً“۔ (شرح المجلة لسلم رستم باز: ۱/۶۲، رقم

المادة: ۹۷)، المقالة الثانية فی القواعد الفقہیة، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ

(وکذا فی الدر المختار: ۶/۲۰۰، کتاب الغضب، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۲/۳۰۱، کتاب الشرکۃ، الباب الاول، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ترکہ میت سے اولاً تجہیز و تکفین میت کی جائے، اس کے بعد دین میت ادا کیا جائے، پھر اگر وصیت کی ہو تو ایک ثلث سے وصیت پوری کی جائے (۱)، ایک ثلث سے زائد میں وصیت نافذ نہیں ہوتی، الا یہ کہ ورثاء اجازت دیدیں بشرطیکہ ورثاء بالغ ہوں، نابالغ کی اجازت بھی معتبر نہیں (۲)۔ بغیر وصیت مطلقاً اور بصورت وصیت ایک ثلث سے زائد ضیافت وغیرہ میں خرچ کرنا درست نہیں، جبکہ ورثاء نابالغ ہوں یا غائب ہوں:

”ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اهل المیت؛ لانه شرع فی السرور لافى الشرور، وهی بدعة مستقبحة..... وهذه الأفعال کلها للسمعة والریاء..... فیحترز عنها..... ولا سيما إذا كان فی الورثة صغار أو غائب مع قطع النظر عما یحصل - عند ذلك غالباً من المنکرات الكثيرة، اهـ“۔ شامی: ۱/ ۸۴۱ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۱۳۶۷ھ۔

بھتیجیوں کی پرورش کا صرفہ بھائی کے ترکہ سے وصول کرنا

سوال [۹۷۷]: زید نے اپنے بھتیجا اور بھتیجی کی دوڑکیوں کی پرورش اور شادی بیاہ بھی کی تو کیا زید

(۱) ”تعلق بترکۃ المیت حقوقاً أربعة مرتبة: الأول یبدأ بتکفینہ وتجهیزہ من غیر تبذیر ولا تقتیر، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين الورثة“۔ (السراجیۃ، ص: ۳، سعید)

(وکذا فی الدر المختار: ۶/ ۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) ”ولا يجوز بما زاد على الثلث إلا أن یجیزہ الورثة بعد موته وهم كبار“۔ (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۶/ ۹۰، کتاب الوصایا، الباب الأول، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار: ۶/ ۶۵۱، کتاب الوصایا، سعید)

(۳) (رد المحتار: ۲/ ۲۴۰، کتاب الصلوٰۃ، مطلب فی کراهیۃ الضیافۃ من اهل المیت، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/ ۱۶۷، کتاب الصلوٰۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، رشیدیہ)

(وکذا فی البزازیۃ علی هامش الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۴/ ۸۱، کتاب الصلوٰۃ، باب الجنائز، رشیدیہ)

بھائی کے ترکہ میں سے بھتیجا اور اس کی لڑکی کی پرورش وغیرہ کا خرچ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید نے بھتیجا اور بھتیجیوں کی پرورش اولاً تبرعاً کی ہے تو اب خرچ نہیں لے سکتا، نہ زید کے بعد زید کا لڑکا لے سکتا ہے (۱)۔ اگر اس پر گواہ موجود ہیں کہ اپنے پاس سے بطور قرض خرچ کر کے پرورش کی ہے اور یہ نیت تھی کہ میں اپنے بھائی کے ترکہ سے جو کہ ان بھتیجیوں کی ملک ہے وصول کروں گا اور اس پر بیٹہ موجود ہے تو لے سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/۳/۱۳۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ربیع الثانی/۱۳۵۹ھ۔

(۱) ”من وهب لأصوله وفروجه أو لأخيه أو أخته أو لأولادهما أو لعمته أو لخاله أو لخالته شيئاً، فليس له الرجوع“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۶، (رقم المادة: ۸۶۶)، كتاب الهبة، الباب الثالث، مكتبه حنفية كوئٹہ)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/۳۸۵، كتاب الهبة، الباب الخامس في ما يمنع الرجوع في الهبة وما لا يمنع، رشيدية)

(و كذا في الدر المختار: ۵/۷۰۴، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، سعید)

(۲) ”أنفق الوصي من مال نفسه على الصبي، وللصبي مال غائب، فهو متطوع في الإنفاق استحساناً، إلا أن يشهد أنه قرض أو يرجع عليه..... وفي المحيط عن محمد: إذا نوى الأب الرجوع ونقد الثمن على هذه النية، وسعه الرجوع فيم بينه وبين الله تعالى. وأما في القضاء فلا يرجع مالم يشهد“۔ (رد المختار: ۶/۷۱۷، كتاب الوصايا، فصل في شهادة الأوصياء، سعید)

”و كذا لو اشترى الوصي طعاماً لنفقة أو كسوة بشهادة الشهود، فله أن يرجع في مال الصغير. وإنما اشترط شهادة الشهود؛ لأن قول الوصي معتبر في الإنفاق، ولكن لا يقبل في الرجوع في مال الميت إلا بالبينة“۔ (خلاصة الفتاوى: ۳/۲۴۰، كتاب الوصايا، الفصل الرابع في الدفن والكفن وما يتصل بها، رشيدية)

(و كذا في جامع الفصولين: ۲/۳۶، الفصل الثامن والعشرون، اسلامي كتب خانہ كراچی) =

موتِ زوجہ کے بعد زوج کا اس کے ترکہ میں خصوصی دعویٰ

سوال [۹۷۷۲]: ایک عورت کا انتقال ہوا، اس کے متروکہ مال میں سے کچھ اسباب علاوہ نقد سونے کے چھ اشرفیاں اور کچھ کپڑے اور تاگوں کی ریل نکلے ہیں (۱)۔ شوہر کہتا ہے کہ جب افریقہ سے میری عورت آنے لگی ہے اس وقت میں نے اشرفیاں دی تھیں اگرچہ اس وقت جو نکلی تھیں اس سے زیادہ تھیں، نیز کپڑوں کے ٹکڑے تاگوں کے ریل میری دوکان کے ہیں، لہذا اشرفیاں اور یہ چیزیں مجھے خاص ملنی چاہیے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان چیزوں میں اور ورثاء کا بھی حق ہے یا خاوند کو صرف حق ہے؟

نہوت: جب مرحومہ عورت افریقہ سے آئی تھی تو خاوند افریقہ میں تھا، عورت کو آئے ہوئے تقریباً اٹھارہ برس ہوئے اس عرصہ میں عورت اپنے ملک میں رہی۔ عورت کے افریقہ سے آنے کے بعد تقریباً آٹھ نو برس کے بعد خاوند ملک آیا، تھوڑی مدت رہ کر افریقہ چلا گیا۔ چھ سات برس کے بعد پھر ملک آیا، ڈیڑھ دو برس سے عورت خاوند سے الگ رہتی تھی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو سامان مرد کیلئے مخصوص ہوتا ہے، یا اس کی دوکان اور تجارت کا ہے وہ مرد کا ہے، اس میں عورت کے دیگر ورثاء کا حق نہیں، مگر یہ کہ اس پر کوئی ثبوت پیش کریں کہ یہ عورت کی ملک ہے۔ اور جو سامان مرد و عورت ہر دو کیلئے مشترک ہے وہ بھی صورت مسئلہ میں مرد ہی کیلئے ہے:

”وَإِذَا مَاتَ أَحَدُهُمَا، ثُمَّ وَقَعَ الْخِلَافُ بَيْنَ الْبَاقِي وَوَرِثَةِ الْمَيِّتِ، فَعَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى: مَا يَصْلَحُ لِلرِّجَالِ، فَهُوَ لِلرِّجَالِ إِنْ كَانَ حَيًّا، وَلَوْ رِثَتْهُ إِنْ كَانَ مَيِّتًا، وَمَا يَصْلَحُ لِلنِّسَاءِ فَهُوَ عَلَى هَذَا، وَمَا يَصْلَحُ لِهَمَا فَعَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ هُوَ لِلرِّجَالِ إِنْ كَانَ حَيًّا، وَلَوْ رِثَتْهُ إِنْ كَانَ مَيِّتًا. وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: الْمَشْكَلُ لِلْبَاقِي عَنْهُمَا. وَمَا كَانَ مِنْ مَتَاعٍ التَّجَارَةِ وَالرَّجُلُ مَعْرُوفٌ لَتَلَكَّ، فَهُوَ لِلرِّجَالِ، كَذَا فِي الْمَحِيطِ“۔ كَذَا فِي

= (و كذا في البحر الرائق: ۹ / ۳۱۶، كتاب الوصايا، باب الوصي وما يملكه، رشيدية)

(۱) ”تاگا: ڈورا، دھاگا، سوت کا تار“۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۳۸، فیروز سنز لاہور)

”ریل: پھر کی، پچک“۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۳۵، فیروز سنز لاہور)

الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۳۲۹ (۱)۔

اور جو سامان عورت کیلئے مخصوص ہوتا ہے وہ عورت کا ترکہ شمار ہوگا اس میں شوہر کیساتھ دیگر ورثاء بھی شریک و مستحق ہوں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ۔

دوسرے کی ملک وراثت کو وقف کرنا

سوال [۱۹۷۳]: زید نے چند درختان امہ زمیندار کی اراضی میں نصب کر لیا تھا (۲) اور اس پر اس کا ہر طرح کا تصرف تھا، مگر اس کے نام کسی قسم کا کوئی اندراج کاغذات و بہی (۳) میں نہیں تھا۔ کچھ گھریلو ضرورتوں کے تحت اپنے نصب کردہ درختاں بکر سے مناسب قیمت لے کر فروخت کر دیا۔ اسی درمیان میں سرکاری حکم کے بموجب پٹواریوں کو یہ ہدایت ہوئی کہ متفرق درختاں کا اندراج مع ملکیت کے کیا جاوے۔ اس موقع پر بکر نے کاغذات وہی میں باغ کا اندراج اپنے نام کر لیا جس پر زید کو کوئی عذر نہیں تھا اور نہ گاؤں کے لوگوں ہی کو کوئی اعتراض پیدا ہوا۔

بکر کے انتقال کے بعد جب اس کا لڑکا علی دنیا میں آیا تو کچھ لوگوں کو ضد پیدا ہوئی اور اس کے تحت ایک پارٹی بنا کر اس اراضی کو گرام سماج کی ملکیت بنانی چاہی۔ چونکہ اس کے ارد گرد بلا اندراج قبرستان بھی ہے، لوگ باغ مذکور کو بھی قبرستان بنانا چاہتے ہیں، لوگوں کا کہنا ہے کہ باغ مذکورہ پر عمر کا تصرف شرعاً ناجائز ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۳۲۹، کتاب النکاح، الباب السابع عشر فی اختلاف الزوجین فی متاع البیت، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۷/۳۸۱، ۳۸۲، کتاب الدعوی، باب التحالف، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۵/۳۶۰، کتاب الدعوی، باب التحالف، مکتبہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) ”امہ: آم کی ایک قسم کا درخت“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۵، فیروز سنز لاہور)

(۳) ”بہی: وہ رجسٹر جس میں حساب وغیرہ لکھتے ہیں، روزنامہ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۳۸، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک اس کے وقت ہونے کا شرعی ثبوت نہ ہو، والد کا وارث ہونے کی حیثیت سے عمر کا اس پر قبضہ درست ہوگا۔ اصل مالک کے قبضہ سے بلا وجہ شرعی کوئی چیز کا لٹا ظلم ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۷/۱۳۸۹ھ۔

بڑا بھائی اپنا حصہ فروخت کر سکتا ہے چھوٹے بھائی کا نہیں

سوال [۹۷۷۴]: ایک شخص اپنے پس پشت دو لڑکوں کو چھوڑ کر انتقال کر گیا، ان میں سے ایک بالغ تھا اور ایک نابالغ۔ بالغ لڑکے نے والد کی جائیداد کو فروخت کر دیا اور کچھ گورنمنٹ کی ملکیت ہو گئی، لیکن نابالغ بھائی کی بغیر اجازت اس نے یہ جرأت کی ہے، اور بحمد اللہ فی الحال دونوں بھائیوں کے درمیان تعلقات خوشگوار ہیں۔ اب نابالغ بھائی بالغ ہونے کے بعد اپنا حق طلب کرتا ہے۔

اب آپ سے سوال یہ ہے کہ جو چھوٹا بھائی خود مختار ہے وہ اپنا حق لینا چاہتا ہے، اور جن کو فروخت کیا گیا ہے انہیں حضرات سے لینا چاہتا ہے۔ تو کیا حق طلبی دوم وہی شی اول بار دے کر لی جاسکتی ہے؟
تیسری بات فروخت جن صاحب سے کیا گیا ہے، انہی سے کورٹ سے ثابت کر کے اپنا حصہ وہ چھوٹے لڑکے کو فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ اب مشتری بڑے بھائی سے لے یا نہ لے، کوئی سروکار نہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

”عن أبی حرة الرقاشی عن عمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”أَلَا لَا تَظْلَمُوا، أَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ إِلَّا بِطَيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ“۔ (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۵۵، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریۃ، الفصل الثانی، قدیمی)

”عن سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”مَنْ أَخَذَ شَبْرًا مِنْ الْأَرْضِ ظُلْمًا، فَإِنَّهُ يَطْوِقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ“۔ (مشکوۃ المصابیح، المصدر السابق)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بڑے بھائی کو اپنا حصہ فروخت کرنے کا اختیار ہے (۱)، چھوٹے بھائی کا حصہ فروخت کرنے کا اختیار نہیں، اس کے حصہ کی بیع نہیں ہوئی (۲)، وہ بالغ ہونے پر اپنے حصہ کے بقدر بیع کو ختم کر کے اپنا حصہ لینا چاہے تو لے سکتا ہے، خریدار اس کے حصہ کی قیمت بڑے بھائی سے وصول کرے۔ یہ بھی درست ہے کہ چھوٹا بھائی اپنا حصہ مستقلاً پہلے خریدار یا کسی اور کے ہاتھ فروخت کرے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۲/۱۳۹۲ھ۔

اگر کسی وارث کے متعلق اندیشہ ہو کہ وہ اپنا حصہ فروخت کر دے گا

سوال [۹۷۷۵]: میں اپنی حیات میں اپنے تین لڑکے اور ایک لڑکی کو شرع کے مطابق اپنے مکان کے حصے کر کے ان کے قبضے میں دیدینا چاہتا ہوں، منجملے اور چھوٹے لڑکے اور لڑکی سے میں اور میری اہلیہ خوش ہیں۔ بڑے لڑکے کے ساتھ بیوی جس سے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، یہ بہو زنا نہ اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہے، اپنا، اپنے میاں اور بچوں کی پرورش اپنی آمدنی سے عرصہ سے کر رہی ہے اور اپنے ساس اور سرسری ہر طرح کی

(۱) ”یصح بیع الحصۃ المعلومۃ الشائعۃ بدون إذن الشریک“، (شرح المجملۃ لسلم رستم باز:

۱۰۳/۱، (رقم المادۃ: ۲۱۵)، کتاب البیوع، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ: ۲۴۶/۱، کتاب البیوع، مطلب: بیع الحصۃ من العمارۃ، مکتبہ میمنیہ مصر)

(۲) ”کل تصرف صدر منه تمليکاً کان کبیع وتزویج، وله مجیزٌ حال وقوعه، انعقد موقوفاً: أى علی إجازة من یملک ذلک“، (الدر المختار: ۱۰۶/۵، کتاب البیوع، فصل فی الفضولی، سعید)

(وکذا فی شرح المجملۃ لسلم رستم باز: ۲۰۴/۱، (رقم المادۃ: ۳۶۸)، کتاب البیوع، مکتبہ حنفیہ، کوئٹہ)

(۳) ”کل یتصرف فی ملکہ کیف شاء“، (شرح المجملۃ لسلم باز: ۶۵۴/۱، (رقم المادۃ: ۱۱۹۲)، کتاب الشرکۃ، باب أحكام القسمۃ، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

”لأن الملك مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص“، (رد المحتار: ۵۰۲/۴، کتاب

البیوع، سعید)

خدمت کرتی رہتی ہے جس کی وجہ سے ہم دونوں اس بہو سے بے انتہا خوش ہیں۔

بڑے لڑکے نے ہم دونوں کی ناخوشی کے باوجود دوسرا نکاح کر لیا، دوسری بہو سے دولڑکے اور دولڑکیاں ہیں، اسی بیوی کے یہاں میرا بڑا لڑکا قیام کرتا ہے اور کھانا پہلی بیوی کے یہاں پرکھاتا ہے۔

اگر بڑے لڑکے کو اس کا حصہ قبضہ میں دیدیا گیا تو ڈر ہے کہ وہ اس کو یا تو فروخت کر دے، یا دوسری بیوی اور اس کے بچوں کو دیدے اور پہلی بیوی کو محروم کر دے اس لئے اگر شرعاً اجازت ہو تو میں اس بڑے لڑکے کے حصہ کو اس کی پہلی بیوی کے مہر میں دیدوں یا پہلی بیوی کے لڑکوں کو دے دوں اور برب تک یہ میرے پوتے بالغ نہ ہوں اس وقت تک ان کی ماں اور ان کے چچا اس حصے کے ذمہ دار ہوں۔ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ اپنی زندگی میں ہی دینا چاہتے ہیں تو چار حصے برابر کر کے تین حصے تینوں لڑکوں کو، ایک حصہ لڑکی کو دیدیں یعنی لڑکی کا حصہ لڑکے کے برابر ہوگا، نصف نہیں ہوگا (۱)۔ سب کے حصوں پر ان کا قبضہ کرادیں، پھر ہر ایک کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنا حصہ خود رکھے یا ہبہ کرے یا فروخت کر دے، آپ کو روکنے کا حق نہیں ہوگا (۲)۔ البتہ اگر کسی کے متعلق یہ اندیشہ ہو کہ وہ خدا نخواستہ معصیت میں صرف کر دے گا تو اس کو کچھ نہ دیں (۳)، جس کے متعلق اندیشہ ہے کہ وہ پہلی بیوی کو محروم کر دے گا تو ابھی وراثت یا محرومیت کا سوال ہی

(۱) ”وفی الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة“۔ (البحر الرائق: ۷/۴۹۰، کتاب الهبة، رشیدیہ)

(و کذا فی خلاصة الفتاوی: ۴/۴۰۰، کتاب الهبة، الفصل الأول، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمگیریة: ۶/۲۳۷، کتاب الهبة، رشیدیہ)

(۲) ”کل واحد من الشراء یصبح بعد القسمة مالکاً ل حصته بالاستقلال، ولا یبقى لأحدہم علاقة فی حصۃ الآخر، ولكل واحد منهم أن یتصرف فی حصته کیفما شاء“۔ (شرح المجلة لسلم رستم باز: ۶۴۳/۱، رقم المادة: ۱۱۶۲)، کتاب الشركة، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۳) ”وإن كان فی ولدہ فاسق، لا ینبغی أن یعطیه أكثر من قوته کیلا یصیر معیناً له فی المعصية..... ولو كان ولد فاسقاً وأراد أن یتصرف ماله إلى وجوه الخیر ویحرمه عن المیراث، هذا خیر من تركه“۔ (الفتاوی العالمگیریة: ۴/۳۹۱، کتاب الهبة، الباب السادس فی الهبة للصغیر، رشیدیہ)

نہیں۔ مہر دونوں بیویوں کا واجب ہے (۱)، دونوں کا نفقہ بھی واجب ہے (۲)، دونوں کے ساتھ برابری کا رہن سہن لازم ہے (۳)، ورنہ شوہر گنہگار ہوگا، اس کو فہمائش کی جائے کہ وہ اس کا خیال رکھے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۹/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۲/۱۳۸۸ھ۔

مرحومہ بیوی کا مہر مسجد و مدرسہ میں دینا

سوال [۹۷۷]: زید نے اپنے نکاح کے فوراً بعد اپنی زوجہ کا مہر ادا نہیں کیا، ارادہ یہی تھا کہ جتنی جلد ممکن ہو ادا کر دوں۔ زید صاحبِ اولاد ہے، مگر زید کی زوجہ کا انتقال ہو گیا۔ اب زید کیلئے ادائیگی مہر میں کیا

= (و کذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریة: ۶/۲۳۷، کتاب الہبة، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۷/۴۹۰، کتاب الہبة، رشیدیہ)

(۱) قال اللہ تبارک و تعالیٰ: ﴿وَاتُوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ نِحْلَةً﴾. (سورة النساء: ۴)

”ثم المهر واجب إبانة لشرف المحل، فلا يحتاج إلى ذكره“. (الهداية: ۲/۳۲۳، کتاب النکاح، باب المہر، شرکة علمية ملتان)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳/۲۴۹، کتاب النکاح، باب المہر، رشیدیہ)

(۲) ”النفقة واجبة للزوجة على زوجها، مسلمة كانت أو كافرة، إذا سملت نفسها إلى منزله، فعليه

نفقتها وكسوتها وسكنائها“. (الهداية: ۲/۴۳۷، کتاب الطلاق، باب النفقة، شرکة علمية ملتان)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات: ۱/۵۴۴، رشیدیہ)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الطلاق، باب النفقة:

۱/۴۲۴، رشیدیہ)

(۳) ”ويجب أن يعدل فيه: أي في القسم بالتسوية في البيتوتة وفي الملبوس والمأكل والصحبة“.

(الدرا المختار: ۳/۲۰۱، ۲۰۲، کتاب النکاح، باب القسم، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳/۳۷۹، ۳۸۰، کتاب النکاح، باب القسم، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ التاتاریخانیة: ۳/۲۲۶، کتاب النکاح، باب القسم، إدارة القرآن کراچی)

مسئلہ ہے؟ وہ مسجد یا مدرسہ کو مہر دینے کیلئے تیار ہے۔ بینوا تو جروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہراب ترکہ زوجہ بن گیا ہے کہ اس میں شرعی میراث جاری ہوگی (۱)۔ ایک چوتھائی کا مستحق شوہر ہے، وہ خود رکھ لے (۲) اور بقیہ اولاد کو دیدے۔ اگر سب لڑکے ہیں تو سب کو برابر دیدے، اگر لڑکی بھی ہے تو دو ہر لڑکے کو اکہر لڑکی کو دیدیا جائے (۳)۔ یہ اس وقت ہے کہ زوجہ کے والدین میں سے کوئی زندہ نہ ہو، ورنہ سب کی تفصیل لکھ کر ہر ایک کا حصہ دریافت کر لیں۔ پورا مہر بغیر دیگر ورثاء کی اجازت کے از خود مسجد وغیرہ میں دینے کا حق نہیں (۴)، اپنا حصہ جس طرح چاہے کرے (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۱۴۰۶ھ۔

(۱) ”کما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم، كذلك يكون

الدين الذي له في ذمة آخر مشتركاً بينهم على قدر حصصهم“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز:

۶۱۰/۱، (رقم المادة: ۱۰۹۱)، كتاب الشركة، الفصل الثالث في الديون المشتركة، حنفية كوئٹہ)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرِّبْعُ مِمَّا تَرَكْنَ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

”وأما الاثنان من السبب، فالزوج والزوجة: فللزوج النصف عند عدم الولد وولد الابن، والربع مع

الولد وولد الابن“۔ (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۵۰، كتاب الفرائض، الباب الثامن في ذوى الفروض، رشیدیہ)

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْإُنْثَى﴾ (سورة النساء: ۱۱)

اس لئے کہ اولاد عصبہ ہے اور ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد باقی تمام ترکہ عصبہ کا ہوگا۔

”العصبة من يأخذ جميع المال عند انفرادہ، وما أبقتہ الفرائض عند وجود من له الفرض

المقدر“۔ (تبیین الحقائق: ۷/۴۸۵، كتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۴) ”ومن شرائطه الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً فوقفها ثم ملكها، لا يكون وقفاً“۔ (مجمع

الأنهر: ۲/۵۶۸، كتاب الوقف، غفاریہ کوئٹہ)

”لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه..... وإن فعل كان ضامناً“۔

(شرح المجلة: ۶۱/۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفية كوئٹہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/۲۰۰، کتاب الغصب، سعید)

(۵) ”كل واحد من الشركاء يصبح بعد القسمة مالکاً ل حصته بالاستقلال، ولا يبقى لأحدهم علاقة في“

شوہر کے ہوتے ہوئے بغیر طلاق کے نکاحِ ثانی، غیر مملوک مکان کی بیع اور وقف
سوال [۹۷۷]: تنقیح کی گئی۔ اب مولانا صاحب گزارش ہے کہ ہماری مسجد محلہ شیشگران، فیروز
آباد اس میں پانچ عہدیدار ہیں: ۳/ آدمی ورکن کمیٹی کے ممبروں میں کل: صدر، سیکریٹری، خزانچی اور اس کے
علاوہ ۲۸/ ممبر ہیں، لیکن ان میں معاملہ الجھن میں پڑ گیا۔

ایک عورت مسماۃ حمیدن ضلع علی گڑھ کی رہنے والی ہے، اس کا شوہر موجود ہے، اب سے بیس سال پہلے
وہ عورت فیروز آباد آ گئی ہے اور اس عورت نے میرے ماموں بنام ننھے سے نکاح کر لیا، ایک دوسرے مرد نے
علی گڑھ سے لا کر ۵۰۰/ روپیہ لا کر اس کو ننھے کو دیدیا ہے، حالانکہ پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی تھی، اس کے دو بچہ
بھی ہیں۔ ننھے اور کلودو بھائی تھے اور دونوں ایک ہی مکان میں ہمیشہ رہتے تھے، کبھی جدا نہیں ہوئے ہیں۔ اور
اس عورت کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی دو اولاد سابقہ شوہر سے تھی۔

اس عورت نے کئی مرتبہ ننھے سے یہ کہا کہ یہ جائیداد جو میرے پاس ہے، میرے یا میرے بچوں کے نام
کردے، اس نے عورت کا کہنا نہیں مانا۔ کلونے اپنے بھائی ننھے سے کہا کہ تم اس عورت کو علیحدہ کر دو، لیکن ننھے
نے کہا کہ تم یہ سمجھ لو کہ تمہارے بھائی کے پاس رنڈی ہے۔

پھر اتفاق سے ننھے اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں ملنے کیلئے گئے تھے کہ راستہ ہی میں ان کا انتقال کسی
بیماری کی وجہ سے ہو گیا، انہوں نے کوئی شی کسی کے نام بیع یا رجسٹری نہیں کی۔ کلونے عورت سے کہا کہ تم میرے
بھائی کی بیوی ہو، میرے پاس رہو، مگر وہ ان کے ساتھ رہنے پر تیار نہیں ہوئی۔

اہل محلہ نے عورت کو بہکانا شروع کر دیا اور اہل محلہ نے یہ کہا کہ اس مکان میں تیرا حصہ ۱/۲ ہے، کیونکہ
ننھے کے کوئی اولاد تیرے سے نہیں ہے اور اس مکان کو محلہ شیشگران کی مسجد کے نام ہبہ کر دے، اور مسجد کے نام بیع
نامہ کرادیا اور بیع نامہ صدر نواب الدین کے نام کرادیا ہے۔ اس سے کل کو سخت پریشانی ہوئی، دونوں بیعنامہ کی نقل
کو پڑھا، جو بیعنامہ صدر نواب الدین کے نام ہے۔ جو کہ مسجد کے صدر ہیں۔ اس میں کوئی شرط نہیں ہے۔

جو پارٹی اس مکان کو لینا چاہتی ہے وہ یہ کہتی ہے کہ اس عورت نے یہ شرط رکھ کر مسجد کے نام بیعنامہ کیا

= حصۃ الآخر، ولكل واحد منهم أن يتصرف فی ملكه كيفما شاء۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز:

۱/۶۳۳، (رقم المادة: ۱۱۶۲)، كتاب الشركة، الفصل الثامن فی أحكام القسمة، مكتبه حنفیہ كوئٹہ)

ہے کہ میری زندگی اس مکان میں رہوں گی اور یہ چوتھائی مکان میں جو مسجد کے نام کر رہی ہوں کلو کو آپ نہیں دے سکتے۔ اس عورت نے جو جو کاغذات مسجد کو دیئے ہیں اس میں بھی مکان کا بیعنامہ ننھے اور اپنے نکاح کی رسید دیدی ہے، اور ایک کرایہ نامہ کا کاغذ بھی دیا ہے جو کہ کبھی ننھے کلو سے کرایا ہوگا، اور اپنی طلاق کی کوئی رسید نہیں دی ہے، نہ اس کے پاس سابقہ شوہر کی کوئی رسید ہے۔ اب عندالشرع کیا حکم ہے؟

اس سوال پر تنقیح یہ: رئی:

تنقیح:

۱- اس عورت نے جو کاغذ بطور بیع نامہ مسجد کیلئے لکھا ہے جو کہ صدر صاحب کے نام ہے، وہ یا اس کی نقل بھیجے۔

۲- حمیدن کا شوہر موجود ہوتے ہوئے آپ کے ماموں مرحوم کا اس عورت سے نکاح کیسے ہوا، کیا ماموں کو اس کا علم نہیں تھا؟ اگر نکاح کے بعد یہ علم ہوا کہ یہ منکوحہ ہے تو اس نے کیا اثر لیا، آیا اس بات کو غلط تصور کرتے ہوئے اپنے نکاح کو صحیح سمجھا، یا مسماۃ حمیدن کو اپنے سے الگ کیا، یا ماموں کو علم نہیں ہو سکا؟ آپ نے بھی ان کو خبر نہیں کی کہ اس عورت کا شوہر زندہ ہے؟

۳- ماموں صاحب نے اپنے انتقال پر کوئی اولاد چھوڑی ہے یا کہ نہیں؟

جواب تنقیح:

۱- مسماۃ حمیدن نے جو بیعنامہ صدر مسجد نواب الدین کے نام کیا ہے، اس کی پختہ نقل رجسٹری شدہ آپ کو روانہ کرتے ہیں، یعنی ملاحظہ ہو۔

۲- مسماۃ حمیدن سے جب ننھے جلسری نے نکاح کیا، اس وقت ان کو ہر بات کا علم تھا کہ اس عورت کا شوہر موجود ہے اور اس نے طلاق نہیں دی ہے اور اس کے دو بچے موجود ہیں۔ اس عورت سے بھی ننھے کی کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی اور نہ پہلی بیوی سے تھی۔

۳- میں نے ماموں صاحب سے اس معاملہ میں کئی مرتبہ کہا، سنا اور ان کو جو پریشانی ہوتی تھی وہ ذکر کرتے تھے اور کہتے تھے اب تو جو کر لیا سو کر لیا، اب کیا ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ننھے کو معلوم تھا کہ یہ عورت دوسرے شخص کی بیوی ہے اور شوہر نے طلاق نہیں دی ہے، بلکہ دھوکہ دیکر اس کو لایا گیا ہے تو ننھے کا اس سے نکاح جائز نہیں تھا، وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا ہے (۱)، جتنی مدت تک وہ ننھے کے ساتھ رہی، معصیت و حرام کاری ہوتی رہی۔ ایسی صورت میں وہ شرعاً ننھے کی بیوی نہیں، ننھے کے ترکہ سے کچھ بھی پانے کی حقدار نہیں، مکان کا چوتھائی حصہ فروخت کرنے کا اس کو حق نہیں ہے، اس کا بیع نامہ بالکل بیکار ہے جب تک کلو اس کی اجازت نہ دے (۲)، اس لئے کہ مکان مذکورہ پورا کلو کی ملک ہے، کلو اجازت دے تو اس کی بیع درست ہو سکتی ہے ورنہ نہیں (۳)۔

کلو کو پورا حق ہے کہ اس عورت کو مکان سے نکال باہر کرے (۴)، وہ اپنے اصل شوہر کے پاس چلی

(۱) ”لایجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتده“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۲۸۰/۱،

کتاب النکاح، القسم السادس فی المحرمات، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ التاتارخانیہ: ۴/۳، کتاب النکاح، باب ما یجوز من الأنکحة وما لایجوز، إدارة القرآن، کراچی)

(و کذا فی رد المحتار: ۱۳۱/۳، کتاب النکاح، مطلب فی النکاح الفاسد، سعید)

(۲) واضح رہے کہ جب نکاح نہیں ہوا تو وراثت بھی نہیں ملے گی لہذا تصرف بھی صحیح نہیں ہوا:

”و یستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية،

والولاء“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۴۷/۶، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها اہ، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۷۶۲/۶، کتاب الفرائض، سعید)

(۳) ”لایجوز لأحد أن يتصرف فی ملک غیرہ بلا إذنه أو وكالة منه وإن فعل، کان ضامناً“۔

(شرح المجلة لسلم رستم باز: ۶۱/۱، (رقم المادة: ۹۶)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۲۰۰/۶، کتاب الغصب، سعید)

(۴) ”کیفما يتصرف صاحب الملك المستقل فی ملکہ، فکذا يتصرف أيضاً فی الملك المشترك

اتفاقاً“۔ (شرح المجلة لسلم رستم باز: ۵۹۹/۱، کتاب الشركة، الفصل الثانی، (رقم المادة:

۱۰۶۹)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

جائے۔ کلوپورے مکان کا خود ہی مالک ہے۔ ایک ہزار روپیہ جو کہ بطور بیعنامہ کے اس نے صدر محترم کو دیا ہے اس کو واپس لے سکتا ہے، صدر محترم کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس کو واپس کر دیں، اور جو روپیہ صدر محترم نے اس عورت کو مکان کی قیمت کا ۳/ ہزار دیا ہے، وہ اس سے واپس لے سکتے ہیں۔

اگر عورت واقعہً ننھے کی بیوی ہوتی، رنڈی کی طرح بلا شرعی نکاح کے نہ ہوتی اور پھر وہ اپنا چوتھائی حصہ فروخت کرتی تو بھی بیع فاسد ہوتی، کیونکہ اپنی حیات تک مکان مذکور میں رہنے کی شرط لگا رکھی ہے جو کہ مفسد بیع ہے (۱)، اس شرط کا پارٹی کو اقرار ہے (اگرچہ تحریر میں یہ شرط نہ ہو) بیع فاسد کا فسخ کرنا شرعاً واجب ہوتا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔



(۱) ”عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم: أنه نهى عن بيع وشرط“. أخرجه الطبراني في الأوسط“. (إعلاء السنن: ۱۴/۱۴۰، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع بالشرط، إدارة القرآن کراچی)

”ولا بيع بشرط لا يقتضيه العقد ولا يلائمه وفيه نفع لأحدهما“. (الدر المختار). ”ومنه مالو شرط البائع أن يهبه المشتري شيئاً، أو يقرضه، أو يسكن الدار شهراً، أو أن يدفع المشتري الثمن إلى غريم البائع“. (رد المختار: ۵/۸۵، كتاب البيوع، مطلب في البيع بشرط، سعيد)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳/۱۳۳، ۱۳۴، کتاب البيوع، الباب العاشر فی الشروط التي تفسد البيع، رشیدیہ)

(۲) ”لکل واحد من المتعاقدين فسخه رفعاً للفساد، وهذا قبل القبض ظاهر؛ لأنه لم يفد حكمه، فيكون الفسخ امتناعاً منه، وكذا بعد القبض“. (الهداية: ۳/۶۷، كتاب البيوع، فصل في أحكامه، مكتبه شرکت علمیہ ملتان)

(و کذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۰۸، (رقم المادة: ۳۷۲)، كتاب البيوع، الفصل الثاني، مكتبه حنفیہ كوئٹہ)

(و کذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۳/۴۶، كتاب البيوع، الفصل الرابع في البيع الفاسد، جنس آخر في أحكام بیاعات الفاسدة، رشیدیہ كوئٹہ)

الفصل السابع فی الإرث فی المال الحرام

(مال حرام میں وراثت کا بیان)

مال حرام میں وراثت

سوال [۹۷۷۸]: مالِ ربا میں وراثت جاری ہو سکتی ہے یا نہیں، اگر وراثت جاری ہوگی تو وارث کیلئے اس مال کا کھانا کیسا ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مال ربا شرعاً حرام ہے، اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، بلکہ اگر بعینہ وہ مال موجود ہے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہے، اگر وہ مال ہلاک کر دیا تو ضمان ضروری ہے:

”يبدأ من تركه الميت الخالية عن تعلق حق الغير بعينها“. درمختار: ۵/۶۶۳ (۱)۔
”فيجب رد عين الربوا الوقائماً لارد ضمانه“. وقال الشامي: ”وإنما يجب رد ضمانه لو استهلكه“. ۴/۲۴۴ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: بندہ عبد الرحمن غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۵۲ھ۔

(۱) (الدر المختار: ۶/۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۷۱، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۳/۴۹۳، کتاب الفرائض، غفریہ کوئٹہ)

(۲) (الدر المختار مع رد المختار: ۵/۶۹، کتاب البیوع، باب الربا، سعید)

(و کذا فی منحة الخالق علی البحر الرائق: ۶/۲۰۹، کتاب البیوع، باب الربا، رشیدیہ)

ترکہ حرام کا حکم

سوال [۹۷۷۹]: آباء و اجداد کسب حرام سے جو مال جمع کر کے چھوڑ گئے ہیں، وہ مال ان کے ورثاء کے واسطے حلال ہے یا نہیں؟ اور اس مال سے کوئی کارِ خیر کرنا جیسے حج وغیرہ درست ہے یا نہیں، اگر ہے تو کیونکر؟ وضاحت سے بیان فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ خالص حرام ہے اور اربابِ اموال معلوم ہیں تو اس کی واپسی لازم ہے، اگر معلوم نہیں تو تصدق لازم ہے تاکہ وبال سے بچ جائے۔ اگر وہ مخلوط ہے حلال و حرام سے تو ورثاء کو اس کا لینا حکماً درست ہے، لیکن بقدر حرام کا بدل ادا کرنے سے پہلے تصرف درست نہیں:

”أخذ مورثه رشوةً أو ظلماً، إن علم ذلك بعينه، لا يحل له أخذه، وإلا فله أخذه حكماً، أما في الديانة، فيتصدق به بنية إرضاء الخصماء، اهـ“۔ شامی: ۴/۱۴۶ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/جمادی الاولیٰ/۱۳۶۷ھ۔

= (و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۳/۱۰۷ کتاب البیوع، باب الربا، دار المعرفۃ، بیروت)

”والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم. وإلا فإن علم عين الحرام، لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه:“ (رد المحتار: ۵/۹۹، کتاب البیوع، مطلب فیمن ورث مالا حراماً، سعید) (۱) (رد المحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالا حراماً: ۵/۹۹، سعید) ”إذا مات الرجل وكسبه خبيث، فالأولى لورثته أن يردوا المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الخامس عشر فی الکسب: ۵/۳۴۹، رشیدیہ)

”ولهذا قال أصحابنا: لو أخذ مورثه رشوةً أو ظلماً إن علم وارثه ذلك بعينه، لا يحل له أخذه. وإن لم يعلم، له أخذه حكماً، إلا ديانة، فيتصدق به بنية الخصماء“۔ (مجمع الأنهر، کتاب الکراہیۃ، =

مال حرام ورثاء کے لئے

سوال [۹۷۸۰]: اگر کسی آدمی کے پاس مال حرام ہو تو مرنے کے بعد اس کی اولاد بالغ کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس مال کا اصل مالک معلوم ہے تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔ اگر معلوم نہیں، البتہ وہ مال نجسہ جو حرام ہے، معلوم ہے تو کسی فقیر کو صدقہ کرنا اصل مالک کو ثواب پہنچانے کی نیت سے ضروری ہے۔ اور اگر مال مخلوط ہے، یہ معلوم نہیں کہ کونسا حرام اور کونسا حلال ہے تو ورثاء کو استعمال کرنا درست ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ اس سے احتیاط کریں، یعنی اگر مالک کا علم ہو تو اس کو دے دیں، ورنہ صدقہ کر دیں۔

اگر تمام مال حرام ہے تو اس کا استعمال درست نہیں، مالک معلوم ہونے کی صورت میں واپسی ضروری ہے، نہ معلوم ہونے کی صورت میں صدقہ کر دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۳/۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ربیع الاول/۱۳۵۶ھ۔

منشیات کی آمدنی سے مکان کی تعمیر اور اس کی توریث

سوال [۹۷۸۱]: میرے والد صاحب شراب اور دیگر منشیات کے تاجر کا حساب کرنے والے ملازم تھے، اسی ملازمت سے والد صاحب نے پیسہ پس انداز کر کے ایک مکان خریدا تھا۔ ان کے مرنے کے بعد ایک

= فصل فی الکسب: ۱۸۷/۴، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الکراہیۃ، فصل فی البیع: ۳۶۹/۸، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق، کتاب الکراہیۃ، فصل البیع، دارالکتب العلمیۃ: ۶۰/۷، بیروت)

(۱) ”وإذا مات الرجل وکسبه خبیث، فالأولی للورثة أن یردوا المال إلی أربابه، فإن لم یعرفوا أربابه تصدقوا به. وإن کان کسبه من حیث لا یحل وابنه یعلم ذلک ومات الأب ولا یعلم الابن ذلک بعینه، فهو حلال فی الشرع، والورع أن یتصدق به بنية خصماء أبیه.“ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الکراہیۃ،

الباب الخامس عشر فی الکسب: ۳۴۹/۵، رشیدیہ)

حصہ جس کی مالیت دو ہزار ہوگی، اب اس حصہ سے مجھے نفع حاصل کرنا کیسا ہے؟ میں بھی ایک غریب آدمی ہوں، گذر بسر کے موافق وظیفہ ملتا ہے۔ اب میرے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسکرات و منشیات میں سے بعض تو ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی بیع و شراء حرام ہے (۱)، اور بعض ایسی ہیں کہ ان کی بیع و شراء حرام نہیں ہے (۲)، والد صاحب نے جو رقم اپنی کمائی سے پس انداز کی تھی، وہ اگر حرام و غیر حرام مشترک تھی تو اس سے جو مکان بنالیا ہے، آپ کیلئے بحیثیت وارث اس کے استعمال کی گنجائش ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/۸۸ھ۔

(۱) ”عن عبد الرحمن بن وعلہ السبائی من أهل مصر أنه سأل عبد الله بن عباس رضي الله تعالى عنهما عما يعصر من العنب، قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: إن رجلاً أهدي لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فقال له رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”هل علمت أن الله قد حرّمها؟“ قال: لا، فسار إنساناً، فقال له رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”بم ساررتہ؟“ فقال: أمرتہ، ببيعها، فقال: ”إن الذي حرّم شربها حرّم بيعها“. قال: ففتح المزادة حتى ذهب مافيها“.

”عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: لما أنزلت الآيات من آخر سورة البقرة في الربا، قالت: خرج رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إلى المسجد، فحرّم التجارة في الخمر“. (الصحيح لمسلم: ۲۲/۲، کتاب البيوع، باب تحریم بيع الخمر، قديمی)

(۲) ”وصح بيع غير الخمر مما مرّ، ومفاده صحة بيع الحشيشة والأفيون“. (الدر المختار، کتاب إحياء الموات، فصل في الشرب: ۴۵۴/۶، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر، کتاب الكراهية، فصل في البيع: ۲۱۴/۴، مكتبه غفاريه كوئٹہ)

(۳) ”إذا مات الرجل وكسبه خبيث، فالأولى لورثته أن يردوا المال إلى أربابه وإن كان كسبه من حيث لا يحل وابنه يعلم ذلك ومات الأب ولا يعلم الابن ذلك بعينه، فهو حلال له في الشرع، والورع أن يتصدق به“. (الفتاوى العالمكيريّة، کتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيدية)

(و كذا في الدر المختار، کتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۹۹/۵، سعيد) =

جس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی ورثاء کے حق میں اس کا حکم

سوال [۹۷۸۲]: جس مال کی زکوٰۃ پوری و جزوی نہ دی گئی ہو، اگر ایسا مال ترکہ وراثت میں

ملے، عام لوگوں کو یا خواص کو اس کا لینا کیسا ہے؟

۲..... مال مذکور میں بے برکتی یا نحوست تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... آدمی کے مرنے کے بعد ورثاء کو ایسا مال لینا درست ہے ورثاء کے ذمہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنا

واجب نہیں، البتہ اگر وصیت کی ہو تو اس کی زکوٰۃ ثلث مال سے ادا کر دی جائے، اگر بلا وصیت اس کی زکوٰۃ ورثاء

نے ادا کر دی ہو تو اس کی وجہ سے میت کے ذمہ سے انشاء اللہ زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی:

”وأما دين الله تعالى فإن أوصى به، وجب تنفيذه من ثلث الباقي، وإلا لا“. درمختار۔

قال الشامي: ”(قوله: أما دين الله تعالى، الخ) محترز قوله: (من جهة العباد) وذلك كالزكاة

والكفارات ونحوها. قال الزيلعي: فإنها تسقط بالموت، فلا يلزم الورثة أدائها إلا إذا أوصى بها

أو تبرعوا بها هم من عندهم؛ لأن الركن في العبادات نية المكلف وفعله، وقد فات بموته، فلا

يتصور بقاء الواجب، اهـ، وتمايمه فيه. أقول: وظاهر التعليل أن الورثة لو تبرعوا بها، لا يسقط

الواجب عنه، لعدم النية منه، ولأن فعلهم لا يقوم مقام فعله بدون إذنه، تأمل، اهـ“. ردالمحتار:

۵/۵۳۶ (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس کی زکوٰۃ میت کے ذمہ واجب تھی، جب اس نے ادا نہیں کی تو ورثاء پر اس کا

گناہ نہیں۔

= (و كذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الكسب: ۱۸۷/۲، مكتبه غفاريه كوئٹہ)

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۷۶۰/۶، كتاب الفرائض، سعيد)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۴۷۲/۷، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في البحر الرائق: ۳۶۶/۹، كتاب الفرائض، رشیدیہ)

۲..... زکوٰۃ ادا نہ ہونے کی وجہ سے ورثاء پر تو اس کا کوئی وبال نہیں (۱)، البتہ نفس مال جیسا کہ بعد اداۓ زکوٰۃ طیب اور مزکی ہوتا ہے ویسا نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۱/۱۳۵۴ھ۔
الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/محرم ۱۳۵۴ھ

نا جائز میراث میں حصہ

سوال [۹۷۸۳]: میرے والد مرحوم محکمہ جنگلات کے چوکیدار تھے، بعد وظیفہ انتقال ہو گیا، حج بھی کر چکے تھے، اب ان کی جائیداد وارثوں میں تقسیم ہونے والی ہے۔ میں اپنے والد کی جائیداد کو نا جائز سمجھتے ہوئے اس جائیداد سے مستفید ہونے کے بجائے اپنی اولاد کے نام منتقل کرنا چاہتا ہوں اور اپنا گذر بسر اپنی تنخواہ پر ہی کروں گا۔ میرے اس خیال کو بعض لوگ درست نہیں فرماتے، وہ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ میری رہبری فرمائی جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جائیداد وغیرہ آپ کے والد صاحب نے جائز طریقہ پر کمائی ہے وہ سب ان کا ترکہ ہے (۲)، دوسرے بھائیوں کی طرح آپ بھی وارث ہیں، آپ کو اپنا حصہ میراث لینے کا پورا حق ہے، اس کو حرام تصور نہ کریں۔ جو چیزیں نا جائز طریقہ پر مثلاً رشوت سے حاصل کی ہو اور اس کا مالک معلوم ہو، وہ نہ لیں، اس کے

(۱) ”(قوله: أما دين الله تعالى، الخ) محترز قوله: (من جهة العباد) وذلك كالزكاة والكفارات ونحوها. قال الزيلعي: فإنها تسقط بالموت، فلا يلزم الورثة أدائها، إلا إذا أوصى بها أو تبرعوا بها هم من عندهم.“ (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۰، سعيد)

(و كذا في تبیین الحقائق، كتاب الفرائض: ۷/۴۷۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ”التركة في الاصطلاح: ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال.“ (رد المحتار: ۶/۷۵۹، كتاب الفرائض، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۵، كتاب الفرائض، رشيدية)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۷/۴۷۱، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية، بيروت)

مالک کو واپس کر دیں، اپنی اولاد کی طرف بھی منتقل نہ کریں (۱)، زہر سے جس طرح خود پرہیز ضروری ہے، اپنی اولاد کو بھی کھلانے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمد وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۲/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۲/۹۳ھ۔

مورث کا حرام مال وارث کے لئے

سوال [۹۷۸۴]: حرام کاروبار کے مالک کے مرجانے کے بعد وہ حرام پیسے وارثین کے لئے حلال ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ وارثین کا کاروبار حلال ہو اور حرام کاروبار کو برا سمجھتے ہوں۔ بعض عالم کا کہنا ہے کہ مورث کا حرام مال وارثین کے لئے حلال ہو جاتا ہے۔ دلیل پیش فرماتے ہیں کہ تبدیل ملک سے تبدیل حکم لازم آتا ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لَكَ صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ" (۲)۔ ملک بدلنے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہدیہ ہو گیا۔

سوال یہ ہے کہ ملک کے تبادلے سے تبدیل حکم لازم آتا ہے اس کے اندر عموم ہے یا صرف صدقہ کے لئے خاص ہے اسی وراثت کے پیسے سے وارثین حضرات مرحوم مورث کی طرف سے حج بدل کرانا چاہتے ہیں۔ اس پیسے سے حج بدل کرانا اور کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۱) "إذا مات الرجل وكسبه خبيث، فالأولى لورثته أن يردوا المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه، تصدقوا به"۔ (الفتاویٰ العالمیہ المکیہ: ۳۴۹/۵، کتاب الکراہیۃ، الباب الخامس عشر فی الکسب، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار: ۹۹/۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب: فیہ وراثتاً مالا حراماً، سعید)
(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱۸۷/۴، کتاب الکراہیۃ، فصل فی الکسب، مکتبہ غفراریہ کوئٹہ)

(۲) "عن أنس أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أتى بلحم تصدق به علی بريدة، فقال: "هو علیها صدقة، وهو لنا هدية"۔ (صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ، باب ما یذکر فی الصدقة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وأله: ۲۰۲/۱، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص نے حرام پیسہ اور سامان جمع کیا ہے پھر انتقال ہو گیا اور ورثاء کو معلوم ہے کہ یہ مال حرام ہے تو وہ سامان اور پیسہ ورثاء کے لئے حلال نہیں ہوگا۔ یہاں تبدیل ملک کی بحث بے محل ہے، اس لئے کہ مورث کی ملک اگر ثابت ہو جاتی اور وہ مستحق ہوتا مگر وارث اس کا اصالتہ مستحق نہ ہوتا تو مورث کا نائب ہو کر مستحق ہو سکتا تھا۔ اور صورت مسئلہ میں تو مورث کی ملک ثابت نہیں پھر نائب کی ملک کیسے ثابت ہوگی:

”أخذ مورثه رشوة أو ظمماً، إن علم ذلك بعينه، لا يحل له أخذه..... والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لا يحل له ويتصدق بينة صاحبه. وإن كان مالاً مختلطاً مجتمعاً من الحرام ولا يعلم أربابه ولا شيئاً منه بعينه، حل له حكماً، والأحسن ديانة التنزه عنه، اه، رد المحتار: ۴/۱۳۰ (۱)۔

حرام پیسہ کو حج کے لئے خرچ کرنا مکروہ تحریمی ہے اگرچہ اس سے حج ادا ہو جائے گا، مگر قبول نہیں ہوگا، اور خدائے پاک کی خوشنودی حاصل نہیں ہوگی۔

”يجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام، كما ورد في الحديث مع أنه يسقط الفرض عنه معها. ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب عقاب تارك الحج، اه. شامی: ۲/۴۰ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود غفر له، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۸/۹۱ھ۔



(۱) (رد المحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالا حراماً: ۵/۹۹، سعید)

(۲) (رد المحتار، کتاب الحج، مطلب فیمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۶، سعید)

الفصل الثامن فی ذوی الفروض (ذوی الفروض کا بیان)

لڑکی کا حصہ میراث

سوال [۹۷۸۵]: اگر کوئی شخص قوم فقیر بلا اولاد ذکر مر جائے اور اس کی جائیداد راضی اس کی پیدا کردہ یا اس کے والد کی پیدا کردہ ہو اور اس کا برادر حقیقی یا چچا حقیقی یا بھتیجا حقیقی نہ ہو، صرف دختر ہو تو دختر کو اس کا ترکہ شرعاً ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دختر کو نصف ترکہ تو ضرور ہی ملے گا (۱) اور اگر کوئی ذوی الفروض اور عصبات میں سے موجود نہیں تو دوسرا نصف بھی اسی کو مل جائے گا یعنی وہ کل کے وارث ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۴/۱۳۶۰ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔
صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۴/۱۳۶۰ھ۔

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

”وَأَمَّا النِّسَاءُ: فَأَلْوَلَى الْبِنْتُ، وَلَهَا النِّصْفُ إِذَا انفردت“۔ (الاختیار لتعلیل المختار: ۵۵۶/۲،

کتاب الفرائض، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۷۸، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

(۲) لڑکی ذوی الفروض میں سے ہے اور ذوی الفروض جب اکیلا ایک ہی شخص ہو تو اس صورت میں اپنے حصہ سے زائد حصہ میراث اس پر رد ہو کر وہی مالک ہو جاتا ہے:

”فبدأ بذی الفروض، ثم بالعصبۃ النسبیۃ، ثم بالعصبۃ السببیۃ..... ثم الرد علی ذوی

الفروض النسبیۃ بقدر حقوقهم“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

لڑکی کا والد کی میراث میں حصہ

سوال [۹۷۸۶]: لڑکی کو اپنے والد کی جائیداد میں سے کونسا حصہ ملتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی کی میراث کی تین صورتیں ہیں: اول یہ کہ میت کی لڑکی تو صرف ایک ہو اور لڑکا کوئی نہ ہو تو اس صورت میں لڑکی کو میت کے کل ترکہ کا نصف ملتا ہے۔ دوم یہ کہ لڑکیاں دو یا دو سے زیادہ ہو اور لڑکا کوئی نہ ہو تو اس صورت میں ان لڑکیوں کو میت کے کل ترکہ کا دوثلث ملتا ہے۔ سوم یہ کہ کوئی لڑکا بھی ہو، اس صورت میں لڑکے سے نصف کے مستحق ہوگی خواہ ایک لڑکا ہو یا زیادہ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۶/۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۸/۶/۱۳۵۶ھ۔

بیوی کا شوہر کی میراث میں حصہ

سوال [۹۷۸۷]: بیوی کو اپنے شوہر کی جائیداد میں سے کونسا حصہ ملنا چاہئے، احکام شرعیہ سے

مطلع فرمائیں۔

= (وکذا فی الدر المختار: ۶/۷۲ کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی السراجیۃ، ص: ۳، سعید)

(۱) مذکورہ تینوں صورتیں اس آیت کریمہ میں بیان فرمائی گئی ہیں:

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿یوصیکم اللہ فی أولادکم للذكر مثل حظ الأنثیین، فإن کن نساءً

فوق اثنتین فلهن ثلثا ماترک، وإن كانت واحدةً فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

”وأما لبنات الصلب فأحوال ثلاث: النصف للواحدة، والثلثان للآثنین فصاعداً، ومع الابن

للذكر مثل حظ الأنثیین، وهو یعصیہن“۔ (السراجیۃ، ص: ۷، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۲/۴۲۸، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی اولاد بھی ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملتا ہے، اگر کوئی اولاد نہیں تو چوتھائی حصہ ملتا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۶/۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۸/۶/۱۳۵۶ھ۔

زوجہ اور ہمشیرہ کو میراث

سوال [۹۷۸۸]: سردار صاحب کا انتقال ہو گیا، مرحوم نے ایک بیوی، ایک ہمشیرہ اور ایک بھانجا، ایک نو اسی چھوڑا۔ بھانجا مذکور کی والدہ کا انتقال سردار کی حیات میں ہو گیا تھا، اور لڑکی کا بھی حیات ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ قبل انتقال سردار کے تیرہ چودہ روز اس نے اپنے شوہر، دو لڑکیاں، والدین کو چھوڑا تھا، ایک لڑکی مر گئی، ایک زندہ ہے، یعنی جس کو نو اسی سردار لکھا گیا ہے۔ اب دریافت یہ ہے کہ مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

نوٹ ضروری: سردار موصوف مرحوم نے بھانجا مذکور حقیقی اور بھتیجا غیر حقیقی کی پرورش بچپن سے کی، شادی وغیرہ انہی نے کی ہے، اور اکثر کہتے تھے کہ جو کچھ ہے سب انہی کا ہے اور انہیں دونوں نے قرضہ جو مکان بنانے میں لگا تھا ادا کیا اور کچھ باقی ہے، وہی ادا کریں گے۔ لہذا ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جواب مرحمت فرمادیں۔

محمد یوسف مؤمن پورہ ناگپور یکم/محرم/۱۳۵۹ھ۔

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما ترکتم إن لم یکن لکم ولد، فإن کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم﴾ (سورة النساء: ۱۲)۔

”فیفرض للزوجة فصاعداً الثمن مع ولد أو ولد ابن وإن سفل، والربع لها عند عدمها، فللزوجة حالتان: الربع بلا ولد، والثمن مع الولد“۔ (الدر المختار: ۶/۷۷۰، کتاب الفرائض، سعید)
(و کذا فی السراجیة، ص: ۷، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۴

زوجہ	ہمشیرہ	بھانجہ	نواسی
۱	۳	محروم	محرومہ

صورت مسئلہ میں بشرط صحت سوال وعدم موانع ارث بعد تجہیز و تکفین، وادائے دین وغیرہ (۱) سردار صاحب کا کل ترکہ چار سہام قرار دے کر حسب نقشہ بالا وارثان پر تقسیم ہوگا، ایک سہم زوجہ کو ملے گا (۲) اور تین سہم ہمشیرہ کو (۳)،

(۱) ”تعلق بترکۃ المیت حقوق اربعۃ مرتبۃ: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته“۔ (السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳، سعید)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعید)

و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفيما يتعلق بالترکۃ: ۶/۴۴۷، رشیدیہ)

(۲) مذکورہ صورت میں میت کی اولاد نہیں، لہذا زوجہ کو ربع ملے گا:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما ترکتم إن لم یکن لکم ولد﴾ (النساء: ۱۱)

(۳) مذکورہ صورت میں اخت ”بہن“ چونکہ ذی الفروض میں سے ہے، لہذا اس کو نصف ملے گا، اس لئے کہ میت کے اصول وفروع موجود نہیں، مگر مسئلہ میں اجمالی طور پر بہن کو تین حصے دیئے گئے ہیں، تفصیل یہ ہے کہ بہن کو دو حصے بوجہ ذی الفروض ہونے اور ایک حصہ بطور رد علی ذوی الفروض النسبیہ کے دیئے گئے ہیں:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿إن امرؤ هلك ليس له ولد وله أخت، فلها نصف ما ترک﴾ (سورة

النساء: ۱۷۶)

”الخامسة: الأخوات لأب وأم، للواحدة النصف، وللثنتين فصاعداً الثلثان“۔ (الفتاویٰ

العالمگیریۃ: ۶/۴۵۰، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

بھانجے کو اور نواسی کو کچھ نہیں ملے گا (۱)۔

آپ نے یہ تحریر نہیں کیا کہ بھتیجا اگر حقیقی نہیں تو کیسا ہے، نہ بھتیجا کو ورثاء میں شمار کیا۔ اگر علاقائی بھتیجا ہے یا چچا زاد بھائی کا لڑکا ہے تو شرعاً وہ بھی وارث ہوگا۔ اُس وقت چار سہم میں سے ایک بیوی کو ملے گا، ایک بھتیجے کو، دو ہمشیرہ کو (۲)۔ اگر ماموں زاد یا پھوپھی زاد بھائی کا لڑکا ہے، یا خالہ زاد بھائی کا لڑکا ہے تو پھر وہ

(۱) ”فبدأ بذوی الفروض، ثم بالعصبات النسبية، ثم بالمعتق، ثم عصبة الذکور، ثم الرد علی ذوی الفروض النسبية، ثم ذوی الأرحام“۔ (الدر المختار: ۶/۷۲، ۷۲، کتاب الفرائض، سعید)
(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض: ۶/۴۴، رشیدیہ)
(۲) اگر بھتیجا بھی موجود ہو تو تقسیم یوں ہوگی:

مسئلہ ۴

زوجہ	ہمشیرہ	بھتیجہ علاقائی	نواسی	بھانجا
۱	۲	۱		
				محروم

اور اگر چچا زاد بھائی کا لڑکا موجود ہو تب بھی تقسیم اس طرح ہوگی:

مسئلہ ۴

زوجہ	ہمشیرہ	ابن ابن العم	نواسی	بھانجا
۱	۲	۱		
				محروم

واضح رہے کہ یہاں علاقائی بھتیجا اور چچا زاد بھائی کا لڑکا عصبات میں سے ہے اور عصبات کو باقی ملے گا، یعنی ذوی الفروض کو اپنا حصہ دے کر جو کچھ بچ جائے وہ عصبات کو دیا جائے گا:

”العصبات: وہم کل من لیس له سهم مقدر، ویأخذ ما بقی من سهام ذوی الفروض“۔ (الفتاویٰ

العالمگیریہ، کتاب الفرائض، باب العصبات: ۶/۴۵۱، رشیدیہ)

(و کذا فی السراجی، ص: ۳، سعید)

محروم رہے گا (۱)۔ کسی کو بچہ جاننے یا باپ کو جاننے سے کچھ نہیں ہوتا، اس سے میراث نہیں ملتی (۲)، ہاں! اگر کوئی وصیت کسی کے حق میں کی ہو تو اس کے معلوم ہونے پر حکم تحریر کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱/۱۳۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/محرم/۱۳۵۹ھ۔

بیوی اور بھائے میں تقسیم وراثت

سوال [۹۷۸۹]: ہمارے یہاں میونسپل بورڈ میں ایک بہشتی منشی خان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس شخص کی اولاد کوئی نہیں، صرف بیوی مسماۃ محفوظی اور رشتہ داروں میں صرف ایک بھانجا عبداللطیف ہے۔ منشی خان نے ایک پختہ مکان اور خانگی سامان کے علاوہ میونسپل بورڈ میں آٹھ سو روپیہ فنڈ بھی چھوڑا ہے۔ منسلک ہذا ایک وصیت نامہ کے ذریعہ منشی خان نے اپنا مکان و سامان سب اپنی بیوی کو دیا ہے اور اس وصیت نامہ کو رجسٹری نہیں کرایا، نہ اس وصیت نامہ میں کسی اور شخص کو اپنا وارث یا رشتہ دار بتایا ہے۔

اب ایسی صورت میں سوال یہ ہے کہ اس وصیت نامہ کو صحیح اور قابل عمل تسلیم کیا جائے اور بھانجا عبداللطیف کو ناحق قرار دیا جائے، اگر نہیں تو پھر تقسیم کس طرح ہوگی؟ آٹھ سو روپے میں سے بیوی اور بھانجا کو کتنے کتنے دیئے جائیں؟

مسماۃ کا ارادہ ہے کہ مکان فروخت کر کے یہاں سے اپنے میکہ چلی جائے۔ اس صورت میں اس کو حوتہ

(۱) ”فیبدأ بذوی الفروض، ثم بالعصبات النسبية، ثم بالمعتق، ثم عصبۃ الذکور، ثم الرد علی ذوی

الفروض النسبية، ثم ذوی الأرحام“۔ (الدر المختار: ۶/۷۲۲، ۷۲۳، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض: ۶/۴۴۷، رشیدیہ)

(۲) ”و یستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء“۔

(الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض: ۶/۴۴۷، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۲۲، سعید)

(و کذا فی السراجیۃ، ص: ۳، سعید)

حاصل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس میں بھی مسماۃ کا اور بھانجا کا حصہ متعین فرمادیتے۔

حکیم عبدالرحمن، بلند شہر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی شرعی وارث ہے اور کسی وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں جب تک کہ دوسرے وارث رضامند نہ ہوں (۱)۔ اگر مسمیٰ منشی خاں کا وارث بھانجا عبداللطیف اور بیوہ مسماۃ محفوظا کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں تو اس وصیت کے معتبر ہونے کا مدار عبداللطیف کی اجازت پر ہے، اگر وہ اس کی اجازت دیتا ہے تو حسب وصیت نامہ محفوظا ان چیزوں کی مالک ہو جائے گی، ورنہ تو اس کے ترکہ سے اولاً اس کا قرض مہر وغیرہ جو بھی اس کے ذمہ ہو ادا کیا جائے (۲)۔ اس کے بعد ایک چوتھائی ترکہ مسماۃ محفوظا کو (۳) اور بقیہ مسمیٰ عبداللطیف کو دیا جائے۔ نقد،

(۱) ”عن أنس بن مالک رضي الله تعالى عنه قال: إني لثحت ناقة رسول الله صلى الله عليه وسلم، يسيل على لعابها، فسمعتة يقول: ”إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، ألا! لا وصية لوارث“۔ (سنن ابن ماجه، ص: ۱۹۵، كتاب الوصايا، باب: لا وصية لوارث، قديمي)

”ولا تجوز بما زاد على الثلث لقول النبي صلى الله عليه وسلم في حديث سعد بن أبي وقاص رضي الله تعالى عنه: ”الثلث والثلث كثير“ بعد مانفي وصيته بالكل والنصف، ولأنه حق الورثة إلا أن يجيزها الورثة بعد موته وهم كبار؛ لأن الامتناع لحقهم وهم أسقطوه، ولا معتبر بإجازتهم في حال حياته“۔ (الهداية: ۳/ ۶۵۱، كتاب الوصايا، باب في صفة الوصية، مكتبه شرکت علمیه ملتان)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۷/ ۳۷۶، كتاب الوصايا، مكتبه دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ”تعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة“۔ (السراجي في الميراث، ص: ۳، ۲، سعيد)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/ ۷۹، ۷۶، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/ ۴۴۷، رشيدية)

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولهن الربع مما تركن إن لم يكن لكم ولد﴾ (سورة النساء: ۱۲)

”للزوجة الربع عند عدمهما، والثلث مع أحدهما“۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض: =

رکان، نشست گاہ، اثاثہ سب کی تقسیم اسی طرح ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غنی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غنی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

ورثاء میں زوجہ، دو بیٹیاں، تین بھتیجے ہوں تو تقسیم میراث

سوال [۹۷۹۰]: حاجی عبدالغنی صاحب کا انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے کچھ جائیداد غیر منقولہ

چھوڑی ہے اور وارثان میں دو لڑکیاں اور تین برادرزادے اور ایک بیوہ چھوڑی ہے۔ مہربانی فرما کر حکم شرعی سے

مطلع فرمائیے کہ ان کو کتنا کتنا جائیداد متروکہ میں سے ملے گا؟

حاجی عبدالغنی صاحب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۲۲ تصـ ۷۲

زوجہ خانزادی	دختر کبریٰ	دختر بانو	برادرزادہ عبدالغفار	برادرزادہ عبدالجبار	برادرزادہ عبدالستار
$\frac{۳}{۹}$	$\frac{۸}{۲۴}$	$\frac{۸}{۲۴}$	۵	۵	۵

بشرط صحت سوال وعدم موانع ارث، بعد تجہیز و تکفین و ادائے مہر وغیرہ از کل مال و تنفیذ وصیت از

ثلث (۱) مال حاجی عبدالغنی کا ترکہ جائیداد غیر منقولہ وغیرہ بہتر سهام بنا کر اس طرح تقسیم ہوگی کہ نو سهام

= ۴۵۰/۶، رشیدیہ

”أما للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعداً عندم عدم الولد وولد الابن وإن سفل، والثلث

مع الولد وولد الابن وإن سفل“۔ (السراجیۃ، ص: ۷، سعید)

(۱) ”تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم =

بیوہ کو بیس گے (۱) چوبیس چوبیس سہام ہر دو دختر کو بیس گے (۲)، پانچ پانچ سہام ہر سہ برادر زادہ کو بیس گے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غنی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۸۵ھ۔

ورثہ میں بہن اور بیوی کا چچا ہو تو ترکہ کس کو ملے گا؟

سوال [۹۷۹۱]: ایک شخص کا انتقال ہو گیا، اس کی نہ اولاد ہے اور نہ ہی بیوی ہے، صرف ایک بہن

= تقضی دیونہ من جمیع مابقی من مالہ، ثم تنفذ وصایاہ من ثلث مابقی بعد الدین، ثم يقسم الباقي بین ورثتہ۔ (السراجی فی المیراث، ص ۲۰، ۳، سعید)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفہا وفيما يتعلق بالترکة: ۶/۴۴، رشیدیہ)

(۱) میت کی چونکہ اولاد موجود ہے، لہذا زوجہ (بیوی) کو اس صورت میں ثمن (آٹھواں حصہ) ملے گا:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ، فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دِينَ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

”وأما الإثنان من السبب، فالزوج والزوجة وللزوجة الربع عند عدمهما، والثلث مع أحدهما“۔ (الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۶۰، کتاب الفرائض، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(۲) بیٹیاں جب ایک سے زیادہ ہو تو ثلثان ملے گا:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ، فَلَهُنَّ ثُلُثُ مَا تَرَكَ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

”وللبنت النصف والأكثر الثلثان“۔ (البحر الرائق: ۹/۳۷۴، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۳) برادر زادے بھتیجے عصبہ ہیں اور عصبہ کو ماقبی یعنی ذوی الفروض سے جوہ جائے وہ عصبہ کو مل جائے گا:

”العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، يأخذ مابقی من سهام ذوی الفروض، وإذا انفرد

أخذ جميع المال“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۱، کتاب الفرائض، باب العصبات، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار: ۶/۷۷۴، کتاب الفرائض، باب العصبات، سعید)

(وکذا فی السراجیہ، ص: ۳، سعید)

ہے۔ تو دریافت یہ ہے کہ اس کی بہن کو اس کا مکان مل سکتا ہے یا کہ نہیں؟ اور اس شخص کی بیوی کا ایک چچا بھی موجود ہے، لیکن وہ بھی لا ولد ہے۔ عندا لشرع ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کے صرف ایک بہن اور ایک بیوی کا چچا ہے تو اس کا کل ترکہ مکان وغیرہ اس کی بہن کو ملے گا (۱)، بیوی کے چچا کو کچھ نہیں ملے گا (۲)۔ اگر اس کے ذمہ کوئی قرض بھی ہو تو اس کا ادا کرنا پہلے ضروری ہے۔ اگر کوئی وصیت بھی کی ہے تو ایک تہائی ترکہ سے پہلے وصیت پوری کی جائے گی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

(۱) واضح رہے کہ بہن کو ابتداءً بطور ذی فرض ہونے کے نصف ملے گا اور باقی مال بھی جب دیگر ورثاء موجود نہ ہوں تو بہن کو علی سبیل الرد ملے گا:

”فیبدأ بذوی الفروض، ثم بالعصبات النسبية، ثم بالمعتق، ثم عصبۃ الذکور، ثم الرد علی ذوی الفروض النسبية بقدر حقوقهم“۔ (الدرالمختار)۔ ”(قوله: ثم الرد): أي عند عدم من تقدم ذكره من العصبات يرد من أصحاب الفروض علی ذوی الفروض النسبية“۔ (ردالمحتار: ۶/۷۶۲، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، الباب الأول، رشیدیہ)

(وکذا فی الشریفیہ شرح السراجیہ، ص: ۹، سعید)

(۲) ”وистحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء“۔

(الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/۷۶۲، کتاب الفرائض، سعید)

(۳) ”الأول يبدأ بتكفيته وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم

تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته“۔ (السراجیہ، ص: ۳، سعید)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشیدیہ)

بہن اور چچا کا حصہ میراث

سوال [۹۷۹۲]: زید کا لا ولد انتقال ہو گیا اور ایک حقیقی ہمشیرہ اور ایک حقیقی چچا زاد بھائی وارث چھوڑا۔ ترکہ مورث کیسے تقسیم ہوگا؟

محمد رضا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئلہ میں اگر کوئی اور شرعی وارث نہیں تو بعد تجہیز و تکفین و ادائے دین میت و تنفیذ وصایا (۱)، و شرط عدم موانع ارث زید کا کل ترکہ میں سے نصف بہن کو ملے گا (۲) اور نصف چچا زاد بھائی کو (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۷/۱۲/۱۳۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ذی الحجہ/۱۳۵۳ھ۔

(۱) ”تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته“۔ (السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳، سعید)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشیدیہ)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿وإن كانت واحدة، فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

”وأما النساء فالأولى البنت، ولها النصف إذا انفردت وللبنتين فصاعداً الثلثان“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴۸، کتاب الفرائض، الباب الثاني فی ذوی الفروض، رشیدیہ)

(و کذا فی السراجیہ، ص: ۷، السعید)

(۳) ”العصبات وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ ما بقى من سهام ذوی الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۱، کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبات، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۸۵، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی السراجیہ، ص: ۳، سعید)

بیوہ بھائی اور بہن میں تقسیم میراث

سوال [۹۷۹۳]: زید کا انتقال ہوا، اس کے ورثاء میں ایک بیوی، ایک حقیقی بھائی، ایک حقیقی بہن اور بھتیجے ہیں۔ زید کے ترکہ کی تقسیم شرعی کس طرح ہوگی؟ الز اور ثاء میں کون کون اور کتنا کتنا حصہ پائیں گے؟ زید کے انتقال کے دس مہینہ بعد زید کے بھائی کا بھی انتقال ہو گیا، اب بھائی کے لڑکے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۴

بیوی	بھائی	بہن	بھتیجے
۱	۲	۱	محروم

بشرط صحت سوال بعد ادائے دین، مہر وغیرہ زید کا ترکہ چار سہام بنا کر ایک سہم بیوی کو ملے گا (۱)، دو سہم بھائی کو ملیں گے، ایک سہم بہن کو ملے گا (۲)، پھر بھائی کے انتقال کے بعد اس کا ترکہ اس کے ورثاء کو ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

زوج، ام، حقیقی بہن اور چچا کے درمیان تقسیم میراث

سوال [۹۷۹۴]: ما قولکم رحمکم اللہ فی الصورة المذكورة فی الذیل:

(۱) اس لئے کہ میت کی جب اولاد نہ ہو تو بیوی کو (چوتھائی) حصہ ملے گا:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۲) بھائی بہن دونوں اس صورت میں عصبہ ہیں تو بھائی کو دوہرا اور بہن کو اکہرا ملے گا:

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وان کانوا إخواناً رجالاً ونساء، فللذکر مثل حظ الأنثیین﴾ (سورة

النساء: ۱۷۶)

ہندہ فوت ہوئی اور اس کے ورثاء حسب ذیل باقی رہے:

زوج ام اخت حقیقی عم

ترکہ کس نہج پر تقسیم ہوگا اور تصحیح کس طرح کی جاوے گی، اور کیا کیا اور کس کس کو ملے گا؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۶ تصـ ۸

ہندہ

زوج ام اخت عینیہ عم محروم

میت کا کل ترکہ بعد تجہیز و تکفین و ادائے دین وغیرہ و تنفیذ وصیت (۱)، آٹھ سہام پر تقسیم ہوگا: تین سہام زوج کو (۲)، دو ام کو (۳)، تین اخت عینیہ کو تقسیم ہوگا (۴) اور عم محروم رہے گا (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱/۵۶ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

(۱) "تتعلق بترکۃ المیت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳، سعید)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۵۹، ۷۶۱، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعريفها وفيما يتعلق بالترکة: ۶/۴۴۷، رشیدیہ)

(۲) میت کی چونکہ اولاد نہیں، لہذا زوج کو نصف کو ملے گا: =

ورثاء میں زوج، حقیقی بہن اور علاقائی بہن ہو تو تقسیم میراث

سوال [۹۷۹۵]: مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں:

محمودہ بیگم دوسری والدہ سے محمد حنیف خان شوہر، فہمیدہ بیگم حقیقی بہن، امان اللہ خاں علاقائی بھائی،

شفقت اللہ خان بندو سوندہ حمیدہ نور جہاں

محمد حنیف خان	فہمیدہ بیگم	امان اللہ خان	شفقت اللہ خان	بندو	سوندہ	حمیدہ	نور جہاں
شوہر	حقیقی بہن	علاقائی بھائی	علاقائی بھائی	علاقائی بہن	علاقائی بہن	علاقائی بہن	علاقائی بہن

= قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولکم نصف ما ترک أزواجکم إن لم یکن لهن ولد﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۳) میت کی جب اولاد نہ ہو اور اخوة و اخوات بھی متعدد نہ ہوں اور احد الزوجین مع الاب بھی نہ ہو تو اُم کو ثلث کل ملے گا:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولأبویہ لکل واحد منهما السدس مما ترک إن کان له ولد، فإن لم یکن له ولد وورثه أبواه فألمه الثلث﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۴) میت کے جب نہ اصول یعنی: اب اب الاب وغیرہ نہ ہوں اور نہ فروع یعنی ابن ابن الابن، بنت ہو تو اخت یعنی قائم مقام بنت کے ہے، ایک ہو تو نصف، ایک سے زائد ہو تو ثلثان ملے گا:

”الخامسة: الأخوات لأب وأم، للواحدة النصف، وللثنتين فصاعداً الثلثان“۔ (الفتاویٰ

العالمگیریة: ۲/۴۵۰، کتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی الفروض، رشیدیہ)

(و کذا فی السراجیة، ص: ۹۰، فصل فی النساء، سعید)

(۵) عم چونکہ عصبات میں سے ہے اور عصبہ کا حکم یہ ہے کہ ان کے لئے کوئی حصہ مقرر نہیں، ذوی الفروض سے چونکہ جائے وہ ان کو ملے گا، اگر ذوی الفروض سے کچھ بھی نہیں بچا تو کچھ بھی نہیں ملے گا، جیسا کہ مذکورہ صورت میں ہے:

”العصبات: وهم کل من لیس له سهم مقدر، ویأخذ ما بقی من سهام ذوی الفروض، وإذا انفرد

أخذ جمیع المال“۔ (الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الفرائض: ۲/۴۵۱، رشیدیہ)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۶۲، کتاب الفرائض، باب فی العصبات، حقانیہ پشاور)

الجواب حامداً ومصلحاً:

محمد حنیف خاں (شوہر) فہمیدہ بیگم (حقیقی بہن) امان اللہ خاں شفقت اللہ خاں بندو سوندہ حمیدہ نور جہان

محروم

بشرط صحت سوال میت کا کل ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ کے (۱) دو سہام قرار دیکر نصف شوہر کو ملے گا (۲)، اور نصف حقیقی بہن کو (۳)۔ دوسری والدہ سے جو بہن بھائی ہیں، وہ سب محروم رہیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۲۲/۱۳۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۲۶/۱۳۵۷ھ۔

(۱) حقوق متقدمہ سے مراد تجہیز و تکفین، ادائے دین، ادائے مہر اور تنقیذ وصیت ہے، ان تمام کو ادا کرنے کے بعد بقیہ ترکہ تقسیم ہوگا: ”تتعلق بترکۃ المیت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقصير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته“۔ (السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳، سعید)
(وکذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعید)
(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشیدیہ)

(۲) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولکم نصف ماترک أزواجکم إن لم یکن لهن ولد﴾ (سورة النساء: ۱۲)
”وأما الاثنان من السبب، فالزوج والزوجة: للزوج النصف، عند عدم الولد وولد الابن، والربع مع الولد“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۰، کتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی الفروض، رشیدیہ)
(وکذا فی السراجیہ، ص: ۶، سعید)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿وإن كانت واحدة فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)
”وأما النساء: فالأولی البنت، ولها النصف إذا انفردت، وللبنتين فصاعداً الثلثان“۔ (الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۵۶، کتاب الفرائض، فصل فی ذوی السہام، مکتبہ حقانیہ پشاور)
=

تین بھتیجے، ایک بیٹی ہو تو تقسیم ترکہ

سوال [۹۷۶]: اللہ داد خان، عالیجاہ خان نے مشترکہ مکانات تعمیر کئے چند روز کے بعد اللہ داد خان نے انتقال پایا اور تین لڑکے وارث چھوڑے۔ اس کے بعد عالیجاہ خان صاحب کا انتقال ہوا اور ایک لڑکی اور تین بھتیجے وارث چھوڑے۔ مکانات مشترکہ موصوفہ بالاشرعاً کس طرح تقسیم ہونے چاہئیں؟
السائل: طفیل احمد بقلم خود ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئلہ میں اللہ داد خان کا مکانات میں جس قدر حصہ تھا، رہ تمام بعد تجہیز و تکفین و ادائے دین و تنفیذ وصیت اس کے تین لڑکوں کو برابر مل جائے گا (۱)، عالیجاہ خان کا جس قدر حصہ تھا وہ اس کے انتقال کے بعد

= (و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۶/۴۴۸، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۱) مذکورہ صورت میں بیٹے چونکہ عصبہ ہیں اس لئے اپنے والد کی جائیداد کے تمام حصہ کے مالک ہوں گے۔ تقسیم کا نقشہ ملاحظہ ہو:

اللہ داد خان

مسئلہ ۳

ابن

ابن

ابن

۱

۱

۱

”العصبات: وهم کل من لیس له سهم مقدر، ویأخذ ما بقی من سهام ذوی الفروض، وإذا انفرد أخذ جمیع المال“۔ (الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۶۲، کتاب الفرائض، باب العصبات، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۳۸۱، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۶/۴۵۱، کتاب الفرائض، الباب الثانی فی العصبات، رشیدیہ)

نصف اس کی لڑکی کو ملے گا اور نصف تینوں بھتیجیوں کو (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۴/۵۲ھ۔

صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: بندہ عبد الرحمن غفرلہ۔

تین بیٹوں اور ایک بیٹی میں تقسیم میراث

مخدومی محترمی جناب مفتی صاحب مدظلہ العالی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حسب ذیل سوالات کے جوابات بروئے شریعت اسلام بمہر خاص مرحمت فرمادیں:

سوال [۹۷۹]: ایک شخص کا انتقال ہو گیا اس کے وارث تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے، مرحوم کا

ترکہ جائیداد معافی اراضی کا لگان سالانہ ہے، اس میں ہر ایک کا حصہ کتنا رہے گا؟

۲..... ایک لڑکے کا قبضہ نانا صاحب مرحوم کی تمام جائیداد منقولہ وغیرہ منقولہ پر ہے اور اس کا داخل خارج

(۱) نقشہ تقسیم ملاحظہ ہو:

م مسئلہ ۲ تص ۶				عالیجاہ خان
بنت	ابن الأخ	ابن الأخ	ابن الأخ	ابن الأخ
$\frac{1}{3}$	۱	$\frac{1}{3}$	۱	۱

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وإن كانت واحدة، فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

”فیبدأ بذی الفرض، ثم بالعصبة النسبية، ثم بالعصبة السببية..... اھ“۔ (الفتاویٰ

العالمکبریۃ، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴، رشیدیہ)

”العصبات: وهم کل من لیس له سهم مقدر، ویأخذ ما بقی من سهام ذوی الفروض، وإذا انفرد

أخذ جمیع المال“ (الفتاویٰ العالمکبریۃ، کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبات: ۶/۴۵۱، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض، باب العصبات: ۶/۷۷۴، سعید)

اس جائیداد پر ہوپکا ہے۔ اس حالت میں اس کو والد صاحب مرحوم کے ترکہ میں سے حصہ ملے گا یا نہیں اور اگر ملے گا تو کس حساب سے؟

۳..... متوفی کی جائیداد کی آمدنی سے تجہیز و تکفین کا قرض پہلے ادا ہوگا، یا متوفی کے ذمہ جو قرض ان کی حیات کا ان کے ہاتھ کا ہے وہ پہلے ادا ہوگا؟

۴..... بعض ورثاء نے متوفی کی تجہیز و تکفین میں فضول خرچی کر کے خلاف شرع روپیہ صرف کیا اور تیجے کا کھانا پکایا، اس میں بہت قرض لیا اور سال بھر تک میت کے ایصال ثواب کیلئے قرض کر کے فاتحہ دلاتے رہے۔ یہ رقم متوفی کی آمدنی سے وصول کر سکتے ہیں کیا؟

۵..... کیا ورثاء کو حصے متوفی کا جائز قرض ادا ہونے کے بعد دیئے جائیں گے؟

قاضی ثناء اللہ، کرانہ مرچنٹ، بھاجی بازار، دھارسی (سی، آئی)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۷

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۲	۲	۲	۱

۱..... بعد تجہیز و تکفین و ادائے قرض وغیرہ سات سہام بنا کر اس طرح ترکہ تقسیم ہوگا کہ ایک سہم لڑکی کو ملے گا اور دو سہام ہر لڑکے کو ملیں گے۔ اراضی اور دیگر منقولہ غیر منقولہ کل ترکہ کی تقسیم اسی طرح ہوگی (۱)۔

۲..... نانا کی جائیداد پر جائز یا ناجائز قبضہ کرنے کی وجہ سے والد کے ترکہ سے محروم نہیں ہوگا، بلکہ والد

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِي﴾ (سورة النساء: ۱۱)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً، فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِي﴾ (سورة

کے ترکہ سے حسب جواب: ا، حصہ ملے گا (۱)۔

۳..... اول متوسط طریق پر تجہیز و تکفین ہوگی، پھر دوسرا قرضہ ادا کیا جائے گا، پھر اگر کوئی وصیت کی ہو تو ایک تہائی ترکہ سے وہ وصیت پوری کی جائے گی، اس کے بعد ورثاء کو حصہ ملے گا (۲)۔

۴..... یہ رقم جو ایصال ثواب، فاتحہ، تیجہ وغیرہ میں خرچ کی ہے، اس کو ترکہ سے وصول کرنا درست نہیں، بلکہ جن لوگوں نے یہ خرچ کیا ہے وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں (۳)۔

تنبیہ: مروجہ طریقہ پر فاتحہ اور تیجہ منع ہے (۴)۔

(۱) ”وَيَسْتَحِقُّ الْإِثْرَ بِأَحَدِي خِصَالِ ثَلَاثٍ: بِالنَّسَبِ وَهُوَ الْقَرَابَةُ، وَالسَّبَبِ وَهُوَ الزَّوْجِيَّةُ، وَالْوَلَاءِ“.

(الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، الباب الأول، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/۷۶۲، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۳۶۵، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۲) ”يبدأ من تركة الميت بتجهيزه) يعم التكفين من غير تقدير ولا تبذير، ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد ثم وصيته من ثلث مابقي ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته“.

(الدر المختار: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، الباب الأول، رشیدیہ)

(و کذا فی الترتیبیۃ: ص: ۷۳، سعید)

(۳) ”التركة تتعلق بها حقوق أربعة: جهاز الميت ودفنه والدين والوصية والميراث، فيبدأ أولاً بجهازه وكفنه وما يحتاج إليه في دفنه بالمعروف“.

(الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۳۶۲، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۴) ”ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لافي السرور، وهي بدعة

مستقبنة وفي البزازیة: ويكره الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى

القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة

الأنعام أو الإخلاص“.

(رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۴۰، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۶۷، کتاب الصلوة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، رشیدیہ)

(و کذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴/۸۱، کتاب الصلوة، باب الجنائز، رشیدیہ) =

۵..... متوفی نے جو قرض اپنی حیات میں لیا تھا اس کو ادا کرنے کے بعد ورثاء کو حصہ ملے گا اور جو رقم تیجہ وغیرہ میں خرچ کی ہے اس کو ترکہ مشترکہ سے ادا کرنا درست نہیں، بلکہ وہ خود ان خرچ کرنیوالوں کے ذمہ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ جمادی الاولیٰ/ ۱۳۶۹ھ۔

ایک بیٹے اور تین بیٹیوں میں تقسیم میراث

سوال [۹۷۹۸]: مسٹی حاجی کریم الدین کا انتقال ہوا، اس نے ایک لڑکا حاجی عزیز الدین، تین لڑکیاں: مسماۃ مجیداً، مریم، حاجن عزیزاً، چھوڑے۔ لہذا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ زوجہ مسماۃ حبیباً تھی جس کا انتقال ہو گیا اور ورثاء مذکورہ چھوڑے۔ پھر عزیزاً کا انتقال ہوا، اس نے مذکورہ بھائی بہن چھوڑے۔ عزیز الدین کے نانہ نے اپنی زندگی میں ایک مکان عزیز الدین کو دیدیا تھا اور ایک لڑکی مرتے وقت چھوڑی تھی۔ آیا اس مکان میں مسماۃ مجیداً اور عزیزاً کا کچھ حصہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۴

زوجہ	ابن	بنت	بنت	بنت
حبیباً	عزیز الدین	مجیداً	مریم	عزیزاً
کأن لم تکن؛ لأنها ماتت أولاً وترکت الورثة المذكورة	۲	۱	۱	کأن لم تکن؛ لأنها ماتت أولاً وترکت الورثة المذكورة

= ”لا يجوز ما يفعله الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها، واتخاذ السروج والمساجد إليها، ومن الاجتماع بعد الحول كالأعياد ويسمونہ عرساً“۔ (التفسير المظهری: ۶۵/۲، حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

(۱) ”ثم تقدم ديونه التي لها مُطالبٌ من جهة العباد“۔ (الدر المختار: ۶/۷۰، کتاب الفرائض، سعيد) =

حسب بیان سائل صورت مسئلہ میں مستثنیٰ حاجی کریم الدین کا ترکہ بعد ادائے دین وغیرہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ کل ۴/۳ سہام کئے جائیں گے، ایک ایک دونوں لڑکیوں مجیداً اور مریم کو، اور دو سہام لڑکے حاجی عزیز الدین کو ملیں گے، ہکذا فی کتب الفرائض (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اگر عزیز الدین کے نانائے اپنی صحت اور تندرستی کی حالت میں وہ مکان ہبہ کر کے اس کے قبضہ میں دیدیا تھا تو وہ عزیز الدین کی ملک ہے (۲)، اس میں مجیداً و مریم وغیرہ کا کوئی حصہ نہیں۔ لیکن اگر مرض الموت میں ہبہ کر کے قبضہ کرایا ہے تو وہ وصیت کے حکم میں ہے، یعنی ایک تہائی میں جاری ہوگی، بشرطیکہ عزیز الدین شرعی وارث نہ ہو۔ اور دو تہائی کی ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے، اگر قبضہ نہیں کرایا تو وہ ہبہ تام نہیں ہوا (۳)، حسب حکم شرع اس میں وراثت جاری ہوگی۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۶/۱۳۵۷ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۴/رجب/۱۳۵۷ھ۔

= (و کذا فی السراجی، ص: ۲، ۳، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشیدیہ)

(۱) قال الله تبارك وتعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِي﴾ (سورة النساء: ۱۱)
”وإذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات، فيكون للابن مثل حظ الأنثيين“ (الفتاوى العالمگیریہ: ۶/۴۴۸، کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبات، رشیدیہ)

”قال رحمه الله تعالى: وعصبها الابن، وله مثلاً حظها. معناه: إذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون البنات، فيكون للابن مثل حظ الأنثيين“ (تبیین الحقائق: ۷/۴۸۰، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۲) ”یملک الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك“ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، کتاب الہبہ، الباب الثالث، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۳) ”إذا وهب واحد في مرض موته شيئاً لأحد ورثته، وبعد وفاته لم يُجز سائر الورثة، لا تصح تلك الہبة أصلاً؛ لأن الہبة فی مرض الموت وصیۃ، ولا وصیۃ لو ارث. ولكن لو أجاز الورثة هبة المريض بعد =

دو بیویوں اور ان کی اولاد میں تقسیم میراث

سوال [۹۷۹]: ایک شخص کی دو بیوی ہیں، ایک بیوی سے ایک نواسی اور دوسری بیوی سے چار لڑکی۔ اس میں سے بڑی بیٹی سے ایک لڑکا یعنی نواسہ اور ایک لڑکی یعنی نواسی۔ دو بھائی اور ان دونوں کے دو دو لڑکے ہیں۔ ان میں سے کس کس کو کیا کیا حق پہنچتا ہے اگر دونوں بھائی انتقال کر جائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شخص متوفی کے ترکہ میں دونوں بیویاں چاروں لڑکیاں حق دار ہیں:

مسئلہ ۸ ص ۳۲							
زوجہ	زوجہ	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت البنت	بنت البنت ابن البنت
زبیدہ	حمیدہ	عابدہ	شاہدہ	عائشہ	طاہرہ		
۱		۷					
۲	۲	۷	۷	۷	۷		محروم

شخص متوفی کا ترکہ حقوق متقدمہ علی الارث کے بعد ۳۲/ سہام ہو کر دو دو، دونوں بیویوں کو (۱)، اور

= موتہ، صحت۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۸۳/۱، (رقم المادة: ۸۷۹)، كتاب الهبة، الفصل

الثاني في هبة المريض، مكتبه حنفية كوئٹہ)

”وأما لو وهب وسلم لغير الورثة، فإن خرج الموهوب من ثلث ماله، صحت الهبة. وإن لم يخرج ولم تجز الورثة الهبة، فإنما تصح في ما يخرج من الثلث، ويجبر الموهوب له على رد الباقي: أي فإن أجازها الورثة، صحت وإن لم تجزها، تنفذ من الثلث فقط.“ (شرح المجلة لسليم رستم

باز: ۴۸۳/۱، كتاب الهبة، باب هبة المريض، (رقم المادة: ۸۷۹)، مكتبه حنفية كوئٹہ)

(و كذا في رد المحتار: ۷۰۰/۵، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، سعيد)

(۱) مذکورہ صورت میں بیویوں کو ثمن ملے گا، اس لئے کہ میت کی اولاد موجود ہے اور بتیس کا ثمن چار ہے:

سات سات ہر لڑکی کو ملیں گے (۱)۔ اور نواسے اور نواسیاں ذوی الارحام میں سے ہیں، اصحاب الفرائض کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے ہیں (۲)۔

دونوں بھائیوں کی مشترکہ جائیداد میں اگر ملک برابر ہے تو چاروں لڑکے برابر حق دار ہیں، یعنی پوری جائیداد کے چار حصہ کر کے ایک ایک حصہ لیں گے (۳)۔ اور اگر بھائیوں کی ملک برابر نہیں ہے، بلکہ ایک بھائی

= قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ، فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دِينَ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

”وَأَمَّا الْاِثْنَانِ مِنَ السَّبَبِ الزَّوْجُ وَالزَّوْجَةُ..... وَلِلزَّوْجَةِ الرُّبْعُ عِنْدَ عَدَمِهِمَا وَالثَّمَنُ مَعَ أَحَدِهِمَا“۔ (الاختیار لتعلیل المختار: ۵۶۰/۲، کتاب الفرائض، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(۱) چاروں لڑکیوں کو ثلثان بوجہ ذوی الفرض ہونے کے ملے گا اور باقی بطور رد کے:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ، فَلَهُنَّ ثَلَاثُ مَا تَرَكَ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

”وَأَمَّا النِّسَاءُ، فَالْأُولَى الْبِنْتُ، وَلَهَا النِّصْفُ إِذَا انفردت، وَلِلْبَنَتَيْنِ فِصَاعِدَا الثَّلَاثَانِ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۴۸/۶، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۲) ”وَذُو الْأَرْحَامِ كُلُّ قَرِيبٍ لَيْسَ بِذِي سَهْمٍ وَلَا عَصْبَةٍ، وَهُمْ كَالْعَصَبَاتِ، مَنْ انفرد منهم أَخَذَ جَمِيعَ الْمَالِ. وَذُو الْأَرْحَامِ أَرْبَعَةُ أَصْنَافٍ: صَنَفٌ يَنْتَسِبُ إِلَى الْمَيِّتِ وَهُمْ أَوْلَادُ الْبَنَاتِ وَأَوْلَادُ بَنَاتِ الْاِبْنِ“ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، باب ذوی الارحام: ۴۵۸/۶، رشیدیہ)

”فِيبدأ بذوی الفروض، ثم بالعصبات النسبية، ثم بالمعتق، ثم عصبة الذکور، ثم الرد علی ذوی الفروض النسبية بقدر حقوقهم“۔ (الدر المختار)۔ ”(قوله: ثم الرد): أي عند عدم من تقدم ذكره من العصبات يرد من أصحاب الفروض علی ذوی الفروض النسبية“۔ (رد المحتار: ۷۶۴/۶، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۴۷/۶، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۳) بیٹے عصبہ ہیں اور میت کے ورثاء میں اگر صرف عصبہ ہو تو کل مال کا مستحق ہے:

”العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، يأخذ ما بقى من سهام ذوی الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال“۔ (الاختیار لتعلیل المختار: ۵۶۲/۲، کتاب الفرائض، باب العصبات، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

کے مثلاً دو تہائی ہے، دوسرے کی ایک تہائی تو اولاً جائیداد کو دونوں بھائیوں کی ملک کے حساب سے تقسیم کیا جائے، پھر ہر ایک بھائی کی ملک کی دونوں بیٹوں میں برابر تقسیم کر دی جائے (۱)۔ جتنے ورثاء سوال میں ذکر کئے گئے ہیں، سب کو متوفی کے انتقال کے وقت زندہ مان کر اور اس تقدیر پر کہ اور کوئی وارث نہیں ہے، دونوں مسئلوں کا حل کیا گیا ہے۔

لیکن اگر سب اس وقت زندہ نہ ہوں، مثلاً دونوں بیویاں زندہ ہیں اور بیٹیاں زندہ نہیں ہیں، بلکہ صرف نواسے نواسیاں زندہ ہیں، یا بیویاں بھی زندہ نہیں ہیں اور اسی طرح دونوں بھائیوں کے انتقال کے بعد چاروں لڑکوں کے ساتھ اگر کوئی دوسرا وارث بھی ہو، مثلاً دونوں بھائیوں کی بیویاں بھی ہوں تو دونوں مسئلوں کا حل دوسرے طریقہ پر ہوگا، اس کو الگ لکھ کر (کہ صرف اتنے ورثاء موجود ہیں) معلوم کر لیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۱۳۸۸ھ۔

ورثاء میں حقیقی بھائی اور بہن کی اولاد ہو تو تقسیم ترکہ

سوال [۹۸۰۰]: مسماۃ الف (ایک فرضی نام ہے) نے اپنے پہلے شوہر کی وفات کے کچھ عرصہ بعد

= ”وعند الانفراد عن غیرہ فی الورثۃ یحرز جمیع المال بجهة واحدة“۔ (الشریفیۃ، ص: ۸، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/ ۴۸۵، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

(۱) واضح رہے کہ دونوں بھائیوں کے حصے تقسیم کرنے کے بعد اگر دونوں بھائیوں کے یہی دو بیٹے ہیں اور کوئی وارث نہ ہو تو دونوں کی جائیداد کو دو حصے کر کے ہر ایک کو ایک ایک حصہ دیدیا جائے گا:

اپنا نکاح ثانی مسمیٰ زید کے ساتھ کر لیا تھا اور یہ کہ ترکہ جائیداد اور غیر منقولہ مسماۃ مذکورہ کو اپنے سابق شوہر سے ملا ہوا ہے۔ بعدہ مسمیٰ زید کی وفات کے بعد زید کے حقیقی وارثان نے ترکہ زید پر تقسیم کیا اور مسماۃ الف کو بھی اس کا حصہ از ترکہ منقولہ وغیرہ منقولہ بموجب حق شرعی دیدیا۔

چنانچہ مسماۃ مذکورہ ہر دو ترکہ جات پر بحیثیت مالکانہ قابض و خیل ہوئی۔ سابق شوہر سے کوئی اولاد حیات نہیں ہے اور نہ زید کے نطفہ سے کوئی اولاد پیدا ہوئی۔ نیز زید کا قریبی رشتہ مسماۃ الف کے ساتھ نکاح ہونے سے قبل حقیقی سالی کا بھی وابستہ تھا۔ اب محض مسماۃ الف کا ایک حقیقی بھائی مسمیٰ عمر موجود ہے اور مسمیٰ زید کے نطفہ سے سابقہ بیوی سے پیدا شدہ تین لڑکے اور دو لڑکیاں موجود ہیں۔

زید کی وفات کو تقریباً نو سال کا عرصہ ہو چکا ہے، اب تک بدستور مسماۃ الف کی بود و باش زید کے وارثان مذکور کے ساتھ ہے۔ مسماۃ مذکورہ کی کوئی حقیقی بہن بھی حیات نہیں، صرف اس کی بہن کی دختر ہے۔ مندرجہ بالا مسماۃ الف کے ترکہ کے جائز شرعی وارث کون کون ہو سکتے ہیں اور کس قدر حصہ پاسکتے ہیں؟

محمد صدیق از دہرہ دون۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسماۃ الف کے والدین دادا، وغیرہ کوئی موجود نہیں، صرف مسمیٰ عمر حقیقی بھائی اور بہن کی اولاد ہے تو اس صورت میں مسماۃ کا کل ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث برادر حقیقی مسمیٰ عمر کو ملے گا (۱)، بہن کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا (۲)، ترکہ بعد وفات مورث تقسیم ہو چکا ہے۔

(۱) بھائی عصبہ ہے اور ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں کل ترکہ عصبہ کو ملتا ہے:

”العصبات وهم كل من ليس له سهم مقدر، يأخذ ما بقى من سهام ذوی الفروض، وإذا انفرد

أخذ جميع المال“ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۱، کتاب الفرائض، باب العصبات، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۸۵، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۶۲، کتاب الفرائض، فصل فی العصبات، مکتبہ

حقانیہ، پشاور)

(۲) بہن کی اولاد ذوی الارحام میں سے ہے اور ذوی الفروض وعصبہ ہوتے ہوئے ذوی الارحام وارث نہیں ہوں گے:

”إنما يرث ذوو الأرحام إذا لم يكن أحدٌ من أصحاب الفرائض ممن يرث عليه، ولم يكن =

سوال سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مسماۃ الف کا انتقال ہو چکا، لہذا انتقال کے وقت اگر بے وارث رہے، یا کسی وارث کا اضافہ ہو گیا تو اس کا اعتبار ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
 حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۶/۱۳۶۲ھ۔
 الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

نانی کو میراث

سوال [۹۸۰۱]: ہندہ کا انتقال ہو گیا، کوئی اولاد ان کے نہیں۔ وارثوں میں شوہر، ایک سگا بھائی، ایک سگی بہن، ایک نانی چھوڑی۔ جائیداد میں صرف ایک کھیت ہے۔ اس میں ترکہ کس قدر تقسیم ہوگا؟
 الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۶ تصـ ۱۸				
زوج	نانی	بھائی	بہن	
$\frac{۳}{۹}$	$\frac{۱}{۳}$	$\frac{۲}{۶}$	۲	

بعد ادائے حقوق واجبہ: تجہیز و تکفین (۲) ہندہ متوفیہ کا ترکہ ۱۸/ حصوں پر منقسم ہو کر نو حصے

= عصبۃ۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۲/۵۹، کتاب الفرائض، الباب العاشر فی ذوی الأرحام، رشیدیہ)
 ”وہو کل قریب لیس بذی سہم ولا عصبۃ ولا یرث مع ذی سہم ولا عصبۃ۔“ (الدر المختار:
 ۶/۷۹۱، کتاب الفرائض، باب توریث ذوی الأرحام، سعید)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۷۶، کتاب الفرائض، فصل فی ذوی الأرحام، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

(۱) ”یعتبر کونہ وارثاً أو غیر وارث وقت الموت لا وقت الوصیۃ۔“ (الدر المختار: ۷/۶۵۱، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۲۹، کتاب الوصایا، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(۲) حقوق واجبہ یعنی تجہیز و تکفین کے علاوہ دین میت اور وصیت پورا کیا جائے گا:

شوہر کو (۱) اور تین نانی کو (۲) اور چار بھائی کو اور دو بہن کو دیئے جائیں گے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

بعض ورثاء کو کچھ دیکر فارغ کر دینا

سوال [۹۸۰۲]: زید نے اپنی زندگی میں یکے بعد دیگرے دو عقد نکاح کئے، پھر زید کا انتقال ہو گیا۔ پسماندگان میں دونوں بیوی سے نو اولادیں اور ایک بیوہ ہے۔ ترکہ کے بٹوارے میں بڑی دقتیں حائل ہو گئی ہیں، اندیشہ نزاع پیدا ہو جانے کا ہے۔ ضروری معلوم ہوا کہ شرعی طور سے معاملات کی وضاحت حاصل

= ”تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقصير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته“۔ (السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳، سعید)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۵۹، ۶۱، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴، رشیدیہ)

(۱) شوہر اولاد کی عدم موجودگی میں نصف ترکہ کا مستحق ہوتا ہے:

قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولكم نصف ما ترك أزواجكم إن لم يكن لهن ولد﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۲) ”الجددة الصحيحة كام الأم وإن علت وأم الأب وإن علا..... ولها السدس، لأب كانت أولام، واحدة كانت أو أكثر“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۰، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی السراجیہ، ص: ۱۱، فصل فی النساء، سعید)

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِهِ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْإُنثَىٰ﴾ (النساء آیت: ۱۱)

”العصبة: وهم كل من ليس له سهم مقدر، يأخذ ما بقى من سهام ذوى الفروض“۔ (الاختیار

لتعلیل المختار: ۲/۵۶۲، فصل فی العصبات، مکتبہ حنفیہ پشاور)

کر کے اطمینان کر لیا جائے تاکہ بٹوارہ کے بعد مرنے والوں کے ذمہ کسی طرح کا مواخذہ نہ رہے۔

مسائل یہ ہیں: ایک قدیمی کاروبار میں دو قدیمی بھائی برابر کے شریک دار تھے، ان دونوں نے ایک قطعہ مکان اور چند کمپنیوں کے شیرز (حصے) اس مشترکہ کاروبار کی رقم سے زید کے نام خرید کیا تھا، کیونکہ دونوں بھائیوں کی اولاد میں اس وقت سب سے بڑے یہی تھے، اور رقم کاروباری کاغذات میں خرید جائیداد کھاتہ کے نام سے لکھ دی گئی تھی۔ مکان و شیرز کا منافع اور ان کے جو مصارف کا اندراج کاروباری کاغذات میں ہوا کرتا تھا، سالانہ مجموعی منافع شرکاء پر تقسیم ہو جاتا تھا۔

ان دونوں کے انتقال کے بعد ان دونوں کی اولادیں کاروبار میں شریک دار ہوئیں اور شرکاء پر منافع تقسیم ہوتا رہا۔ زید کا انتقال ہو گیا، انتقال کے بعد جب قانونی مشورہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مکان و شیرز کے قانونی مالک زید مرحوم کے وارثان ہیں، زید مرحوم کے بھائیوں کا حق ملکیت اس وقت تک قابل تسلیم نہ ہوگا جب تک جملہ وارثان زید کے نام بھائیوں بیعنامہ نہ کرادیں۔

ان سب دشواریوں کے ہوتے ہوئے اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ مکان و شیرز کی پختہ قیمت کا تخمینہ کر کے زید مرحوم کے کاروباری سرمایہ سے زید مرحوم کے بھائیوں کو ان کے حصہ کے مطابق رقم دیدی جائے تو یہ طریقہ مناسب رہے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح کر لینا شرعاً درست ہے، اس صورت میں بھائیوں کا جو حق و حصہ مکان اور کمپنیوں کے شیرز میں تھا اس کا معاوضہ ان کو مل جائے گا اور تقسیم جائیداد کی زحمت بھی نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۸۹ھ۔

(۱) ”التخارج وهو تفاعل، والمراد به ههنا أن يتصلح الورثة على إخراج بعضهم عن الميراث بشئ معلوم من التركة، وهو جائز عند التراضی، نقله محمد فی کتاب الصلح عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ و ذکر عن عمرو بن دينار أن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ طلق امرأته تماضر الكلبيّة فی مرض موته، ثم مات وهی فی العدة، فورثها عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع ثلث نسوة آخر، فصالحوا عن ربع ثمنها على ثلاثة وثمانين ألفاً، فقيل: هی دنانیر، وقيل: دراہم“۔ (الشريفة شرح السراجیة، =

تقسیم میراث کی ایک صورت

سوال [۹۸۰۳]: چند مکان ترکہ کی صورت میں ایسے ہیں جن کو زید مرحوم کے بھائیوں اور زید کے وارثان پر تقسیم کرنا ہے۔ ان مکانات میں وارثان کا جو حصہ متعین ہو وہ مجموعی طور پر وارثان کی رضامندی سے ایک ہی مکان میں کل حصہ دیدیا جائے۔ گھر ہستی (۱) کے بٹوارہ میں جس سامان کے نقصان کا اندیشہ ہو تو اس کو فروخت کر کے قیمت تقسیم کر دی جائے تو یہ طریقہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بچوں کے حق میں یہ مفید ہو کہ مختلف مکانات سے ان کا حصہ نکال کر ایک مکان میں جمع کر دیا جائے کہ اس میں کسی کی شرکت نہ ہو تو یہ بھی درست ہے، لیکن قیمت کا اندازہ دیانت دار اور تجربہ کار حضرات سے کرایا جائے تاکہ بچوں کو نقصان نہ ہو (۲)۔ جو سامان بچوں کی ضرورت سے زائد ہو اور حفاظت کرنے میں اس کے ضائع ہونے یا خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کو فروخت کر کے قیمت کو محفوظ کر لینا بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۸۹ھ۔

= ص: ۷۳، فصل فی التخرج، سعید)

(و کذا فی رد المحتار: ۶۳۲/۵، کتاب الصلح، فصل فی التخرج، سعید)

(و کذا فی شرح المجلة لسلم رستم باز: ۸۵۵/۲، کتاب الصلح، کلام فی التخرج، (رقم المادة: ۱۵۷۱)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۱) ”گھر ہستی: گھر کا انتظام“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۲۶، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”والوصی إذا قاسم مالا مشترکا بینہ وبين الصغير، لایجوز، إلا إذا کان للصغير فیہا منفعة ظاهرة عند أبی حنیفة رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ“۔ (أحكام الصغار علی هامش جامع الفصولین: ۲۳۶/۱، کتاب القسمة، اسلامی کتب کراچی)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ﴾

”جواز التصرف فی مال الیتیم للوالی علیہ من جد أو وصی أبٍ لسانر ما یعود نفعه علیہ؛ لأن الأحسن ما کان فیہ حفظ ماله وتسمیرہ، فجائز علی ذلک أن یبیع ویشتري للیتیم بما لا ضرر علی الیتیم فیہ..... وعلی أن یشتري مال الیتیم لنفسه إذا کان ذلک خیراً للیتیم، وهو قول أبی حنیفة رحمہ اللہ =

سوتیلے بیٹے کی موہوبہ جائیداد میں دیگر ورثاء کا حق ہے یا نہیں؟

سوال [۹۸۰۴]: مسماۃ نور جہاں الہی بخش متوفی کی زوجہ ثانیہ تھی اور الہی بخش کی زوجہ اولیٰ کے بطن سے طفیل احمد تھا جس کو اس نے ایام طفولیت سے ۳۵/ سال کی عمر تک مثل اپنے حقیقی لڑکے کے پرورش کیا، اور نور جہاں والہی بخش کے درمیان باہمی رنجش کا موقع پیش آیا۔ الہی بخش نے مسماۃ مذکورہ کو طلاق دیدی اور تقریباً تیس ہزار کی جائیداد و زیورات نقد و اثاث البیت وغیرہ جو کچھ کہ مسماۃ مذکورہ کے قبضہ میں تھی کچھ واپس نہیں دیا۔

بعد عدت مسماۃ مذکورہ نے مسمیٰ عبد الاحد سے نکاح کر لیا، تقریباً ۲۵، ۳۰/ سال تک عبد الاحد خاں مذکور کے گھر میں رہی، اور بد قسمتی سے اس کے بطن سے عبد الاحد کے یہاں بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی اور عبد الاحد مذکور فوت ہو گیا۔ مسماۃ نور جہاں نے اپنے شوہر اول کے پسر طفیل احمد کو چند مردماں کے روبرو کہا کہ میں اپنی عمر تیری سرپرستی میں سپرد کرنا چاہتی ہوں اور اپنی کل جائیداد منقولہ وغیرہ تیرے نام کر دوں گی، تو مجھ کو تازیت ایک سو روپیہ ماہواری دینا اخراجات کیلئے۔

چنانچہ نور جہاں مذکور کے قبضہ میں جو کچھ جائیداد اس کے نام پر تھی بذریعہ ہبہ نامہ رجسٹری کر دیا۔ ترکہ شوہر مسمیٰ عبد الاحد کو تقسیم کرانے کی فکر کی، کیونکہ حسب شرع ترکہ اس طرح تقسیم ہوتا تھا۔ مسمیٰ (عبد الاحد) کا بھائی عبد الصمد عبد الاحد کے سامنے فوت ہو چکا اور عبد الصمد کا لڑکا عبد الرووف بھی اپنے باپ

= تعالیٰ“۔ (احکام القرآن للجصاص: ۳/۲۹۷، قدیمی)

”إذا كان في الورثة صغير وكبير، فقام الوصي مع الكبير وأعطاه حصته وأمسك حصه الصغير، فهو جائز“۔ (احکام الصغار علی هامش جامع الفصولین: ۱/۲۳۵، کتاب القسمة، مکتبہ اسلامی کتب خانہ کراچی)

”و جاز بیعه عقار صغير من أجنبي لا من نفسه بضعف قيمته، أو لنفقة الصغير أو دين الميت أو وصية مرسلة لا نفاذ لها إلا منه، أو لكون غلاته لا تزيد على مؤنته أو خوف خرابه أو نقصانه، أو كونه في يد متغلب“۔ (الدر المختار)۔ ”(قوله: أو في يد متغلب) كأن استرده منه الوصي ولا بينة له وخاف أن يأخذه المتغلب منه تمسكاً بما كان له من يد، فللوصي بيعه وإن لم يكن لليتيم حاجة إلى ثمنه“۔ (الدر المختار: ۶/۷۱۱، کتاب الوصایا، سعید)

عبدالصمد کے سامنے فوت ہو گیا۔ عبدالرؤف کے دو لڑکے: حمید الظفر، ایوب خاں منجملہ چار سہام کے تین سہام ان لڑکوں کو ایک چوتھائی اور مسماۃ نور جہاں کا دسین مہر۔ مسماۃ نور جہاں نے باہمی فیصلہ کر کے اپنا ترکہ جدا کر لیا اور قابض ہو گئے۔

چونکہ طفیل احمد سے اس کی جملہ جائیداد کا وعدہ ہو چکا تھا، اس لئے طفیل احمد نے تین سو روپیہ جائیداد کی ترمیم پر خرچ کیا۔ مسماۃ نور جہاں نے اپنی حیات میں کرایہ داروں سے یہ کہہ دیا کہ میں کل جائیداد طفیل احمد کو دے چکی ہوں، اس کا کرایہ طفیل احمد کو دینا۔ اور مسماۃ نور جہاں بھی فوت ہو گئی، اس کی تجہیز و تکفین جملہ رسومات طفیل احمد مذکور نے کی۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ آیا ترکہ حسب وعدہ مسماۃ مذکور کے اس کا مالک طفیل احمد ہے، یا حمید الظفر و ایوب خاں کو پہنچتا ہے؟ اور کوئی رشتہ دار مسماۃ مذکورہ کا مادری یا پدری نہیں ہے۔ بینوا تو جروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حمید الظفر و ایوب خاں مسماۃ نور جہاں کے شرعی وارث نہیں، اگر مسماۃ اپنی جائیداد طفیل احمد کو شرعی ہبہ نہ کر چکی ہوتی تب بھی حمید الظفر و ایوب خاں کو اس جائیداد سے شرعاً کوئی حصہ نہ ملتا (۱)۔ پھر جبکہ اپنی زندگی میں بحالت صحت مسماۃ اپنی جائیداد تقسیم کرا کے اس پر قابض ہو گئی اور طفیل احمد کو دے چکی اور اس پر قبضہ بھی طفیل احمد کا پورا پورا کر دیا جس سے طفیل احمد شرعاً اس جائیداد کا مالک ہو گیا۔ تو اب بطریق اولیٰ حمید الظفر و ایوب خاں کو اس جائیداد سے کوئی حصہ نہیں ملے گا:

”وتصح: (أى الهبة) بالإيجاب والقبول والقبض، أما الإيجاب والقبول، فلأنه عقد والعقد منعقد بالإيجاب والقبول. والقبض لا بد منه لثبوت الملك“. ہدایہ: ۱/ ۲۸۰ (۲)۔

”والأصل فى هذا أن كل عقد من شرطه القبض، فإن الشرط لا يفسده كالهبة والرهن،

(۱) ”ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء، وهو

على ضربين“. (الفتاوى العالمگیریة: ۶/ ۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/ ۷۲۲، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/ ۳۶۵، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۲) (الهدایة: ۳/ ۲۸۱ کتاب الهبة، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

کذا فی السراج الوہاج۔ عالمگیری: ۲/ ۹۷۷ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، صحیح: عبد الرحمن عفی عنہ، ۱۳/ ۱/ ۱۳۵۲ھ۔

مناسخہ کی ایک صورت کا حکم

سوال [۹۸۰۵]: ایک مکان کے دو بھائی حصہ دار ہیں، ایک بھائی کا انتقال ہو گیا ہے جس کے کوئی اولاد نہیں ہے، البتہ مرحوم نے اپنے ماں باپ اور ایک بھائی چھوڑے۔ بعد ازاں مرحوم کی والدہ کا انتقال ہو گیا، اب صرف باپ بھائی موجود ہیں۔ جائیداد میں چونکہ مرحوم بھائی نصف کا حصہ دار تھا تو مرحوم کے حصہ کی شرعاً تقسیم کیا ہوئی، یعنی باپ کو اس کی جائیداد میں سے کس قدر اور بھائی کو کس کس قدر حصہ پہنچے گا؟
اکبر علی، بابو عبد الرحمن، روڑ کی، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۱۲		نصف ۱۲	مسئلہ ۱۲
ام	اب	ام	اب
زینب	زید	زینب	زید
$\frac{1}{4}$	$\frac{2}{8}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{2}{8}$
مسئلہ ۴	مسئلہ تداخل	ام زینب	مافی الید ۱
زوج	ابن	زوج	ابن
زید	عمر	زید	عمر
۱	۳	۱	۳
مسئلہ ۱۲		مسئلہ ۱۲	مسئلہ ۱۲
اب	ابن	اب	ابن
زید	عمر	زید	عمر
۹	۳	۹	۳

۱..... بشرطِ صحتِ سوال وعدمِ موانع ارث وادائے دین میت و تنفیذ وصایا (۱)، مرحوم بھائی کا کل ترکہ حسب صورت مندرجہ بالا بارہ، سہام پر تقسیم کر کے ہر وارث کو اپنے حصہ کے موافق دیں گے (۲)۔

= ”تنعقد الہبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۶۲/۱، رقم المادة: ۸۳۷)، کتاب الہبة، الفصل الأول، مكتبه حنفية كوئٹہ

(۱) ”تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته“۔ (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۷۵۹/۶، ۷۶۱، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفيما يتعلق بالتركة: ۴۳۷/۶، رشیدیہ)

(۲) مسئلہ اولیٰ کے ورثاء میں ام کو ثلث ملے گا، اس لئے کہ جب میت کی اولاد نہ ہو اور اخوة و اخوات بھی ذی العدد نہ ہوں اور نہ أحد الزوجین مع الأب ہو تو اس صورت میں ام ثلث کل کا مستحق ہوگی:

قال الله تبارك وتعالى: ﴿فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ، فَلَهُمَا الْثُلُثُ﴾ (سورة النساء: ۱۱)
 ”وَأَمَّا لِلأُمِّ فَأَحْوَالُ ثُلُثٍ: السُّدُسُ مَعَ الْوَلَدِ أَوْ وَلَدِ الْإِبْنِ وَإِنْ سَفَلَ أَوْ مَعَ الْإِثْنَيْنِ مِنَ الْإِخْوَةِ وَالْأَخَوَاتِ فَصَاعِدًا مِنْ أَىِّ جِهَةٍ كَانَا، وَثُلُثُ الْكُلِّ عِنْدَ عَدَمِ هَؤُلَاءِ الْمَذْكُورِينَ، وَثُلُثُ مَا بَقِيَ بَعْدَ فَرَضِ أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ“۔ (السراجي في الميراث، ص: ۱۱، سعيد)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۷۷۲/۶، سعید)

”اب“ میت کی جب اولاد نہ ہو تو اب عصبة ہوگا، بطور عصوبت کے باقی مال کا مستحق ہوگا:

”أَمَّا الْأَبُ، فَلَهُ أَحْوَالُ ثُلُثٍ: الْفَرَضُ الْمَطْلُوقُ وَهُوَ السُّدُسُ، وَذَلِكَ مَعَ الْإِبْنِ وَابْنِ الْإِبْنِ وَإِنْ سَفَلَ. وَالْفَرَضُ وَالتَّعْصِيبُ، وَذَلِكَ مَعَ الْإِبْنَةِ أَوْ ابْنَةِ الْإِبْنِ وَإِنْ سَفَلَ. وَالتَّعْصِيبُ الْمَحْضُ، وَذَلِكَ عِنْدَ عَدَمِ الْوَلَدِ وَوَلَدِ الْإِبْنِ وَإِنْ سَفَلَ“۔ (السراجي، ص: ۶، سعيد)

(و کذا فی الدر المختار: ۷۷۰/۶، کتاب الفرائض، سعید)

مسئلہ اولیٰ میں تیسرا وارث اخ ہے، میت کے جب اصول یا فروع موجود ہو تو اخ بھائی میراث سے محروم ہو جائے گا:

”وَيَسْقُطُ الْإِخْوَةُ وَالْأَخَوَاتُ بِالْإِبْنِ وَابْنِ الْإِبْنِ وَإِنْ سَفَلَ، وَبِالْأَبِ بِالِاتِّفَاقِ، وَبِالْجَدِّ عِنْدَ أَبِي =

۲..... تایا کے ترکہ سے ایسی صورت میں بھتیجوں کو نہیں ملے گا (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غنی عنہ۔

صحیح: عبد الرحمن غنی عنہ، صحیح: عبد اللطیف غنی عنہ۔

مناسخہ کی ایک صورت

سوال [۹۸۰۶]: مستمٰی زید نے انتقال کیا۔ عمر پسر، احمد پسر، زبیدہ دختر، ہندہ زوجہ وارث

چھوڑے۔

۲..... مسماۃ زبیدہ نے انتقال کیا۔ اللہ رکھا شوہر، عمر برادر، محمد پسر، ہندہ مادر چھوڑے۔

۳..... ہندہ نے انتقال کیا۔ محمد نواسہ، اللہ رکھا داماد، عمر و احمد پسران چھوڑے۔

= حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی الفروض:

۶/۴۵۰، رشیدیہ)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الفرائض: ۶/۷۷۲، سعید)

مسئلہ ثانیہ میں زوج ہے اور جب میت کی اولاد ہو تو زوج کو ربح لے گا:

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ، فَلَكُمْ الرِّبْعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةِ يَوْصِيْنَ بِهَا

أَوْ دِينَ﴾. (سورة النساء: ۱۲)

ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد بقیہ مال عصبہ کو ملتا ہے اور مسئلہ ثانیہ میں ”ابن“ عصبہ ہے:

”العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، يأخذ ما بقى من سهام ذوی الفروض، وإذا انفرد

أخذ جميع المال“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، باب فی العصبات: ۶/۴۵۱، رشیدیہ)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۷۳، سعید)

(۱) ”یرجحون بقرب الدرجة أعنی أولهم بالمیراث جزء المیت ثم جزء أبیه: أى الإخوة، ثم

بنوهم وإن سفلوا“۔ (السراجیۃ، ص: ۱۳، باب العصبات، سعید)

”فأقرب العصبات الابن، ثم ابن الابن ثم الأخ لأب وأم، ثم الأخ لأب، ثم ابن الأخ

لأب وأم“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، باب العصبات: ۶/۴۵۱، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۸، تصـ ۴۰، تصـ ۴۸۰ زید مورث اعلیٰ

زوجہ	ابن	ابن	بنت
ہندہ	عمر	احمد	زبیدہ
$\frac{1}{5}$	$\frac{12}{168}$	$\frac{12}{168}$	۷

مسئلہ ۱۲	تباین	مافی الید۷	زبیدہ
زوج	ام	اخ	اخ
اللہ رکھا	ہندہ	عمر	احمد
$\frac{3}{21}$	$\frac{2}{12}$	محروم	

مسئلہ ۲ تداخل (۳۷) مافی الید۷ ہندہ

ابن	ابن	ابن البنت یعنی نواسہ	ختن یعنی داماد
عمر	احمد	محمد	اللہ رکھا
$\frac{1}{32}$	$\frac{1}{32}$	محروم	

المبل ۳۸۰
الأحیاء غناء

عمر	احمد	اللہ رکھا	محمد
۲۰۵	۲۰۵	۲۱	۲۹

بشرط صحت سوال وعدم موانع ارث بعد تجهیز و تکفین و ادائے دین میت، وغیرہ (۱) مورث اعلیٰ مسمی زید کا کل ترکہ چار سو اسی سہام (۲) قرار دیکر حسب نقشہ بالا ورثاء پر تقسیم ہوگا، یعنی عمر اور احمد پسران زید میں سے ہر ایک کو دو سو پانچ سہام (۳)، اور اللہ رکھا زوج زبیدہ کو اکیس (۴) اور محمد پسر زبیدہ کو

(۱) ”تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته“۔ (السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳، سعید)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۲/۵۹، ۶۱، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفيما يتعلق بالتركة: ۲/۴۴، رشیدیہ)

(۲) ”المناسخة أن يموت، بعض الورثة قبل القسمة، والأصل فيه أن تصح فريضة الميت الأول وتصح فريضة الميت الثاني، فإن انقسم نصيب الميت الثاني من فريضة الأول على ورثته، فقد صحت المسئلتان. وإن كان لا يستقيم فإن كان بين سهامه ومسألته موافقة فاضرب وفق التصحيح الثاني في التصحيح الأول. وإن لم يكن بينهما موافقة، فاضرب كل الثاني في الأول، فالحاصل مخرج المسئلتين.“

وطريق القسمة أن تضرب سهام ورثة الميت الأول في المضروب وسهام ورثة الميت الثاني في كل ما في يده أو في وفقه، فإن مات ثالث فصحح المسئلتين الأوليين“۔ (الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۹۰، کتاب الفرائض، فصل فی المناسخة، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۴۱۵، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۸۰۱، کتاب الفرائض، فصل فی المناسخة، سعید)

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ (سورة النساء: ۱۱) ”العصبة وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقى من سهام ذوى الفروض“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۱، کتاب الفرائض، باب العصبية، رشیدیہ)

(۴) قال الله تعالى: ﴿فَإِنْ كَانَ لِمَنْ وَلَدٌ فَلِكُمُ الرِّبْعُ مِمَّا تَرَكَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يَوْصِيَنَّهَا أُولَئِكَ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

”وأما الإثنان من السبب، فالزوج والزوجة، فلزوج، لنصف عند عدم الولد وولد الابن، =

انچاس سہام (۱) از روئے شرع ملیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔
 حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۳/۱۳۵۸ھ۔
 صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۰/ربیع الاول/۱۳۵۸ھ۔
 ذوی الفروض اور عصبات میں تقسیم وراثت

سوال [۹۸۰۷]: مسمیٰ محمد جعفر خاں فوت ہوئے اور مندرجہ ذیل وارث چھوڑے تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

والدہ	زوجہ	لڑکے	لڑکیاں	ہمشیرہ
مسماۃ بینچی	اللہ دی	محمد عاقل محمد باقر	عقیلہ بیگم، کنیر فاطمہ	صغریٰ بیگم

الجواب حامداً ومصلیاً:

محمد جعفر خاں المتوفی

مسئلہ ۲۴، تصـ ۱۴۴

زوجہ	ام	ابن	ابن	بنت	بنت	اخت
اللہ دی	بینچی	محمد عاقل	محمد باقر	عقیلہ بیگم	کنیر فاطمہ	صغریٰ بیگم
$\frac{۳}{۱۸}$	$\frac{۲}{۲۴}$	$\frac{۳۴}{۳۴}$	$\frac{۱۷}{۱۷}$	$\frac{۱۷}{۱۷}$	$\frac{۱۷}{۱۷}$	محرومہ

= والربع مع الولد وولد الابن۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۲/۴۵۰، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْإُنثَىٰ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

”العصبة وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ ما بقى من سهام ذوی الفروض“۔ (الفتاویٰ

العالمگیریہ: ۲/۴۵۱، کتاب الفرائض، باب العصبات، رشیدیہ)

پہنچا تھا۔ انتقال کے وقت زید کے علاوہ عمر، بکر بھائی بھی اس نے اپنے وارثان میں چھوڑے ہیں، زید کی بیوی کا کوئی بچہ زندہ نہیں ہے۔ تو از روئے شریعت یہ امر دریافت طلب ہے کہ زید کو اپنی بیوی کی جائیداد میں کتنا حصہ پہنچتا ہے اور عمر و بکر اپنی بہن کی جائیداد میں کتنے کتنے حصے کے وارث ٹھہرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کی بیوی کا ترکہ نصف زید کو ملے گا (۱) اور نصف دونوں بھائی: عمر و بکر کو ملے گا (۲)، بشرطیکہ مرحومہ کی والدہ پہلے انتقال کر چکی ہو۔ یہ ترکہ خواہ والد کی طرف سے ملا ہو، یا شوہر نے تملیک کا دیا ہو، یا اور کسی طرح ملا ہو، سب کا یہی حکم ہے۔ مہر اگر ادا نہیں کیا گیا، نیز بیوی نے معاف نہیں کیا تو اس کی تقسیم بھی اسی طرح ہوگی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۸۸ھ۔

باپ اور بیٹے کے میراث کی تقسیم

سوال [۹۸۰۹]: ایک شخص کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، اس نے تینوں لڑکوں کی اور دونوں لڑکیوں کی شادی کر دی اور باورچی خانہ سب کا مشترک ہے۔ پھر ایک لڑکا ملازمت پر چلا گیا اور اپنے ساتھ اپنے بچوں کو لے گیا۔ چند سالوں کے بعد بڑے لڑکے کا انتقال ہو گیا اور ایک بیوہ اور تین لڑکیاں چھوڑیں، ان

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولکم نصف ما ترک أزواجکم إن لم یکن لهن ولد﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۲) ”فبدأ بذوی الفروض، ثم بالعصبات النسبية، ثم المعتق، ثم عصبة الذکور اھ۔“ (ردالمحتار: ۶/۷۲، کتاب الفرائض، سعید)

”العصبات: وهم کل من لیس له سهم مقدر، ویأخذ ما بقی من سهام ذوی الفروض، وإذا انفرد أخذ جمیع المال.“ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۵۱، کتاب الفرائض، باب العصبات، رشیدیہ)

(۳) ”ولم یعرض المؤلف لبيان ما یجرى فیہ الإرث وما لا یجرى فیہ، فنقول: لا شک أن أعیان الأموال یجرى فیہا الإرث.“ (البحر الرائق: ۹/۳۶۴، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

”قید بالترکة؛ لأن الإرث یجرى فی الأعیان المالیه.“ (ردالمحتار: ۶/۷۲، کتاب الفرائض، سعید)

سب کے مصارف کے کفیل دادا صاحب رہے۔ پھر ملازمت پر جانے والا لڑکا بھی واپس آ گیا اور اس نے اپنا گھر علیحدہ بنایا۔ بڑے لڑکے کے انتقال کے بعد وہ شخص (والد صاحب) صاحب فراش ہو گئے اور بالکل لاچار و معذور ہو گئے۔

اس کے بعد ملازمت سے واپس آنے والے لڑکے نے باپ کے کاروبار میں سے ایک کاروبار یعنی موٹر جو کہ کرایہ پر چلتی ہے، اس سے بطور نگرانی ملازمت کر لی اور اپنی محنت اور جانفشانی اور جدوجہد کے بعد دوسرے کو شریک کر کے پوری موٹر اپنے نام کر لی اور اس کا تمام انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اس دوران اس لڑکے نے اپنے باپ کو اس کاروبار کا کوئی حساب نہیں دیا، البتہ تمام حساب اچھی طرح لکھا ہوا ہے۔

اس کاروبار کے ہاتھ میں لینے کے تقریباً پانچ سال بعد باپ کا انتقال ہو گیا اور اپنے ترکہ میں ایک بڑا مکان اور ایک چھوٹا مکان اور کچھ بونڈ چھوڑا، چند غیر مت مند لوگوں نے باہم مل کر یہ فیصلہ کیا کہ چھوٹا مکان کاروبار کرنے والے لڑکے کو دیدیا۔ اور تقریباً اس ہی کے برابر مکان بڑے لڑکے کو دیدیا، اور بڑے مکان کا بقیہ حصہ جو کہ تقریباً چھوٹے مکان کے برابر ہی ہے، دونوں بہنوں کو دیدیا۔

بہنوں نے اس مکان کے حصہ کو سب سے بڑے لڑکے کی بیوہ اور لڑکیوں کے رہنے کیلئے دیدیا، نیز دیگر سامان بھی بقدر حصہ تقسیم کر دیا۔ اور بہنوں کیلئے یہ طے ہوا کہ ایک بھائی ایک بہن کو اور ایک بھائی ایک بہن کو اس کے حصہ کے مطابق رقم دے دے۔ یہ سب کام زبانی طے ہوئے، تحریری نہیں۔

تقریباً پانچ سال بعد موٹر کا کاروبار کرنے والے لڑکے کا انتقال ہو گیا جس نے ایک مکان، ایک موٹر کرایہ پر چلنے والی اور ایک ٹیکسی کرایہ پر چلنے والی ترکہ میں چھوڑی ہے (موٹر اور ٹیکسی میں ایک شخص اور شریک ہے) اس شخص کی ایک بیوی اور ایک ۱۱ سال کی لڑکی ہے۔ جو کہ فاجر العقل اور معذور ہے۔ چھوڑی ہے۔

شرعی حیثیت سے اس شخص کی زندگی کے دوران اس کے کاروبار میں، جس لڑکے نے اپنی محنت و جانفشانی سے جو کام کیا ہے اور نفع و نقصان اٹھایا ہے۔

۱..... باپ کے انتقال کے بعد اس نفع و نقصان میں تمام ورثاء شریک رہیں گے یا نہیں؟

۲..... باپ کے انتقال کے بعد اس کاروبار میں کس طرح تقسیم ہوگی؟

۳..... اب اس لڑکے کے انتقال کے بعد اس لڑکے کے مال میں کس طرح تقسیم ہوگی؟

اب اس گھر میں صرف ایک بھائی، دو بہن اور ایک شخص کی بیوہ اور ایک فاتر العقل لڑکی حیات ہیں۔ اس معاملہ میں شریعت کی رو سے جس طرح تقسیم ہوگی، اسے بالتفصیل بیان فرمائیں، تاکہ حقدار کو اس کے حق کے مطابق اس کا حق پہنچ جائے اور خدا کے یہاں ماخوذ ہونے سے محفوظ رہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جس لڑکے نے ملازمت سے آ کر والد کے کاروبار (موٹر) میں نگرانی کی ملازمت کر لی، یہ ملازمت درست ہوگئی۔ پھر اگر پورے موٹر اپنے نام والد سے خرید لی، یا شرعی طور پر ہبہ کرائی تو وہ موٹر اس کی ملک ہوگئی (۱)۔ پھر باغیرت لوگوں نے والد کے انتقال کے بعد جو تقسیم زبانی کی اور تمام ورثاء نے منظور کر لی وہ بھی معتبر ہوگی (۲)۔ جو موٹر اس لڑکے نے اپنے نام کرائی تھی، اگر اس کو بھی تقسیم کر دیا کہ اس میں بھی تمام ورثاء شریک رہیں اور اس لڑکے نے اس کو بھی منظور کر لیا تو اس کی بھی تقسیم ہوگئی (۳)۔

جب تک کاروبار باپ کا تھا، نفع و نقصان کا ذمہ دار باپ تھا، جب لڑکے نے موٹر (خرید کر یا ہبہ کوا کے) اپنے نام کرائی تو وہ لڑکا ذمہ دار ہو گیا، کوئی دوسرا وارث ذمہ دار نہیں (۴)۔

۲..... باپ نے اپنی ملک میں جو کچھ چھوڑا، اس میں سب وارث حسب حصص شریک ہیں (۵)۔

(۱) ”یملک الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، کتاب الهبة، الباب الثالث، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۵/۶۹۰، کتاب الهبة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الهبة، الباب الأول: ۴/۳۷۴، رشیدیہ)

(۲) ”إذا حکم رجلان رجلاً، فحکم بينهما ورضیا بحکمہ، جاز“۔ (الهدایة: ۳/۱۴۳، کتاب القاضی،

باب التحکیم، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(و کذا فی الدر المختار: ۵/۴۲۸، کتاب القضاء، باب التحکیم، سعید)

(۳) (راجع رقم: ۲)

(۴) اس لئے کہ بیع اور ہبہ سے اس کی ملک ہوگئی، کما تقدم فی رقم الحاشیة: ۱، فلیراجع)

(۵) ”لأن التركة ماترکه المیت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعین من الأموال“۔ (ردالمحتار:

۶/۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

۳..... جس لڑکے نے جو کچھ باپ سے علیحدہ خود کمایا وہ اُسی کا ہے (۱)، اس کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ آٹھواں حصہ بیوہ کو ملے گا (۲)، نصف ترکہ لڑکی کو ملے گا (۳) پھر جو کچھ بچے اس میں سے دوہرا بھائی کو ملے گا، اکہرا اکہرا بہن کو ملے گا (۴)، یعنی کل چالیس سہام ہوں گے، پانچ سہام بیوہ کے ہیں، بیس سہام لڑکی کے ہیں، تین تین سہام بہنوں کے، چھ سہام ایک بھائی کے (۵)۔ کوئی قرض دین مہر وغیرہ ہو تو

= ”ثم يقسم الباقي بين ورثته: أي الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة أو الإجماع“
(الدرالمختار، کتاب الفرائض، ۸۶۲/۶، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۴۴۷/۶، رشیدیہ)

(۱) قال العلامة ابن عابدین: ”أقول: وفي فتاویٰ الخيرية: سئل فی ابن کبیر ذی زوجة و عیال له کسبٌ مستقلٌ حصل بسببه أموالاً ومات: هل هی لوالده خاصة أم تقسم بین ورثته؟ أجاب: هی للابن تقسم بین ورثته حیث کان له کسب مستقل بنفسه“۔ (تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الدعوی: ۱۷۲/۲، مکتبہ میمنیہ مصر)

(و کذا فی الخيرية علی هامش تنقیح الفتاویٰ الحامدیة: ۱۸۵/۱، کتاب الشریکة، مکتبہ میمنیہ مصر)
(۲) میت کی جب اولاد نہ ہو تو ”زوجہ“ کو آٹھواں حصہ ملے گا:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ، فَلَهُنَّ الثَّمَنُ﴾ (سورة النساء: ۱۲)۔

(۳) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً، فَلَهَا النِّصْفُ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۴) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً، فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حِظِّ الْأُنثِي﴾ (سورة النساء: ۱۷۶)

(۵) تقسیم کا نقشہ ذیل میں ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۸، تصـ ۴۰

بیوہ	بٹی	بھائی	بہن	بہن	بہن
$\frac{1}{5}$	$\frac{2}{20}$	۶	۳	$\frac{3}{15}$	۳

اس کو پہلے ادا کیا جائے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۱۳۹۲ھ۔

صورتِ عائکہ میں باپ کا حصہ

سوال [۹۸۱۰]: اگر کسی مسئلہ میں باپ عصبہ ہو اور اصحابِ فرائض کو حصہ دینے کے بعد کچھ نہ بچتا ہو اور عول کی گنجائش ہے تو کیا مسئلہ کو عول کر کے باپ کو حصہ دیں گے، یا محروم ہو جائے گا، یا یہ صورت ہے کہ باپ فرض کا بھی مستحق ہے اور تعصیب کا بھی؟ مسئلہ میں اصحابِ فرائض کو حصہ مل گیا، باپ نے بھی اپنا حصہ پالیا اور مسئلہ میں عول کی گنجائش ہے تو کیا عول کر کے باپ کو تعصیب بھی دیا جائے گا، یا فرض پر اکتفاء کر کے تعصیب سے معدوم کر دیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باپ اگر کسی صورت میں عصبہ نہ ہو تو وہ ذوی الفروض میں ضرور ہوگا، یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ نہ عصبہ ہو نہ ذی فرض میں ہو، اس کا ذی فرض ہونا تو منصوص ہے ﴿لِکُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ﴾ (الایۃ ۲)۔ پھر کبھی اس کے ساتھ وہ عصبہ بھی ہو جاتا ہے، کبھی عصبہ محض رہتا ہے (۳)، لیکن معدوم نہیں ہوتا۔ پس

(۱) ”تتعلق بترکۃ المیت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته“۔ (السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳، سعید)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۵۹، ۷۶۱، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعريفها وفيما يتعلق بالترکة: ۶/۴۴، رشیدیہ)

(۲) (سورة النساء: ۱۱)

(۳) ”أما الأب فله أحوال ثلاث: الفرض المطلق وهو السدس، وذلك مع الابن وابن الابن وإن سفل۔ والفرض والتعصیب معاً وودلک مع الابنة أو ابنة الابن وإن سفلت۔ والتعصیب المحض، وذلك عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل“۔ (السراجیۃ، ص: ۵، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۴/۴۳، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ بیروت) =

یہ سوال بے محل ہے کہ اصحابِ فروض کو دینے کے بعد باپ کیلئے کچھ نہ بچے، کیونکہ وہ خود بھی اصحابِ فروض میں ہے، اس کا فرض دینے کیلئے ضرورت پیش آنے پر عمل بھی کیا جائے گا، مثلاً:

مسئلہ ۱۲، تصـ ۱۵

زوج	بنت	بنت	ام	اب
۳	۴	۴	۲	۲

یہاں اصل مسئلہ ۱۲/ سے کر کے عول ۱۵/ سے کیا گیا ہے، باپ کو معدوم نہیں کیا گیا۔ باپ کو جس صورت میں عصبہ محض قرار دیا گیا ہے، وہ ایسی صورت میں اصحابِ فرائض سب لے لیں اور باپ کیلئے کچھ نہ بچے:

”والتعصيب المحض، وذلك عند عدم الولد وولد الابن، اھ“۔ سراجی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تقسیم میراث کی ایک صورت

سوال [۹۸۱۱]: ایک شخص عمر نے اپنی حیات میں چاہا کہ اپنا مسکونہ مکان اپنی دختر ہندہ کے نام کر دے، جس کو ہندہ کے شوہر ندیم نے قبول نہیں کیا۔ کئی برس کے بعد عمر کی حیات ہی میں ہندہ کا انتقال ہوا اور اس کے اپنے وارث مسلمہ (عمر کی بیوی) اور فرمان (عمر کا لڑکا) چھوڑے۔ ہندہ کی حیات ہی میں عمر نے مسکونہ مکان مسلمہ کے نام منتقل کر دیا تھا۔

ایک روز مسلمہ کے والدین کے انتقال پر عمر اور مسلمہ میں مشورہ ہوا کہ مسلمہ کے ملنے والے ورثاء میں سے ہندہ کے بچوں کو دو ہزار فی کس حصہ دیدیا جائے (چونکہ فرمان کی اولاد ہونے کے بعد مسکونہ مکان دینے کا

= (وکذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۵۵/۲، کتاب الفرائض، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(۱) (السراجیۃ، ص: ۶، سعید)

سوال نہ رہا۔ مسلمہ نے کہا چاروں کو دو دو ہزار یعنی کل آٹھ ہزار، عمر نے کہا کہ نہیں بلکہ دس ہزار، دو ہزار ہندہ کے شوہر و اصف کو بھی دیا جائے کہ وہ بھی اپنا ہی بچہ ہے۔ اس کے بعد عمر نے انتقال کیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً وارث کون کون ہیں، آیا عمر کی بیوی مسلمہ اور پسر فرمان، یا ہندہ کی اولاد بھی وارث ہے؟ اگر وہ وارث نہیں ہے تو کیا اس کا حق ہے کہ تقاضا کر کے اپنا حصہ طلب کرے؟

مسلمہ اور فرمان نے ہندہ کی اولاد کو اپنے مکان میں ایسے وقت رکھا جبکہ ان سے کرایہ کا مسکو نہ مکان چھوٹ رہا تھا۔ اس اولاد کو احسان فراموشی کر کے حصہ طلب کرنا جائز ہے؟ عمر نے جو مسلمہ کو اپنے والد کے ترکہ میں دو دو ہزار دینے کا مشورہ دیا تھا وہ صرف مشورہ تھا یا وصیت تھی؟ کیا ہندہ کی اولاد اپنا حصہ کہہ کر طلب کر سکتی ہے؟ مسلمہ کو مشورہ میں کمی بیشی کا حق ہے یا نہیں؟ اور مسلمہ کے ساتھ اگر ہندہ کی اولاد نا فرمانی اور بدتمیزی کرے اور بالکل نہ دے تو کیا وہ گنہگار ہوگی؟

ہندہ کے انتقال کے بعد عمر اور مسلمہ نے و اصف کی دوسری شادی کی جس سے بچے ہوئے، انہوں نے اپنے ہی مکان میں رکھا، کھانا، پینا دونوں کا الگ رہا، مگر کبھی (تقریباً اٹھائیس سال) کوئی کرایہ طلب نہیں کیا۔ وقتاً فوقتاً اپنی ضرورت اور رہائش کیلئے و اصف نے مرمت وغیرہ اپنے حصہ مکان میں اپنے پاس سے کرائے۔ آخر میں تقریباً پانچ چھ سال پہلے فرمان سے کہہ کر چابی طلب کی کہ مکان میں مرمت وغیرہ کرانا ہے، مگر دوسرے حصہ مکان میں عارضی منتقل ہو کر اپنے حصہ بلا اجازت فرمان و مسلمہ (وارثان عمر) ایک حصہ منہدم کرا کر دوسرا کمرہ تعمیر کرایا جس کی تعمیر کا خرچہ وہ پندرہ ہزار بتاتے اور طلب کرتے ہیں۔

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ آیا وہ حصے جو مکان اصلی وارثان کے بلا منظوری کرایا گیا ہے، اس کی لاگت وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ و اصف کے خاندان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ فرمان اور مسلمہ کا ارادہ اس مکان کو فروخت کرنے کا ہے۔ و اصف اور اس کے بچوں کا اندازہ مکان کی قیمت کا ۳/۱ تھا، مکان ان کی اندازہ قیمت سے دو گنی اور تگنی قیمت پر فروخت ہوا ایسی صورت میں کیا فرمان اور مسلمہ کو و اصف کو کچھ ادا کرنا چاہئے، جبکہ انہوں نے خریدار کو وہ حصہ مکان دکھایا بھی نہ تھا؟ اور لاگت کے بعد و اصف وغیرہ اس حصہ مکان میں جو انہوں نے اپنی رہائش اور زیبائش کیلئے بنایا تھا، تقریباً پانچ سال وہ بھی لئے اور اپنا مکان تیار ہونے پر دوسری جگہ چلے بھی گئے اور ایسی صورت میں کیا و اصف کا رقم طلب کرنا جائز ہے؟ اور اگر مسلمہ انکار کرے تو کیا

گناہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال کے بعض اجزاء میں اشکال ہے، ہندہ کا شوہر پہلے بتایا گیا کہ ندیم ہے پھر بتایا گیا کہ واصف ہے، شاید یہ دونوں ندیم اور واصف ایک ہی شخص کے نام ہوں گے۔ ہندہ کے انتقال پر اس کے وارث دو ظاہر کئے گئے: مسلمہ (عمر کی بیوی) یعنی ہندہ کی والدہ، فرمان (عمر کا لڑکا) یعنی ہندہ کا بھائی، حالانکہ ہندہ کا والد (عمر) خود بھی زندہ اور وارث ہے۔ نیز آگے چل کر یہ بھی بتایا گیا ہے: ہندہ کے بچوں کو دو دو ہزار روپے دینے کا مشورہ کیا گیا اور مجموعہ آٹھ ہزار بتایا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندہ کے چار بچے بھی ہیں، ان کو ورثاء میں کیوں شمار نہیں کیا گیا۔

تاہم مشورہ کی وجہ سے بغیر روپیہ دیئے ہوئے ہندہ کی اولاد نہ مالک ہوئی نہ مستحق، یہ مشورہ وصیت بھی نہیں (۱) اس کی بناء پر ہندہ کی اولاد کو نانا اور نانی کے ترکہ سے مطالبہ کا حق نہیں، اس کے اصلی وارث فرمان اور مسلمہ (بیٹا اور بیوی) ترکہ کے حقدار ہیں، آٹھواں حصہ بیوی کا ہے (۲)، بقیہ لڑکے کا (۳)۔ اگر کوئی قرض دین مہر وغیرہ ذمہ میں ہو تو اس کو تقسیم ترکہ سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے (۴)۔ فرمان اور مسلمہ خوشدلی سے کچھ دیدیں

(۱) ”الإیصاء فی الشرع تمیلک مضاف إلی ما بعد الموت وأما رکنها فقوله: أوصیت بكذا لفلان، وأوصیت إلی فلان كذا“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۹۰، کتاب الوصایا، الباب الأول، رشیدیہ)
(و كذا فی تبیین الحقائق: ۷/۳۷۵، کتاب الوصایا، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۲) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ، فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۳) لڑکا عصبہ ہے اور ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد بقیہ تمام ترکہ عصبہ کو ملتا ہے:

”العصبۃ من يأخذ جمیع المال عند انفرادہ وما أبقته الفرائض عند وجود من له الفرض

المقدر“۔ (تبیین الحقائق: ۷/۴۸۵، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(و كذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۱، کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبات، رشیدیہ)

(و كذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۶۲، کتاب الفرائض، فصل فی العصبات، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(۴) ”تتعلق بترکۃ المیت حقوق أربعة مرتبة: الأول یبدأ بتکفینہ وتجهیزہ، من غیر تبذیر ولا تقشیر، ثم

تقضى ديونه من جمیع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بین =

تو ہندہ کی اولاد کو چاہئے کہ شکریہ کے ساتھ قبول کر لے۔ نانی کا احترام ضروری ہے، ان کے ساتھ بدتمیزی کرنا معصیت اور گناہ ہے۔

واصف اور اس کے متعلقین کو مکان میں عاریۃ رکھا اور کرایہ وصول نہیں کیا، یہ مسلمہ اور فرمان کا احسان و تبرع تھا، واصل کو مالک نہیں بنایا تھا، اس کو حق نہیں تھا کہ مکان کا کوئی حصہ منہدم کرا کے دوبارہ تعمیر کرائے جب تک اصلی مالک کی اجازت نہ لے لے، اس لئے اس کا یہ تصرف غلط ہوا (۱)۔ یہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ مسلمہ اور فرمان نے اپنے مکان میں ۲۸ سال تک بلا کرایہ کے رکھا تو اس احسان کے عوض واصل نے وہ مکان کا حصہ نیا بنوایا: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ (۲) الایۃ۔

اب اس میں جو کچھ صرف ہوا، اس کا مطالبہ بے محل ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۱۳۹۲ھ۔

بلا ضابطہ شرعیہ تقسیم کی ہوئی جائیداد میں وراثت

سوال [۹۸۱۲]: زید کے چار بھائی ہیں اور پوری جائیداد کی مالک والدہ ہیں۔ نیز زید کی حیات ہی

= ورثہ۔ (السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳، سعید)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۵۹، ۷۶۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفيما يتعلق بالترکۃ:

۶/۴۴، رشیدیہ)

(۱) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم

رستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية فی القواعد الفقہیۃ، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعید)

(۲) (سورة الرحمن: ۶۰)

(۳) چونکہ تعمیر کا یہ خرچہ اس نے بغیر مالک کی اجازت کے اپنی طرف سے کیا ہے، اس لئے وہ مطالبہ کا مستحق نہیں:

"عمّر دار زوجته بماله بإذنها، فالعمارة لها والنفقة دين عليها، لصحة أمرها. ولو عمّر لنفسه

بلا إذنہا، فالعمارة له، ويكون غاصباً للعرة، فيؤمر بالتفريغ بطلبها ذلك، ولها بلا إذنہا، فالعمارة لها،

وهو متطوع في البناء فلا رجوع له". (الدر المختار، کتاب الخنثی، مسائل شتی: ۶/۷۴، سعید)

میں بغیر ضابطہ اس جائیداد کا بٹوارہ ہو گیا تھا، مگر کچھ روز بعد زید وفات پا جاتے ہیں اور زید کے کوئی اولاد بھی نہیں تھی جس کا وارث وہ لڑکا یا لڑکی ہو جاتی۔ لہذا وفات کے بعد غیر ضابطہ (جس کا ابھی بیعنامہ نہیں ہوا) جائیداد یا مال سے اس کی بیوی حصہ دار ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلية:

اگر اس بٹوارہ (۱) پر والدہ صاحبہ نے رضا مندی ظاہر کر کے اس کو منظور کر لیا تو وہ صحیح ہو گیا اور جو کچھ زید کے حصہ میں آیا وہ زید کی ملک ہو گیا (۲)، وفاتِ زید کے بعد حسبِ قواعدِ شرعیہ اس میں میراث جاری ہوگی اور بیوی کو بھی ۲/۱ حصہ ملے گا، والدہ کو ۶/۱ ملے گا (۳)۔ جو کچھ زید کے ذمہ دینِ مہر اور قیمت جائیداد وغیرہ ہو اس کو

(۱) ”بٹوارہ: حصہ، تقسیم، بانٹ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۸۰، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور)

(۲) واضح رہے کہ والدہ کا اپنی جائیداد اپنی زندگی میں بیٹوں میں تقسیم کرنا ہبہ ہے اور ہبہ میں واہب کی رضا ضروری ہے، ہبہ کی ہوئی چیز مہوہوب لہ یعنی جس کو دی گئی، اس کی ملک ہو جاتی ہے:

”يلزم فى الهبة رضا الواهب، فلا تصح الهبة التى وقعت بالجبر والإكراه.“ (شرح المجلة
لسليم رستم باز: ١ / ٢٤٢، (رقم المادة: ٨٦٠)، كتاب الهبة، الباب الثانى فى شرائط الهبة، مكتبه
حنفيه كوئته)

”يملك الموهوب له الموهوب بالقبض“. (شرح المجلة لسليم رستم باز: ١/٢٤٣، كتاب
الهبه، الباب الثاني، مكتبه حنفية كوثه)

(۳) سوال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ متوفی زید کے کل ورثاء تین قسم کے ہیں: ۱- بیوی، ۲- ام (والدہ)، ۳- تین بھائی۔ اس ترتیب کو مد نظر رکھتے ہوئے کل جائیداد کو چھتیس حصے کر کے بیوہ کو ۹/ حصے اور والدہ ۶/ حصے اور تین بھائیوں کو ۲۱/ حصے یعنی ہر ایک کو سات سات حصے ملیں گے:

تقسیم کا نقشہ ملاحظہ ہو:

تقسیم کا نقشہ ملاحظہ ہو:

مستوفی زید

مسئله ۱۲، تص ۳۶

زوجه
 $\frac{3}{9}$

ام
 $\frac{2}{4}$

اخ
 $\frac{4}{21}$

اخ
 $\frac{4}{21}$

اخ
 $\frac{4}{21}$

تقسیم میراث اسے پہلے ادا کیا جائے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

بیٹے اور بیٹی میں تقسیم ترکہ

سوال [۹۸۱۳]: ان کے بطن سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے اور یہ دونوں بقید حیات ہیں، ان

دونوں کے سوا کوئی اور ورثاء نہیں۔ مرحوم کے ورثاء میں ان دونوں کا شرعی اعتبار سے کیا حصہ قرار پاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرحوم کے ترکہ کے بعد ادائے حقوق متقدمہ تین سہام بنا کر دو سہام لڑکے کو ملیں گے، ایک سہم لڑکی کو

ملے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

= قال الله تعالى: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد﴾. (سورة النساء: ۱۲)

وقال الله تبارك وتعالى: ﴿فإن كان له إخوة، فلأمه السدس من بعد وصية يوصي بها أو دين﴾

(سورة النساء: ۱۱)

”والعصبة مطلقاً كل من يأخذ من التركة ما أبقتة أصحاب الفرائض“. (الشریفة شرح

السراجیة، ص: ۸، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۳۸۱/۹، رشیدیہ)

(وكذا في تبیین الحقائق، كتاب الفرائض: ۴۸۵/۷، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) ”ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي

بين ورثته“. (السراجیة، ص: ۳، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشیدیہ)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الفرائض: ۷۵۹/۶، سعید)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (النساء: ۱۱) =

فرائض اور تعین ترکہ

سوال [۹۸۱۲]: ہندہ مرگئی، اس نے شوہر ماں، باپ، بہن وارث چھوڑے۔ کس کو کتنا کتنا حصہ ملے گا اور ترکہ کون کون سا شمار ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیزیں ہندہ کی ملک کردی گئی خواہ والدین کی طرف سے خواہ سسرال کی طرف سے وہ سب ہندہ کا ترکہ ہے (۱)۔ جن چیزوں کے متعلق ملک اور عدم ملک کی تصریح نہیں اور ہندہ کے استعمال میں تھیں جیسے چارپائی وغیرہ، اور شوہر کہتا ہے کہ یہ میری ملک ہیں تو ان میں تفصیل ہے: وہ یہ کہ جو چیزیں مخصوص ہیں عورتوں کیلئے، جیسے: زنا نہ کپڑے، زیور وغیرہ وہ بھی ہندہ کا ترکہ ہے، اور جو چیزیں مردوں کیلئے مخصوص ہیں، یا مشترک ہیں تو وہ شوہر کی ملک ہیں، ہندہ کا ترکہ نہیں (۲)۔ ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ چھ سہام بنا کر تین سہام شوہر کو (۳)

= وقال الله تعالى: ﴿وإن كانوا إخوة رجالاً ونساءً، فليدركوا مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۷۶)

(۱) ”أما لو مات فادعت ورثته، فلا خلاف في كون الجهاز للبنث، لما في الولوالجية: جهّز ابنته ثم مات، فطلب بقية الورثة القسمة، فإن كان الأب اشترى لها في صغرها أو في كبرها وسلم لها في صحته، فهو لها خاصة“۔ (رد المحتار: ۱۵۷/۳، كتاب النكاح، باب المهر، سعيد)

(۲) ”وإن اختلف الزوجان في متاع البيت، فالقول لكل واحد منهما فيما صلح له مع يمينه، والقول له في الصالح لهما“۔ (الدر المختار: ۵۶۳/۵، كتاب الدعوى، باب التحالف، سعيد)

”وإن اختلف الزوجان في متاع البيت، فالقول لكل واحد منهما فيما يصلح له قالوا: والصالح له: العمامة والقباء والقلنسوة والطيلسان والسلاح والمنطقة والكتب والفرس والدرع والحديد، فالقول في ذلك له مع يمينه. وما يصلح لها: الخمار والدرع والأساور وخواتم النساء والحلى والخلخال نحوها فالقول لها فيها مع اليمين“۔ (البحر الرائق: ۳۸۱/۷، كتاب الدعوى، باب التحالف، رشيدية)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الدعوى ومطالبه: ۱۶/۲، مكتبه ميمنه بمصر)

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولكم نصف ما ترك أزواجكم إن لم يكن لهن ولد﴾ (سورة النساء: ۱۲)

ایک سہام ماں کو (۱) دو سہام باپ کو ملیں گے (۲) بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ، فَلَهُمُ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةِ يَوْصِي بِهَا أَوْ دِينَ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

”والثالثة: الأم ولها ثلاثة أحوال: السدس مع الولد أو ولد الابن أو اثنين من الإخوة والأخوات من أى جهة كانوا، والثلت عند عدم هؤلاء، وثالث ما يبقى بعد فرض الزوج والزوجة“۔ (الفتاوى العالمية: ۴۴۹/۶، كتاب الفرائض، رشیدیہ)

نوٹ: واضح رہے کہ یہ صورت اس وقت ہے کہ جب بہنیں متعدد ہوں اور اگر بہن ایک ہو تو اس صورت میں ام کو ثلث باقی ملے گا۔ تو اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ کل سہام کو چھ حصے کر کے زوج کو تین سہام، ام کو ایک سہم اور اب کو دو سہام ملیں گے۔

تقسیم کا نقشہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۶				ہندہ
شوہر	ماں	باپ	بہن	
۳	۱	۲	محروم	

قال الله تعالى: ﴿فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ، فَلَهُمَا الثَّلَاثُ﴾ (سورة النساء: ۱۱)
”أما للأم فأحوال ثلث: السدس مع الولد أو ولد الابن وإن سفل أو مع الاثنين من الإخوة والأخوات فصاعداً، وثالث الكل عند عدم هؤلاء المذكورين، وثالث مابقى بعد فرض أحد الزوجين. وذلك في مسئلتين: زوج وأبوين وزوجة وأبوين“۔ (السراجیۃ، ص: ۱۱، سعید)
(۲) باپ کو عصبہ ہونے کی وجہ سے اپنے حصے کے علاوہ باقی میراث ملتا ہے:

”العصبۃ من يأخذ جميع المال عند انفرادہ وما أبقتہ الفرائض عند وجود من له الفرض المقدر“۔ (تبیین الحقائق: ۴۸۵/۷، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۳) ”ويسقط الإخوة والأخوات بالابن وابن الابن وإن سفل، وبالأب بالاتفاق، وبالجد عند أبي حنيفة“

رد علی الزوجین اور ابن و بنت معتق اور ابن و بنت رضاعی کی باہمی ترتیب

رشید احمد عفی عنہ مدرس اول مدینۃ العلوم بھپنڈہ، پوسٹ راہوکی، جودھ پور لائن، متصل حیدر

آباد، سندھ۔

مشفق المکرم زیدت عنایتکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال [۹۸۱۵]: بعد از طلب خیریت جانین گذارش یہ ہے کہ استفتاء کا جواب موصول ہوا، آنجناب کی محنت اور تحقیق میں جانفشانی کا ممنون ہوں۔ بعض مسائل سابقہ کے متعلق اپنے خیال ناقص کو پیش کرتا ہوں، اگر خلاف عقل یا نقل ہو تو امید ہے کہ اصلاح فرما کر ممنوع فرماویں گے۔ نیز بعض جدید استفسارات کا جواب تحریر فرما کر شکرگزاری کا موقع دیں۔ امید ہے کہ تکلیف دہی سے معاف رکھیں گے، بلکہ دعائے خیر میں فراموش نہ فرماویں گے۔

رد علی الزوجین و بنت معتق اور ابن و بنت رضاعی کی باہمی ترتیب کے متعلق بندہ کی رائے ناقص یہ ہے کہ ان کی توریث چونکہ شرعی طریق سے نہیں، سراجی کے حاشیہ میں ہے کہ: ”مال متروکہ کا ان لوگوں کو ملنا بطریق ارث نہیں ہے، بلکہ بوجہ قرب الی میت ہے“ (۱) پس جب ترکہ کی تقسیم ان پر بطور وراثت نہیں تو شرعی ترتیب بھی

= رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی الفروض: ۴۵۱/۶، رشیدیہ)

(۱) سراجی کے حاشیہ کی عبارت یہ ہے:

”ونقل فی الحمادیۃ أن المفتی بہ هو الرد علیہا فی هذا الزمان. وقال فی الدر المختار: ذکر الزیلعی معزاً للنهاية: أن بنت المعتق والابن والبنت رضاعاً ترث فی زماننا، لفساد بیت المال، وكذا ما فضل عن فرض أحد الزوجین یرد علیہ“۔ (حاشیۃ السراجیہ، ص: ۳، (رقم الحاشیۃ: ۹)، سعید)

”وإذا مات المعتق ولم یترک إلا بنت المعتق، فلا شیء، لما فی ظاهر الروایۃ عن أصحابنا، ویكون المیراث لبیت المال. وحکی عن بعض مشایخنا أنهم كانوا یفتون فی هذه المسئلة أن یدفع المال إلیہا لا بطریق الإرث، ولكن لأنها أقرب إلی المیت من بیت المال، کیف وأنه لیس فی زماننا بیت المال، وإنما كان كذلك فی زمن الصحابة. وإذا دفع ذلك إلی سلطان الوقت أو القاضی لا یصرفون إلی مصرفه، هكذا كان یفتی القاضی أبوبکر وصدر الشریعة. وذكر الإمام عبدالواحد الشہید فی =

نہ ہوگی، مسلمان حاکم یا بستی کے با اثر لوگ ان میں سے جس کو چاہیں دیدیں۔

اس کے متعلق جدید استفسار یہ کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاویٰ میں (صفحہ وغیرہ یاد نہیں) تحریر فرمایا کہ: ”اگر زوجہ یا زوج بیت المال کے مال کے مستحق ہوں تو ان کو دیا جائے“ (۱)۔ پس یہ قید کہاں سے معلوم ہوئی؟ نیز اگر ”استحقاق“ کی قید لگائی جائے تو زوجہ وغیرہ کی کیا خصوصیت رہی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حق وراثت کی وجہ سے جن کو حصہ ملتا ہے ان کی ترتیب منقول ہے (۲)، اور جن کو حق وراثت کی وجہ

= فرائضہ أن الفاضل عن سهام الزوج والزوجة لا يوضع في بيت المال بل يدفع إليهما؛ لأنهما أقرب إلى الميت من جهة النسب، وكان الدفع إليهما أولى من غيرهما، وكذلك الابن والابنة من الرضاع إذا لم يكن للميت غيرهما يدفع المال إليهما“۔ (البحر الرائق: ۹ / ۳۸۴، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۱) امداد الفتاویٰ کی عبارت یہ ہے:

”الجواب: امور خیر میں صرف کرنا قائم مقام بیت المال کے ہے، اور رد علی الزوجین اس وقت جائز ہے جب کہ زوجین مصارف بیت المال میں سے ہوں“۔ (امداد الفتاویٰ: ۴ / ۳۵۵، کتاب الفرائض، عنوان: بودن امور خیر بجائے بیت المال و رد علی الزوجین، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْإُنثَىٰ، فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ، فَلَهُنَّ ثُلُثُ مَا تَرَكَ، وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ. وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ، فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينَ، أَبَاءُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا، فَرِيضَةٌ مِنَ اللَّهِ، إِنْ اللَّهُ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا. وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ، فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلِكُمُ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينَ. وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ، فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصِي بِهَا أَوْ دِينَ. وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورِثُ كِلْتَا أُمْرَأَةٍ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ، فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينَ، غَيْرَ مُضَارٍّ، وَصِيَّةٌ مِنَ اللَّهِ، وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (سورة النساء: ۱۱، ۱۲)

”فبدأ بذوی الفروض، ثم بالعصبات النسبية، ثم بالمعتق، ثم عصبة الذکور، ثم الرد علی ذوی الفروض النسبية، ثم ذوی الأرحام، ثم بعدهم مولى الموالاة، ثم المقر له بنسب، ثم الموصی له =

سے نہیں ملتا ان کی ترتیب منقول نہیں، اور چونکہ ایسا مال اصالتاً بیت المال میں رہنا چاہئے تھا، لہذا جو شخص بیت المال میں تصرف کا حق رکھتا ہو، اُسی کی رائے سے اس میں بھی تصرف کیا جائے گا اور وہ حاکم وقت ہے یا جماعت معززہ مسلمین اس کے قائم مقام ہے۔ اور جو بیت المال کے مصارف ہیں وہی اس مال کے بھی مصارف ہیں، چنانچہ شریفیہ شرح سراجی ص: ۱۴ میں ہے:

”ثم بيت المال: أى إذا لم يوجد أحد من المذكورين، توضع التركة فى بيت المال على أنها مال ضائع، فصارت لجميع المسلمين. اعلم أن هذا المال فى بيت المال يصرف إلى نفقة المريض وأدويته إذا كانوا فقراء وللإمام حق الإعطاء والمنع“ (۱)۔

زوجین پر رد بھی اسی بناء پر ہے اور اسی وجہ سے قید لگائی ہے کہ ”اگر وہ بیت المال کے مستحق ہوں تو ان کو دیا جائے۔“

علاوہ ازیں زوجین اور بنت المعتقد وغیرہ کو چونکہ میت سے قرابت کا بھی تعلق ہے، لہذا ان میں دو چیزیں جمع ہو جائیں گی: اول احتیاج، دوم قرابت۔ تو فقط اہل احتیاج پر ان کو تقدیم ہوگی، لیکن اگر ان میں احتیاج نہ ہو بلکہ صاحب وسعت ہوں تو ان کیلئے ورع، افضل والیق ہے، حتیٰ کہ اغنیاء کیلئے بیت المال میں کوئی حصہ نہیں جب تک وہ عامل قاضی وغیرہ نہ ہوں اور فقرا کیلئے بلا ان وجوہ کے بھی حصہ ہے:

”سئل على الرازى عن بيت المال: هل للأغنياء فيه نصيب؟ قال: لا، إلا أن يكون عاملاً أو قاضياً، الخ“۔ شامی: ۳/۳۸۷ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

= بمآزاد على الثلث، ثم بيت المال“۔ (الدر المختار: ۶/۲۲، ۷۶۶، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فى السراجیة، ص: ۳، سعید)

(۱) (الشریفیة شرح السراجیة، ص: ۱۱، سعید)

(و کذا فى رد المحتار: ۳/۲۱۸، ۲۱۹، کتاب الجہاد، فصل فى الجزیة، سعید)

(و کذا فى الفتاوى العالمکیریة: ۱/۱۹۱، کتاب الزکوۃ، الباب السابع فى المصارف، فصل: ما یوضع

فى بیت المال، رشیدیہ)

(۲) (رد المحتار: ۳/۲۱۷، کتاب الجہاد، فصل فى الجزیة، سعید)

توریتِ اُخت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب

سوال [۹۸۱۶]: زید نے وفات پائی، ایک زوجہ اور دو بیٹیاں اور ایک حقیقی بہن چھوڑی اور ایک علاقائی بھائی بھی ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے:

مسئلہ ۱۰

۱	۲	۳	۴
زوجہ	بنات	اُخت لاب وام	اُخت لاب

اب ہم کو جمہور کا مذہب تو معلوم ہے، مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب معلوم کرنا ہے، امید ہے کہ آپ فیصلہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مذہب کے مطابق مع حوالہ کتاب تحریر فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب ایک تو بنات میں جمہور سے مختلف ہے، جمہور کے نزدیک بنات ثلاث کی مستحق ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک نصف کی:

”وأما لبنات الصلب، فأحوال ثلاث: النصف لواحدة، وهذا مصرّح بها في الآية. والثلاث للاثنتين فصاعداً، والمنصوص عليه في القرآن صريحاً أنها إن كن نساءً فوق اثنتين فلهن ثلثا ماترك. وأما الاثنتان فحكمهما عند ابن عباس رضي الله عنهما حكم الواحدة، وهو ظاهر، وعند سائر الصحابة رضي الله عنهم حكم الجماعة، اهـ“. شریفیہ (۱)۔

(۱) (الشریفیہ شرح السراجیہ، ص: ۲۱، فصل فی النساء، سعید)

”وللبنت النصف، لقوله تعالى: ﴿وإن كانت واحدة، فلها النصف﴾ قال رحمه الله تعالى: وللاكثر الثلثان، وهو قول عامة الصحابة رضي الله عنهم، وبه أخذ علماء الأمصار. وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أنه جعل حكم الثنتين منهن حكم الواحدة، فجعل لها النصف وللجمهور ما روى عن جابر رضي الله تعالى عنه أنه قال: جاءت امرأة سعد بن الربيع إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم =

اور دوسرے اخت میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک بنت کے ساتھ اخت عصبہ بن جاتی ہے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک عصبہ نہیں بنتی:

”ولهن (للأخوات لأب وأم) الباقي مع البنات أو مع بنات الابن، وهو قول جمهور العلماء، وقال ابن عباس رضي الله عنهما: لا تعصِبُ لهن مع البنات، الخ“۔ شریفیہ شرح سراجی، ص: ۳۲ (۱)۔
لیکن دونوں مسئلوں میں جمہور کا مسلک رائج ہے، کما فی موضعہ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ربیع الاول/۱۳۵۶ھ۔
مفتی مقلد اور مستفتی مقلد کو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مذہب پر فتویٰ دینا اور فیصلہ کرنا جائز نہیں (۳)۔ سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، یکم/ربیع الاول/۱۳۵۶ھ۔

= بابنتیہا من سعد، فقالت: یا رسول اللہ! ہاتان ابنتا سعد بن الربیع قُتل أبوهما معک فی أحد شہیداً وإن عمّهما أخذ مالهما، فلم يدع لهما مالاً، ولا ینکحان إلا به ال۔ فقال: ”یقضی اللہ فی ذلک“۔ فنزلت آية الميراث، فأرسل رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عمّهما فقال: ”أعط بنتی سعد الثلثین، وأمّهما الثمن، وما بقی فهو لک“۔ (البحر الرائق: ۳۷۶/۹، کتاب الفرائض، رشیدیہ)
(و کذا فی تبیین الحقائق: ۴۷۸/۷، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمیہ بیروت)
(۱) (الشریفیہ شرح سراجیہ، ص: ۲۶، فصل فی النساء، سعید)

”و عصبهن إخوانتهن والبنات وبنات الابن)، یعنی: یعصب الأخوات البنات وبنات الابن، لقوله عليه الصلوة والسلام: ”اجعلوا الأخوات مع البنات عصبه“۔ وروی أنه صلى الله تعالى عليه وسلم قضی فی ابنة وابنة ابن وأخت، لبنت النصف، ولابنة الابن السدس، والباقي للأخت وهذا قول جمهور الصحابة رضي الله تعالى عنهم. وروی عن ابن عباس أنه أسقط الأخوات بالبنات، واختلفت الرواية عنه فی الإخوة والأخوات، فی رواية عنه. الباقي كله للإخوة، وفي رواية: الباقي بينهم للذكر مثل حظ الأنثيين. قيل: هو صحيح من مذهبه“۔ (البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۷۹/۹، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق، کتاب الفرائض: ۴۸۳/۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۲) (البحر والتبیین، المصدر السابق)

(۳) (البحر والتبیین، المصدر السابق)

مہر معاف کرنے کے بعد مطالبہ کرنا

سوال [۹۸۱۷]:۱۔ زید کی بیوی نے اگرچہ اپنے مطالبات: مہر وغیرہ، خرچہ عدت معاف کر دیا تھا، مگر اب مطالبہ کر رہی ہے۔ اس کا یہ مطالبہ قابل ادائیگی ہے یا نہیں؟

پنشن اور گریجویٹ فنڈ میں میراث کا حکم

سوال [۹۸۱۸]:۲۔ سرکاری ملازم کو گریجویٹ ملٹی ہے، زید نے فارم میں اپنی اہلیہ کا نام لکھا تھا، جب رقم اہلیہ وصول کر لے تو اس میں دیگر ورثاء کا حق ہے یا نہیں؟ نیز زید کا قرضہ اس رقم سے اس کی اہلیہ ادا کرنے کی ذمہ دار ہے یا نہیں؟

بیمہ فنڈ میں میراث کا حکم

سوال [۹۸۱۹]:۳۔ بیمہ کی رقم وصول کرنے کیلئے بھی بیوی کے نام کا فارم بھرا گیا تھا۔ جب رقم اہلیہ وصول کرے تو دیگر ورثاء بھی اس میں حقدار ہیں یا نہیں؟

پنشن میں بیوی اور دیگر ورثاء کا حق

سوال [۹۸۲۰]:۴۔ پنشن کی چڑھی ہوئی رقم پانے کی حقدار بھی صرف اہلیہ ہے، یہ قانون سرکاری ہے۔ جس وقت یہ رقم وصول ہو تو دیگر ورثاء اس میں حقدار ہیں یا نہیں؟ نیز اس رقم سے زید کا قرضہ ادا کر دیا جائے تو درست ہے یا نہیں؟

میڈیکل امداد میں ورثاء کا حق

سوال [۹۸۲۱]:۵۔ میڈیکل امداد کی رقم جو گورنمنٹ سے ملی وہ بھی اہلیہ کے قبضہ میں رہی، دیگر ورثاء اس پر حقدار ہے یا نہیں؟

بلڈنگ میں بیوی اور دیگر ورثاء کا حق

سوال [۹۸۲۲]:۶۔ زید نے ایک بلڈنگ چھوڑی جو کرایہ پر ہے، اس بلڈنگ کا وہ حصہ جس میں زید رہتا تھا، اس کا وصیت نامہ اہلیہ کے نام لکھ دیا تھا، اہلیہ نے کرایہ کی رقم وصول کی ہے۔ دیگر ورثاء میں بھی وہ رقم

قابل تقسیم ہے یا نہیں؟

سامانِ آرائش میں وراثت

سوال [۹۸۲۳]: زید کے مکان کا سامانِ آرائش و برتن وغیرہ اہلیہ کے قبضہ میں ہیں، یہ

سامان بھی دیگر ورثاء میں قابل تقسیم ہے یا نہیں؟

دوسرے لوگوں کے پاس پڑے ہوئے سامان پر میت کی طرف سے بخشش کا دعویٰ

سوال [۹۸۲۴]: زید مرحوم کا کچھ سامان دیگر لوگوں کے پاس ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ سامان

ہمیں زید نے بخشش کرایا تھا۔ یہ بخشش درست ہے یا نہیں، نیز یہ سامان بھی دیگر ورثاء پر قابل تقسیم ہے یا نہیں؟

حاجی محمد اسحاق صاحب، ٹونک راجستھان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... دین مہر معاف کرنے سے معاف ہو گیا، اب اس کے مطالبہ کا حق نہیں (۱)۔ وفات شوہر کے

بعد نفقہ عادت واجب نہیں ہوتا (۲)۔ جو سامان زیور وغیرہ بیوی کی ملک کر دیا گیا تھا اور وہ موجود ہے تو اس کا

مطالبہ کر سکتی ہے (۳)، وہ معاف کرنے سے اس کی ملک سے خارج نہیں ہوا، اسی طرح حق میراث ایک چوتھائی

(۱) ”إذا وهب أحد الزوجين لصاحبه، لا يرجع في الهبة وإن انقطع النكاح بينهما“۔ (الفتاویٰ

العالمگیریہ: ۳/۳۸۶، کتاب الهبة، فصل فی الرجوع فی الهبة، رشیدیہ)

(و کذا فی شرح المجلة لسلم رستم باز: ۱/۴۷۷، (رقم المادة: ۸۶۷)، کتاب الهبة، مکتبہ

حنفیہ، کوئٹہ)

(و کذا فی الهدایہ: ۳/۲۸۷، کتاب الهبة، باب ما یصح رجوعه وما لا یصح، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(۲) ”لأنفقة للمتوفی عنها زوجها، سواء كانت حاملاً أو حائلاً“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۵۵۸، کتاب

الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الثالث فی نفقة المعتدة، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۳/۵۷۵، کتاب الطلاق، باب النفقة، سعید)

(و کذا فی الهدایہ: ۲/۴۴۳، کتاب الطلاق، باب النفقة، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(۳) ”لوجهز ابنته وسلمه إليها، ليس له في الاستحسان استرداده، وعليه الفتوى وإذا بعث =

ہے وہ بھی طلب کر سکتی ہے (۱)۔ قرض کا حکم نمبر: ۸ میں ہے۔

۲..... جبکہ اس فارم نام زد (نامینیشن) کے ذریعہ صرف وصول کرنے کا اختیار مقصود ہے، تملیک مقصود

نہیں تو اس گریجویٹی میں سب وراثت جملہ ورثاء شریک ہیں (۲)۔ قرض کا حکم نمبر: ۸ میں ہے۔

۳..... اس کا حال بھی نمبر: ۲ کی طرح ہے۔

۴..... قانونی اعتبار سے جو مستحق ہو، پنشن اسی کو ملے گی (۳)، قرض کا حکم نمبر: ۸ میں ہے۔

۵..... یہ ترکہ زید ہے، سب ورثاء حقدار ہیں (۴)، قرض کا حکم نمبر: ۸ میں ہے۔

= الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج، فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج، ليس له ذلك إذا بعث إليها على جهة التمليك“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب النکاح، باب المهر، الفصل السادس عشر فی جهاز البنت: ۳۲۷/۱، رشیدیہ)

(و کذا فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة: ۲۶۱/۱-۲۷، کتاب النکاح، مسائل الجهاز، مکتبہ میمنیہ مصر)

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما ترکتم إن لم یکن لکم ولد﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۲) ”کما أن أعیان المتوفی المتروکة عنه مشترکة بین الورثة علی حسب حصصهم، كذلك یكون الدین الذی له فی ذمة آخر مشترکاً بینهم علی قدر حصصهم“۔ (شرح المجلة لسلم رستم باز: ۶۱۰/۱، (رقم المادة: ۱۰۹۱)، کتاب الشریکة، الفصل الثالث فی الدیون المشتركة، مکتبہ حنفیہ، کوئٹہ)

(۳) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ”چونکہ میراث مملوکہ اموال میں جاری ہوتی ہے اور یہ وظیفہ محض تبرع و احسان سرکار کا ہے، بدون قبضہ کے مملوک نہیں ہوتا، لہذا آئندہ جو وظیفہ ملے گا اس میں میراث جاری نہیں ہوگی“۔ (إمداد الفتاویٰ:

۳۴۳/۴، کتاب الفرائض، عنوان: عدم جریان میراث در وظیفہ سرکاری تنخواہ، دارالعلوم کراچی)

(۴) امداد کی رقم زید نے اپنی زندگی میں وصول کی ہو تو مرنے کے بعد ترکہ شمار ہو کر ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا:

”لأن التركة ما ترکہ المیت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعین من الأموال، كما فی

شروح السراجیة“۔ (رد المحتار، کتاب الفرائض: ۷۵۹/۶، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشیدیہ)

۶..... بیوی کے حق میں وصیت معتبر نہیں جب تک دوسرے ورثاء رضا مند نہ ہوں (۱)، اس کرایہ میں سب ورثاء شریک ہیں (۲)، قرض کا حکم نمبر: ۸ میں ہے۔

۷..... وہ سامان جو زید کی ملک تھا، اب اس کا ترکہ ہے، اس میں سب ورثاء حصہ دار ہیں (۳)، تنہا بیوی کی ملک نہیں۔

۸..... اگر ورثاء کے نزدیک بخشش کرنا تسلیم نہیں، اور وہ سامان ورثاء کے پاس ہے تو وہ ترکہ ہے، ورثاء حقدار ہیں (۴)۔ کل ترکہ سے اولاً مرحوم کا قرض ادا کیا جائے (۵) پھر:

مسئلہ ۴، تصـ ۲۴					زید
بیوی	حقیقی بھائی	ہمشیرہ	ہمشیرہ	ہمشیرہ	ہمشیرہ
$\frac{1}{6}$					
			$\frac{3}{18}$		
	۶	۳	۳	۳	۳

چوبیس حصہ بنا کر چھ حصہ اہلیہ کو ملیں گے (۶)، چھ حصے بھائی کو ملیں گے، تین تین حصے ہر ہمشیرہ کو ملیں گے (۷)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۱۳۹۵ھ۔

(۱) ”عن عطاء، عن عكرمة، عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما أن النبی صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”لا تجوز وصية لوارث إلا أن تشاء الورثة“۔ (نصب الراية للزيلعي: ۴/۴۰۴، رقم الحديث: ۸۰۷۰)، كتاب الوصايا، مؤسسة الريان، بيروت)

”عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما قال: ”كان المال للولد، وكانت الوصية للوالدين، فنسخ الله من ذلك ما أحب، فجعل للذكر مثل حظ الأنثيين، وجعل للأبوين لكل واحد منهما السدس، وجعل للمرأة الثمن والربع، وللزوج الشطر والربع“۔ (صحيح البخارى، كتاب الوصايا، باب: لا وصية لوارث: ۳۸۳/۱، قديمی) =

= قال الحافظ: ”جنح الشافعی فی الأم إلى أن هذا المتن متواتر فقال: وجدنا أهل الفتيا ومن حفظنا عنهم من أهل العلم بالمغازی من قریش وغيرهم لا يختلفون فی أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال عام الفتح: ”لا وصیة لوارث“. ویوثرون عمن حفظوه عنه ممن لقوه من أهل العلم، فكان نقل كافة عن كافة والمراد بعدم صحة وصیة الوارث عدم اللزوم؛ لأن الأكثر علی أنها موقوفة علی إجازة الورثة، كما سیأتی بیانہ“. (فتح الباری، کتاب الوصایا، باب: لا وصیة لوارث: ۴۶۸/۵، قدیمی) (وکذا فی الدرالمختار، کتاب الوصایا: ۶/۲۵۵، سعید)

(۲) ”كما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم، كذلك يكون الدين الذي له في ذمة آخر مشتركاً بينهم على قدر حصصهم“. (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۱۰/۱، (رقم المادة: ۱۰۹۱)، کتاب الشركة، الفصل الثالث فی الديون المشتركة، مكتبه حنفية، كوئته)

(۳) امداد کی رقم زید نے اپنی زندگی میں وصول کی ہو تو مرنے کے بعد ترکہ شمار ہو کر ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا:

”لأن التركة ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال، كما في شروح السراجية“. (ردالمحتار، کتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشیدیہ)

(۴) ”الخارج وذو الید إذا ادعيا إرثاً من واحد، فذو الید أولى، كما فی الشراء“. (ردالمحتار، کتاب الدعوی، باب دعوی الرجلین: ۵/۵۷۰، سعید)

(۵) ”ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله ثم يقسم الباقي بين ورثته“. (السراجی، ص: ۳، سعید)

(۶) واضح رہے کہ چھ چوٹیس کا ربع ہے اور میت کی جانب اولاد نہ ہو تو زوجہ کو ”ربع“ چوتھا حصہ ملے گا:

قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۷) بھائی بہن دونوں عصبہ ہیں، تو بقانون ”للذكر مثل حظ الأنثيين“ بھائی کو دوہرا اور بہنوں کو اکہرا ملے گا:

قال الله تبارك وتعالى: ﴿وإن كانوا إخوة رجالاً ونساءً، فللذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة

فنڈ کی رقم کے متعلق بھائی کا نام لکھوا دینا

سوال [۹۸۲۵]: زید نے اپنی تنخواہ میں سے فنڈ کی رقم میں وصیت دار اپنے پرورش کنندہ بڑے بھائی کے نام کیا ہے کہ میری موت کے بعد اس فنڈ کا حقدار میرا بڑا بھائی ہوگا۔ یہ فنڈ کی رقم تقریباً بیس ہزار کے قریب ہے، اور زید کی کل ملکیت کل ملازمت کا روپیہ تقریباً پچھتر ہزار روپے ہے۔

زید کے والد صاحب زید کے بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے، انتقال کے بعد سے ہی زید کی پرورش کی ذمہ داری بڑے بھائی کے ہی سر تھی، مثلاً: تعلیم، شادی بیاہ اور غریبی اور مفلسی کے زمانہ میں زید کو اچھی سی ملازمت بھی دلوائی اور کوشش کر کے ایک ہونہار اور قابل انسان بنایا۔

زید کے انتقال کے وقت زید کی والدہ محترمہ، زید کا بڑا بھائی پرورش کنندہ اور زید کی بیوی اور دو لڑکیاں اور ایک لڑکا شامل ہے، باقی ہیں۔ زید کی شادی سے پہلے بھی فنڈ کی رقم اپنے پرورش کنندہ بڑے بھائی کے نام تھی اور انتقال کے بعد بھی فنڈ کی رقم اپنے بڑے بھائی کے نام لکھی ہے اور باقی کی رقمیں خود اپنے ہی نام لکھی ہے۔

شادی کرنے کے تقریباً ۵ سال کے بعد زید کا انتقال ہو گیا، زید نے فنڈ کی رقم شادی سے پہلے بھی بڑے بھائی کے نام کیا تھا اور انتقال کے بعد بھی بڑے بھائی کا نام بھی موجود ہے، لیکن زید جس فیکٹری میں ملازمت کرتا تھا، اس فیکٹری کا قانون ہے کہ شادی کرنے کے بعد وہ فنڈ کی رقم کاٹ دی جاتی ہے جو کہ پرورش کنندہ کے نام لکھی ہے اور وہ رقم بھی فیملی میں چلی جاتی ہے۔

اور اگر زید یہ وعدہ بھی کر لیتا کہ میری شادی کے بعد میرے بھائی کا نام کٹ جائے گا اور وہ شادی کے بعد بھی اپنے پرورش کنندہ کے نام پر رکھتا ہے تو ظاہر ہے کہ وصیت اور حقدار بھائی ہی ہوتا، کیونکہ اس نے دوسرے فارم میں خود کا یا اپنی بیوی کا نام لکھا نہیں اور نام اپنے بڑے بھائی کا موجود ہے، کیونکہ شادی کے پانچ سالوں کے درمیان میں مرحوم اپنے بڑے بھائی کا نام کاٹ سکتا تھا اور خود کا نام لکھ سکتا تھا، مگر نام فنڈ کی رقم میں ابھی بھی موجود ہے اور زید نے اپنی زندگی میں اس وصیت کو رد نہیں کیا اور آخر عمر تک اس پر قائم رہے ہیں۔

اس رقم کو بعد کی رقمیں جو کہ خود زید کے نام تھی وہ تو شرع شریف کے مطابق تقسیم ہو چکی ہے، لیکن اس فنڈ کا مسئلہ رکا ہوا ہے۔ کیا یہ فنڈ کی رقم بزرگ پرورش کنندہ بڑے بھائی کو حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ عام سرکاری قانون تو یہ ہے کہ مرنے سے پہلے کوئی جب انسان کوئی وصیت کرے کہ میری موت کے بعد فلاں چیز کا حقدار

فلاں ہوگا تو وہی حقدار ہوتا ہے، شادی کرنے اور کرانے سے کوئی مطلب نہیں ہوتا؟

پھر اگر زید اپنے بڑے بھائی کو فنڈ کی رقم دینے کا ارادہ نہیں کرتا تو وہ دوسری رقموں کی طرح خود کا نام لکھ سکتا تھا اور بڑے بھائی کا نام کاٹ سکتا تھا، لیکن بڑے بھائی کا نام موجود ہے۔ کیا یہ رقم جو کہ پرورش کنندہ بڑے بھائی کے نام موجود ہے وہ بھی وارثان پر شرع شریف کے مطابق تقسیم ہوگی، یا صرف زید کے نام کی رقمیں شرع شریف کے مطابق تقسیم ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی تنخواہ سے جتنا حصہ کٹ کر جمع ہوا اور اس پر جو کچھ زائد ملا وہ سب مرحوم کا ترکہ ہے (۱)، جس کے متعلق وہ اپنے بڑے بھائی کے حق میں وصیت کر چکا تھا جس کو اپنے آخر حیات تک اس کو منسوخ نہیں کیا، اگر چاہتا تو (تبدل حالات، شادی اور اولاد ہو جانے کی بنا پر) منسوخ کر سکتا تھا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ وصیت پر قائم رہا ہے۔

پس اگر وہ رقم تمام ترکہ کے ایک ثلث کے اندر ہے تو حسب وصیت بڑے بھائی کو دی جائے، وصیت کا یہی حکم ہے کہ ہ ایک ثلث میں نافذ ہوتی ہے (۲)، اگرچہ جس وقت وصیت کی تھی اس وقت بڑا بھائی وارث ہونے کی وجہ سے مستحق وصیت نہیں تھا، لیکن انتقال مورث کے وقت بڑا بھائی وارث نہیں رہا، کیونکہ لڑکا پیدا ہو چکا تھا۔ اس صورت میں بھائی کیلئے وصیت شرعاً معتبر ہے۔

(۱) "المدرس لومات أو عزل فی أثناء السّنة، قبل مجئ الغلة وظهورها من الأرض، يُعطى بقدر ما باشر، ویصیر میراثاً عنه کالأجیر، إذا مات فی أثناء المدة"۔ (رد المحتار: ۴/۲۳۵، کتاب الوقف، مطلب فیما لومات المدرس أو عزل قبل مجئ الغلة، سعید)

"کما أن أعیان المتوفی المتروکة عنه مشترکة بین ورثته علی حسب حصصهم، کذلک یكون الدّین الذی له فی ذمة آخر مشترکاً بینهم علی قدر حصصهم"۔ (شرح المجلة لسلم رستم باز: ۱/۶۱۰، (رقم المادة: ۱۰۹۲)، کتاب الشّرکة، مکتبه حنفیہ کوئٹہ)

(۲) "ثم تنفذ وصایا من ثلث ما بقی بعد الدّین، ثم یقسم الباقی بین ورثته بالکتاب والسّنة والإجماع"۔ (السراجیة، ص: ۳، سعید)

(وکذا فی الدر المختار: ۲/۷۶۰، کتاب الفرائض، سعید)

درمختار میں ہے ”وكونه غير وارث وقت الموت، الخ“۔

شامی نے لکھا ہے: ”قوله: (وقت الموت): أي وقت الوصية، حتى لو أوصى لأخيه وهو وارث، ثم ولد له ابن، صحت الوصية لأخ. ولو أوصى لأخيه وله ابن، ثم مات الابن قبل الموصى، بطلت الوصية، زيلعي، الخ“۔ شامی: ۵/۳۱۶ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۱۴۰۱ھ۔

جائیداد میں شرکت اور اس کی تقسیم

سوال [۹۸۲۶]: محمد رضا عرف جمن صاحب نے بنارس میں ایک مکان خریدا اور یہیں رہنے لگے، محمد رضا عرف جمن صاحب کے دولڑکے تھے: بڑے کا نام رحمت اللہ اور چھوٹے کا نام محمد شمس الدین تھا۔ محمد رضا صاحب سلائی کا کام کرتے تھے۔ اور محمد رحمت اللہ نے پہلے کمپاؤنڈری سیکھی اور اس کے بعد حکیمی کرنے لگے۔
محمد رضا عرف جمن اور رحمت اللہ دونوں الگ الگ کام کرتے تھے اور روپیہ دونوں دیتے تھے جس سے گھر کے تمام اخراجات پورے ہوتے تھے۔ بعد میں محمد رضا نے کام بند کر دیا جس کی وجہ سے وہ گھر کیلئے اخراجات نہ دیتے تھے، صرف محمد رحمت اللہ ہی گھر کے تمام اخراجات پورے کرتے تھے اور یہ سب ملکر آپس میں رہتے تھے۔ بعدہ رحمت اللہ نے بناری کپڑے کا کام شروع کر دیا اور یہاں سے چھوڑ کر بارہ بنکی چلے گئے اور وہیں تجارت کرتے تھے۔

زوجہ رحمت اللہ (دفاتن) کہا کرتی تھی کہ محمد رحمت اللہ نے تین سو بیس روپے اپنے والد محمد رضا سے لئے تھے اور ان سے کپڑے کا کاروبار شروع کیا اور بعد میں اپنے والد کا روپیہ ادا کر دیا جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ بہر حال یہ ظاہر ہے کہ رحمت اللہ بناری کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور بارہ بنکی میں رہتے تھے اور جب موقع ملتا تھا بنارس بھی آتے تھے۔ یہاں بنارس میں رحمت اللہ کی اہلیہ دفاتن اور بچے اور ان کے والد محمد رضا اور چھوٹے بھائی محمد شمس الدین ان کی یہاں سے مدد کیا کرتے تھے، وہ اس طرح کہ رحمت اللہ صاحب جو کپڑے وغیرہ یہاں

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۶۲۹، کتاب الوصایا، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۳۷۶، ۳۷۷، کتاب الوصایا، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۴/۴۲۳، ۴۲۴، کتاب الوصایا، مکتبہ غفراریہ کوئٹہ)

بنارس میں بننے کا آرڈر وغیرہ دیا کرتے تھے اس کو یہاں سے بارہ بنکی یا جہاں رحمت اللہ کہتے تھے پارسل کر دیا کرتے تھے۔

محمد رحمت اللہ نے اپنے روپیہ سے یہاں بنارس میں ایک مکان اپنے نام اور ایک بڑے لڑکے کے نام سے خریدا، یہ سب مکان اپنے والد کی زندگی میں خریدا۔ اس کے بعد رحمت اللہ کے والد محمد رضا کا انتقال ہو گیا، لیکن کاروبار حسب دستور چلتا رہا، محمد رحمت اللہ وہاں سے روپیہ بھیجتے رہے اور یہاں پر سب اکٹھا کھاتے پیتے رہے۔ کچھ سال بعد محمد رحمت اللہ نے بارہ بنکی میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے، اور اپنے دو لڑکے: محمد حسین، محمد قاسم اور ایک لڑکی نصرت اور زوجہ دفاتن اور زیور اور کچھ روپے چھوڑے۔ اب چونکہ شمس الدین گھر میں سب سے بڑے تھے، اس لئے وہ گھر کے تمام کاروبار دیکھنے لگے اور یہاں سے بارہ بنکی چلے گئے تاکہ وہاں کاروبار دیکھیں۔

محمد شمس الدین نے رحمت اللہ کے چھوڑے ہوئے زیورات وصول کر کے کچھ مکان اور جائیداد اپنے نام خریدی۔ اور کچھ دنوں میں بارہ بنکی کا کاروبار ختم ہو گیا، اور شمس الدین یہاں بنارس چلے، یہاں آکر کچھ دنوں محمد شمس الدین اور دونوں لڑکے اپنا الگ الگ کھانے پینے لگے۔ اب سوال یہ ہے کہ جائیداد کس کی مانی جائے گی، حکیم محمد رحمت اللہ کی یا شمس الدین کی، یا محمد رضا عرف جمن کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مکان محمد رضا عرف جمن نے بنارس میں خریدا وہ ان کا ترکہ ہے (۱)، ورنہ شرعی میں حصوں کے موافق تقسیم ہوگا (۲)۔

محمد رضا اور محمد رحمت اللہ کا بنارس میں کام الگ الگ تھا، کمائی ہر ایک کی مستقل تھی (مشتراک نہیں تھی)،

(۱) "لأن التركة ماترکہ المیت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعین من الأموال". (ردالمحتار:

۷۵۹/۶، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) "ثم یقسم الباقي بعد ذلک بین ورثته بالکتاب أو السنة، أو الإجماع". (الدرالمختار: ۷۶۱/۶،

کتاب الفرائض، سعید)

البتہ گھر کا خرچ مشترک چلاتے تھے، اس کمائی کے دونوں جداگانہ مالک تھے (۱)۔ پھر محمد رضا نے کام بند کر کے کمائی کا سلسلہ بند کر دیا، صرف محمد رحمت اللہ کماتے اور سب خرچ برادشت کرتے رہے۔ پھر محمد رحمت اللہ نے بارہ بنکی میں کام شروع کیا اور بقول زوجہ رحمت اللہ نے جو روپیہ قرض لیا تھا وہ واپس کر دیا۔ محمد رضا کی آمدنی پہلے ہی ختم ہو چکی تھی، ان کے پاس روپیہ نہیں، ان کا خرچ بھی محمد رحمت اللہ کے روپیہ سے پورا ہوتا تھا، ظاہر ہے کہ ان حالات میں بارہ بنکی کے کام میں محمد رحمت اللہ ہی کا روپیہ لگا، اس سے ترقی ہوئی اور اس سے بنارس کے اخراجات پورے ہوئے۔

محمد شمس الدین نے جو مدد کی وہ روپیہ لگا کر نہیں، بلکہ آرڈر بھیجنے اور مال تیار کرنے میں مدد کی تو محض مُعین کی حیثیت میں رہے، روپیہ نہیں لگایا۔ اس لئے بنارس و بارہ بنکی میں محمد رحمت اللہ نے تین مکان خریدے ہیں، وہ نہ محمد رضا کے ہیں اور نہ شمس الدین کے ہیں، بلکہ محمد رحمت اللہ کے ہیں (۲)۔

محمد رضا کے انتقال پر ان کے بنارس والے مکان پر سب ورثاء کا حصہ ہوگا۔ محمد رحمت اللہ کے انتقال پر ان کے خریدے ہوئے تینوں مکانوں میں ان کے ورثہ: ایک بیوی (۳)، دو لڑکوں، ایک لڑکی کا حصہ کا ہوگا، شمس

(۱) ”لأن الملك مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص“ (رد المحتار: ۵۰۲/۴، کتاب البیوع، سعید)

(۲) قال العلامة ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ: ”أقول: سئل فی ابن کبیر ذی زوجة و عیال له کسب مستقل حصل بسببه أموال مات: هل هی لوالده خاصة أم تقسم بین ورثته؟ أجاب: هی للابن تقسم بین ورثته حیث کان له کسب مستقل“ (تنقیح الفتاویٰ الحامدیة: ۱۷/۲، کتاب الدعوی، مکتبہ میمنیہ مصر)

(۳) میت کی جب اولاد ہو تو بیوی کو شرن (آٹھواں حصہ) ملے گا:

قال اللہ تبارک و تعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ، فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (سورة النساء: ۱۲)
بیٹے اور بیٹی چونکہ عصبہ ہیں، لہذا بمقتضائے: ”للدکر مثل حظ الأنثیین“ بیٹے کو دوہرا اور بیٹیوں کو اکہرا حصہ ملے گا:
قال اللہ تبارک و تعالیٰ: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِي﴾ (سورة النساء: ۱۱)

لہذا مرحوم کی کل جائیداد کو چالیس حصے کر کے بیوی کو پانچ حصے، دونوں بیٹیوں میں سے ہر ایک کو چودہ چودہ اور بیٹی کو سات حصے دیئے جائیں گے۔ تقسیم کا نقشہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

الدین کا حصہ نہیں ہوگا (۱)۔ محمد شمس الدین نے محمد رحمت اللہ کے چھوڑے ہوئے روپیہ سے جو کچھ مکان وغیرہ اپنے نام خریداہے، اس کا ان کو حق نہیں تھا، وہ ان کے مالک نہیں، ان کو لازم ہے کہ یہ سب محمد رحمت اللہ کی بیوی اور اولاد کو دیدیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۱۳۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۱۳۹۱ھ۔

جائیداد اور وراثت

سوال [۹۸۲۷]: زید مرحوم کا ایک کارخانہ ہے، اس کارخانہ کی عمارت پر تقریباً چالیس سال قبل زید مرحوم کے تقریباً پینتیس ہزار = ۳۵۰۰۰/، روپے تعمیر میں خرچ ہوئے تھے۔ زید نے اپنے حین حیات میں مذکورہ بالا عمارت کو اپنی تجارت دوبارہ ایجاد کرنے کی غرض سے اپنے شہر کے ایک مالدار تاجر کے پاس رہن میں دیکر بطور قرض دس ہزار روپے، لے کر کاروبار چلایا تھا، چند سالوں کے بعد تجارت میں بھاری خسارہ ہو کر کاروبار ختم ہو گیا۔ کاروبار خسارہ میں ختم ہونے پر زید اپنی مذکورہ بالا عمارت روپے دیکر رہن سے چھڑانہ سکے۔

مسئلہ ۸، تصـ ۴۰

بیوی	بیٹا	بیٹا	بیٹی
$\frac{1}{5}$	۱۴	$\frac{۷}{۳۵}$	۷

(۱) اس لئے کہ مرحوم کی اولاد موجود ہے اور جب میت کی اولاد ہو تو بھائی بہن محروم ہونگے:

”وبنو الأعیان: أى الإخوة والأخوات لأب وأم، وبنو العلات: أى الإخوة والأخوات لأب،

کلہم یسقطون بالابن وابن الابن وإن سفل“۔ (الشریفة شرح السراجیة، ص: ۲۸، سعید)

(وکذا فی رد المحتار: ۷۷۲/۶، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) ”لیس لأحد أن يأخذ مال غیره بلا سبب شرعی، وإن أخذه ولو علی ظن أنه ملكه، وجب علیه

ردہ“۔ (شرح المجتہ: ۶۲/۱، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية فی القواعد، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

رہن والوں کا تقاضا زیادہ ہونے پر مجبور ہوئے بس ہونے پر زید مرحوم نے اپنی بیوی خیر النساء سے ان کے زیورات تخمیناً پانچ ہزار روپوں سے زیادہ رقم کے ان سے وعدہ پر لیکر کہ مذکورہ جائیداد کو رہن سے چھڑا کر اس پوری عمارت کو بیوی کے نام لکھ کر بذریعہ رجسٹری دستاویز منتقل کر دیں گے۔ بیوی سے یہ وعدہ پکا کر کے ان کے زیورات بطور قرض حاصل کر لیا۔ اور ان کو فروخت کر کے پانچ ہزار روپے لے کر مذکورہ رہن والے صاحب۔ جن کے پاس یہ جائیداد بطور رہن کے رہی۔ گفتگو کر کے یہ بات طے کر لی کہ رہن کی رقم دس ہزار میں سے اس وقت فوری طور پر پانچ ہزار روپے دیدیں گے اور بقیہ رقم کارخانہ ماہانہ کرایہ۔ کے آمد میں وہ صاحب جمع کرتے جاویں۔

اس طرح یہ معاملہ طے کر کے زید نے اپنی بیوی کے زیورات سے جو پانچ ہزار روپے یا کچھ زائد رقم دستیاب ہوئی، اس رقم کو رہن والے صاحب کو دیدیا اور میعاد رہن ختم ہونے پر اس جائیداد کو بیوی کے نام لکھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس اثناء میں زید کا انتقال ہو گیا۔

زید مرحوم کے دو لڑکے اور ایک لڑکی تینوں نے متفقہ طور پر (لڑکی نے اپنی جانب سے شوہر کو گواہی کیلئے وکیل بنا کر ان تینوں نے) اپنے والد مرحوم کے حسب وعدہ اس عمارت کو اپنی ماں کے نام لکھ کر دستاویز بنا کر رجسٹری کرا کے جائیداد ماں کے قبضہ میں کلیہ دیدی۔ اور اس طرح یہ جائیداد زید مرحوم کی بیوی خیر النساء کے نام منتقل ہو گئی، اس وقت زید مرحوم کی والدہ ماجدہ کلثوم بی زندہ تھیں، اور ان کے بڑے فرزند اور ایک بیٹی یعنی زید مرحوم کے بڑے بھائی اور ایک بہن بھی زندہ تھی۔ اس جائیداد کے منتقل ہونے کے بعد چار پانچ سال تک زید مرحوم کی والدہ ماجدہ کلثوم بی زندہ تھیں، ان کو اس کا پورا علم تھا اور اس عرصہ میں انہوں نے کبھی اپنے پوتے پوتی یعنی زید مرحوم کی اولاد یا بہو سے اس کے متعلق ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔

زید مرحوم کی والدہ اس واقعے کے چار پانچ سال تک زندہ رہ کر انتقال کر گئیں، ان کے بعد ان کے بڑے بیٹے اور بیٹی زید مرحوم کے بڑے بھائی اور بہن کی طرف سے بھی اس حق کا کوئی مطالبہ نہیں ہوا، اس لئے یہ سب اور خاندان بخوبی آگاہ تھے، ان کو پوری طرح معلوم تھا کہ یہ جائیداد زید رہن رکھ چکا ہے اور زید مرحوم کی بی بی نے اپنے زیورات شوہر کو بطور قرض مذکورہ وعدہ پر دیکر چھڑائی تھی، ورنہ وہ جائیداد رہن سے نہ چھوٹی اور اسی میں ڈوب کر ختم ہو جاتی۔

یہ جائیداد زید مرحوم کی بیوہ بی بی کے نام بذریعہ دستاویز رجسٹری منتقل ہو کر تقریباً تیس سال کی طویل مدت گذر گئی اور تیس برس سے زید کی بیوی کا قبضہ کلیۃً چلا آ رہا ہے، وہی اس کی آمدنی اور سیاہ و سفید کی مالکہ تھی۔ اس عرصہ میں زید کی والدہ کلثوم زندہ رہیں اور کوئی مطالبہ نہیں کیا، آخر ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بڑے بیٹے اور بیٹی جن کا ابھی ذکر کیا چند سال زندہ رہے اور ان کی طرف سے بھی کوئی مطالبہ نہیں، ان لوگوں کا بھی انتقال ہو گیا ہے (تقریباً آٹھ سال کا عرصہ گذر گیا)۔

زید مرحوم کی بی بی خیر النساء صاحبہ جن کے نام جائیداد ہے مستقل تیس سال سے انہیں کے قبضہ میں کلیۃً چلا آ رہا تھا اور آمدنی وغیرہ کی وہی مالکہ رہی تھیں، چھ سات ماہ ہوا انتقال کر گئیں۔ اب آپ سے گزارش ہے کہ مذکورہ باتوں کو پیش نظر رکھ کر مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مرحمت فرمائیں:

۱..... مذکورہ حالات کے پیش نظر بھی اگر زید مرحوم کے بڑے بھائی اور بہن۔ جنہوں نے زید مرحوم کے انتقال کے بعد اور اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کے چھ سات سال بعد انتقال فرمایا۔ ان کی اولادوں، وارثوں کی طرف سے مذکورہ بالا زید کی بیوی پر تیس سال قبل منتقل شدہ جائیداد میں زید مرحوم کی والدہ ماجدہ یعنی دادی کے حق کا مطالبہ اور دادی مرحومہ سے ان کے بڑے بیٹے (والد) اور بیٹی (پھوپھی) کے حق کا مطالبہ کریں تو کیا قابل سماعت اور حق بجانب ہوگا؟

۲..... مذکورہ جائیداد میں اگر یہ لوگ اس کی آمدنی کا مطالبہ تیس سال کے بعد اور صاحب جائیداد کے انتقال کے بعد وارثوں سے کی جاوے تو کیا یہ قابل قبول اور حق بجانب ہے؟

۳..... مذکورہ جائیداد میں اگر یہ لوگ اس کی ۳۰ سال کی آمدنی کا مطالبہ کریں تو کیا یہ بھی قابل سماعت ہوگا؟ اگر ہو تو اس کا واجب الادا کس کے ذمہ ہے اور شرعاً اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... زید مرحوم تو اپنی حیات میں نہ بیوی کا قرض پانچ ہزار ۵۰۰۰ روپیہ ادا کر سکے اور نہ جائیداد بعوض قرض اس کے نام منتقل کرنے کا وعدہ پورا کر سکے، ان کے انتقال کے بعد ان کے ترکہ میں اور ادائے دین مہر و دیگر قرض سب ورثاء کا حصہ تھا، والدہ کا بھی اور تمام اولاد کا بھی اور بیوی کا بھی۔ بیوی کے قرض بصورت زیور

ونفذ ادا نہیں کیا گیا، بلکہ جائیداد کی صورت میں ادا کیا گیا تا کہ مرحوم وعدہ بھی پورا ہو جائے اور بیوی کو اپنا قرض بھی وصول ہو جائے۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ سب ورثاء متفق ہو کر یہ صورت اختیار کرتے، یعنی زید کی والدہ کا بھی مشورہ ہوتا، مگر ادا نہیں کیا گیا، یہ کوتاہی ہوئی۔

تاہم جب زید کی اولاد نے اس کی تکمیل کی یعنی اپنے والد کا قرض ادا کر دیا اور زید کی والدہ نے اس میں کوئی مزاحمت نہیں کی جبکہ وہ بھی ۱/۶ اور اراثت کی حقدار تھیں (۱)، بلکہ انہوں نے خاموشی اختیار کی تو یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ مرحوم بیٹے کا قرض ادا کرنے کی جو صورت اختیار کی گئی ہے وہ اس پر رضامند تھیں، اور حکم بھی یہی ہے کہ تقسیم میراث سے پہلے متوفی کا قرض ادا کیا جائے (۲)۔

پس صورت مسئلہ میں زید کی بیوی اس جائیداد کی مالک ہو گئی، پھر اس کے انتقال پر اس کے ورثاء کا حق ہے۔ زید کے بھائی بہن کا اس میں حق نہیں، وہ زید کی بیوی کے وارث نہیں (۳)، البتہ اپنی والدہ کے وارث ہیں، مگر اس جائیداد میں والدہ کا جو کچھ حصہ تھا وہ بعوض قرض زوجہ زید کے پاس چلا گیا۔ ہاں! اس کے علاوہ جو کچھ والدہ کا ترکہ ہو اس میں سے ان کو حصہ ملے گا (۴)۔ اور زید کی اولاد کو اپنی دادی کے ترکہ سے کچھ

(۱) قال الله تبارك وتعالى: ﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۲) ”ثم تقدم ديونه التي لها مُطالبٌ من جهة العباد“۔ (الدر المختار: ۶/۷۰، کتاب الفرائض، سعید)

(و كذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۶، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۷/۴۷۲، کتاب الفرائض، دار الكتب العلمیہ بیروت)

(۳) ”ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء“۔

(الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و كذا في الدر المختار: ۶/۷۲۲، کتاب الفرائض، سعید)

(و كذا في الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۵۴، کتاب الفرائض، مكتبة حقانيہ پشاور)

(۴) ”لأن التركة متركه الميت من الأموال صافيًا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال“۔ (رد المحتار:

۶/۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(و كذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۵، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

نہیں ملے گا، اس لئے کہ زید کا انتقال والدہ کے سامنے ہو گیا تھا اور زید کے بھائی بہن موجود تھے (۱)۔

۲..... یہ مطالبہ درست نہیں۔

۳..... یہ بھی درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تنبیہ: یہ جواب اس تقریر پر ہے کہ زید مرحوم کی جائیداد کو بیوی کے نام بعوض قرض منتقل کرنے پر والدہ زید کی رضامندی معلوم ہو۔ اگر وہ اس پر راضی نہیں تھیں (اس لئے کہ مقدار قرض پانچ ہزار کے مقابلہ میں جائیداد کی مالیت بہت زیادہ تھی) اور والدہ نے ناخوشی کا اظہار کر دیا تھا اور اجازت نہیں دی تھی، گو بعد میں دعویٰ اور مطالبہ نہ بھی کیا ہو تو پھر والدہ کا حق ساقط نہیں ہوا (۳)، انتقال والدہ کے بعد اس میں زید کے بھائی بہن کا بھی حصہ ہوگا۔

پھر ان کی خاموشی اور مطالبہ نہ کرنے سے ان کا حق بھی ختم نہیں ہوا۔ پھر ان کی اولاد کا بھی حق ختم نہیں ہوا، البتہ مدتِ طویلہ گزر جانے کی وجہ سے دعویٰ اور مطالبہ کا حق ضابطہ اور قضاء نہیں رہا (۴)۔ تاہم عند اللہ دیانتاً

= (و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/ ۴۷۱، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۱) جب میت کی اولاد بیٹے، بیٹیاں موجود ہیں تو پوتے محروم ہوں گے:

قال العلامة سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ: "الأقرب فالأقرب یرجحون بقرب الدرجة، أعنی:

أولهم بالمیراث جزء المیت: أي البنون، ثم بنوهم". (السراجی، ص: ۱۳، سعید)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/ ۷۷۴، کتاب الفرائض، باب العصبات، سعید)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲/ ۵۶۳، کتاب الفرائض، حقانیہ پشاور)

(۲) اس لئے یہ لوگ مرحومہ خیر النساء کے وارث نہیں، راجع، ص: ۴۱۵، رقم الحاشیہ: ۳.

(۳) "لا یسقط الحق بتقادم الزمان". (شرح المجلة لسلم رستم باز: ۲/ ۹۹۶، رقم الماد: ۱۶۷۴،

کتاب الدعوی، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(و کذا فی الأشباه والنظائر: ۲/ ۱۹۳، الفن الثانی، کتاب القضاء والشهادات والدعاوی، إدارة

القرآن کراچی)

(۴) "إذا ترک الدعوی ثلاثاً وثلاثین سنة، ولم یکن مانع من الدعوی، ثم ادعی، لا تسمع دعواه؛ لأن

ترک الدعوی مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهراً..... ونقل عن الخلاصة: لا تسمع بعد ثلاثین =

برأت نہیں ہوئی، اس لئے ان سے مفاہمت و مصالحت کر کے سبکدوشی کر لی جائے، یا ان کو جائیداد میں حصہ دے کر راضی کیا جائے، یا قیمت دی جائے، یا معاف کرایا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بھائی اور بہن کی موجودگی میں بہن کی لڑکی کے لئے وصیت

سوال [۹۸۲۸]: ظہورالحی مرحوم نے بذریعہ وصیت نامہ اپنی تحریر میں کہا کہ علاوہ نقد کے دیگر جائیداد منقولہ میں سے میری اہلیہ کا حصہ نکال کر باقی جائیداد کو فروخت کر دیا جائے اور اس کے زرِ ثمن کو حمیدہ اختر سلمہا کے جہیز تیار کرنے میں لگا دیا جائے اور شادی ہوگئی تو دوسری بہنوں کے جہیز میں لگا دیا جائے۔ ابھی حمیدہ اختر اور دوسری بہنوں کی شادی نہیں ہوئی۔ کیا وصیت مرحوم بہن اور بھائی کی موجودگی مرحوم کی جائیداد کا مصرف مرحوم کی اہلیہ کی بھتیجیوں پر از روئے شرع جائز ہے اور نفاذ پذیر ہے یا نہیں؟

۲..... کیا مرحوم کی وقفیہ جائیداد کا متولی مرحوم کی حقیقی بہنیں اور بھائی کی موجودگی میں ان کی اہلیہ اور ان کے مرنے کے بعد ان کی بھتیجیاں وغیرہ از روئے شرع ہو سکتی ہیں یا نہیں، یا ان کے بھائی اور بہن؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... بھائی بہن کی موجودگی میں بہن کی لڑکیاں وارث نہیں (۲)، ان کے حق میں وصیت شرعاً معتبر

= سنۃ۔ (ردالمحتار، کتاب القضاء، مطلب: إذا ترک الدعوی ثلاثاً وثلاثین سنۃ: ۵/۲۲۲، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ الأنقرویۃ: ۵۸/۲، کتاب الدعوی، الفصل الأول، دارالإشاعت، قندھار)

(و کذا فی شرح المجلة لسلم رستم باز: ۹۹۴/۲، (رقم المادة: ۱۶۷)، کتاب الدعوی، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۱) "عن السائب بن یزید عن أبیه رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لا یأخذ

أحدکم عصا أخیه لاعباً جاداً، فمن أخذ عصا أخیه فلیردھا إلیه".

"وعنه (سمرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "علی الید ما

أخذت حتی تؤدی". (مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریۃ، الفصل الثانی:

۱/۲۵۵، قدیمی)

(۲) بہن کی لڑکیاں ذوی الارحام میں سے ہیں، اور بھائی بہن عصبہ ہیں، ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں عصبہ کل مال لے لے =

ہے، لہذا مرحوم کے ترکہ کے ایک ثلث میں وصیت نافذ کی جائے گی (۱)۔

۲..... مرحوم نے اپنے بعد کیلئے جس کو متولی جائیداد موقوفہ قرار دیا ہے وہ متولی ہوگا (۲) اور مرحوم کی قائم کردہ ترتیب کا شرعاً لحاظ رکھا جائے گا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۱۳۹۵ھ۔

ترکہ سے نفقہ عدت وفات اور خرچہ رضاعت کا ٹٹا اور تقسیم ترکہ

سوال [۹۸۲۹]: مسمیٰ عبدالرشید متوفی کی وفات کے چھ ماہ بعد اس کی حاملہ بیوہ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، لڑکی چار سال زندہ رہ کر مر گئی، اب عبدالرشید کے ترکہ کی تقسیم کا معاملہ درپیش ہے۔ ہمارے علاقہ کے ایک

= جاتے ہیں، لہذا بہن کی لڑکیاں ذوی الارحام ہونے کی بنیاد پر محروم اور غیر وارث ہیں:

”وإنما يرث ذوو الأرحام إذا لم يكن أحد من أصحاب الفرائض من يرث عليه ولم يكن عصبه“.

(الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۹، کتاب الفرائض، الباب العاشر فی ذوی الأرحام، رشیدیہ)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/۷۹۱، کتاب الفرائض، باب توريث ذوی الأرحام، سعید)

(۱) ”وتجوز بالثلث للأجنبي وإن لم يُجزِ الوارث ذلك، لا الزيادة عليه“، (الدرالمختار:

۶/۶۵۰، کتاب الوصایا، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۹/۲۱۳، کتاب الوصایا، رشیدیہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۷/۲۷۶، کتاب الوصایا، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۲) ”وإن شرط أن يایه فلان بعد موتی، ثم بعده يليه فلان، ثم بعده يليه فلان، فهذا الشرط جائز، كذا فی

محیط السرخسی“، (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولاية الوقف، الخ:

۲/۴۰۸، رشیدیہ)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل السادس فی الولاية فی الوقف: ۵/۵۰۴، قدیمی)

(۳) ”شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه“، (ردالمحتار: ۴/۴۹۵، کتاب الوقف، مطلب:

ماخالف شرط الواقف، سعید)

”صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة“، (ردالمحتار: ۴/۴۴۵، کتاب الوقف، مطلب:

مراعاة غرض الواقفين واجبة، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۵/۴۱۱، کتاب الوقف، رشیدیہ)

مولوی صاحب نے فتویٰ دیا ہے کہ عبدالرشید کی بیوی کی مدت حمل اور مدت رضاعت کا نفقہ ترکہ میں سے ادا کیا جاوے، بعد ازاں لڑکی کی تربیت کا دو سال کا خرچہ ادا کیا جائے، اس کے بعد جو بچے، وہ جملہ ورثاء میں حسب حصّ شرعیہ تقسیم کر دیا جاوے۔ کیا یہ فتویٰ صحیح ہے، کیا بیوہ اپنے حصّہ کے علاوہ نفقہ لینے کی حقدار ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئلہ میں مدت حمل کا نفقہ مجموعہ ترکہ میں سے بیوہ کو لینے کا شرعاً صحیح قول کی بناء پر حق حاصل نہیں، نہ وہ مدت رضاعت کے نفقہ کی مستحق ہے۔ نیز مدت تربیت دو سال کے نفقہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی، البتہ اپنا مہر لے سکتی ہے، بشرطیکہ معاف نہ کیا ہو اور عبدالرشید مرحوم نے ادا بھی نہ کیا ہو۔ اس کے بعد تمام ترکہ جملہ ورثاء پر حسب حصّ شرعیہ تقسیم ہوگا اور بیوی کو اس میں سے آٹھواں حصّہ ملے گا اور لڑکی کے مرنے کے بعد اس کا حصّہ ورثاء پر تقسیم ہوگا، اس میں سے بیوہ کو بھی شرعاً حصّہ ملے گا:

”سئل فی من توفی وزوجته حامل، فهل لها نفقة فی مال الزوج أم لا؟ أجب: اختلف المشايخ فيما إذا كانت حاملاً، قال بعضهم: نفقتها فی جميع المال، وقال بعضهم: لانفقة لها فی مال الزوج، وهو الصحيح، كذا فی الخلاصة“ (۱) عمدة أرباب الفتاوى ص: ۵۴۷ (۲)۔

”وإن كان الأب قد مات وترك أموالاً، وترك أولاداً صغاراً، كانت نفقة الأولاد من أنصبتهم. وكذا كل من يكون وارثاً، فنفقته فی نصيبه. وكذلك امرأة الميت يكون نفقتها فی حصتها من الميراث، حاملاً كانت أو حائلاً“. عالمگیری: ۱۵۱/۲، مطبوعه رحيميه (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۵/ ذیقعدہ، ۵۶ھ۔



(۱) (خلاصة الفتاوى: ۵۸/۲، كتاب النكاح، الفصل التاسع عشر فی النفقات امجد اكيڈمی لاہور)

(۲) لم أجده

(۳) (الفتاوى العالمكيريّة: ۵۶۳/۱، باب النفقات، الفصل الرابع فی نفقة الأولاد، رشيديه)

(و كذا فی تنقيح الفتاوى الحامدية: ۷۶/۱، باب النفقة ومطالبه، مطلب: إذا مات عن أم ولده الحامل،

مكتبة ميمنيه مصر)

(و كذا فی الفتاوى الكاملية، ص: ۳۸، باب النفقة، مطلب: لانفقة للمتوفى عنها زوجها، مكتبة حقانيه پشاور)

الفصل التاسع فی العصابات وذوی الارحام وتوریت الحمل (عصابات، ذوی الارحام اور توریت حمل کا بیان)

عصابات کی انتہا کیا دادا کے چچا تک ہے؟

سوال [۹۸۳۰]: وراثت میں عصبہ کہاں تک ہیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو دادا کے چچا تک ختم کرتے ہیں (۱)، اس کے بعد ذوی الارحام کی طرف وراثت منتقل ہو جائے گی۔ اور حضرت میاں اصغر حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ رالی آخرہ تک عصبہ کو لکھتے ہیں (۲)۔ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ظاہراً درست معلوم ہوتی ہے کہ اگر رالی آخرہ عصبہ کو مانا جائے تو ذوی الارحام کو نمبر ہی نہیں آ سکتا ہے۔ آپ برائے مہربانی مع حوالہ کتب اس کو تحریر فرماویں کہ ان دونوں روایتوں میں سے فتویٰ کس پر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رائے سے رجوع فرما لیا تھا (۳)۔ صحیح وہی ہے جس کو

(۱) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے: ”تمام کتب فرائض وفقہ کی تصریح کے موافق کل عصابات یہ ہیں: ”ابن، ثم ابن الابن وإن سفل، أب، جد صحيح وإن علا، حتى إلى آدم عليه السلام، جزء الأب وإن سفل، جزء الجد یعنی عم، ثم ابنه وإن سفل، عم الأب، ثم ابنه وإن سفل، عم الجد، ثم ابنه وإن سفل۔“ پس اس پر عصابات ختم ہو گئے، اور مفہوم تصانیف حسب تصریح علماء حجت ہے، معلوم ہوا کہ اس سے آگے عصابات نہیں۔“ (امداد الفتاویٰ: ۳۴۳/۴، کتاب الفرائض، منتہی شدن عصوبت بأولاد عم الجد، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۲) حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ”درجہ دوم کے عصابات کا بیان یہاں ختم کر دیا گیا، اسی طرح پانچویں، چھٹی پشت تک لکڑ دادا اور پکڑ دادا تک اور پھر اس سے اوپر تک سلسلہ چل سکتا ہے، جب تک ان میں سے کوئی بھی موجود ہوگا، خواہ کتنی ہی دور کی پشت کا ہو۔“ (قانون وراثت، مفید الوارثین، ص: ۱۸۵، پانچواں باب: عصابات کا بیان، سعید)

(۳) امداد الفتاویٰ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ: ”اس سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع فرمایا تھا۔“ (امداد الفتاویٰ: =

مولانا اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے۔ الجامع الوجیز میں اس کی تصریح ہے (۱)۔ جس وقت کسی عصبہ کی تحقیق نہ ہو تو ذوی الارحام کو ترکہ ملے گا (اگر آپ اپنی تحریر میں کتاب کا حوالہ دیتے اور عبارات نقل کرتے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کن کتب میں عبارات لکھی ہیں، تو میں بھی جواب میں عبارات نقل کر دیتا، تاہم میں نے جامع وجیز کا حوالہ دیا ہے)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ۔

عصوبت کہاں ختم ہوتی ہے؟

سوال [۹۸۳۱]: امداد الفتاویٰ جلد سوم، ص: ۱۱۸، ۱۱۹، میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ ”اولاد عم الجد پر عصوبت ختم ہو جاتی ہے“ (۲)، یعنی اولاد عم اب الجد بطور عصوبت وارث نہ ہوں = ۳۴۴/۲، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۱) واضح رہے کہ ”الجامع الوجیز“ سے مراد ”فتاویٰ بزازیہ“ ہے:

”ثم عم الأب لأب وأم، ثم عم الأب لأب، ثم ابن عم لأب وأم، ثم ابن عم الأب لأب، وكذا بنوهمما وإن سفلوا، وهكذا عمومة الأجداد وإن علوا، وأولادهم الذکر ان وإن سفلوا“۔ (البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریة: ۴۵۶/۶، کتاب الفرائض، الفصل الثانی فی العصبات المحضة، رشیدیہ) (و کذا فی البحر الرائق: ۳۸۳/۹، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۴۸۷/۷، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) امداد الفتاویٰ کی پوری عبارت اس طرح ہے:

سوال: ”شرع محمدی کا مسئلہ یہ ہے کہ جب عصبہ نہ ہو..... تو ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں، لیکن یہ امر ناممکن ہے کہ کسی متوفی کا کوئی عصبہ نہ ہو، اگر آدم علیہ السلام کا رشتہ لگایا جاوے، مثلاً: ایک علوی یا صدیقی وغیرہ کا تقال ہو، ایک غاصب نے متوفی کی جائیداد پر قبضہ کر لیا تب ذوی الارحام نے دعویٰ متروکہ کیا، غاصب یہ کہتا ہے کہ تم اس وقت وارث ہو سکتے ہو کہ جب عصبہ نہ ہو، علوی، اور صدیقی کے بہت سے خاندان دنیا پر موجود ہیں، جب تک وہ موجود ہیں تم بحیثیت ذوی الارحام کے وارث نہیں ہو سکتے ہو۔ تو ایسی حالت میں ذوی الارحام کو عصبہ کا عدم کس طرح ثابت کرنا چاہیے؟ یہ ظاہر ہے کہ عصبہ کا عدم ثابت کرنا قریب قریب محال ہے، تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ذوی الارحام متوفی کے متروکہ کا کبھی وارث نہ ہو۔ یہ بات اگرچہ =

گے۔ بعدہ ملحقات تتمہ اولیٰ، امداد الفتاویٰ، ص: ۳۲۸، میں حضرت نے عام اطلاع دی ہے کہ: ”میرے اس فتویٰ پر وثوق نہ کریں، میں از سر نو تحقیق کر رہا ہوں، دیگر اہل علم بھی اس کی اپنے طور پر تحقیق کریں“ (۱)۔

= خلاف عقل ہے، لیکن اس کے لئے فقہ کی کسی مستند کتاب کی ضرورت ہے، عنایت فرما کے فقہ کی کتب کے حوالہ سے جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیے؟“

جواب: ”اس غاصب کے استدلال باطل کا یہی جواب کافی ہے کہ شریعت نے ذوی الارحام کو بھی وارث بنایا ہے، ورنہ اگر عصبہ میں اس قدر تعیم ہوتی تو ذوی الارحام کے وارث ہونے کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے، اس کو خود شریعت باطل کر رہی ہے، اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہوگی۔ اور جوائمہ توریت ذوی الارحام کے قائل نہیں ہیں، انہوں نے بھی کبھی یہ دلیل بیان نہیں کی، اور اس کے بعد مستحقین کو میراث دلائی، حتیٰ کہ اخیر میں بیت المال مستحق قرار پایا۔ تو یہ سب احکام جو نصاً و اجماعاً ثابت ہیں سب باطل ہو جاویں گے، ادر نص اور اجماع کا ابطال باطل ہے، اور جو دعویٰ مستلزم امر باطل کو ہو وہ خود باطل ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ استدلال اور دعویٰ غاصب کا باطل ہے۔

تمام کتب فرائض وفقہ کی تصریح کے موافق عصبات یہ ہیں:

ابن، ثم ابن الابن وإن سفل، أب، جد صحيح وإن علا حتیٰ إلی آدم علیہ السلام، جزء الأب وإن سفل، جزء الجد یعنی عم، ثم ابنه وإن سفل، عم الأب، ثم ابنه وإن سفل، وعم الجد ثم ابنه وإن سفل.

بس اس پر عصبات ختم ہو گئے، اور مفہوم تصانیف حسب تصریح علماء حجت ہے، معلوم ہوا کہ اس سے آگے عصبات نہیں ہے۔ اور مرتبہ ثالثہ میں جد کے عموم ”وإن علا“ سے دوسرے مراتب میں عموم لازم نہیں، بلکہ عدم عموم اس لئے لازم ہے کہ عموم کی صورت میں جزء الجد کے بعد کوئی مرتبہ نہ نکلنا چاہیے، کیونکہ عم الأب اور عم بھی کسی مرتبہ کے جد کے تو جز ہی ہیں۔ اور بعض محشین نے جو جزء الجد میں جد کو عام کہہ دیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض متون میں کل مراتب کو چار عنوان میں منحصر کر دیا ہے: ۱- جزء، ۲- اصل، ۳- جزء الأب، ۴- جزء الجد۔

اس پر شبہ عدم تناول عم الأب وعم الجد کا وارد ہوتا تھا، اس کے دفع کے لئے عام کہہ دیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس عموم سے مراد مطلق عموم نہیں، بلکہ عموم خاص ہے جو تناول عم الأب اور عم الجد پر منتہی ہو جاوے، جیسا شامی نے اس ایراد کو اسی طرح دفع کیا ہے، پس ثابت ہوا کہ دوسرے مراتب میں جد سے خاص اب الأب مراد ہے۔ پس جو شخص میت کے اب الأب کے عم کی اولاد سے بھی نہ ہو وہ عصبہ نہیں ہے، اور بہت ہی ظاہر ہے لیکن قدرے فہم درکار ہے۔ (امداد الفتاویٰ، عنوان: منتہی شدن عصبوت با اولاد عم الجد: ۳۲۲/۴، ۳۲۳، مکتبہ دارالعلوم، کراچی)

(۱) حاشیہ امداد الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ: ”اس سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع فرمایا ہے، جس کی تفصیل کتاب میں درج =

الجواب حامداً ومصلیاً:

تیسری یا چوتھی پشت کے عصبات کو بھی حق پہنچتا ہے اگرچہ جائیداد ان کے بزرگوں کی پیدا کردہ نہ ہو (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/۴/۶۰ھ۔

صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/۴/۶۰ھ۔

یعنی مقدم ہے علاقائی پر

سوال [۹۸۳۳]: آسمان خان نے انتقال کیا اور ایک لڑکا حمید خان اور دو زوجہ وارث چھوڑے: خدیجہ و افسوں۔ پھر حمید خان فوت ہوا۔ ماں افسوں بی بی اور عم الأب لأب تین چھوڑے: قلمدار خاں، علمدار خاں، اور ابن عم الأب لأب و أم تین چھوڑے: ظلمات خاں، رحیم خاں، عبدالقادر خاں۔ اس میں دریافت طلب بات یہ ہے کہ عم الأب لأب میراث کا مستحق ہے یا ابن عم الأب لأب و أم مستحق ہے؟ لیکن مبسوط کی عبارت سے معلوم ہوا کہ استحقاق میراث میں عم الأب لأب ہی مقدم ہے:

”کذا فی ضیاء السراج، وكذا الحال فی أبناء هولاء الأصناف. قال فی المبسوط فی بیان الأعمام وأبنائهم: ”ثم العم لأب وأم، ثم العم لأب، ثم ابن العم لأب وأم، ثم ابن العم لأب، ثم عم الأب لأم، ثم عم الأب لأب، ثم ابن عم الأب لأب وأم، ثم عم الأب لأب، ثم الجدة. انتهى“. مبسوط: ۲۹/۱۷۴ (۲)۔ چونکہ علماء کا اس میں اختلاف ہے، لہذا اینوا بالدلیل تو جروا عند الجلیل۔

(۱) ”ثم عم الأب لأب وأم، ثم عم الأب لأب، ثم ابن عم الأب لأب وأم، ثم ابن عم الأب لأب، وكذا بنوهما وإن سفلوا، وهكذا عمومة الأجداد وإن علوا، وأولادهم الذکران وإن سفلوا“۔ (البرازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریة: ۶/۲۵۶، کتاب الفرائض، الفصل الثانی فی العصبات المحضة، رشیدیہ) (و کذا فی البحر الرائق: ۹/۳۸۳، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۸۷، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۲) (المبسوط للسرخسی: ۲۹/۱۹۳، کتاب الفرائض، باب أصحاب الموارث، غفریہ کوئٹہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئلہ میں عم الأب لأب کو تقدم ہے ابن عم الأب لأب وأم سے۔ ذوالقربائین کو ذوالقرباۃ الواحدة پر تقدم اس وقت ہوتا ہے جب کہ درجہ میں مساوی ہوں، ورنہ جس کا درجہ اعلیٰ ہوگا وہ مقدم ہوگا:

”وبعد ترجیحهم بقرب الدرجة یرجحون عند التفاوت بأبوين وأب - كما مرّ - بقوة القرابة، فمن كان لأبوين من العصابات ولو أنثی - كالشقيقة مع البنت تُقدم على الأخ لأب - مقدّم على من كان لأب، لقوله صلى الله عليه وسلم: ”إن أعيان بنی الأم یتوارثون دون بنی العلات“. والحاصل أنه عند الاستواء فی الدرجة یقدم ذوالقربائین، وعند التفاوت فیها یقدم الأعلی، اهـ“. درمختار علی هامش ردالمحتار: ۵/۶۷۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/رمضان المبارک/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/رمضان/۶۶ھ۔

علاقی بھتیجا، عینی کی موجودگی میں وارث نہیں

سوال [۹۸۳۲]: مسمی زید نے دو بھتیجے عینی اور ایک بھتیجا علاقائی چھوڑا۔ اب اس کی جملہ جائیداد کے وارث از روئے شرع شریف بھتیجے عینی ہیں، یا کہ علاقائی بھتیجا وارث ہے؟

المستفتی: عبداللطیف، ضلع جہلم، معرفت نصیر احمد، متعلم مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بشرط صحت سوال وعدم موانع ارث بعد تجہیز وتکفین وادائے دین میت از کل مال، وتنفيذ وصیت وغیرہ

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۷۸، کتاب الفرائض، فصل فی العصابات، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۱، کتاب الفرائض، باب العصابات، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۳۸۳، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۱، کتاب الفرائض، الفصل الثانی فی

العصابات المحضة، رشیدیہ)

از ثلث مال (۱)۔ صورتِ مسئلہ میں زید کا ترکہ اس کے دونوں عینی بھتیجوں کو ملے گا، علاقائی بھتیجا اس صورت میں وارث نہیں ہوگا:

”ثم یرجحون بقوة القرابة، أعنی به أن ذا القربتين أولى من ذی قرابة واحدة، ذکراً کان أو أنثى، لقوله علیه السلام: ”إن أعیان بنی الأم یتوارثون دون بنی العلات“۔ کالأخ لأب وأم، أو الأخت لأب وأم إذا صارت عصبة مع البنت أولى من الأخ لأب والأخت لأب، وابن الأخ لأب وأم أولى من ابن الأخ لأب، اهـ“۔ سراجی، ص: ۱۶ (۲)۔ فقط۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حرره العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۳/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، ۱۰/ربیع الاول/۶۳ھ۔

عینی بھائی کی موجودگی میں علاقائی بھائی کو کچھ نہیں ملتا

سوال [۹۸۳۵]: ایک شخص فوت ہو جاتا ہے اور مندرجہ ذیل ورثہ چھوڑتا ہے، اس کی میراث کس

(۱) ”یبدأ من ترکہ المیت الخالیة عن حق الغير بتجهیزه - یعم التكفین - ثم تقدم دیونہ التي لها مطالب من جهة العباد، ثم وصيته من ثلث مابقی، ثم یقسم الباقي بعد ذلك بین ورثته“۔ (الدرالمختار: ۶/۲۷۷، کتاب الفرائض، سعید)

”تتعلق بتركة المیت حقوق أربعة مرتبة: الأولى یبدأ بتكفینہ، ثم تقضى دیونہ من جميع مابقی من ماله، ثم تنفذ وصایاه من ثلث مابقی بعد الدين، ثم یقسم بین ورثته“۔ (السراجی، ص: ۳، سعید)

(و کذا فی الدرالمختار: ۶/۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) (السراجی، ص: ۱۳، سعید)

”ویرجحون بقوة القرابة، فمن كان لأبوين من العصابات مقدّم علی من كان لأب، لقوله صلی اللہ علیہ وسلم: ”إن أعیان بنی الأم یتوارثون دون بنی العلات“۔ (الدرالمختار: ۶/۷۷۵، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۳/۵۰۶، کتاب الفرائض، غفاریہ، کوئٹہ)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۶۲، ۵۶۳، کتاب الفرائض، فصل فی العصابات، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

طرح تقسیم کی جائے: دو برابر حقیقی، دو برابر علاقائی، ایک ہمشیرہ حقیقی، ایک ہمشیرہ علاقائی۔

م
اُخ عینی اُخ عینی اُخ علاقائی اُخ علاقائی اُخت عینی اُخت علاقائی

بینواتو جروا۔

مسکین علی احمد غفر اللہ لہ، اسکندری، ۱۳/ شوال/ ۱۳۶۷ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعد ادائے حقوق مقدمہ علی الارث کل پانچ سہام ہوں گے: دو دودو حقیقی بھائیوں کو ملیں گے (۱)، ایک سہم حقیقی بہن کو ملے گا، علاقائی بھائی بہن محروم رہیں گے، لقولہ علیہ السلام: ”إن أعیان بنی الأم یتوارثون دون بنی العلات، اھ“۔ سراجی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ شوال/ ۱۳۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفر لہ، ۲۳/ ۱۰/ ۱۳۶۷ھ۔

(۱) واضح رہے کہ بھائی بہن ملکر دونوں عصبہ بن جاتے ہیں تو بقاعدہ ”للذكر مثل حظ الأنثیین“ کے دودو حصے ہر ایک بھائی کو، اور ایک حصہ بہن کو ملے گا:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿یوصیکم الله فی أولادکم للذكر مثل حظ الأنثیین﴾ (سورة

النساء: ۱۱)

”إذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون والبنات، فیکون للابن مثل حظ الأنثیین“۔ (تبیین

الحقائق: ۷/ ۴۸۰، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/ ۴۴۸، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۲) (السراجی، ص: ۱۳، ۱۴، سعید)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/ ۷۷۵، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۴/ ۵۰۶، کتاب الفرائض، غفاریہ، کوئٹہ، و دار الکتب العلمیہ بیروت) =

علاقائی بہن اور چچا زاد بھائی کے درمیان تقسیم ترکہ

سوال [۹۸۳۶] زید وفات پاتا ہے اور پسماندگان میں سے ایک اپنی سوتیلی ماں کی لڑکی ہے (علاقائی بہن) اور دو چچا زاد بھائی چھوڑتا ہے اور بس۔ اس کے ترکہ کو۔ منقولہ ہو یا غیر منقولہ۔ کس طرح اور کن کن پر تقسیم کیا جائے گا؟

السائل محمد عزیز، علی گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید

مسئلہ ۲، تصـ ۴

چچا زاد بھائی

$\frac{1}{2}$

چچا زاد بھائی

۱

علاقائی بہن

$\frac{1}{4}$

بشرط صحت سوال وعدم موانع ارث بعد تجهیز و تکفین و ادائے دین میت از کل مال، وتنفيذ وصیت وغیرہ از ثلث مال (۱) زید کا کل ترکہ چار سہام قرار دیکر حسب نقشہ بالا ورثہ پر تقسیم ہوگا، یعنی علاقائی بہن کو دو، ہر دو چچا زاد بھائیوں کو ایک ایک (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ربیع الاول۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ربیع الاول/۵۸ھ۔

= ”عن علی أنه قال: إنكم تقرأون هذه الآية ﴿من بعد وصية يوصي بها أو دين﴾ وأن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قضى بالدين قبل الوصية، وأن أعيان بنى الأم يرثون دون بنى العلات، الرجل يرث أخاه لأبيه وأمه دون أخيه لأبيه“۔ (جامع الترمذی، أبواب الفرائض، باب ما جاء في ميراث الإخوة من الأب والأم: ۲/۲۹، سعید)

(۱) ”يبدأ بتكفينه وتجهيزه ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته“۔ (السراجية، ص: ۳، سعید) =

بہتجیوں اور بھانجیوں میں ترکہ کی تقسیم

سوال [۹۸۳۷]: اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور تین حقیقی بہتجیاں اور تین حقیقی بھانجیاں چھوڑے تو مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۳، تصـ ۹

تین حقیقی بھانجیاں

 $\frac{1}{3}$

تین حقیقی بہتجیاں

 $\frac{2}{3}$

یہ سب ورثاء ذوی الارحام کی صنفِ ثالث کے ہیں، اولاً اصول پر تقسیم کر کے پھر ان کا حصہ ان کے فروع کو دیا جائے گا۔ یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے (۱)۔ اور پھر مسائل ذوی الارحام میں ان کے قول پر

= (و کذا فی الدر المختار: ۷۵۹/۶، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۶۵/۹، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَإِنْ كُنْ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ، فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ، وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾
(سورة النساء: ۱۱)

”السادسة: الأخوات لأب فللواحدة النصف، وللأكثر الثلثان عند عدم الأخوات لأب

وأم“. (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۵۰/۶، کتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی الفروض، رشیدیہ)

(و کذا فی السراجیہ، ص: ۱۰، فصل فی النساء، سعید)

(۱) ”وأما إذا اختلف الفروع والأصول، اعتبر محمد رحمة الله عليه في ذلك الأصول، وقسم عليهم

أثلاثاً، وأعطى كلاً من الفروع نصيب أصله، وهما اعتبروا الفروع فقط، لكن قول محمد رحمة الله عليه

أشهر الروایتین عن أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ فی جمیع ذوی الأرحام، وعلیہ الفتوی“. (الدر المختار مع

رد المحتار: ۷۹۷/۶، کتاب الفرائض، باب توریث ذوی الأرحام، سعید)

(و کذا فی السراجی، ص: ۴۷، ۴۸، باب ذوی الأرحام، فصل فی الصنف الثالث، سعید) =

فتویٰ ہے، کما فی شرح عقود رسم المفتی (۱)۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ظاہر قول یہی ہے، کما فی الشریفیہ، ص: ۱۲۵ (۲)۔ لہذا کل نوہام بنا کردودو سہام تینوں حقیقی بھتیجیوں کو ملیں گے، ایک ایک سہام تینوں حقیقی بھانجیوں کو ملیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۱۳۸۸ھ۔

دو بیویوں کی اولاد میں تقسیم میراث

سوال [۸۸۳]: زید کی پہلی بیوی سے دو لڑکے اور ایک لڑکی، دوسری بیوی سے صرف ایک لڑکا ہے۔ بتلائیے کہ باپ کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر صرف یہ ہی وارث ہیں تو کل سات سہام (حصے) بنا کردودو سہام (حصے) تینوں لڑکوں کو ملیں گے ایک (حصہ) لڑکی کو ملے گا (۳)۔ دین، مہر وغیرہ ادا کرنا تقسیم میراث سے پہلے ضروری ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۵۸۰/۲، کتاب الفرائض، فصل فی ذوی الأرحام، مکتبہ حقانیہ، پشاور)
(۱) ”الثالث ما فی متن الملتقی وغیرہ فی مسئلۃ القسمة علی ذوی الأرحام: وبقول محمد یفتی۔ قال فی سكب الأنهر: أی فی جمیع توريث ذوی الأرحام، وهو أشهر الروایتین عن الإمام أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وبه یفتی، قاله الشيخ وقال فی الکافی: وقول محمد أشهر الروایتین عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى فی جمیع ذوی الأرحام، وعليه الفتوى“۔ (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۸۰، میر محمد کتب خانہ کراچی)
(۲) ”وقول محمد أشهر الروایتین عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى فی جمیع أحكام ذوی الأرحام، وعليه الفتوى“۔ (الشریفة، ص: ۱۰۷، باب ذوی الأرحام، سعید)
(۳) لڑکے اور لڑکیاں دونوں ملکر عصب بن جاتے ہیں اور ورثہ میں اگر صرف عصب ہو تو کل جائیداد انہی کو ملے گا:

قال الله تبارک وتعالى: ﴿وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً، فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حِظِّ الْأُنثِي﴾ (سورة النساء: ۱۷۶)
”إذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون والبنات، فيكون لابن مثل حظ الأنثيين“۔ (تبیین الحقائق: ۴۸۰/۷، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیة بیروت)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۲۸/۶، کتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی الفروض، رشیدیہ)
(۴) ”ثم تقدم ديونه التي لها مُطالبٌ من جهة العباد، ثم وصيته من ثلث مابقي، ثم يقسم الباقي بعد ذلك =

دو بیویوں کی اولاد میں تقسیم ترکہ

سوال [۹۸۳۹]: زید کی سب سے پہلی بیوی جو تھی اس سے ایک لڑکا ہے، زید کی بیوی کا انتقال ہو گیا، زید نے اس کے بعد دوسری بیوی کی، اس بیوی سے دو لڑکیاں باقی تھیں۔ زید کا جب انتقال ہوا تو اس بیوی سے لڑکا پیٹ میں تھا، زید کے مرنے کے بعد چھ ماہ بعد یہ لڑکا پیدا ہوا، دو لڑکیاں اور لڑکا ہو گیا۔ لڑکیاں جو تھیں وہ اپنی والدہ ہی کے سامنے انتقال فرما گئیں تھیں۔ زید کا جس وقت انتقال ہوا تو وہ آدھا مکان چھوڑ کر مر گئے تھے، جس وقت یہ دوسری بیوی کا لڑکا ہوشیار ہو گیا۔

جو تہائی مکان جو اس کو ملا تھا، دونوں لڑکوں نے آپس میں تقسیم کر کے چوتھائی، چوتھائی کر لیا تھا۔ دوسری بیوی کے لڑکے نے مبلغ پانچ سو روپیہ فروخت کر دیا تھا، اب وہ دوسری بیوی کا لڑکا اپنی والدہ کا آٹھواں حصہ اور اپنی دونوں بہنوں کا حصہ مانگتا ہے۔ تو اب التماس ہے کہ پہلی بیوی کا جو لڑکا ہے اس کو بھی حق پہنچتا ہے یا نہیں بہنوں کے حصہ میں سے کیوں دو لڑکیاں جو تھیں وہ بھی ایک ہی باپ سے تھیں؟

زید کی دوسری بیوی سے جو لڑکا ہے وہ پہلی بیوی کے لڑکے سے اپنی بہنوں اور والدہ کا حصہ مانگتا ہے، اپنا مکان کا تہائی اس نے فروخت کر دیا تھا، اب پہلی بیوی کا جو لڑکا ہے اس کے حصہ میں سے اپنی والدہ اور بہنوں کا حصہ مانگتا ہے تو بہنوں اور والدہ کے حصہ میں سے پہلی بیوی کے لڑکے کو ان کے حصہ میں سے کچھ پہنچے یا نہیں؟
محبوب الرحمن، محلہ ٹولی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک بیوی کو اور اس کی اولاد کو دوسری بیوی کے حصہ سے اور دوسری بیوی کی اولاد کے حصہ سے کچھ نہیں ملے گا، لہذا دوسری بیوی کی لڑکیوں کے حصہ میں پہلی بیوی کے لڑکے اسی طرح دوسری بیوی کے لڑکے کو

= بین ورثتہ۔ (الدر المختار: ۶/۷۱، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۳۶۵، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۷۲، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

ان بہنوں اور ماں کے حصہ کے مطالبہ کا پہلی بیوی کے لڑکے کے حصہ میں سے کوئی حق نہیں (۱)۔ البتہ باپ جمیع ترکہ میں سے اپنی بہنوں اور ماں کا حصہ اور مہر (بشرطیکہ مہر کی ادائیگی یا معافی نہ ہوئی ہو) کے مطالبہ کی حقدار ہے، اسی طرح پہلی بیوی کا لڑکا بھی جمیع ترکہ میں سے اپنی ماں کا مہر۔ بشرطیکہ مہر کی ادائیگی یا معافی نہ ہوئی ہو۔ وصول کر سکتا ہے (۲) اور جس قدر حصہ ماں کے ترکہ اور بہنوں کے ترکہ سے دوسری بیوی کے لڑکے کو پہنچے اس کو فروخت کر سکتا ہے (۳)۔

مسئلہ ۸، تصـ ۲۸

زوجه اولیٰ	زوجه ثانیہ	ابن زوجه اولیٰ	ابن زوجه ثانیہ	بنت	بنت
$\frac{1}{6}$		۱۴	۱۴	۷	۷
کأن لم تکن؛ لأنها ماتت قبله					

(۱) چونکہ اسباب ارث میں کوئی سبب نہیں پایا جا رہا ہے، اس وجہ سے استحقاق نہیں: ”ویستحق الإرث برحم ونکاح وولاء“۔ (الدرالمختار: ۷۶۲/۶، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۴۷/۶، کتاب الفرائض، الباب الأول، رشیدیہ)

(و کذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۵۳/۶، کتاب الفرائض، الفصل الأول، رشیدیہ)

(۲) ”المرأة يأخذ مهرها من التركة من غیر رضی الورثة“۔ (خلاصة الفتاویٰ: ۲۴۱/۴، کتاب الوصایا، الفصل السابع فی الدعوی والشهادة، رشیدیہ)

(۳) اس صورت میں لڑکا عصبہ ہے اور ذوی الفروض کے بعد باقی تمام ترکہ عصبہ کو ملے گا:

”العصبۃ من يأخذ جمیع المال عند انفرادہ وما أبقتہ الفرائض عند وجود من له الفرض

المقدر“۔ (تبیین الحقائق: ۴۸۵/۷، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

کل ترکہ حسب نقشہ مسطورہ تقسیم کیا جاوے۔ دوسری بیوی اور اس کی لڑکیوں کے ترکہ کی تقسیم پورے ورثہ معلوم ہونے پر لکھی جاسکتی ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
العبد محمود غفرلہ۔

سوال متعلق استفتاء بالالا

سوال [۹۸۴۰]: جس وقت زید کا انتقال ہوا تھا تو جو دوسری بیوی تھی وہ زندہ تھی، اس وقت اس بیوی کے پاس دونوں بیویوں کا زیور اور برتن وغیرہا ہے تو یہ سامان سب اس بیوی کے والدین کے یہاں رہے، بعد میں اس دوسری بیوی کا انتقال ہو گیا تو وہ سب سامان اس کے والدین کے پاس رہا۔ جب لڑکا ہوشیار ہو گیا تو اس کے ماموں نے سب سامان لڑکے کو دیدیا اور لڑکے کی شادی ہوئی تو سب زیور لڑکے کی بیوی کو چڑھا دیا اور برتن وغیرہ اس کے قبضہ میں دیدیئے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک باپ کے دو لڑکے ہیں، زیور وغیرہ میں دونوں کا حق ہے یا ایک کا؟
سائل بالالا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوزیور وغیرہ پہلی بیوی کی ملک ہے، اس میں دوسری بیوی اور دوسری بیوی کی اولاد کا کوئی حق نہیں (۲)،
(۱) نقشہ مذکورہ کے مطابق تمام اہل سہام کے حصص کی عبارات بالترتیب ذکر کی جاتی ہیں: زوجہ اولیٰ کو میراث اس وجہ سے نہیں ملے گا کہ میراث زندہ کو ورثہ کو ملے گا، نہ کہ فوت شدہ کو:

”وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقة أو حکماً، ووجود وارثه عند موته حياً، والعلم بجهة الإرث“۔ (رد المحتار، کتاب الفرائض: ۶/۵۸، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴/۹۴، غفاریہ کوئٹہ)

زوجہ ثانیہ چونکہ مرحوم کے مرنے کے بعد زندہ تھی لہذا مرحوم کے ترکہ میں شریک (آٹھویں حصے) کی مستحق ہوگی:

قال الله تعالى: ﴿إِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

بیٹے اور بیٹیاں چونکہ عصبہ ہیں تو بقاعدہ ”للذکر مثل حظ الأنثیین“ کے تقسیم ہوگی۔

قال الله تعالى: ﴿وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً، فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حِظِّ الْأُنثِي﴾ (سورة

النساء: ۱۷۶)

(۲) استحقاق ارث کے اسباب ثلاثہ میں سے کوئی سبب نہ پائے جانے کی وجہ سے غیر مستحق ہے، ”وَيَسْتَحِقُّ الْإِرْثَ بِرَحْمٍ“

وہ تمام پہلی بیوی کے لڑکے کا ہے (بشرطیکہ کوئی اور شرعی وارث نہ ہو) (۱)۔ اور جو سامان زید کا ہے، اس کی تقسیم کی صورت جواب نمبر: ۱، میں بیان کر دی گئی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، ۵/۶/۱۳۵۴ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/جمادی الثانیہ/۱۳۵۴ھ۔

عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام کی وراثت

سوال [۹۸۴۱]: ایک شخص غلام حیدر خاں تھے، ان سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ غلام قادر خاں کے ایک پسر غلام حضرت خاں، وغلام دستگیر خاں کے دو لڑکے: غلام فرید خاں و عبد الوہاب خاں۔ عبد الوہاب خاں کے پسر محمد رفیق خاں جو لا ولد فوت ہوئے۔ غلام فرید خاں کے دو لڑکے: عبد الرشید خاں و عبد الوحید خاں و مسماۃ عزیز بیگم۔ عزیز بیگم کی ایک لڑکی سلطان جہاں ہوئی۔ سب فوت ہو گئے، صرف سلطان جہاں حیات ہیں۔ سب سے آخر میں عبد الوحید خاں کا انتقال ہوا ہے، ان کے ترکہ کے متعلق علماء سے فتویٰ لیا گیا، تو علمائے ٹونک نے سلطان جہاں کو ذوی الارحام میں سے مان کر عبد الوحید خاں کا ترکہ یوں تقسیم کیا ہے کہ:

”عبد الوحید خاں کی دو بیوہ گاں کو ایک چہارم دے کر باقی میں چوتھائی، یا یوں کہا جائے کہ بیوہ گاں کو ۴/ دیگر باقی ۱۲/ بھانجی سلطان جہاں کو۔ تجل حسین خاں عصبہ نہیں ہیں، ان کا کچھ حق نہیں ہے۔“

اور علمائے بھوپال نے یہ فتویٰ دیا کہ:

= ونکاح وولاء۔ (الدر المختار: ۶/۲۲۷، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(وکذا فی البزازیۃ علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۳، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۱) اس لئے کہ بیٹا عصبہ ہے اور عصبہ ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں کل مال کا مستحق ہوگا:

اس صورت میں لڑکا عصبہ ہے اور ذوی الفروض کے بعد باقی تمام ترکہ عصبہ کو ملے گا:

”العصبۃ من يأخذ جميع المال عند انفرادہ وما أبقتہ الفرائض عند وجود من له القرض

المقدر۔“ (تبیین الحقائق: ۵/۴۸۵، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

”تجمل حسین خاں عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام مسماۃ سلطان جہاں کا کوئی

حق نہیں ہے۔ ۴/ بیوگاں کا نکال کر باقی ۱۲/ تجمل حسین کو ملے گا۔“

میں حیران ہوں کہ یہ کیا بات ہے، کس کو صحیح مان کر عمل کیا جائے؟ براہ عنایت ان دونوں فتاویٰ کے اختلاف کا باعث اور ان میں کسی ایک کے صحیح ہونے اور دوسرے کے غلط ہونے کی وجوہ و دلائل تحریر فرما کر مجھ کو ممنون و مشکور فرماویں اور اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم حاصل فرمائیں۔ بینواتو جروا، یکم جنوری/ ۴۸ء۔

نوٹ: غلام حیدر خاں کے انتقال کو یک صد برس سے زائد عرصہ گزر چکا ہے، ان کا انتقال ۱۲۵۱ھ میں ہوا ہے۔ اور عبد الوحید خاں نے اپنے بھائی عبدالرشید خاں کی وفات پر ان کے ترکہ کے متعلق عدالت میں یہ بیان دیا ہے کہ میرے بھائی عبدالرشید خاں کا وارث سوامیری اور میری بھانجی سلطان جہاں کے اور کوئی نہیں ہے۔

حمر خاں، مقام مالو سنٹرل، انڈیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ تھا کہ وہ فتاویٰ بھی ہمراہ بھیجے جاتے جن میں اختلاف ہوا، تاکہ فریقین کے بیان کردہ دلائل میں بھی غور کرنے کا موقع ملتا۔ سراجی میں اگرچہ ”فرع أجدادہ“ نہیں فرمایا، لیکن دوسری جگہ اس کی تصریح موجود ہے، چنانچہ امام کردری نے جامع وجیز میں ترتیب عصبات کے ذیل میں لکھا ہے:

”ثم عم الأب لأب وأم، ثم عم الأب لأب وأم، ثم ابن عم الأب لأب وأم، ثم ابن العم لأب، وهكذا بنوہما وإن سفلوا، وهكذا عمومة الأجداد وإن علوا، وأولادهم الذکران وإن سفلوا، اھ۔“ فتاویٰ بزازیہ: ۳/ ۴۵۶ (۱)۔

یہ کتاب کسی ہندوستانی کی لکھی ہوئی نہیں، نہ یہ اردو میں ہے، نہ غیر معتبر ہے، بلکہ کشف الظنون میں

(۱) (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریة: ۲/ ۴۵۶، کتاب الفرائض، الفصل الثانی فی

العصبات المحضة، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق: ۹/ ۳۸۳، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۷/ ۴۸۷، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمیة، بیروت)

اس کے متعلق لکھا ہے:

”وذكر الأئمة أن عليه التحويل، قيل لأبي سعود المفتي: لما لم تجمع المسائل المهمة ولم تؤلف فيها كتاباً؟ قال: إني أستحيي من صاحب البزازية مع وجود كتابه؛ لأنه مجموعة شريفة جامعة للمهمات كما ينبغي، اهـ“ (۱)۔

رہا یہ اشکال کہ ایسے عموم کی حالت میں ذوی الارحام کی توریث کا مدار عدم علم عصبات پر ہے کہ بغیر تحقیق کسی کو عصبہ قرار دیکر وارث نہیں بنایا جاسکتا (۲)۔ بوضع المال فی بیت المال کی صورت میں جو اشکال عصبات کے متعلق ہے وہ ذوی الارحام کے متعلق بھی ہوگا، بلکہ اس سے زائد ہوگا، کیونکہ عصبوت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو مستثنیٰ کیا گیا ہے، مگر ذوی الارحام سے تو وہ بھی مستثنیٰ نہیں۔ پھر ایسی کوئی صورت نکل سکتی ہے کہ میت کے ذوی الارحام میں سے کوئی نہ ہو، اور بیت المال کے حوالے اس کا ترکہ کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وأعلمہ وأتم وأحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

اگر اس بات کا شرعی ثبوت موجود ہے کہ عبدالوحید خاں کے دادا یا پردادا کی نسل میں کوئی مذکر موجود ہے، خواہ وہ کوئی ہو تجل حسین ہو یا عمرو بکر، اس کو عبدالوحید خاں صاحب کے ترکہ سے حصہ ملے گا (۳)۔ ذوی

(۱) (کشف الظنون: ۱/۲۴۲ باب الباء، منشورات مکتبۃ المثنیٰ بغداد العراق)

(۲) ”رجل طلب الميراث وادّعى أنه عم الميت، يشترط لصحة دعواه أن يفسّر، ويقول: هو عمه لأبيه وأمه، أو لأبيه، أو لأمه. ويشترط أن يقول: وهو وارثه ولا وارث غيره“۔ (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱۴/۲، کتاب الدعوی، مکتبہ میمنیہ مصر)

(و کذا فی الدر المختار: ۵/۵۸۵، کتاب الدعوی، باب دعوی النسب، سعید)

(۳) ”وانما يرث ذووا الأرحام إذا لم يكن أحد من أصحاب الفرائض ممن يرد عليه ولم يكن عصبه“۔

(الفتاوى العالمکیرية: ۶/۴۵۹، کتاب الفرائض، الباب العاشر فی ذوی الأرحام، رشیدیہ)

”وهو كل قريب ليس بذی سهم ولا عصبه ولا يرث مع ذی سهم ولا عصبه“۔ (الدر المختار:

۶/۷۹۱، کتاب الفرائض، باب توریث ذوی الأرحام، سعید)

(و کذا فی البزازية علی هامش الفتاوى العالمکیرية: ۶/۴۵۷، الفصل الثالث فی ذوی الأرحام، رشیدیہ)

الارحام کو عصبہ کی موجودگی میں حصہ نہیں ملتا، اس کے ثبوت کیلئے مفتی محمود صاحب نے جو عبارات پیش کی ہیں وہ کافی ہیں، اور اس صورت میں تجل حسین خاں کو اگر عصبہ ہیں، یعنی عبدالوحید خاں کے سلسلہ نسب میں اوپر جا کر پردادا، یا اس سے اوپر کسی جگہ مل جاتے ہیں تو علاوہ ان کی زوجہ کے حصہ کے سب کے وہ بھی وارث ہوں گے (۱) بھانجی وارث نہ ہوگی (۲)۔ ہاں! اگر تجل حسین کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو ان کو حصہ نہ ملے گا، بھانجی وارث ہوگی۔

جناب مولانا مفتی سرفراز احمد صاحب نے سراجی کے علاوہ دوسری کتابیں غالباً اس وقت مطالعہ نہیں فرمائیں، اگر وہ اور کتابوں کا مطالعہ فرمائیں گے تو وہ بھی اپنی رائے سے رجوع فرمائیں گے۔ واللہ الہادی
إلی صراط مستقیم (۳)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور ۱۰/ربیع الاول/۱۳۶۸ھ۔

(۱) اس لئے کہ زوجہ ان ذوی الفروض میں سے ہے جن پر رد نہیں کیا جاسکتا یعنی ذوی الفروض سیئہ میں ہے جیسا کہ تمام فتاویٰ میں یہ قید موجود ہے، کما فی الدر:

”ثم الرد علی ذوی الفروض السببیہ كالزوجین؛ لأن سبب الرد هو القرابة الباقية بعد أخذ الفرض، وقرابة الزوجية حکمیة لا تبقى بعد أخذ الفرض، فلا رد لانتفاء سببه“ (رد المحتار، کتاب الفرائض: ۶/۶۳، سعید)

”ولا یرث مع ذی سهم ولا عصبۃ سوى الزوجین، لعدم الرد علیہما“۔ (الدر المختار، کتاب الفرائض، باب توریث ذوی الارحام: ۶/۹۱، سعید)

(و کذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الفرائض، الفصل الثانی فی ذوی الارحام: ۶/۴۵۷، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الفرائض، الباب العاشر فی ذوی الارحام: ۶/۴۵۹، رشیدیہ)

(۲) اس لئے کہ بھانجی ذوی الارحام میں سے ہے اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے۔

(۳) سوال میں نفس مسئلہ پوچھا گیا ہے اور ساتھ ہی دو فتوؤں میں تعارض بیان کیا گیا ہے، حضرت مفتی صاحب نے ابتداء فرمایا ہے کہ: ”بہتر یہ تھا کہ وہ فتاویٰ بھی ہمراہ بھیجے جاتے جن میں اختلاف ہوا، تاکہ فریقین کے بیان کردہ دلائل میں بھی غور کا موقع ملتا“۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مذکورہ سوال کے ساتھ مستفتی نے وہ دو فتاویٰ ساتھ نہیں بھیجے ہیں، لیکن مذکورہ بالا عبارت کے متصل ہی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”سراجی میں اگرچہ ”فرع اجدادہ“ نہیں فرمایا، لیکن =

میراث ذوی الارحام

سوال [۹۸۴۲]: زید کا انتقال ہوا۔ چھوڑا حقیقی ماموں کے دو لڑکے، عمر، بکر اور حقیقی پھوپھی کے دو لڑکے: خالد، واقد، اور ایک لڑکی زبیدہ کو۔ پس ان پھوپھی زاد بھائی بہن پر زید کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ واضح ہو کہ دونوں ماموں زاد بھائی ایک ایک ماموں کے لڑکے ہیں اور پھوپھی زاد بھائی خالد و واقد ایک پھوپھی کے لڑکے ہیں اور زبیدہ دوسری پھوپھی کی لڑکی ہے، لیکن سب حقیقی ہی پھوپھی کی اولاد ہیں۔ جواب مدلل مع حوالہ کتاب عنایت ہو۔

مولوی محمد یاسین، مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور، اعظم گڑھ۔

= دوسری جگہ اس کی تصریح موجود ہے الخ۔

اس کے بعد جامع وجیز (فتاویٰ بزازیہ) کی عبارت نقل کر کے فرمایا ہے: ”یہ کتاب کسی ہندوستانی کی نہیں، نہ یہ اردو میں ہے، نہ غیر معتبر ہے بلکہ کشف الظنون میں اس سے متعلق لکھا ہے، الخ۔“ پھر کشف الظنون کی عبارت نقل فرمائی ہے۔ آگے جا کر اشکال نقل فرما کر جواب دیا ہے۔ اسی طرح حضرت مفتی سعید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ہے، اور پھر آخر میں یہ فرمایا کہ: ”جناب مولانا مفتی سرفراز احمد صاحب نے سراجی کے علاوہ دوسری کتاب غالباً اس وقت مطالعہ نہیں فرمائیں، اگر وہ اور کتابوں کا مطالعہ فرمائیں گے تو وہ بھی اپنی رائے سے رجوع فرمائیں گے۔“

تو ان دونوں حضرات (حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب اور مفتی سعید احمد صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ) کی مجموعی عبارات سے معلوم ہوا کہ سوال کے ساتھ سائل نے دونوں متعارض فتاویٰ بھی بھیجے ہیں۔

لہذا حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت اولیٰ اور عبارات آخرہ میں، اور حضرت مفتی سعید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی آخری عبارت کا حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت اولیٰ میں بظاہر تعارض ہے، یہی وجہ ہے کہ سوال مذکور کے اندر ان دونوں حضرات کی کی ہوئی وضاحتوں اور جوابی تفصیلی عبارات سے متعلق کوئی ایسی چیز نہیں جس کو دیکھ کر کہا جائے کہ ان حضرات کی وضاحتیں فلاں جملہ کے مقابلہ میں ہیں۔

لہذا کہا جائے گا کہ سائل نے پہلی مرتبہ سوال مذکور بھیجا، پھر حضرت مفتی صاحب نے جواب دیا، اس میں حضرت کے جملہ اولیٰ کو دیکھ کر سائل نے وہ دو فتاویٰ متعارضہ بھی بھیج دیئے، اس کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے عبارت اولیٰ کے بعد والا جواب دیا ہے۔ لیکن شاید مرتبین حضرات سے تسامح ہوا کہ حضرت کے جواب اول اور اس کے بعد فتاویٰ متعارضہ کو نقل نہیں کیا، اس جواب اول کا صرف ایک جملہ نقل کر کے جواب ثانی کو بغیر فتاویٰ متعارضہ کے نقل کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال و علمہ اتم و احکم۔ (فضل مولیٰ بن فضل خالق المرحوم)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جملہ ورثاء ذوی الارحام کی صنفِ رابع کی اولاد ہیں اور قرب میں سب مساوی ہیں، مگر حیزِ قرابت مختلف ہے اور کوئی ولدِ عصبہ نہیں۔ عمر اور بکر کی قرابت والدہ کی جانب سے ہے، لہذا اصل مسئلہ تین سے قرار دے کر دو ثلث تو والد کے قرابت والوں یعنی پھوپھی زاد بھائی بہن بھائیوں کو ملے گا اور ایک ثلث والدہ کی قرابت والوں یعنی ماموں زاد بھائیوں کو ملے گا، اس کے بعد پھوپھی کی اولاد کو جو کچھ ملا تھا وہ ان کے درمیان ”للذکر مثل حظ الأنثیین“ تقسیم ہو جائے اور تیس سے تصحیح ہو جائے۔

مسئلہ ۳، تصـ ۳۰

ماموں کا لڑکا	ماموں کا لڑکا	پھوپھی کا لڑکا	پھوپھی کا لڑکا	پھوپھی کی لڑکی
عمر	بکر	خالد	واقہ	زبیدہ
۵	۵	۸	۸	۴

”وإن اختلف حیز قرابتهم، فالثلثان لمن یدلی بقرابة الأب، فالثلث لمن یدلی بقرابة الأم، اھ۔“ شامی: ۵/۵۰۷ (۱)، وھکذا فی السراجیۃ، ص: ۴۵ (۲)، والشریفیۃ، ص: ۱۳۳ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۱۴۱۹ھ۔

(۱) (رد المحتار: ۶/۷۹۶، کتاب الفرائض، باب توریث ذوی الارحام، سعید)

(۲) ”وان استووا فی القرب ولكن اختلف حیز قرابتهم لكن الثلثین لمن ینى بقرابة الأب، فتعتبر فیہم قوة القرابة، ثم ولد العصبۃ. والثلث لمن یدلی بقرابة الأم، وتعتبر فیہم قوة القرابة“.

(السراجیۃ، ص: ۵۳، باب ذوی الارحام، فصل فی الصنف الرابع وفي اولادہم، سعید)

(۳) (الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص: ۱۲۰، باب ذوی الارحام، فصل فی الصنف الرابع

وأولادہم، سعید)

ذوی الارحام کا مسئلہ

سوال [۹۸۴۳]: زید کا انتقال ہو گیا ہے، وہ ایک بنت العم اور خال چھوڑ گیا ہے۔ ان دونوں میں سے ترکہ زید کا وارث کون ہوگا؟ مع حوالہ کتب بیان فرمائیں۔

فضل الحق، کمر لائی، ۹/ شعبان ۱۳۶۲ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۵

خال

بنت العم

۱

۴

یہ دونوں وارث ذوی الارحام کی چوتھی قسم میں داخل ہیں اور ایک من جہۃ الاب ہے، دوسرا من جہۃ الام ہے۔ تقسیم کی صورت یہ ہے کہ دوثلث بنت العم کو ملے گا اور ایک ثلث خال کو (۱) بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۸/ شوال ۱۳۶۲ھ۔

(۱) ”وإن كان حيز قرابتهم مختلفاً، فلا اعتبار لقوة القرابة كعممة لأب وأم، وخالة لأم، أو خالة لأب وأم، وعممة لأم، فالثلثان لقرابة الأب، والثلث لقرابة الأم“۔ (السراجی، ص: ۵۱، باب ذوی الارحام، فصل فی الصنف الرابع، سعید)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/ ۷۹۷، کتاب الفرائض، باب توریث ذوی الارحام، سعید)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲/ ۵۸۱، کتاب الفرائض، فصل فی ذوی الارحام، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/ ۴۶۴، کتاب الفرائض، الباب العاشر فی ذوی الارحام الصنف

الرابع، رشیدیہ)

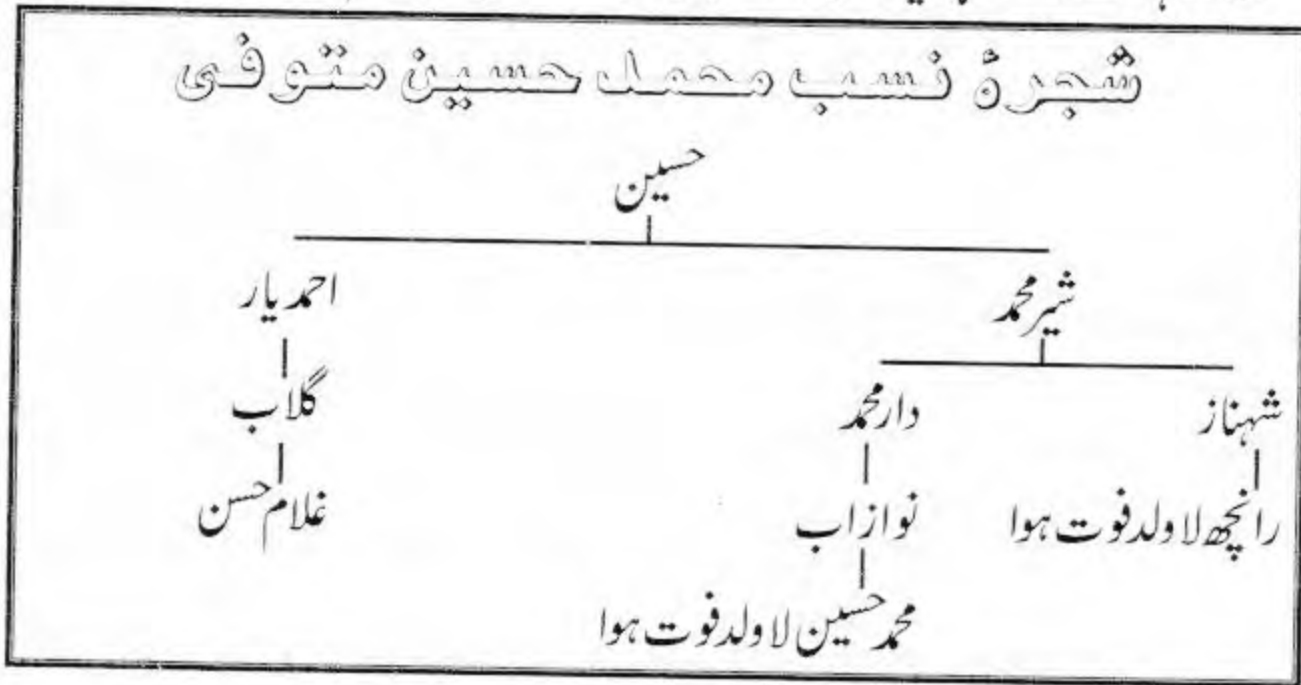
(۲) حقوق متقدمہ یعنی تجہیز و تکفین، ادائے دین، اگر وصیت کی ہے تو تنفیذ وصیت کے بعد بقیہ ترکہ تقسیم ہوگا: =

ذوی الارحام کی حد بندی

سوال [۹۸۴۴]: سراجی ودیگر کتب فرائض میں عصبات کے تحت میں لفظ ”وإن علا، وإن سفلا“ لکھ کر درجات عصبات کو غیر محدود کر دیا ہے، بایں صورت تو ریث ذوی الارحام ناممکن ہو جاتی ہے، مثلاً: قوم خوجہ ایک شخص سے چلی، اب یہ قوم دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل چکی ہے، اب میت کے ورثہ میں تو جزء الجذہ موجود نہیں، لیکن ساتھ یہ بھی یقین ہے کہ ان کا جزء الجذہ ضرور کسی نہ کسی جگہ ضرور موجود ہوگا اور شجرہ نسب ہر قوم کا ملنا مشکل ہے۔

صورت ہذا میں اگر ذوی الارحام کو کچھ دیا گیا، تو عصبات موجودہ غیر معلوم محروم رہ جائیں گے، اب تو ریث ذوی الارحام بغیر حد بندی نہیں ہو سکتی۔ اگر حد بندی عصبات کی کوئی صورت ہے تو بحوالہ کتب تحریر فرمائیں، ورنہ اشکال کا جواب تحریر فرمائیں۔

صورت ہذا کے ماتحت جائیداد میں پھوپھیوں کو کچھ ملے گا یا نہیں غلام حسن کی موجودگی میں؟



المستفتی: محمد عبدالحق، مقام تورال ضلع ڈیرہ۔

= ”تعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقصير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته“۔ (السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳، سعید)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۵۹، ۷۶۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفيما يتعلق بالتركة:

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کا اشکال صحیح ہے، فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ توریث ذوی الارحام کی صورت صرف یہ کہ عصبات کی عصبیت کا ثبوت نہ ہو (۱)، ورنہ حقیقت عصبات کا عدم دشوار ہے، حد بندی کی ضرورت نہیں، ثبوت شرعی پر تحقیق کافی ہے۔ صورت مسئلہ میں پھوپھیوں کو کچھ نہ ملے گا، کیونکہ عصبہ محمد حسین متوفی کا یعنی پردادا مسمی شیر محمد کے بھائی احمد یار کا پوتا مسمی غلام حسن موجود ہے اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام محروم رہتے ہیں۔ لہذا اگر محمد حسین کا کوئی اور شرعی وارث موجود نہیں، صرف پھوپھیاں اور پردادا کے بھائی کا پوتا موجود ہے تو کل ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث کے پردادا کے بھائی کے پوتے کو مل جائے گا (۲)۔ نیز پھوپھیاں محروم رہیں گی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۶/۱۳۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۳/جمادی الثانیہ/۱۳۶۱ھ۔

بیوہ، علاقائی بھتیجی اور حقیقی بھانجوں میں تقسیم ترکہ

سوال [۹۸۴۵]: زید کا انتقال ہوا، چھوڑا زوجہ ہندہ اور علاقائی بھتیجی صالحہ اور پانچ حقیقی بھانجے: محمد

(۱) "وإنما يرث ذوو الأرحام إذا لم يكن أحد من أصحاب الفرائض ممن يرد عليه، ولم يكن عصبه".

(الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۹، کتاب الفرائض، باب فی ذوی الأرحام، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار: ۶/۷۹۱، کتاب الفرائض، باب ذوی الأرحام، سعید)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۷، کتاب الفرائض، الثالث فی ذوی الأرحام، رشیدیہ)

(۲) اس لئے کہ عصبہ ہے اور عصبہ ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں کل ترکہ کا مستحق ہوگا:

"العصبه من يأخذ جميع المال عند انفرادہ وما أبقتہ الفرائض عند وجود من له الفرض

المقدر". (تبیین الحقائق: ۷/۴۸۵، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۱، کتاب الفرائض، باب العصبات، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار: ۶/۷۷۴، کتاب الفرائض، باب العصبات، سعید)

فروعہم، اہ۔“ سراجی، ص: ۴۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۳/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۶۶ھ۔

بیوہ، حقیقی ممانی اور حقیقی ماموں زاد بھائی اور بہنوں میں تقسیم ترکہ

سوال [۹۸۴۶]: زید کا انتقال ہو گیا، حسب ذیل وارث چھوڑے: بیوی، حقیقی ممانی، دو حقیقی ماموں

زاد بھائی اور دو حقیقی ماموں زاد بہنیں۔ زید کے والد کے چار حقیقی ماموں زاد بھائی اور تین حقیقی چچا زاد بہنیں۔ سب

سے پہلے بیوی کا مہر دینا ہوگا، بعد کو جو کچھ بچے گا وراثت میں تقسیم ہوگا۔ تو کون کون ان وارثوں میں کتنے کتنے کا

حقدار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعد تجہیز و تکفین اول زید کے ذمہ جو قرض، مہر وغیرہ ہو، اس کو ادا کیا جائے، پھر اگر اس نے کچھ وصیت

کی ہو تو ایک تہائی ترکہ سے وہ وصیت پوری کی جائے (۲)، اس کے بعد ایک چوتھائی ترکہ زید کی بیوی کو

دیا جائے (۳)، بقیہ زید کے والد کے پانچ حقیقی چچا زاد بھائیوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے (۴)، ان کے علاوہ

مذکورہ رشتہ داروں میں سے کسی کو کچھ نہیں ملے گا، چاہے وہ زید کی والدہ کے عزیز ہوں یا والد کے عزیز ہوں (۵)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۵ھ۔

(۱) (السراجی، ص: ۴۸، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/ ۴۶۱، کتاب الفرائض، باب ذوی الأرحام، الصنف الثالث، رشیدیہ)

(و کذا فی الشریفیہ شرح سراجیہ، ص: ۱۱۲، ۱۱۱، باب ذوی الأرحام، رشیدیہ)

(۲) ”یبدأ من ترکۃ المیت بتجهیزہ - یعم التكفین - ثم تقدم دیونہ التي لها مطالب من جهة العباد، ثم

وصيته من ثلث مابقی، ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته“۔ (الدر المختار: ۶/ ۵۹، ۶۰، کتاب

الفرائض، سعید)

= (و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها و فیما يتعلق بالترکة، رشیدیہ)

(۳) قال اللہ تبارک و تعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما ترکتم إن لم یکن لکم ولد﴾ (سورة النساء: ۱۲)
 ”والربع لها عند عدمهما، فللزوجات حالتان: الربع بلا ولد، والثلث مع الولد“. (الدرالمختار: ۶/۷۷۰، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۰، کتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی الفروض، رشیدیہ)
 (۴) مذکورہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ میت کے ورثاء میں ایک بیوہ زید کے والد کے پانچ حقیقی چچا زاد بھائی ہوں۔
 موجودہ سوال میں مذکور ورثاء میں تقسیم میراث اس طرح سے ہوگا کہ کل ترکہ کو آٹھ حصوں میں تقسیم کر کے بیوہ کو دو اور زید کے ماموں زاد بھائیوں میں سے ہر ایک کو دو دو، جب کہ ماموں زاد بہنوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک حصہ دیا جائے اور باقی ورثاء محروم ہوں گے، مزید تفصیل کے لئے نقشہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۴ نص						
زوج	حقیقی ماموں	حقیقی ماموں	حقیقی ماموں	حقیقی ممانی	زید کے والد کے	زید کے والد کی
	زاد بھائی	زاد بھائی	زاد بہن	زاد بہن	چار حقیقی ماموں زاد بھائی	تین حقیقی چچا زاد بہنیں
$\frac{1}{2}$	۲	۲	۱	۱	محروم	

”قال رحمہ اللہ تعالیٰ: (ولایرث مع ذی سهم وعصبۃ سوی إحدى الزوجین؛ لعدم الرد علیہما): أى لایرث ذوو الأرحام مع وجود ذی فرض أو عصبۃ إلا إذا کان صاحب الفرض أحد الزوجین، فیرثون معه لعدم الرد علیہ؛ لأن العصبۃ أولى منه. وكذا الرد علی ذوی السهام أولى من ذوی الأرحام؛ لأنهم أقرب، إلا الزوجین، فإنهما لا قرابة لهما مع المیت، وإرثما نظیر الدین، فإن صاحب الدین لایرد علیہ ما فضل بعد قضاء الدین، فكذا لایرد علیہما ما فضل من فرضهما، علی ذلك کان عامة الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم اھ“. (تبیین الحقائق، کتاب الفرائض: ۷/۴۹۴، ۴۹۵، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

= "وذكر الأرحام أصناف أربعة: الصنف الأول ينتمى: أى ينسب إلى الميت، وهم أولاد البنات وإن سفلوا، ذكورا كانوا أو إناثا، وأولاد بنات الابن كذلك. والصنف الثانى: ينتمى إليهم الميت، وهم الأجداد الساقطون: أى الفاسدون وإن علوا كاب أم الميت، وأب أب أمه، والجدا الساقطون: أى الفاسدون وإن علوا كاب أم الميت، وأم أم أب أمه. والصنف الثالث ينتمى إلى أبوى الميت، وهم أولاد الأخوات وإن سفلوا، سواء تلك الأولاد ذكورا أو إناثا، وسواء كانت الأخوات لأب وأم، أو لأب، أو لأم، وبنات الإخوة وإن سفلن سواء كانت الإخوة من الأبوين أو من أحدهما، وبنو الإخوة لأم..... والصنف الرابع ينتمى إلى جدى الميت، وهما أب الأب وأب الأم، أو جدتيه وهما أم الأب وأم الأم، وهم العمات..... والأعمام لأم..... والأخوال والخالات، فإنهم إخوة وأخوات لأم الميت، فإن كانوا من أبيها وأمها أو من أبيها فهم منتمون إلى جد الميت من قبل أمه، وإن كانوا من أمها كانوا منتمين إلى جدته من قبل أمه، فهؤلاء الأصناف الأربعة، وكل من يدلى إلى الميت بهم من ذوى الأرحام..... ويتناول أولاد الصنف الرابع..... وروى أبو يوسف والحسن بن زياد عن أبي حنيفة، وابن سماعة عن محمد بن الحسن عن أبي حنيفة: أن أقرب الأصناف وأقدمهم فى الميراث الصنف الأول ثم الثانى ثم الثالث ثم الرابع كترتيب العصبات..... وهو المأخوذ للفتوى". (الشريفة شرح السراجية، باب ذوى الأرحام، ص: ٩٤ - ٩٩، حقانيه پشاور)

"وإن اختلط فى الصنف الرابع الذكور والإناث، واستوت أيضا قرابتهم فى القوة بأن يكونوا كلهم لأب وأم أو لأب أو لأم، فللذكر مثل حظ الأنثيين". (الشريفة شرح السراجية، باب ذوى الأرحام، الصنف الرابع، ص: ١١٢، حقانيه پشاور)

"إذا لم توجد عمومة الميت وخوولته وأولادهم، انتقل حكمهم المذكور إلى عم أب الميت لأم وعمته وخاله وخالته، وإلى عم أم الميت وعمتها وخالها وخالتها". (الشريفة شرح السراجية، باب ذوى الأرحام، فصل فى أولاد الصنف الرابع، ص: ١٢٣، حقانيه پشاور)

"وإنما يرث ذوى الأرحام إذا لم يكن أحد من أصحاب الفرائض ممن يرث عليه، ولم يكن عصبه، وأجمعوا على أن ذوى الأرحام لا يحجبون بالزوج والزوجة: أى يرثون معهما، فيعطى للزوج والزوجة نصيبهما، ثم يقسم الباقي بين ذوى الأرحام مما لو انفردوا، مثاله: زوج وبنت وخالة وبنت عم فللزوجة النصف، والباقي لبنت البنت. ثم الأولى بالميراث من الصنف الأول الأقرب إلى الميت لبنت =

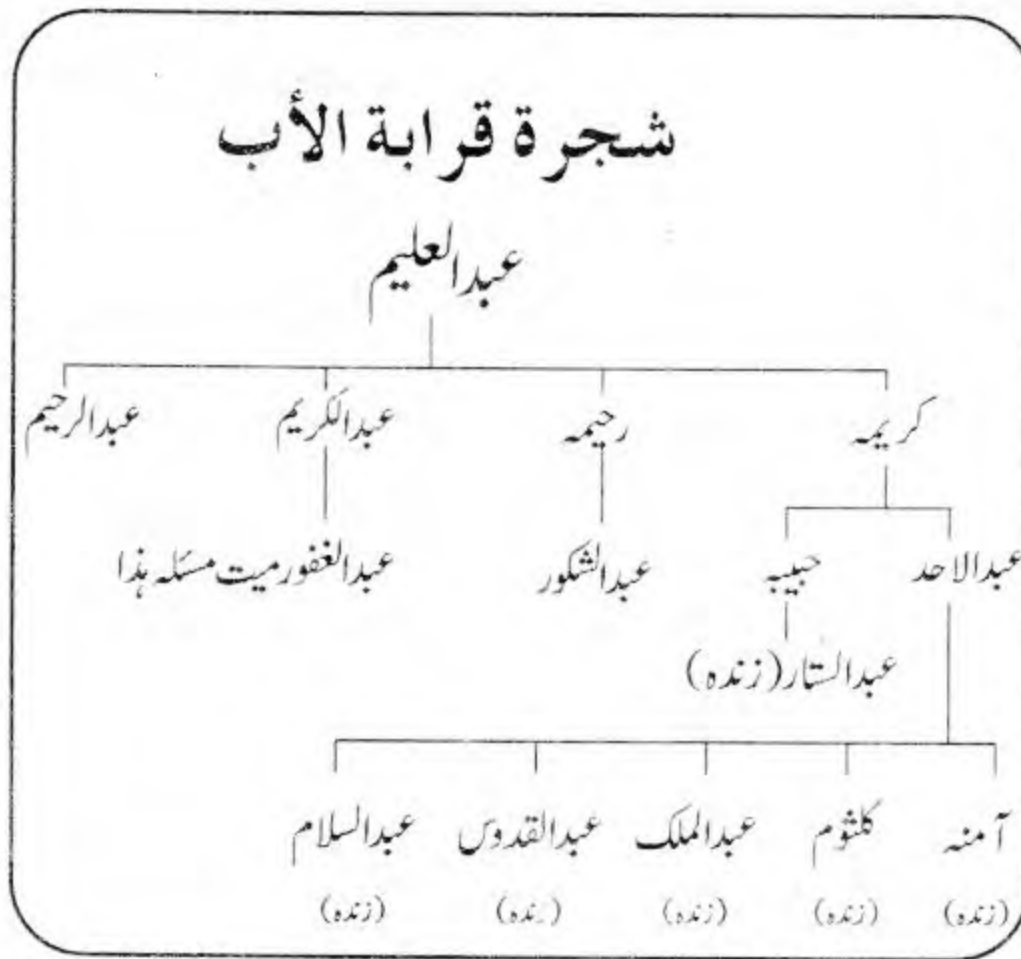
ذوی الارحام میں تقسیم میراث کی ایک صورت

سوال [۹۸۴]: ایک شخص مسمیٰ عبدالغفور نے انتقال کیا اور یہ وارث چھوڑے:

مرحوم کے حقیقی چچا مسمیٰ عبدالرحیم کی دونو اسی: مسمیات زینب اور فاطمہ اور ایک نواسا مسمیٰ محمد عمر اور مرحوم کی حقیقی خالہ مسماۃ حفصہ کے دو پوتے، مسما یان: عبدالحلیم اور عبد العلی اور مرحوم کی ایک حقیقی پھوپھی مسماۃ کریمہ کا ایک نواسہ مسمیٰ عبدالستار اور یہی پھوپھی کی دو پوتیاں مسماۃ: آمنہ اور کلثوم اور تین پوتے مسمیان: عبدالملک اور عبد

القدوس اور عبدالسلام۔ اور مرحوم کی

دوسری حقیقی پھوپھی مسماۃ رحیمہ کا ایک پوتہ مسمیٰ عبدالاحد۔ یہ کل بارہ وارث موجود ہیں۔ سواب مرحوم عبدالغفور کے ترکہ کا موافق شرع کے کیا فیصلہ ہے؟ مرحوم کے وارثین کے نسب ناموں کے شجرے حسب ذیل ہیں: ←



= البنت أولى من بنت بنت البنت“۔ (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الفرائض، الباب العاشر فی ذوی الارحام: ۴۵۹/۶، رشیدیہ)

(۵) دیگر اعزہ والدین ذوی الارحام میں سے ہیں اور عصبات کی موجودگی میں ذوی الارحام کو میراث نہیں ملے گا:

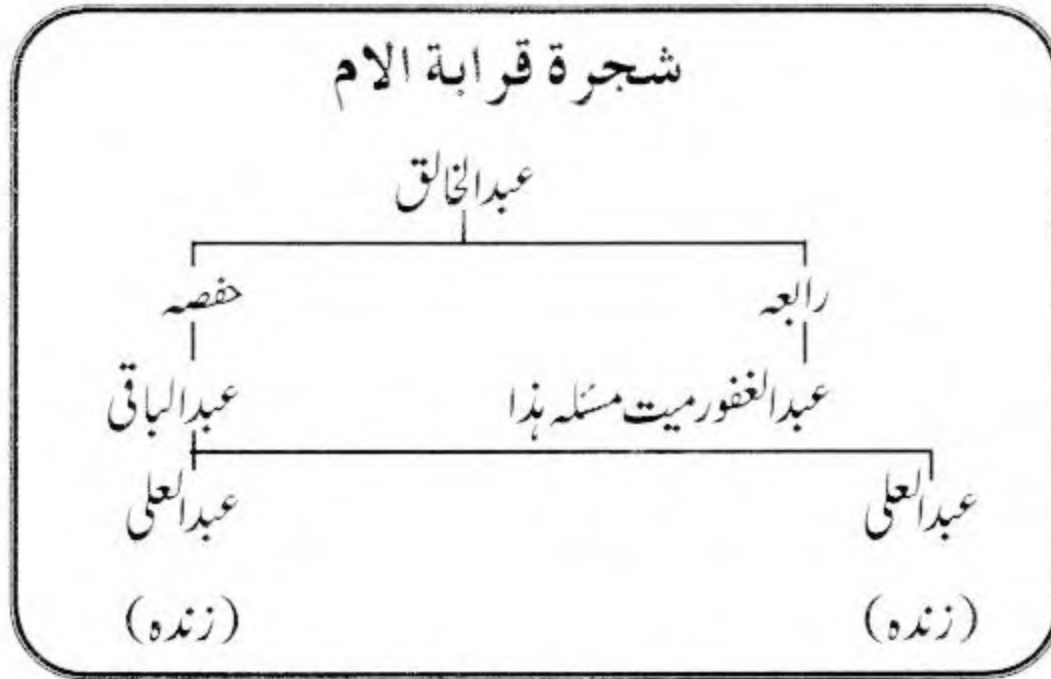
”فیبدأ بذوی الفروض، ثم بالعصبات النسبية، ثم المعتق، ثم عصبۃ الذکور، ثم الرد علی ذوی

الفروض النسبية، ثم ذوی الارحام“۔ (الدرالمختار)۔ ”أی يبدأ بهم عند عدم ذوی الفروض النسبية

والعصبات“۔ (الدرالمختار: ۶/۶۲۲، ۶۲۳، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳۶۳/۹، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(وکذا فی السراجیۃ، ص: ۳، سعید)



الجواب حامداً ومصلحاً:

فى العالگىرىه: ٢ / ٤٦٤، فى الصنف الرابع: "وإن كانوا ذكوراً أو أنثاءً واستوت قرابتهم، فللذكر مثل حظ الأنثيين. وإن كان حيز قرابتهم مختلفاً فالثلثان لقرابة الأب وهو نصيب الأب، والثلث لقرابة الأم وهو نصيب الأم. وكذا فى أولادهم، أولهم بالميراث أقربهم إلى الميت من أى جهة كان، انتهى". (١) -

وفىها أيضاً، ص: ٤٥٩: "واختلفوا فى ولد ولد الوارث، والصحيح أنه ليس بأولى، كذا فى خزنة المفتين" (٢) -

وفى السراجى: "فصل فى أولادهم: أى أولاد الصنف الرابع". شريفه (٣) - "الحكم فىهم كالحكم فى الصنف الأول، الخ" (٤) -

وفيه أيضاً: "وكذلك عند محمد رحمه الله تعالى إذا كان فى أولاد البنات بطون مختلفة يقسم المال على أول بطنٍ اختلف فى الأصول، ثم يجعل الذكور طائفةً والإناث طائفةً

(١) (الفتاوى العالمكبرى: ٢ / ٢٦٢، كتاب الفرائض، الباب العاشر فى ذوى الأرحام، الصنف الرابع، رشيديه)

(٢) (الفتاوى العالمكبرى: ٢ / ٢٥٩، كتاب الفرائض، باب ذوى الأرحام، رشيديه)

(٣) (السراجى، ص: ٥١، باب ذوى الأرحام، فصل فى أولادهم، سعيد)

(٤) (الشريفية شرح السراجية، ص: ١١٤، باب ذوى الأرحام، فصل فى أولادهم، سعيد)

بعد القسمة، فما أصاب الذکور، یجمع ویقسم علی الخلاف الذی وقع فی أولادهم، وكذلك ما أصاب الإناث، وهكذا یعمل إلی أن ینتهی“ (۱)۔

وفیه أيضاً: ”وکذلك محمد رحمہ اللہ تعالیٰ يأخذ الصفة من الأصل حال القسمة علیہ، والعدد من الفرع“ (۲)۔ وفیه أيضاً: ”وقول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ أشهر الروایتین عن أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ فی جمیع ذوی الأرحام، وعلیہ الفتوی، انتھی“ (۳)۔

ان تمام روایتوں سے سوال میں لکھی ہوئی صورت کا حکم معلوم ہوا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ مرحوم کے ترکہ کا تیسرا حصہ تو دو حصہ ہو کر مرحوم کی ماں کی طرف کے وارثوں کو یعنی خالہ کے پوتے عبدالحلیم اور عبدالحلیم کی ایک حصہ ملے گا، اور باقی دو تہائی مال مرحوم کے باپ کی طرف کے وارثوں کو یعنی چچا اور پھوپھی کی اولاد میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ یہ دو تہائی پہلے خود چچا اور پھوپھیوں پر تقسیم ہوگا، مگر تقسیم میں چچا اور پھوپھیوں کی اولاد میں جتنے وارث ہیں ان کی گنتی کے برابر چچا اور پھوپھیں مان کر ان پر تقسیم کریں گے۔

پس صورت موجودہ میں پھوپھیوں کی اولاد میں چونکہ سات شخص ہیں، لہذا سات پھوپھیں مانی جائیں، اور چچا کی اولاد میں تین شخص ہیں لہذا تین چچا مانے جائیں گے۔ اور ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوتا ہے، اس لئے یہ دو تہائی کے تیرہ حصہ کر کے اس میں سے چھ حصے چچا کو ملیں گے۔

پھر چچا کی اولاد میں پہلے درجے کی اولاد چونکہ ایک ہی قسم کی ہے یعنی لڑکی ہے، لہذا اس کو چھوڑ کر دوسرے درجے میں جو دو قسم کی اولاد ہے یعنی ایک نواسہ محمد عمر اور دو نواسی زینب اور فاطمہ، اور نواسے کا حق نواسی سے دو گنا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ چھ حصوں کے چار حصے کر کے ایک ایک حصہ نواسی کو اور دو حصے نواسے کو دیئے جائیں۔

(۱) (السراجی، ص: ۴۱، باب ذوی الأرحام، سعید)

(وکذا فی الشریفیة شرح السراجیة، ص: ۱۰۲، سعید)

(۲) (السراجی، ص: ۴۲، باب ذوی الأرحام، الصنف الثانی، سعید)

(۳) (السراجی، ص: ۴۴، باب ذوی الفرائض، فی الصنف الأول، سعید)

(وکذا فی الشریفیة، ص: ۱۰۷، باب ذوی الأرحام، الصنف الأول، سعید)

اور پھوپھیوں کے حصہ میں جو سات آتے ہیں، اس کا یہ حکم ہے کہ پھوپھیوں کی پہلے درجہ کی اولاد میں چونکہ دو قسم کے لوگ ہیں: مرد اور عورت یعنی ایک لڑکی حبیبہ اور دو لڑکے عبدالصمد اور عبدالشکور ہیں، اور حبیبہ اور عبدالشکور کی اولاد میں صرف ایک ایک شخص ہے اور عبدالصمد کی اولاد میں پانچ شخص ہیں، لہذا پہلے درجہ کی اولاد پھوپھیوں کی موافق قاعدہ مذکورہ بالا کے ایک لڑکی اور چھ لڑکے مانے جائیں گے اور ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہوتا ہے۔

اس لئے پھوپھیوں کے حصہ میں جو سات حصے آئے ہیں، ان کے تیرہ حصے کئے جائیں گے، اس میں سے ایک حصہ پھوپھی کی لڑکی حبیبہ کے حصہ میں آئے گا اور اس کے لڑکے عبدالستار کو مل جائے گا اور باقی بارہ حصے پھوپھی کے لڑکوں عبدالصمد اور عبدالشکور کے حصے میں رہے، وہ ان دونوں کی اولاد جو کہ پھوپھیوں کی دوسرے درجہ کی اولاد ہے ان کو ملیں گے، مگر ان دونوں کی اولاد میں بھی مرد و عورت یعنی دو لڑکیاں اور چار لڑکے ہیں، اس لئے مذکورہ بارہ حصوں کے دس حصے کئے جائیں گے، ان میں سے ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں آمنہ اور کلثوم کو مل جائے گا اور دو حصے ایک ایک لڑکے کو یعنی عبدالاحد اور عبدالملک اور عبدالقدوس اور عبدالسلام کو ملیں گے۔

اب اس حساب کو آسانی سے سمجھنے کیلئے ایک مثال لکھی جاتی ہے، مثلاً: مرحوم عبدالغفور کا ترکہ چھ بیس روپے ساڑھے چھ آنہ ہے۔ تو اس میں سے ایک تہائی آٹھ روپے دس پائی (جو مرحوم کی خالہ کے حصے کے ہیں) خالہ کے پوتوں عبدالحلیم اور عبدالعلی کو ملیں گے، ہر ایک کو چار روپے، چھ آنے، پانچ پائی ملیں گے اور باقی دو تہائی یعنی سترہ روپے، نو آنے، آٹھ پائی کے تیرہ حصے کر کے اس میں سے چھ حصے کی رقم آٹھ روپے، ڈیڑھ آنہ مرحوم کے چچا کے حصہ کے چار حصے ہو کر ان کی دونوں اسی: زینب اور فاطمہ اور نواسہ محمد عمر کو ملیں گے۔ ہر ایک نواسی کو دو روپے دو پیسے اور نواسے کو چار روپے ایک آنہ ملے گا۔

اور باقی سات حصے کی رقم نو روپے سات آنے آٹھ پائی (جو پھوپھیوں کے حصے کے ہیں) تیرہ حصے کر کے اس میں سے ایک حصہ یعنی گیارہ آنے آٹھ پائی حبیبہ کے حصہ میں آ کر اس کے لڑکے عبدالستار کو مل جائیں گے اور باقی بارہ حصے کی رقم آٹھ روپے، بارہ آنے جو عبدالصمد اور عبدالشکور کے حصے کے ہیں وہ دس حصے ہو کر ان کی اولاد یعنی دو لڑکیاں آمنہ اور کلثوم اور چار لڑکے: عبدالاحد اور عبدالملک اور عبدالقدوس اور عبدالسلام کو

ملیں گے۔ ہر ایک لڑکی کو چودہ آنے اور ہر ایک لڑکے کو پونے دو روپے ملیں گے۔

عبدالغفور عبدالکریم											
عم	عم	عم	عم	عم	عم	عم	عم	عم	عم	عم	عم
بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت
بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت
نہیب	فاطمہ	محمد عمر	عبدالستار	عبدالاحد	عبدالملک	عبدالقدوس	عبدالسلام	آمنہ	کلثوم	عبدالجلیم	عبدالعلی
۶	۶	۶	۲	۲	۲۸	۳۳۶	۲۸	۳۳۶	۳۳۶	۳۳۶	۳۳۶
۶	۶	۶	۲	۲	۲۸	۳۳۶	۲۸	۳۳۶	۳۳۶	۳۳۶	۳۳۶
۳۹۰	۳۹۰	۳۹۰	۱۵۶	۱۵۶	۱۲۰	۱۲۰	۱۲۰	۱۲۰	۱۲۰	۱۲۰	۱۲۰
۴۸۰	۴۸۰	۴۸۰	۱۴۰	۱۴۰	۱۴۰	۱۴۰	۱۴۰	۱۴۰	۱۴۰	۱۴۰	۱۴۰
للہ	للہ	للہ	للہ	للہ	للہ	للہ	للہ	للہ	للہ	للہ	للہ
۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱
۱۳	۱۳	۱۳	۱۳	۱۳	۱۳	۱۳	۱۳	۱۳	۱۳	۱۳	۱۳
۱۶۹	۱۶۹	۱۶۹	۱۶۹	۱۶۹	۱۶۹	۱۶۹	۱۶۹	۱۶۹	۱۶۹	۱۶۹	۱۶۹
۸۳۸	۱۶۸	۱۶۸	۱۶۸	۱۶۸	۱۶۸	۱۶۸	۱۶۸	۱۶۸	۱۶۸	۱۶۸	۱۶۸
۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ رمضان المبارک/ ۱۳۶۶ھ۔
تخریج کی اصولی تقسیم اور رقوم کی تصحیح صحیح ہے، مگر بیچ میں جو سہام کا عمل کیا ہے وہ بہت مجمل ہے، جو قاعدہ اہل فرائض نے نقل سہام کا ذکر کیا ہے اس کے مطابق سمجھ میں نہیں آیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ شعبان/ ۱۳۶۶ھ۔

چچا نے بھتیجا کی پرورش کی، کیا چچا کی خرید کردہ جائیداد میں بھتیجا کا حصہ ہے؟

سوال [۹۸۴۸]: زید نے اپنے بھتیجا کی (جس کا باپ اس کو دو ڈھائی سال کا چھوڑ کر مر گیا) پرورش کی وہ جوان ہو کر تھوڑا بہت کام کرنے لگا اور ابھی اپنے چچا ہی کے پاس تھا کہ اس کے چچا زید نے ایک مکان خرید

کیا۔ آیا زید نے خرید کردہ مکان میں زید کا پرورش یافتہ بھتیجا بھی شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کا بھتیجا کوئی مستقل علیحدہ کام کرتا ہے تو اس کی کمائی خود اسی کی ہے، زید کی نہیں۔ اور اگر وہ علیحدہ کام نہیں کرتا بلکہ زید کی معیت اور شرکت میں کرتا ہے تو اس کی کمائی اس کی ملک نہیں، بلکہ زید کی ملک ہے اور یہ کہا جائے گا کہ اصل کاروبار کرنے والا زید ہی ہے اور بھتیجا اس کا معین۔

جو مکان زید نے خریدا ہے، اس میں بھتیجا کا حصہ نہیں۔ اگر روپیہ کچھ بھتیجا کی ملک سے ادا کیا ہے تو اس روپیہ کی بطور قرض واپسی ضروری ہے:

”أب وابن يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما مال، فالكسب كله للأب إذا كان الابن في عيال الأب، لكونه معيناً له، ألا ترى أنه لو غرس شجرة تكون لأب. وكذا الحكم في الزوجين إذا لم يكن لهما شيء، ثم اجتمع بسعيهما أموال كثيرة، فهي للزوج، وتكون المرأة معينة له، إلا إذا كان لها كسب عليحدة، فهو لها، كذا في القنية. وما تغزله من قطن الزوج وينسجه هو كرايس، فهو للزوج عندهم جميعاً، كذا في الفتاوى الحمادية، اهـ.“ هندية: ۳۰۸/۲ (۱)۔

”زوج امرأة وابنها اجتماعاً في دار واحدة وأخذ كل منهما يكتسب عليحدة، ويجمعان كسبهما ولا يعلم التفاوت ولا التساوى ولا التميز؟ فأجاب بأنه بينهما سوية، وكذلك لو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم ونما المال، فهو بينهم سوية ولو اختلفوا في العمل والرأى، اهـ.“ رد المحتار: ۵۴۰/۲ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵۹/۳/۲۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ربیع الثانی/۵۹ھ۔

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳۲۹/۲، کتاب الشریکۃ، الباب الرابع فی شریکۃ الوجوہ وشریکۃ الاعمال، رشیدیہ)

(۲) (رد المحتار: ۳۲۵/۴، کتاب الشریکۃ، فصل فی الشریکۃ الفاسدۃ، سعید) =

توریتِ حمل کی ایک صورت

رشید احمد غنی عنہ، مدرسِ اول مدینۃ العلوم بھپنڈا، پوسٹ راہوکی، متصل حیدر آباد سندھ۔
 مشفق المکرم زیدت عنایتکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال [۹۸۴۹]: بعد از طلبِ خیریتِ طرفین گزارش یہ کہ بندہ ۱۰/ شعبان المعظم سے مدرسہ میں رخصت ہو جانے کی وجہ سے اپنے غریب خانہ خیر پور آیا ہوا ہے اور اس جگہ بفضلہ تعالیٰ ہر طرح سے عافیت ہے۔ باعثِ تحریر آنکہ مسئلہ مذکورہ ذیل میں بندے کو قدرے شبہ ہے، کیونکہ یہ مسئلہ بندہ نے صرف اجتہاد سے تحریر کر دیا ہے، اس جگہ کوئی کتب خانہ موجود نہیں، تاکہ معتبر کتب سے اس کی تحقیقی کر لی جاتی اور اب آنجناب کی طرف ارسال ہے، اگر صحیح ہو تو تصویب فرماویں اور حوالہ بھی ہو سکے تو تحریر فرمادیں۔ اور اگر خطا ہو تو اصلاح فرما کر ممنون فرماویں۔ مسئلہ یہ ہے کہ:

اگر حمل غیر مورث کا ہو اور حاملہ معتدہ رجعیہ ہو اور اس نے مضی عدت کا اقرار بھی نہ کیا ہو تو موتِ مورث سے چھ ماہ اور وقتِ طلاق سے دو برس میں سے جو مدت اُبعد ہو، اس کے اندر اندر پیدا ہونا شرط ہے اور اگر مضی مدت کا اقرار کیا ہو تو اقرار سے چھ ماہ کے اندر اندر پیدا ہو، بشرطیکہ مذکورہ بالا اُبعد الأجلین کے بھی اندر ہو، کیونکہ اگر ستة أشهر من موت المورث اُبعد ہے تو ظاہر ہے کہ طلاق رجعیہ میں یوم طلاق سے دو برس کے بعد بھی وارث ہوگا۔

اور اگر یوم طلاق سے دو برس اُبعد الأجلین، تو اس میں اگرچہ ممکن ہے کہ موتِ مورث کے وقت حمل نہ ہو، اس کے بعد رجوع کر کے وطی کی ہو اور حمل ہو گیا ہو، مگر یہ خلافِ ظاہر ہے، اصل یہ ہے کہ اس نے رجوع نہیں کیا۔

فقط بقیہ سب خیریت ہے۔ امید ہے کہ حضور کا مزاج گرامی بھی مع الخیر ہوگا، حسنِ خاتمہ کی دعا سے فراموش نہ فرماویں۔

= (و کذا فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، کتاب الدعوی، مطلب: ما اکتسبه الابن یكون لأبیہ: ۱۸/۲،

مکتبہ میمنیہ مصر)

(و کذا فی الفتاویٰ الکاملیہ: ۱/۵۱، ۵۲، کتاب الشرکۃ، مکتبہ حقانیہ پشاور، پاکستان)

رشید احمد غفرلہ، لدھیانوی ثم خیر پوری، از خیر پور، میرس جامع مسجد (سندھ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جزئیہ صراحتاً نہیں ملا، اور جو تفصیل آپ نے تحریر کی ہے وہ سمجھ میں نہیں آئی کہ اس کا مأخذ کیا ہے۔ امید کہ مدرسہ پہنچ کر بعد رخصت تحریر فرمائیں گے (۱)۔

(۱) یہ استفتاء حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کی خدمت میں ارسال فرمایا تھا، اسی نوع کے تین سوالات احسن الفتاویٰ میں ایک ہی جگہ موجود ہیں، لیکن دونوں کی تاریخوں میں فرق ہے، وہ یہ کہ حضرت لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تینوں فتاویٰ کی تاریخیں بعد کی ہیں، یعنی ۱۳۷۵ھ کی اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ پہلے کا یعنی ۱۳۶۶ھ کا ہے۔ احسن الفتاویٰ کے تینوں فتاویٰ یہ ہیں:

سوال: ”ایک شخص کی موت کے چھ ماہ بعد اس کی والدہ کو بچہ پیدا ہو جو ڈیڑھ سال سے مطلقہ رجعیہ تھی تو یہ بچہ وارث ہوگا؟

ایک شخص فوت ہوا، سات آٹھ ماہ کا عرصہ گزرنے پر اس کا بھائی پیدا ہوا، حالانکہ ان کے باپ نے ان کی والدہ کو تقریباً ڈیڑھ سال سے طلاق رجعیہ دی ہوئی ہے، یہ بھائی شرعاً وارث ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب:

اگر ان کی والدہ نے عدت گزرنے کا اقرار نہیں کیا تو یہی سمجھا جائے گا کہ اس ولد کا علوق موت مورث کے وقت موجود تھا، کیونکہ وقت موت سے دو برس کے عرصہ تک بچہ پیدا ہونے سے ظاہر یہی ہے کہ زوج نے رجوع نہیں کیا اور یہ علوق قبل از طلاق ہے، لہذا یہ بھائی وارث ہوگا۔

قال الإمام المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ: ”بخلاف ما إذا اعتقت المعتدة عن موت أو طلاق، فجاءت بولد لأقل من سنتين من وقت الموت أو الطلاق، حيث يكون الولد مولی لموالی الأم وإن اعتق الأب؛ لتعذر إضافة العلوق إلى ما بعد الموت والطلاق البائن لحرمه الوطء، وبعد الطلاق الرجعی، لما أنه يصير مراجعاً بالشك، فاستند إلى حالة النكاح، فكان الولد موجوداً عند الإعتاق فعتق مقصوداً“۔ (ہدایہ، کتاب الولاء: ۳/۳۴۲)

وفی بحث الحمل من الشامیة: ”وإن كان من غیرہ، فإنما یرث لو ولد =

لستة أشهر أو أقل، إلا إذا كانت معتدة ولم تقر بانقضائها، الخ“۔

اور اگر ان کی والدہ نے عدت گزرنے کا اقرار کیا ہو تو یہ بھائی اس شرط سے وارث ہوگا کہ وقت اقرار سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہو، وإلا فلا۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم، ۱۲/رجب/۱۳۷۵ھ۔

سوال: ”حمل غیر مورث کی وراثت کے لئے موت مورث سے چھ ماہ کے اندر پیدا

ہونا شرط ہے:

حمل غیر مورث کا ہو تو اس کے وارث ہونے کی شرط ولادت لأقل من ستة أشهر ہے یا کہ لتمام ستة أشهر؟ شامیہ میں ”لستة أشهر أو أقل“ اور بحر میں صرف ”لأقل من ستة أشهر“ لکھا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب:

شامی نے سراجیہ کی موافقت کی ہے، اور بحر میں مبسوط کی موافقت ہے، لیکن مبسوط میں دیگر بعض مسائل میں ستة أشهر کو أقل کے ساتھ لاحق کیا ہے، اور طحاوی میں اسی مسئلہ میں ستة أشهر کا اکثر کے ساتھ لاحق ہونا مصرح ہے: ”وإن جاءت به لستة أشهر أو أكثر، فإنه لا يرث، اھ“۔
بظاہر یہی رائج معلوم ہوتا ہے، خود شامیہ میں مسئلہ ذیل میں ستة أشهر کو اکثر کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

”والمتموفی عنہا إذا ادعت انقضاءها، ثم جاءت بولد لتمام ستة أشهر،

لا يثبت نسبه، ولأقل يثبت، اھ“۔ (رد المحتار: ۲/۶۲۳)۔

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۳/رجب/۱۳۷۵ھ۔

حمل غیر موت مورث مورث سے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا مگر ورثہ بوقت موت وجود حمل کے مقرر نہیں تو یہ حمل وارث ہوگا؟

سوال:

شامیہ بحث العمل میں ہے:

”وإن كان من غيره، فإنما يرث لو ولد لستة أشهر أو أقل، إلا إذا كانت

معتدة ولم تقر بانقضائها أو أقر الورثة بوجوده“۔

اس میں کل ورثہ کا اقرار ضروری ہے یا کہ بعض کا کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

محترم المقام زید احترامکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بفضلہ تعالیٰ یہاں ہر طرح خیریت ہے، خداوند تعالیٰ طرفین میں عافیت رکھے، اس مبارک ماہ، مبارک اوقات میں مبارک مشاغل میں۔

چو باحبیب نشینی و بادہ پیمائی بیاد آر محبان بادہ پیمارا
بندہ دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی دین و دنیوی مخصوص نعمتوں سے مالا مال فرمائیں۔

احقر محمود غفرلہ، ۱۰/۹/۱۳۶۶ھ۔

طلاق کے بعد حمل کب تک مستحق میراث ہے؟

سوال [۹۸۵۰]: اگر مورث کی والدہ حاملہ ہے اور معتدہ رجعیہ ہے، عدت گزرنے کا اس نے اقرار نہیں کیا تو اس کا ولد موتِ مورث یا وقتِ طلاق سے کتنی مدت کے اندر پیدا ہو تو وارث ہوگا؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب:

چونکہ اقرارِ حجتِ قاصرہ ہے، اس لئے صرف مقررین کے حق میں ان کا اقرار معتبر ہوگا، البتہ اگر موتِ مورث کے وقت ظہورِ حمل عام طور پر معلوم ہو، یا اس کے ظہور پر شاہد موجود ہوں تو جملہ وارثوں کے حق میں اس کا ارث جاری ہوگا، ظہورِ حمل کا اعتبار جزئیہ ذیل سے ثابت ہے:

”یشت نسب ولد المعتدة بموت أو طلاق إن جحدت ولادتها بحجة تامة

أو حمل ظاهر، الخ“۔ (رد المحتار: ۲/۲۲۶)۔

حمل کی ولادت سے قبل اس کے لئے سهم موقوف رکھنا بھی ظہورِ حمل کے اعتبار کی دلیل ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳/رجب/۱۳۷۵ھ۔

(أحسن الفتاویٰ، کتاب الوصیة والفرائض: ۲۸۳/۹-۲۸۵، سعید)

البتہ احسن الفتاویٰ نویں جلد کے آخر میں ”تسهيل الميراث“ کے نام سے ایک رسالہ ہے جس میں حضرت مفتی

رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ نے سبق چہار دہم ”حمل کا حکم“ کے عنوان کے تحت جو بحث کی ہے اس کا اور فتاویٰ محمودیہ میں ذکر کردہ

فتویٰ دونوں کا سنہ ۱۳۶۶ھ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقت طلاق سے اکثر مدت حمل کے اندر پیدا ہونے سے بچہ وارث ہوگا، جب کہ توریث کا مدار ثبوت نسب پر ہے:

”وإن كان الحمل من غيره: أي من غير الميت وجاءت بالولد لأقل من ستة أشهر، يرث. وإن جاءت به لستة أشهر أو أكثر، فإنه لا يرث، كما إذا ترك زوجة حبلى من ابنه الكافر أو الرقيق، إلا إذا كانت تلك المرأة معتدة طلاق أو فرقة ولم تقرّ بانقضاء العدة، فإنه حينئذ يرث الولد لضرورة إثبات النسب الداعية إلى إضافته العلوق إلى أكثر مدة الحمل، اهـ.“ طحطاوی:

۴/۳۰۴ (۱)۔

صورت مسئلہ کا مدار توریث مطلق سے ثبوت نسب پر نہیں، بلکہ ولد الأم ہونے پر ہے، لہذا یہاں مضی عدت اور عدم مضی کو دخل نہیں اور اکثر مدت حمل کا اعتبار نہیں، بلکہ اگر موت مورث سے لأقل من ستة أشهر ولادت ہو تو وارث ہوگا، ورنہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

توریث حمل کی متعدد صورتیں اور ان پر اشکالات

سوال [۹۸۵]: حمل غیر مورث کا ہو تو اس حمل کے وارث ہونے کی شرط ولادت لأقل من ستة أشهر ہے، یا لتمام ستة أشهر، شامی نے ”ستة أشهر أو أقل“ (۲)، بحر نے صرف ”لأقل من ستة

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۴/۳۰۳، کتاب الفرائض، فصل فی الغرقى والحرقى، دار المعرفۃ للطباعة والنشر، بیروت)

(و کذا فی الدر المختار: ۲/۸۰۱ کتاب الفرائض، فصل فی الغرقى والحرقى، سعید)

(وفی السراجیۃ، ص: ۵۸، فصل فی الحمل، سعید)

(۲) ”وإن كان من غيره، فإنما يرث لو ولد لستة أشهر أو أقل، وإلا فلا.“ (رد المحتار: ۲/۸۰۱، کتاب

الفرائض، فصل فی الغرقى والحرقى، سعید)

أشهر“ لکھا ہے (۱)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شامی: ۷۰۲/۲ نے سراجی ص: ۴۹ کی موافقت کی ہے (۲)، اور بحر میں مبسوط کی موافقت ہے، لیکن مبسوط ہی میں اور بعض مسائل میں ستہ أشهر کو أقل کے ساتھ لاحق کیا ہے (۳)، اکثر کے ساتھ لاحق نہیں کیا۔ اور طحاوی میں صاف ہے کہ اس مسئلہ میں ستہ أشهر اکثر کے ساتھ لاحق ہے، بظاہر یہی راجح معلوم ہوتا ہے: ”وإن جاءت به لستة أشهر أو أكثر، فإنه لا يرث، اهـ“ (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

سوال متعلق استفتاء بالال

سوال [۹۸۵۲]: اکثر کتب متداولہ میں یہی لکھا ہے کہ اگر حمل مورث کا ہو اور عورت نے انقضائے عدت کا اقرار کر لیا ہو تو حمل وارث نہ ہوگا۔ تو کیا اگر اقرار سے لائق من ستہ أشهر پیدا ہو جائے تب بھی وارث نہ ہوگا؟

(۱) ”ذکر الصدر الشهيد فی فرائضہ، أن الجنین يرث إذا كان موجوداً فی البطن عند موت المورث بأن جاء لأقل من ستة أشهر مذ مات المورث وهذا التقدير فی استحقاق الجنین من غیر الأب“۔ (البحر الرائق: ۳۹۱/۹، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۲) چنانچہ سراجی میں ہے: ”وإن كان من غیره وجاءت بالولد لستة أشهر أو أقل منها، يرث. وإن جاءت به لأكثر من أقل مدة الحمل، لا يرث“۔ (السراجی، ص: ۵۸ فصل فی الحمل، سعید) (وراجع رد المحتار، المصدرا السابق)

(۳) ”وانما يعلم وجوده فی البطن إذا جاءت به لأقل من ستة أشهر مذ مات المورث؛ لأن أدنى مدة الحمل ستة أشهر. وإن جاءت به لأكثر من ستة أشهر، فلا میراث له“۔ (المبسوط: ۱۵، الجزء: ۳۰، ص: ۶۰، کتاب الفرائض، باب میراث الحمل، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۴) (حاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار: ۴/۴۰۳، کتاب الفرائض، فصل فی الغرقى والحرقى، دار المعرفۃ للطباعة والنشر بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اقرار پر عدت ختم ہو جاتی ہے، لیکن اقرار کے بعد لأقل من ستة أشهر پیدا ہو جانا اس کے لئے مکذّب ہے، لہذا بچہ ثابت النسب اور وارث ہوگا، بشرطیکہ اکثر مدت حمل (دو سال) کے اندر پیدا ہوا ہو۔ اگر موت مورث سے دو سال کے بعد پیدا ہوگا تو ثابت النسب اور وارث نہیں ہوگا:

”والمتوفی عنها إذا ادّعت انقضائها، ثم جاءت بولد لتمام ستة أشهر، لایثبت نسبه،

ولأقل یثبت، اھ۔“ شامی: ۸۵۸/۲ (۱)۔

”یثبت نسب ولد المقررة بانقضاء العدة إذا جاءت به لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار، كما إذا أقرت بعد ماضی من عدتها سنتان إلا شهرين فجاءت بولد بعد ثلاثة أشهر من وقت الإقرار، لم یثبت نسبه منه؛ لأن شرط ثبوته أن یكون لأقل من سنتين من وقت الفراق بالموت أو بالطلاق، وبعده لا یثبت. وإن لم تقرّ بالانقضاء فمع الإقرار أولى، اھ۔“ زیلعی (۲)۔

”قال الإقنانی: هذا الذی ذكره القدوری یتناول كل معتدة، سواء كانت معتدة عن وفات أو عن طلاق، بائن أو رجعی؛ لأنه أطلق المعتدة ولم یقیدها، یدل علیه ما ذكره فخر الإسلام وغيره فی شروح الجامع بقولهم: إذا أقرت بانقضاء العدة فی الطلاق البائن أو الرجعی فی مدة تصلح لثلاثة أقراء، ثم ولدت، فإن ولدت لأقل من ستة أشهر منذ أقرت، ولأقل من سنتين منذ بانّت، وفی الرجعی کیف ما كانت بعد ما یكون لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار، یثبت، لعلمنا ببطلان الإقرار. وإن ولدت لستة أشهر منذ أقرت، یثبت (☆)؛ لأننا لم نعلم بفساد الإقرار، كذلك فی الوفاة، اھ۔“ شلبی هامش الزیلعی: ۴۲/۳ (۳)۔

(۱) (ردالمحتار: ۵۴۰/۳، کتاب النکاح، باب العدة، سعید)

(۲) (تبیین الحقائق لفخر الدین الزیلعی: ۲۸۲/۳، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(☆) ”قوله: یثبت“ هکذا فی الأصل، والظاهر أنه ”لم یثبت“ قد سقط ”لم“ من الکاتب. محمود حسن گنگوہی غفرلہ۔

(۳) (حاشیة الشلبی علی هامش التبیین للزیلعی: ۲۸۲/۳، ۲۸۳، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب،

والمسئلة مذكورة فى البحر: ۴/ ۱۷۳ (۱) - وفتح القدير: ۳/ ۳۰۵ (۲) -

ليكن علامه زيلعى نے ایک اشكال کیا ہے (۳) جس کو صاحب بحر اور شامى نے برقرار رکھا ہے،
فليتأمل فيه (۴) -

فى الفتاوى الهندية: "ولومات عنها قبل الدخول أو بعده، ثم جاءت بولد من وقت الوفات إلى سنتين، يثبت النسب منه. وإن جاءت به لأكثر من سنتين من وقت الوفات، لا يثبت النسب. هذا كله إذا لم يقرّ بانقضاء العدة، وإن أقرت - وذلك فى مدة تنقضى فى مثلها عدة الطلاق والوفاء سواء - ثم جاءت بولد لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار، يثبت النسب،

(۱) "أما من الأب، فإن جاء به لأقل من سنتين من وقت الموت، فإنه يرث ما لم تقرّ بانقضاء العدة فالأصل أن المعتدة إذا جاءت بالولد لأقل من سنتين من وقت الطلاق، فإنه يثبت نسب الولد من الزوج إذا لم تقرّ بانقضاء العدة، فإذا ثبت النسب من الميت، يرث منه ضرورة. وإن جاء لأكثر من سنتين، لا يثبت النسب من الميت، ولا يرث منه". (البحر الرائق: ۳۹۱/۹، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۲) "قوله: ويثبت نسب ولد المطلقة الرجعية إذا جاءت به لسنتين أو أكثر ما لم تقرّ بانقضاء عدتها، ثم جاءت بولد، لا يثبت نسبه، إلا إذا جاءت به لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار، فإنه يثبت نسبه". (فتح القدير: ۳/ ۳۵۱، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(۳) (تبين الحقائق، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۳/ ۲۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) "وذكر فى التبيين بقى فيه إشكال وهو ما إذا أقرت بانقضاء عدتها، ثم جاءت بولد لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار ولأقل من سنتين من وقت الفراق، ينبغى أن لا يثبت نسبه إذا كانت المدة تحتمل ذلك بأن أقرت بعد ما مضى سنة مثلاً، ثم جاءت بولد لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار؛ لأنه يحتمل أن عدتها انقضت فى شهرين أو ثلاثة أشهر، ثم أقرب بعد ذلك بزمان طويل، ولا يلزم من إقرارها بانقضاء العدة أن تنقضى فى ذلك الوقت فلم يظهر كذبها بيقين، إلا إذا قالت: انقضت عدتى الساعة، ثم جاءت بولد لأقل من ستة أشهر من ذلك الوقت". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۳/ ۲۷۰، ۲۷۱، رشيديه)

(وكذا فى رد المحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل فى ثبوت النسب، مطلب فى ثبوت النسب من الصغيرة:

وإلا فلا، اھ۔ عالم گیری: ۱/۵۳۷ (۱)۔

جب ثبوت نسب ہوگا تو استحقاق وراثت بھی ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

ایضاً

سوال [۹۸۵۳]: شامی بحث الحمل میں ہے: ”وإن كان من غیرہ، فإنما يرث لو ولد لستة

أشهر أو أقل، إلا إذا كانت معتدة ولم تقرّ بانقضائها أو أقر الورثة بوجوده“ (۲)۔

اس میں کل ورثہ کا اقرار ضروری ہے، یا اکثر کا یا بعض کا اقرار بھی کافی ہے، اگر کل کا اقرار ضروری ہے تو کل ورثہ کا عاقل بالغ ہونا بھی ضروری ہوگا، نیز بعض کا اقرار اور بعض کا سکوت کل کے اقرار کے حکم میں ہوگا یا نہیں؟ نیز اگر معتدہ رجعیہ ہو تو ظاہر ہے کہ روز طلاق سے دو سال کے بعد بھی اگر ولادت ہو تو حمل وارث ہوگا اور اگر معتدہ بائنہ ہو، یا ورثہ نے حمل کے وجود کا اقرار کیا ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس حمل کا روز طلاق یا موت سے دو سال کے اندر اندر پیدا ہونا ضروری ہے، مگر کتاب میں یہ شرط نہیں لگائی گئی، جو تحقیق ہو مطلع فرماویں۔

الجواب حامداً ومصبياً:

اس مسئلہ میں صراحۃً کوئی جزئیہ نہیں ملا۔ حمل مورث کے متعلق فصل ثبوت النسب میں عبارت ہے:

”ويثبت نسب ولد المعتدة بموت أو طلاق إن جحدت ولادتها بحجة تامة أو حبل ظاهر، أو إقرار الزوج به، أو تصديق بعض الورثة، فيثبت في حق المقرين. وإنما يثبت النسب في حق غيرهم حتى الناس كافة إن تم نصاب الشهادة بهم، بأن شهد مع المقر رجل آخر. وكذا لو صدقه عليه الورثة وهم من أهل التصديق، فيثبت النسب، وإلا يتم نصابها، لا يشارك المكذبين، اھ۔“ درمختار مختصراً (۳)۔

”قوله: أو تصديق بعض الورثة) المراد بالبعض من لا يتم به نصاب الشهادة وهو الواحد

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۵۳۷، کتاب الطلاق، الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب، رشیدیہ)

(۲) (ردالمحتار: ۶/۸۰۱، کتاب الفرائض، فصل فی الغرقى والحرقي، سعید)

(۳) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۵۲۲، ۵۲۶، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، سعید)

العدل أو الأكثر مع عدم العدالة كما يظهر مقابله ح. و صورة المسئلة: لو أدعت معتدة الوفاة الولادة، فصدقها الورثة ولم يشهد بها أحد، فهو ابن الميت في قولهم جميعاً؛ لأن الإرث خالص حقهم، فيقبل تصديقهم فيه، فتح. (قوله: فيثبت في حق المقرين) الأولى: في حق من أقر، يشمل الواحد، ولأنهم لو كانوا جماعة، ثبت في حق غيرهم أيضاً، إلا أن يحمل على ما إذا كانوا غير عدول، أفاده قوله: (في حق غيرهم): أي في حق من لم يصدق، اهـ. شامی: ۲/۸۶۳ (۱)۔

لیکن یہ نفس ولادت کے متعلق کلام ہے۔ معتدہ بائنہ رجعیہ کا جزئیہ صریحہ اس سے پہلے جواب میں شلبی ہامش الزیلعی سے منقول ہو چکا ہے (۲) اور یہ بحر (۳)، و شامی وغیرہ میں بھی ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ۔

(۱) (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۳/۵۴۶، سعید)

(۲) "قال الإتقانی: هذا الذي ذكره القدوري يتناول كل معتدة، سواء كانت معتدة عن وفات أو عن طلاق، بائن أو رجعي؛ لأنه أطلق المعتدة ولم يقيدھا، يدل عليه ما ذكره فخر الإسلام وغيره في شروح الجامع بقولهم: إذا أقرت بانقضاء العدة في الطلاق البائن أو الرجعي في مدة تصلح لثلاثة أقراء، ثم ولدت، فإن ولدت لأقل من ستة أشهر منذ أقرت، ولأقل من سنتين منذ بانت، وفي الرجعي كيف ما كانت بعد ما يكون لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار، يثبت؛ لعلمنا ببطلان الإقرار. وإن ولدت لستة أشهر منذ أقرت، يثبت؛ لأننا لم نعلم بفساد الإقرار، كذلك في الوفاة، اهـ." (حاشية الشلبی علی هامش التبيين للزیلعی: ۳/۲۸۲، ۲۸۳، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۳) قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: "والمقرة بمضيها لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار، وإلا لا: أي ويثبت نسب ولد المعتدة المقررة بمضيها إذا جاءت بالولد لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار ولو جاءت به لستة أشهر أو أكثر من وقت الإقرار، لم يثبت؛ لأننا لم نعلم بطلاق الإقرار، لاحتمال الحلوث بعده، وهو المراد بقوله: وإلا لا." (البحر الرائق: ۴/۲۷۰، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، رشيدیه)

(۴) "وكذا المقررة إن ولدت لذلك من وقت الإقرار: أي من أقرت بانقضائها بعد ثلاثة أشهر. (قوله: إن ولدت لذلك): أي لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار: أي ولأقل من تسعة أشهر من وقت الطلاق، لظهور كذبها بيقين، وحينئذ فلا فرق بين الإقرار وعدمه في أنه لا يثبت النسب، إلا إذا ولدته لأقل من تسعة أشهر." (ردالمحتار: ۳/۵۴۳،

کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، سعید)

ایضاً

سوال [۹۸۵ ۴]: اگر حمل غیر مورث کا ہو اور چھ ماہ کے بعد پیدا ہو وفات مورث سے، تو وہ تب وارث ہوگا کہ ورثہ نے وفات مورث کے وقت اس حمل کے وجود کا اقرار کیا ہو، یہ اقرار سب وارث کریں یا بعض کا اقرار کافی ہے؟

اس کے متعلق آپ نے ثبوت والی عبارات تحریر فرمائی ہیں، مگر اس صورت میں ”إقرار مَنْ يَتَمُّ بِهِ الشَّهَادَةُ“ اس لئے کافی ہے کہ ولادت خود ایسی چیز ہے کہ اس پر شہادت معتبر ہے، بخلاف صورت مسئلہ کے کہ حمل کا وجود ہی یقینی نہیں تو اس پر شہادت کیسے قبول ہوگی، ایک غائب اور محتمل چیز پر شہادت معتبر نہ ہوگی۔ پس احقر کا اس کے متعلق یہ خیال ہے کہ اقرار چونکہ حجت قاصرہ ہے، اس لئے مقرّین کے حق میں حمل وارث ہوگا، بقیہ کے حق میں وارث نہ ہوگا اگرچہ مقرّین کی تعداد نصاب شہادت سے بھی زائد ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے متعلق صراحۃً جزئیہ ملنے کی نفی کر کے ثبوت النسب والی عبارات نقل کی تھیں اور اس سے پہلے سوال کے جواب میں یہ مذکور تھا کہ جب ثبوت نسب ہوگا تو استحقاق وراثت بھی ہوگا (۱)۔ نیز عبارات درمختار میں یہ فقرہ بھی مذکور تھا: ”فیثبت فی حق المقرین“ (۲)، اس سب سے مقصود بعض احتمالات کی اقربیت کو بیان کرنا تھا۔ اقرار کا حجت قاصرہ ہونا مصرح ہے جس کی نظیر ”فیثبت فی حق المقرین“ بھی ہے، اگرچہ وہ نقصان نصاب پر مرتب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

(۱) چنانچہ بحر الرائق میں ہے: ”فإذا ثبت النسب من الميت، يرث منه ضرورة“۔ (البحر الرائق: ۳۹۲/۹، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۲) ”فیثبت فی حق المقرین“ ویثبت نسب ولد المعتدہ بموت أو طلاق إن جحدت ولادتها بحجة تامة أو جحد ظاهر أو إقرار الزوج به أو تصديق بعض الورثة، فیثبت فی حق المقرین“۔ (الدر المختار)۔ (قوله: أو تصديق بعض الورثة) المراد بالبعض من لا يتم به نصاب الشهادة، وهو الواحد العدل أو الأكثر مع عدم العدالة (قوله: فیثبت فی حق المقرین) الأولى فی حق من أقر، يشمل الواحد، ولأنهم لو كانوا جماعة، ثبت فی حق غیرهم أيضاً“۔ (رد المحتار: ۵۴۴/۳، ۵۴۶، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲۸۲/۳، ۲۸۴، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، دار الکتب العلمیہ بیروت)

الفصل العاشر فی الحجب والحرمان

(حجب اور حرمان کا بیان)

ایک وارث دوسرے وارث کی موجودگی میں محروم کیوں ہے؟

سوال [۹۸۵۵]: ایک غیر مسلم نے سوال کیا ہے کہ ایسی شریعت نے محبوب کو میراث سے کیوں محروم ٹھہرایا ہے، اس کی کیا وجہ ہے اور کیا راز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میراث کیلئے شریعت نے احکام بیان کئے ہیں کہ کون وارث کس حالت میں کتنی میراث کا مستحق ہوگا، اور کون کس کی وجہ سے محبوب ہوگا۔ دادا مستحق میراث ہے، لیکن باپ کی موجودگی میں اس کو کچھ نہیں ملتا، کیونکہ دادا کا رشتہ باپ کے واسطے سے ہے۔ اسی طرح بھائی وارث ہوتا ہے، مگر باپ کی موجودگی میں اس کو کچھ نہیں ملتا، اس لئے کہ اس کا رشتہ بھی باپ کے واسطے سے ہے۔ یہی حال پوتے کا ہے کہ بیٹے کی موجودگی میں وہ وارث نہیں ہوتا (۱)، یہ بات بالکل صاف اور قابل قبول ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۱۳۹۴ھ۔

شادی کی وجہ سے لڑکیاں محروم نہیں ہوتیں

سوال [۹۸۵۶]: شیخ خیرات احمد مرحوم کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، دونوں لڑکیاں شادی شدہ

(۱) ”ویسقط الجد بالأب؛ لأن الأب أصل فی قرابة الجد إلى الميت“۔ (السراجی)۔ ”لأن قرابته بواسطة الأب، فما دامت الوسطة أهلاً للميراث، فالميراث للواسطة كابن الابن مع الابن“۔ (الشریفة، ص: ۱۹، باب معرفة الفروض ومستحقها، سعید)

”کل من یدلی: أى ینتمی إلى الميت بشخص، لا یرث مع وجود ذلک الشخص، کابن الابن،

فإنه لا یرث مع الابن“۔ (الشریفة، ص: ۲۸، باب الحجب، سعید)

(وکذا فی السراجی، ص: ۱۷، باب الحجب، سعید)

ہیں، ان دونوں لڑکیوں کا والد کی جائیداد میں شرعاً حصہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شادی ہونے کی وجہ سے لڑکیاں باپ کی وراثت سے محروم نہیں ہوتیں، ان کو ضرور حصہ ملتا ہے (۱)۔ اگر صرف چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، تو بعد ادائے حقوق متقدمہ علی المیراث دس سہام بنا کر دو سہام چار لڑکوں کو اور ایک ایک سہام دونوں لڑکیوں کو تقسیم کر دیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

کیا ترکہ میں کوئی چیز ایسی بھی ہے جس سے بیٹی محروم ہے؟

سوال [۹۸۵]: مرزا محمد اسحاق بیگ کا انتقال ہو گیا، پسماندگان میں ان کی بیوہ اور دو لڑکے مرزا فخر الدین بیگ و مرزا معین الدین بیگ اور ایک لڑکی سلطانہ بیگم ہیں۔ مرزا محمد اسحاق بیگ کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے اپنی بہن کو کل جائیداد سے محروم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مکان و باغات میں تو حصہ ہوتا ہے لیکن کھیتوں میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ مرزا محمد اسحاق بیگ اپنی زندگی میں خود ہی کاشت کرتے تھے اور تمام کھیتوں پر مرزا محمد اسحاق کا قبضہ تھا۔

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین﴾ (سورۃ النساء: ۱۱)

(۲) نقشہ تقسیم ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۱۰

ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
۲	۲	۲	۲	۱	۱

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وان کانوا إخواناً رجالاً ونساءً، فللذکر مثل حظ الانثیین﴾ (سورۃ

النساء: ۱۷۶)

اب مفتیان کرام بتائیں کہ مذکورہ بالا جائیداد میں سے از روئے شرع فرائض سلطانہ بیگم کو کیا حصہ ملے گا؟ نیز باقی لوگوں میں جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی؟ باپ کی چھوڑی ہوئی منقولہ وغیرہ منقولہ اشیاء میں سے کیا کوئی چیز ایسی بھی ہوتی ہے جس میں لڑکی حصہ دار نہ ہو اور وہ صرف لڑکوں کو ہی ملے؟ یہ بھی مطلع کیجئے کہ بہن کی اس حق تلفی اور حصہ غصب کرنے والے کی کیا کوئی سزا شرعی ہے جو حشر میں ملے گی، اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ یہ بھی مطلع فرمائیے کہ حق دینے میں دیر کرنا کیسا ہے؟

یہ بھی مطلع کیجئے کہ عدالتی قانون کی طرح کیا شرع میں بھی اس کی کوئی میعاد مقرر ہے کہ اس کے بعد یہ حق تہادی ہو جائے اور لڑکی اس کے پانے کی مستحق نہ رہے؟ جو لوگ مذکورہ بالا حق تلفی میں کسی قسم کی مدد زبانی یا عملی کریں ان کی کیا سزا ہے؟ یا جو لوگ مذکورہ حق تلفی کے خلاف زبانی یا عملی مدد کریں ان کے لئے کیا اجر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۸، تصد ۴۰

مرزا محمد اسحاق بیگ

زوجہ زہرہ بیگم	ابن فخر الدین بیگ	ابن معین الدین بیگ	بنت سلطانہ بیگم
۱/۵	۱۴	۱۴	۷

بشرط صحت سوال وعدم موانع ارث بعد تجہیز وتکفین وادائے دین مہر وغیرہ از کل مال وتنفيذ وصیت از ثلث مال (۱) مرزا محمد اسحاق بیگ کا کل ترکہ چالیس سہام بنا کر اس طرح تقسیم ہوگا کہ پانچ سہام بیوہ (زہرہ) (۱) حقوق متقدمہ یعنی تجہیز وتکفین، ادائے دین، اگر وصیت کی ہے تو تنفیذ وصیت کے بعد بقیہ ترکہ تقسیم ہوگا:

”تعلق بترکۃ المیت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته“۔ (السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳، سعید)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۵۹، ۷۶۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفيما يتعلق بالترکة:

۶/۴۴۷، رشیدیہ)

بیگم) کو ملیں گے (۱)، چودہ چودہ سہام دونوں لڑکوں فخر الدین و معین الدین کو ملیں گے، سات سہام لڑکی سلطانہ بیگم کو ملیں گے (۲)۔ روپیہ، زیور، کپڑا، برتن، گھر کا سامان، مکان، باغ، کھیت غرض جو چیز بھی محمد اسحاق مرحوم کی ملک تھی سب کی تقسیم اس طرح ہوگی۔

بہن کی حق تلفی کرنا سخت ہے، بہن ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر زیادہ سے زیادہ شفقت کی جائے۔ اگر وہ بڑی ہے تو اس کا حق والدہ کے قریب ہے، اگر چھوٹی ہے تو اس کا حق بیٹی کے قریب ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر کسی کی ایک بالشت زمین غصب کر لی تو اس کی سزا میں ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر گلے میں ڈالا جائے گا (۳)۔ دو تین پیسے کے عوض سات سو مقبول فرض نمازیں دلائی جائیں گی، جس کا حق واجب ہو اس کے ادا کرنے میں بلا وجہ تاخیر کرنا اور ٹلانا ظلم ہے (۴)، خاص کر جب کہ صاحب حق کی طرف سے مطالبہ بھی ہو، اگر ادا نہ کیا اور تاخیر ہو گئی تو وہ مطالبہ ساقط نہیں ہوگا، یہاں تک کہ قیامت کو دلا یا جائے گا (۵)۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ، فَلَهُنَّ الشُّمْنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دِينَ﴾ (سورة النساء: ۲۱)

(۲) قال الله تبارك و تعالیٰ: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِي﴾ (سورة النساء: ۱۱)
(۳) ”عن سعيد بن زيد رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ”مَنْ أَخَذَ شَبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا، فَإِنَّهُ يَطُوقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ“. متفق عليه“. (مشکوٰۃ المصابيح، کتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۷۵، قديمی)

(۴) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، قال: ”مِثْلُ الْغَنِيِّ ظِلْمٌ، وَإِذَا اتَّبَعَ أَحَدٌ عَلَى مِلْئِي فَلْيَتَّبِعْ“. (سنن أبي داؤد، کتاب البيوع، باب في المظلع واحسن القضاء: ۴/۲، دار الحديث ملتان)

(۵) ”الحق لا يسقط بتقادم الزمان“. (شرح الأشباه والنظائر، کتاب القضاء والشهادات: ۲/۹۳، إدارة القرآن کراچی)

”ويضمن المال المسروق؛ لأنه حق العبد فلا يسقط بالتقادم“. (الدر المختار، کتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا: ۳۱/۴، سعيد)

”وعنه (أبي هريرة رضي الله تعالى عنه) قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لَتُؤَدَّ الْحَقُّ إِلَى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يَقَادَ الشَّاةُ الْجُلْحَاءُ مِنَ الشَّاةِ الْقِرْنَاءُ“. رواه مسلم“. (مشکوٰۃ =

ظالم کی ظلم میں مدد کرنا بھی ظلم ہے (۱)۔ مظلوم کو ظلم سے بچانے کے لئے حسب طاقت وحیثیت مدد کرنا لازم ہے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۵ھ۔

بیوہ نکاح ثانی کی وجہ سے وراثت سے محروم نہیں

سوال [۹۸۵۸]: ایک عورت جس کا شوہر مر چکا ہے، بعد عدت عقد ثانی کرتی ہے۔ عورت کے اولاد نہیں ہے، صرف خسر زندہ ہے۔ شوہر مذکورہ بالا اور اس کے والد سب ایک ہی ساتھ رہتے تھے۔ عورت مذکورہ زیورات، ملبوسہ جسم و منقولہ جائیداد وغیرہ منقولہ میں کتنا حصہ پاسکتی ہے، یا نہیں پاسکتی علاوہ مہر کے؟ اگر عورت مذکورہ نے مہر معاف کر دیا ہے تو واقعات مندرجہ بالا میں کوئی حق رکھتی ہے یا نہیں؟ اگر عاف نہیں کیا تو جائیداد مذکورہ بالا سے مہر وصول ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ شوہر مذکور اور اس کے والد ایک ہی ساتھ رہتے تھے، شوہر کی کوئی علیحدہ جائیداد رقم وغیرہ نہیں ہے۔

المصابیح، باب الظلم، الفصل الأول: ۲/۴۵۷، قدیمی)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (سورة المائدة: ۲)

”عن أوس بن شرجيل أنه سمع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ”من مشى مع ظالم ليقويه وهو يعلم أنه ظالم، فقد خرج من الإسلام“. (مشكوة المصابيح، باب الظلم، ص: ۴۳۶، قدیمی)

”فقد خرج من الإسلام“: أى من كمال الإيمان أو من حقيقة الإسلام المقتضى أن يسلم المسلمون من لسانه ويده“. (مرقاة المفاتيح، باب الظلم: ۸/۸۵۸، (رقم الحديث: ۵۱۳۵)، رشيدية)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى﴾ (سورة المائدة: ۲)

”عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً“. فقال رجل: يا رسول الله! أنصره مظلوماً، فكيف أنصره ظالماً؟ قال: ”تمنعه من الظلم،

فذلك نصرک إياه“. (مشكوة المصابيح، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل

الأول، ص: ۴۲۲، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقد ثانی کرنے کی وجہ سے وہ عورت مہر یا وراثت سے محروم نہیں ہوگی (۱)، جو اشیاء: زیور، لباس وغیرہ عورت کی ملک ہیں، خواہ اس کے والد نے دی ہوں خواہ شوہر یا خسر نے تملیک کا دی ہوں، وہ تو بلا شرکت غیر عورت کی ملک ہیں (۲)، اور شوہر اپنے والد کے ساتھ رہتا تھا، ان میں وراثت جاری نہیں ہوگی (۳)، عورت کو بھی کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ جو اشیاء شوہر کی ملک ہو چکی تھیں، خواہ اس نے خود حاصل کی ہوں خواہ اس کے والد نے تملیک کا دیدی ہوں وہ ترکہ شمار ہوں گی (۴)، اولاً قرضہ مہر وغیرہ ادا کیا جائے گا، اس کے بعد جو کچھ بچے اس میں سے

(۱) قال الله تبارک وتعالی: ﴿ولهن الربع مما ترکتم إن لم یکن لکم ولد، فإن کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم من بعد وصیة توصون بها أو دین﴾ (سورة النساء: ۱۲)

”ثم شرع فی الحجب فقال: ولا یحرم ستة من الورثة بحال ألبتة: الأب، والأم، والابن، والبنت: أى الأبوان والوالدان والزوجان“۔ (الدرالمختار، کتاب الفرائض، فصل فی العصابات: ۷/۷۷۹، ۷۸۰، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الرابع فی الحجب: ۷/۷۵۲، رشیدیہ)
(۲) ”فإن کل أحد یعلم أن الجهاز ملک للمرأة، وأنه إذا طلقها تأخذہ کلہ، وإذا ماتت یورث عنها، ولا یختص بشیء منه“۔ (ردالمحتار: ۳/۵۸۵، کتاب الطلاق، باب النفقة، سعید)
(۳) اصل جائیداد باپ کی ہے میت یعنی بیٹے کی نہیں ہے اور عورت کو اپنے شوہر کے ترکہ سے میراث ملے گی، نہ کہ سر کے مال سے:

”الأب وابنه یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شیء، فالكسب کلہ للأب إن کان الابن فی عیالہ، لكونہ معیناً له.....وفی الخانیة: زوج بنیه الخمسة فی دارہ وکلهم فی عیالہ، واختلفوا فی المتاع، فهو للأب، وللبنین الثیاب التی علیهم لا غیر“۔ (ردالمحتار: ۴/۳۲۵، کتاب الشرکة، فصل فی الشرکة الفاسدة، سعید)

(و کذا فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة: ۲/۱۷۷، کتاب الدعوی، مکتبہ میمنیہ، مصر)
(۴) ”یملک الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت المملکة للصحة الهبة“۔ (شرح المجلة لسلمیہ رستم: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، کتاب الهبة، الباب الثالث، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)
(و کذا فی الدرالمختار: ۵/۶۹۰، کتاب الهبة، سعید)

چوتھائی حصہ عورت کو ملے گا، ہکذا فی الہندیۃ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ شوال/ ۱۳۶۷ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۱/ شوال/ ۱۳۶۷ھ۔

بیوہ اگر دوسرا نکاح کرے تو وہ وراثت سے محروم نہیں

سوال [۹۸۵۹]: کیا اگر کوئی عورت بیوہ ہونے کے بعد دوسرے سے نکاح کر لے تو اس سے اپنے مرحوم شوہر کی جائیداد اور ملک سے مہر کا حق نہیں؟ یہاں کی کمیٹی کا خیال ہے کہ اپنا کوئی حق اس عورت کو مل نہیں سکتا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوہ جب بعد عدت دوسرے سے نکاح کرے تو اس کا مہر اور حق وراثت مرحوم شوہر کے ترکہ سے ساقط نہیں ہوتا، بلکہ وہ حقدار رہتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۱۲/ ۱۳۸۸ھ۔

عقدِ ثانی کی وجہ سے بیوی کا حصہ کم نہیں ہوتا

سوال [۹۸۶۰]: کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بیوہ عورت جو عقدِ ثانی میں آتی ہے ترکہ میں اس کا اور

(۱) ”الترکۃ تتعلق بها حقوق أربعة: جهاز المیت ودفنہ، والدين، والوصية والميراث، فيبدأ أولاً بجهازه وكفنہ وما يحتاج إليه في دفنہ..... ثم بالدين“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۶/ ۴۴۷، کتاب الفرائض، الباب الأول، رشیدیہ)

(وکذا فی السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳، سعید)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما ترکتم إن لم یکن لکم ولد، فإن کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم من بعد وصية توصون بها أو دين﴾ (سورة النساء: ۱۲)

”أما للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعداً عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل“۔

(السراجی فی المیراث، ص: ۶، ۷، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۶/ ۴۵۰، کتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی الفروض، رشیدیہ)

اس کے بچوں کا حصہ کم ہوتا ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ خیال غلط ہے، اس کا جتنا حصہ ہے وہ ضرور اس کی مستحق ہے، عقدِ ثانی کی وجہ سے ہرگز حصہ میں کمی نہیں آئے گی، اولاد بھی اپنے پورے حصہ کی حقدار رہے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۱۳۸۹ھ۔

دادا کی میراث سے پوتا کیوں محروم ہے؟

سوال [۹۸۶۱]: مظلوم میراث کا مطلب کیا ہے، اور مظلوم میراث کیوں کہا جاتا ہے؟ ہم لوگ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے ہیں پھر بھی اس کی کون (سی) وجہ ہوگی۔ دادا کی موجودگی میں باپ مرجائے تو بیٹا محروم میراث ہوتا ہے اور نانا کی موجودگی میں ماں مرجائے تو بیٹا محروم ہوگا۔ خلاصہ تحریر فرمائیے۔
الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم معلوم ہو جانے کے بعد اس پر ایمان لانا اور اس کو تسلیم کرنا ضروری ہے (۲)، اس کی علت دریافت کرنے کا حق نہیں۔ البتہ حکمت کی تحقیق کی جاسکتی ہے، مگر حکمت کے سمجھنے کیلئے بڑے علم اور اعلیٰ فہم کی ضرورت ہے (۳) جن غریبوں کو املا لکھنا بھی صحیح نہ آتا ہو، ان کو اس فکر میں نہیں پڑنا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۸۵ھ۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لکم ولد، فإن كان لکم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين﴾ (سورة النساء: ۱۲)

”أما للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعداً عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل“.

(السراجی فی المیراث، ص: ۶، ۷، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۰، کتاب الفرائض، الباب الثانی، رشیدیہ)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿وما آتاکم الرسول فخذوه، وما نهکم منه فانتھوا﴾ (سورة الحشر: ۷)

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿أباؤکم وأبنائکم لاتدرؤن أیہم أقرب لکم نفعا فريضة من الله﴾ (الآية =

بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کا حق وراثت

سوال [۹۸۶۲]: ہم چار بھائی ہیں، والد صاحب کا انتقال ہو گیا، انہیں کی موجودگی میں ایک بھائی کا بھی انتقال ہو گیا۔ مرحوم بھائی کے بچے ہیں، ان بچوں کا حق ترکہ میں سے نکلتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ مرحوم نے تین بیٹے چھوڑے اور چوتھے مرحوم بیٹے نے اولاد چھوڑی، تو صرف مرحوم کے بیٹے وارث ہوں گے اور اس ترکہ سے چوتھے بیٹے کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا (۱)، ہاں اس چوتھے بیٹے نے اپنا خود مملوکہ ترکہ چھوڑا ہو تو وہ اس کی اولاد کو ملے گا۔ تفصیل معلوم ہونے پر سب کا حصہ متعین کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۲۷/۳/۱۴۰۶ھ۔

..... = ”جملة معترضة لبيان مصالح تقدير الميراث وحكمته، والمعنى: أن الله تعالى قدّر قسمة التركة من عند نفسه على حسب ما علم فيه حكمة ومصلحة. ولو وكلها إليكم لم تعلموا أن آباءكم وأبناءكم الباقون أيهم أقرب لكم نفعاً وأبعد ضرراً، وأيهم بالعكس، فوضعتم الأموال على غير حكمة من غير إدراك نفع، فتولى الله ذلك بنفسه فضلاً منه ومنه من عنده، ولم يكلها إلى اجتهدكم لعجزكم عن معرفة المقادير.“ (التفسيرات الأحمديّة في بيان الآيات الشرعيّة، ص: ۲۳۴، مكتبة حقانيہ پشاور)

واضح رہے کہ اگر میت کی اولاد موجود ہو تو پوتا اس لئے میراث سے محروم رہے گا کہ وراثت میں قرابت قریبہ قرابت بعیدہ کو محروم کر دیتی ہے تو بیٹا چونکہ قریب ہے پوتے سے تو قریب ہی میراث کا مستحق ہو گا نہ کہ بعید:

”الأقرب فالأقرب بقرب الدرجة، أعنى: أولهم بالميراث جزء الميت: أي البنون، ثم بنوهم وإن سفلوا.“ (السراجی فی المیراث، ص: ۱۳، سعید)

مزید تفصیل کیلئے دیکھئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ (القول السدید فی تحقیق میراث الحفید از جواهر الفقہ: ۲/۴۷۹، مكتبة دارالعلوم کراچی)

(۱) ”الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة، أعنى: أولهم بالميراث جزء الميت: أي البنون، ثم بنوهم.“ (السراجی فی المیراث، ص: ۱۳، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۲/۴۵۲، کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصابات، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۳۸۱، ۳۸۲، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

بیٹے کی موجودگی میں پوتے کی میراث

سوال [۹۸۶۳]: حاجی عبدالرزاق کے دولڑکے ہیں: سلامت اللہ وعصمت اللہ، اور حاجی صاحب موجود ہیں اور سلامت اللہ کا انتقال ہو گیا، ان کا بڑا لڑکا مشتاق احمد بچا۔ اس کا شریعت کے اعتبار سے حصہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حاجی عبدالرزاق صاحب کے انتقال کے وقت ایک لڑکا موجود ہے اور دوسرے لڑکے کی اولاد موجود ہے اور دوسرا لڑکا خود انتقال کر چکا ہے تو اس دوسرے لڑکے کی اولاد کو حاجی عبدالرزاق کے ترکہ سے وراثت نہیں ملے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

پوتا وارث کیوں نہیں؟

سوال [۹۸۶۴]: پوتے دادا کی وراثت کے حقدار کیوں نہیں، درآنحالیکہ وہ بے چارے یتیم ہیں اور دلجوئی کے زیادہ مستحق ہیں؟ پوتوں کے وارث نہ ہونے کی حکمت بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکمت کا علم صاحب شرع کو ہے، ہم نہیں جانتے (۲)، ہمارا مسلک تو یہ ہے:

(۱) ”الأقرب فالأقرب یرجّحون بقرب الدرجة، أعنی: أولہم بالمیراث جزء المیت: أي البنون، ثم بنوہم“۔ (السراجی فی المیراث، ص: ۱۳، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۵۲/۶، کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبات، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۸۱/۹، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾ ”جملہ معترضہ لیان مصالح تقدیر المیراث وحکمتہ، والمعنی: أن اللہ تعالیٰ قدّر قسمة التركة من عند نفسه علی حسب ما علم فیہ حکمة ومصلحة. ولو وکلها إلیکم، لم تعلموا أن أباءکم وأبناءکم الباقون أيہم أقرب لکم نفعاً وأبعد ضرراً، وأیہم بالعکس، فوضعتم الأموال علی غیر حکمة من غیر إدراک نفع، =

زبان تازہ کردن باقرار تو نینگختن علت از کار تو

(سعدی)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/۷/۱۳۶۱ھ۔

بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کو جائیداد دینا

سوال [۹۸۶۵]: کیا زید کو اپنی جائیداد پر یہ حق ہے کہ وہ لڑکی اور لڑکے دونوں کو نہ دے کر پوتوں

کے نام لکھ دے اور تا حیات خود ولی رہے، بعدہ اپنے لڑکے کو ولی بنا دے؟

= فتولی اللہ ذلک بنفسہ فضلاً منہ ومنۃ من عنده، ولم یکلہا الی اجتہاد کم لعجز کم عن معرفۃ

المقادیر“ (التفسیرات الاحمدیۃ فی بیان الآیات الشرعیۃ، ص: ۲۳۴، مکتبہ حقانیہ پشاور)

تقدیرات شرعیہ رائے اور خیالات پر مبنی نہیں ہیں، بلکہ ان کا تعلق نقل سے ہے:

”عن أبی إسحق عن عبدخیر عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لو کان الدین بالرأی، لکان

أسفل الخف أولی بالمسح من أعلاه، وقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی

ظاهر خفیہ“۔ (سنن أبی داؤد: ۲۲/۱، باب کیف المسح، دار الحدیث ملتان)

”قال: أی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ”لو کان الدین بالرأی“: أی بظاهر الرأی ومجرد العقل

دون الروایۃ والنقل ”لکان أسفل الخف أولی بالمسح من أعلاه، وقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم یمسح علی ظاهر خفیہ“۔

قال القاری رحمہ اللہ علیہ: ”اعلم أن العقل الكامل تابع للشرع؛ لأنه عاجز عن إدراک

الحکم الإلهیۃ، فعلیہ التعبد المحض بمقتضى العبودیۃ. وماض من الکفرۃ والحکماء المبتدعۃ وأهل

الأهواء إلا بمتابعة العقل وترك موافقة النقل. وقد قال أبو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ: لو قلت بالرأی

لأوجب الغسل بالبول؛ لأنه نجس متفق علیہ، والوضوء بالمنی؛ لأنه نجس مختلف فیہ، ولأعطیت

الذکر فی الإرث نصف الأنثی؛ لکونها أضعف منہ“۔ (بذل المجہود شرح سنن أبی داؤد: ۹۹/۲،

کتاب الطہارۃ، باب کیف المسح، مکتبہ امدادیہ ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو پورا اختیار ہے کہ اپنی جائیداد پوتوں کو دیدے یا کسی اور کو دے، لیکن اتنا خیال رہے کہ مستحق کو محروم کرنے کا قصد نہ ہو (۱) کہ یہ ظلم اور معصیت ہے (۲)۔ بہتر یہ ہے کہ پوتوں کو کل جائیداد نہ دے، بلکہ ایک تہائی کے اندر اندر دیدے اور اپنا مال کا نہ قبضہ ہٹا کر ان کا قبضہ کرادے، اور جو چیز تقسیم کے قابل ہو ان کو تقسیم کر کے ان کو دیدیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

لڑکیوں کے ہوتے ہوئے جائیداد نواسہ کو دینا

سوال [۹۸۶۶]: ایک شخص ایسا ہے جو کہ بالکل ضعیف ہو چکا ہے، اس کے پانچ لڑکیاں ہیں جو شادی ہو جانے کی وجہ سے اپنے اپنے گھر پر ہیں۔ اس شخص کی خدمت نواسہ کرتا ہے۔ تو ایسی صورت میں اپنے

(۱) ”ولو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض في ذلك، لا رواية في الأصل عن أصحابنا، وروى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين. وإن كانوا سواء، يكره. وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم وفيه: رجلٌ وهب في صحته كل المال للواحد، جاز في القضاء، ويكون أثماً فيما صنع.“ (الفتاوى العالمگیریة: ۳/۳۹۱، کتاب الہبۃ، الباب السادس فی الہبۃ للصغیر، رشیدیہ)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاوی: ۴/۴۰۰، کتاب الہبۃ، جنس آخر فی الہبۃ من الصغیر، رشیدیہ)

(و کذا فی فتاوی قاضی خان علی ہامش الفتاوی العالمگیریہ: ۳/۲۷۹، کتاب الہبۃ، فصل فی ہبۃ الوالد لولدہ، رشیدیہ)

(۲) ”عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة“. (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۶۶، باب الوصایا، الفصل الثالث، قدیمی)

”الأفضل في هبة الابن والبنت التثليث كالميراث، وعند الثاني التنصيف.“ (الفتاوی البرازیة

علی ہامش الفتاوی العالمگیریہ: ۶/۲۳۷، کتاب الہبۃ، الجنس الثالث فی ہبۃ الصغیر، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاوی العالمگیریہ: ۴/۴۰۰، کتاب الہبۃ، الباب العاشر فی ہبۃ المریض، رشیدیہ)

نواسہ کے نام کھیت، مکان لکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکیوں کو نقصان پہنچانا مقصود نہیں، بلکہ واقعہً نواسہ کو حق خدمت کے طور پر معاوضہ کی حیثیت سے دینا چاہتا ہے تو خدمت کے موافق دینا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۱۳۸۸ھ۔

لڑکیوں کو محروم کرنے کی نیت سے بحالت مرض لڑکے کو جائیداد دینا

سوال [۹۸۶]: ایک شخص نے مرنے سے تقریباً ۵/۵ ماہ پہلے بحالت بیماری ایک اقرارنامہ اپنی جائیداد کے متعلق لکھوا کر عدالت میں رجسٹری کرا دیا ہے، مقرر اور اس کا پسر مقرر لہ ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔ مقرر کی زوجہ (مقرر لہ کی والدہ) عرصہ دس گیارہ سال پہلے فوت ہو چکی ہے اور مقرر لہ شادی شدہ ہے اور بچوں والا ہے۔ جائیداد و مکان بسعی اکثر مقرر کی پیدا کردہ ہے اور کچھ موروثی ہے۔

وہ اپنے اقرارنامہ میں لکھتا ہے کہ: ”میں زرعی جائیداد پہلے اپنے پسر کے نام کا غذات سرکاری کراچکا ہوں۔“ اس تملیک کے بعد بھی باپ اسی طرح اس گھر میں رہتا ہے جس طرح کہ پہلے رہتا تھا، اس تملیک سے غرض صرف دختران کو محروم رکھنے کی ہے۔ نقل اقرارنامہ پشت استفتاء ہذا پر تحریر ہے۔ اب دختران باپ کی جائیداد سے اپنا حق طلب کرتی ہیں۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس اقرارنامہ سے کیا اس کی دختران محروم ہو سکتی ہیں؟ یہ امر قابل غور ہے کہ مقرر اقرارنامہ ہذا کے وقت بیمار تھا، اور برابر نو یسندگی کے وقت تک بیمار رہا اور اسی بیماری میں فوت ہوا۔
المستفتی: حکیم کریم خاں، ۶/ربیع الاول/۱۳۵۹ھ۔

خلاصہ نقل اقرار نامہ رجسٹری شدہ:

”من کہ شیخ غلام محمد ولد شیخ عبدالرحیم، قوم شیخ، سکنہ خان پور جھورن، تحصیل خانپور میں مملوکہ مقرر واقع ہیں، تمام مقرر و پسر حقیقی عبدالغفور کے پیدا کردہ ہیں۔ چونکہ پسر

(۱) تقدم تخريجه. تحت عنوان: ”بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کو وراثت“۔

عبدالغفور حکمت اور طبابت کا کام کرتا ہے، اس نے کافی روپیہ کمایا ہے اور اس کی کمائی سے بہت سی جائیداد پیدا کی گئی ہے، کسی قدر تو جائیداد پسرَم کے اپنے نام پر ہے، مگر بہت سی جائیداد جو کہ پسرَم نے خریدی بوجہ عزت و شانِ پدری کے مقرر کے نام پر خرید کی۔ مکاناتِ مذکورہ بالا کی تعمیر بھی اس نے کرائی ہے اور مقرر کے نام قرضہ بھی اس نے ادا کیا ہے۔ اور مقرر کا اکلوتا لڑکا اور بڑا ہی فرماں بردار اور فہیم ہے، مقرر اس کی فرمانبرداری سے بہت خوش ہے۔

مقرر کے دو دختران: مسماۃ زینب خاتون اور مسماۃ شاہدہ خاتون شادی شدہ موجود ہیں، مقرر نے ان کو کافی زیورات و سامانِ جہیز کے وقت دیئے ہیں، اور گڑھی اختیار خاں وہاں اراضی سکنی و مکان بھی ان کو جدا گانہ۔ جو کہ ان کے قبضہ میں ہے۔ قبل ازیں حکیم عبد الغفور خاں پسرَم مد نظر رکھتے ہیں۔ تمام اراضیات زرعی واقعہ مواضعات: خانپور اور موضع جہورن تحصیل خانپور تملیک بالقبضہ تھی، عبدالغفور پسرَم داخل خارج کراچکا اور تارتخ تملیک سے اس پر مالکانہ قبضہ پسرَم کا ہے۔

اب ہر دو مکانات مندرجہ بالا جس کی مالیت مبلغ =/۱۰۰۰، بمعہ جملہ حقوق داخلی و خارجی روشناس ہو جو مقرر کو حاصل تھی بوجہ خدمت گزاری و فرمانبرداری پسرَم کی۔ اپنی زندگی میں بھی عبدالغفور پسرَم حقیقی خود تملیک بالقبضہ کر کے قبضہ مالکانہ اسی کو دیدیا ہے، امروز سے مقرر کو کوئی تعلق جائیداد متصرفہ بالا تملیک کردہ سے نہیں رہا اور نہ ہوگا، بمثل ذات خاص مقرر کی جائیداد مذکورہ بالا کا مالک و قابض تصور ہوگا۔

نقشبائے ہر دو مکانات لف ہذا ہیں، لہذا تملیک نامہ ۸/ کے اسٹام پر لکھ دیتا ہوں تاکہ سند رہے اور ضرورت کے وقت کام آوے تاکہ بعد میں کوئی حجت پیدا نہ کرنے پاوے۔

۱۶/ ماہ صفر المظفر / ۱۳۵۹ھ، ۷/ اپریل / ۱۹۳۹ء۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر غلام محمد ایسے مرض میں مبتلا تھا کہ جس سے غالباً لوگ صحت یاب نہیں ہوتے بلکہ اکثر مر جاتے

ہیں، یا وہ صاحب فراش تھا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر نہیں تھا اور ایسی حالت میں یہ تملیک نامہ ہبہ نامہ کیا اور پھر صحت یاب نہیں ہوا، بلکہ اسی حالت اور اسی مرض میں انتقال ہو گیا تو یہ مرض الموت کا ہبہ نامہ ہے جو وصیت کے حکم میں ہے اور وصیت وارث کے حق میں نافذ نہیں ہوتی ہے جب تک دوسرے ورثہ اجازت نہ دیں۔ پس دیگر ورثہ کی رضا مندی اور اجازت کے بغیر یہ ہبہ نامہ شرعاً ناقابل عمل ہے، اس میں شرعی طریق پر میراث جاری ہوگی۔

اور اگر ایسا مرض نہ تھا معمولی بیماری میں ہبہ نامہ کیا تو یہ وصیت کے حکم میں نہیں، بلکہ ہبہ صحیح ہے (۱)۔ جس شی پر موبہوب لہ کو قبضہ کرادیا، وہ معتبر ہے، بہر دو صورت موبہوب لہ کا قبضہ ضروری ہے، اور مکان میں قبضہ ہوا نہیں بلکہ جس طرح واہب کا قبضہ پہلے تھا، اسی طرح بعد میں رہا، خواہ مرض الموت ہو خواہ نہ ہو، دونوں صورتوں میں قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے مکان کا ہبہ غیر معتبر ہے۔

لڑکیوں کو شرعی حصہ ملے گا۔ اگر بحالت صحت لڑکے یا لڑکی کو ہبہ کر کے اپنا قبضہ اٹھا لیتا تو پھر اس میں اور

(۱) ”إذا وهب واحد في مرض موته شيئاً لأحد ورثته، وبعد وفاته لم يُجز سائر الورثة، لاتصح تلك الهبة أصلاً؛ لأن الهبة في مرض الموت وصية ولا وصية لوارث. ولكن لو أجاز الورثة هبة المريض بعد موته، صحت..... وإنما تتوقف الهبة على إجازة الورثة إذا مات المريض من ذلك المرض، كما قيده في المتن بقوله: ”بعد وفاته“. وأما لو برئ المريض، نفذت الهبة ولو لم يُجزها الورثة.“ (شرح المجلة لسابم رستم باز: ۴۸۴/۱، (رقم المادة: ۸۷۹)، كتاب الهبة، الفصل الثاني في هبة المريض، مكتبه حنفية كوئٹہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۰۰/۳، کتاب الهبة، الباب العاشر فی هبة المريض، رشیدیہ)
”عن أبی امامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول فی خطبته عام حجة الوداع: ”إن اللہ قد أعطی کل ذی حق حقه، فلا وصية لوارث.“ (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۶۵، کتاب البیوع، باب الوصایا، الفصل الثانی، قدیمی)

(و کذا فی الدر المختار: ۶۵۹/۲، کتاب الوصایا، سعید)

”عن یونس بن راشد، عن عطاء عن عکرمہ، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”لا تجوز وصية لوارث إلا أن تشاء الورثة.“ (نصب الرایة للزیلعی: ۴۰۴/۳، (رقم الحديث: ۸۰۷۰)، مؤسسة الريان بیروت لبنان)

کسی کا حصہ نہ ہوتا (۱)، لڑکیوں کو محروم کرنے کی نیت سے ان کو کچھ نہ دینا ظلم اور گناہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم، ۷/ربیع الثانی/۵۹ھ۔

جائیداد بھتیجا کو دینا بیٹوں کو نہ دینا

سوال [۹۸۶۸]: میرے والد صاحب اپنی زمین اپنے بھتیجا کے نام ہمارا حق دبا کر کر رہے ہیں، جبکہ ہم پر قرضہ اٹتا ہے کہ مکان اور زمین دے کر بھی بقایا رہتا ہے اور ان کا بھتیجا نابالغ ہے۔ میرے چھوٹے چار بھائی بہن ہیں، ان کی پرورش و شادی باقی ہے۔ ان حالات میں شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ آپ کو نقصان پہنچانے کیلئے ایسا کرتے ہیں تو یہ ظلم اور گناہ ہے (۳)، ان کو ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے، ورنہ آخرت میں سخت باز پرس ہوگی۔ لیکن باپ کو اپنی اولاد سے طبعی محبت اور شفقت ہوتی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے بعد بھی اولاد کی آسائش کیلئے انتظام کرتا ہے تاکہ اولاد پریشان نہ ہو، پھر موجودہ صورت

(۱) قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ”وہب فی مرضہ ولم یسلم حتی مات، بطلت الہبۃ؛ لأنه وإن کان وصیۃً حتی اعتبر فیہ الثلث، فهو ہبۃ حقیقۃ، فیحتاج إلی القبض“۔ (ردالمحتار: ۵/۷۰۰، کتاب الہبۃ، باب الرجوع فی الہبۃ، سعید)

”تنعقد الہبۃ بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض“۔ (شرح المجملۃ لسلم رستم باز: ۱/۴۶۲، (رقم المادۃ: ۸۳)، کتاب الہبۃ، مکتبہ حنفیۃ کوئٹہ)

(۲) ”عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من قطع میراث وارثہ، قطع اللہ میراثہ من الجنة يوم القيامة“۔ (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۶۶، کتاب الفرائض، باب الوصایا، الفصل الثالث، قدیمی)

(۳) راجع الحاشیۃ المتقدمۃ آنفاً

میں جو والد کرنا چاہتے ہیں تو ضرور اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی، ممکن ہے کہ اولاد نا فرمان ہوں، یا اس کی طرف سے اندیشہ ہو کہ وہ زمین کو معصیت میں ضائع کر دے گی (۱)، یا بھتیجا کا یا اس کے مورث کا کوئی مطالبہ ذمہ میں ہوگا، اس کو ادا کرنا مقصود ہو، ورنہ بلا وجہ کوئی باپ اپنی اولاد کی بدخواہی نہیں کیا کرتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۱۳۸۸ھ۔

باپ اور بیٹوں کی موجودگی میں بھتیجے وارث نہیں

سوال [۹۸۶۹]: محمد یامین نے بیوہ محمد یوسف سے نکاح کیا، ساتھ میں محمد اصغر آ یا جو سوتیلے بھتیجا تھا، اب محمد یامین کی اس کی بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ محمد یوسف ہی محمد علی کی پہلی بیوی سے تھا، باقی سب اولاد محمد علی کی دوسری بیوی سے ہے۔

۱.....چند اجو کہ محمد علی کا سگا بھتیجا ہے، اس کی جائیداد میں کتنے کا حقدار ہے، اور چچیرے بھائیوں کی نجی جائیداد میں حقدار ہے یا نہیں؟

۲.....بشیرا لڑکی محمد علی اپنے باپ کی جائیداد میں کتنی حقدار ہے، اور بھائیوں کی نجی جائیداد میں بھی حقدار ہے یا نہیں اگر ہے تو کتنی؟

۳.....محمد یوسف جس کا باپ کے سامنے انتقال ہوا، باپ کی جائیداد میں حقدار ہے یا نہیں؟ محمد یوسف کی نجی جائیداد کا مالک محمد اصغر ہے، اس میں سے بھتیجا احمد حسن بھی حقدار ہے یا نہیں؟

۴.....محمد یامین نے سوتیلے بھائی محمد یوسف کی بیوہ حفیظہ سے نکاح کیا، ساتھ میں محمد اصغر آ یا۔ اس لئے محمد یامین کا حصہ محمد اصغر کو ملنا چاہیے یا نہیں؟ اور اس کی والدہ کی محمد اصغر کے علاوہ اور کوئی اولاد نہیں، محمد یامین سے

(۱) ”ولو كان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خير من تركه“۔ (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۴/۳۹۱، کتاب الہبۃ، الباب السادس فی الہبۃ للصغیر، رشیدیہ)

”ولو كان ولد فاسقاً فأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خير من تركه؛ لأن فيه إعانة على المعصية“۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۴۰۰، کتاب الہبۃ، جنس آخر فی الہبۃ من الصغیر، رشیدیہ)

بھی کوئی اولاد نہیں۔ محمد یامین کی نجی جائیداد سے بھتیجے احمد حسن کو۔ جو حیات ہے۔ حق پہنچتا ہے یا نہیں، اگر پہنچتا ہے تو کتنا؟

۵..... محمد حسن کا حق اور اس کی نجی جائیداد کا مالک احمد حسن ہے یا کسی اور کو بھی حق پہنچتا ہے، اگر پہنچتا ہے تو کتنا؟

۶..... امیر حسن کا انتقال والدہ کے سامنے ہوا، مگر اس نے نجی جائیداد بھی چھوڑی، اس میں کتنا کتنا کس کا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... محمد علی کے انتقال کے وقت پوری اولاد موجود ہونے کی وجہ سے بھتیجا محروم رہے گا۔ چندا کو محمد علی کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا (۱)۔ جس چچیرے بھائی نے اپنے انتقال پر اپنے والد یا اپنے لڑکے کو چھوڑا ہے، اس کے ترکہ سے بھی چندا کو کچھ نہیں ملے گا (۲)۔

۲..... محمد علی کے انتقال پر دو لڑکے اور ایک لڑکی موجود تھی، اس کا ترکہ پانچ حصہ بنا کر دو حصے دونوں لڑکوں کو ملیں گے اور ایک حصہ لڑکی بشیراً کو ملے گا (۳)۔ بھائیوں کے ترکہ سے اس کو کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ کسی

(۱) ”الأقرب فالأقرب یرجّحون بقرب الدرجة، أعنی: أولہم بالمیراث جزء المیت: أي البنون، ثم بنوہم“۔ (السراجی، ص: ۱۳، باب العصبات، سعید)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/۷۷۴، کتاب الفرائض، باب العصبات، سعید)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۶۳، کتاب الفرائض، فصل فی العصبات، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(۲) (راجع رقم الحاشیة المتقدمة)

(۳) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین﴾ (سورة النساء: ۱۱)

مسئلہ ۵

بیٹا

۱

بیٹا

۲

بیٹا

۲

بھائی نے باپ کو چھوڑا، کسی نے بیٹے کو چھوڑا۔ دونوں صورتوں میں بشیراً محروم ہے (۱)۔

۳..... محمد یوسف کا انتقال باپ کے سامنے ہو گیا، وہ باپ کا وارث کیسے ہوتا۔ اگر اس نے کوئی ذاتی جائیداد چھوڑی ہے، خواہ سامان یا نقد وغیرہ چھوڑا ہے تو اس میں سے بھی بھتیجا احمد حسن حقدار نہیں (۲)۔

۴..... محمد یامین کے ترکہ سے محمد اصغر کو اس وجہ سے کچھ نہیں ملے گا کہ وہ اس کی بیوی کے ساتھ آیا ہے، حقیقی بیٹا ہوتا تو مستحق ہوتا (۳)۔

۵..... اس کا وارث لڑکا احمد حسن ہے، بھائی، بھتیجا کوئی وارث نہیں (۴)۔

۶..... اس کا وارث باپ محمد علی ہے (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۱۳۹۵ھ۔

(۱) ”وبنو الأعیان: أى الإخوة والأخوات لأب وأم، وبنو العلات: أى الإخوة والأخوات لأب كلهم

يسقطون بالابن وابن الابن وإن سفل، وبالأب بالاتفاق“۔ (الشریفة، ص: ۲۸، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریة: ۶/۴۵۰، کتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی الفروض، رشیدیہ)

(۲) باپ اور بیٹوں کی موجودگی میں بھتیجا محروم رہے گا، کما تقدم فی الحاشیة المتقدمة آنفاً.

(۳) ”ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والنسب وهو الزوجية، والولاء“.

(الفتاویٰ العالمگیریة: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، الباب الاول، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر لمختار: ۶/۷۶۲، کتاب الفرائض، سعید)

(۴) ”الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة، أعنى: أولهم بالميراث جزء الميت: أى البنون، ثم

بنوهم“۔ (السراجی فی الميراث، ص: ۱۳، باب العصبات، سعید)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/۷۷۴، کتاب الفرائض، باب العصبات، سعید)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۶۳، کتاب الفرائض، فصل فی العصبات، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(۵) دوسرے ورثہ مثلاً ماں، بیوی، یا بیٹے، وغیرہ، ہوں تو وہ بھی وارث ہونگے:

”ثم يقسم الباقي بين ورثته: أى الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة..... أو الإجماع“.

(الدر المختار: ۶/۷۶۱، ۷۶۲، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی السراجی، ص: ۳، سعید)

لے پالک بنانا

سوال [۹۸۷۰]: گودنامہ (۱) شرعی نقطہ نظر سے کیا ہے، اور گودنامہ سے اگر ایک بھائی کی حق تلفی

ہو رہی ہو تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ وراثت ایسا ہے کہ جس کو حق تعالیٰ نے براہ راست قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے (۲)، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی ہے، حصے سب ورثاء کے متعین ہیں۔ کسی ترکیب سے مستحق کو محروم کرنا یا کم دینا اور غیر مستحق کو وارث قرار دینا شرعاً جائز نہیں، یہ حقیقی وارث کی حق تلفی ہے (۳)، غصب ہے، ظلم ہے (۴)، جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھائیں، ان کے متعلق ارشاد ہے کہ وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور جہنم میں جلیں گے (۵)۔

گودنامہ کی وجہ سے ہرگز ہرگز وراثت کا استحقاق نہیں ہوتا (۶)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

امامہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۱۴۰۱ھ۔

(۱) ”گودنامہ: متبنی، لے پالک بنانا“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿أَبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِنَ اللَّهِ، إِنْ اللَّهُ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۳) ”عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيمة“۔ (مشکوٰۃ المصابيح، ص: ۲۶۶، کتاب البيوع، باب الوصايا، الفصل الثالث، قديمی)

(۴) ”وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه“۔ (مشکوٰۃ المصابيح، ص: ۲۵۵، کتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمی)

(۵) قال الله تبارك وتعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالِ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا، وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا﴾ (سورة النساء: ۱۰)

(۶) چونکہ استحقاق ارث کے اسباب تین ہیں، وہ اسباب جہاں جہاں پائے جائیں وہ لوگ مستحق وراثت ہوں گے اور جن لوگوں =

حج بدل اور وقف کے ذریعہ ورثہ کو محروم کرنا

سوال [۹۸۷۱]: ایک شخص عذر کے زمانہ میں بعد پانچ سال اپنی ماں کے ساتھ اپنی جدی جائیداد اور ترکہ چھوڑ کر گھر سے نکل کھڑا ہوا، جس کا وارث مفروز کا بڑا بھائی ہو گیا اور اس کی اولاد در اولاد اس مال پر قابض چلی آتی ہے۔ دوران سفر میں مفروز کی ماں کا بھی انتقال ہو گیا، غرضیکہ اس شخص نے باہر ہی پرورش پائی اور پھر پھرتا گھرتا ایک جگہ مقیم ہو کر کسی کی ملازمت اختیار کی، حتیٰ کہ اس نے پھر خود تجارت شروع کی اور شادی بھی باہر ہی غیر برادری میں کی اور اپنی خود پیدا کردہ آمدنی میں سے جائیداد بنالی۔

اب اس کی عمر تقریباً ۵۰/یا ۶۰ برس کی ہوگی، جب کہ اس کے بھائی کی اولاد کو کسی طرح سے معلوم ہو گیا کہ وہ ان کا بزرگ ہے، وہ اس کے پاس آنے جانے لگے اور اس سے مستفیض ہوتے رہے۔ وہ شخص چونکہ لاولد تھا، بیوی کا بھی انتقال ہو گیا تھا، اس نے اپنا مکان مسجد کے نام پر وقف کر دیا۔

چند سال بعد اپنے مرض الموت لاحق ہونے سے قبل اس نے ایک رقم جو کہ تقریباً دو ہزار روپے کی ہے تین آدمیوں کی تحویل میں ہے اور یہ وصیت کر دی کہ روپیہ جب تک میں زندہ ہوں اپنے مصارف میں لاؤں گا اور میرے مرنے کے بعد اس روپے کو میرے بجائے حج بدل کرانے کے بعد جو بچے فی سبیل اللہ صرف کر دینا، میرا کوئی وارث نہیں اور نہ میں کسی کو دینا چاہتا ہوں۔ ہر چند کہا گیا کہ تمہارے بھائی کی اولاد ہے ان کو کچھ دے دو، مگر انہوں نے نہ مانا۔

اس واقعہ کے تقریباً ایک ماہ بعد ان کو مرض فالج یکا یک ہو گیا اور تین چار روز بے ہوش رہ کر انتقال کر گئے۔ اب اس کے بھائی کی اولاد اس کے ترکہ کی مدعی ہے۔ شرع شریف سے اس کا فیصلہ فرما کر عندی مشکور و عند اللہ ماجور ہوں۔ اور مرحوم حنفی المذہب تھے۔ جواب پشت پر مرحمت فرمایا جائے۔ ایک آنہ کا ٹکٹ برائے = میں وہ اسباب نہ ہوں وہ مستحق میراث نہیں ہیں:

”و يستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية،

والولاء“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۳۷، کتاب الفرائض، الباب الاول، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/۷۲۲، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۵۵، کتاب الفرائض، مکتبہ حقانیہ پشاور)

جواب ارسال ہے۔

حبیب اللہ سوداگر چرم، محلہ نبوگنج، مقام دہرہ دون۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وصیت ایک ثلث ترکہ میں بہر صورت نافذ ہو جاتی ہے اور اگر ایک ثلث سے زائد کی وصیت کی جاوے تو وہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہو جاتی ہے، پس ایک ثلث میں وصیت کو پورا کرنا لازم ہے (۱)، یعنی ایک شخص کو اس کی طرف سے حج کرادیا جائے، تمام سفر حج اور ضروریات حج کا خرچ دیا جائے اور یہ ایک تہائی ترکہ میں سے دیا جائے، واپسی کے بعد جو کچھ بچے گا وہ ورثہ کا ہوگا۔ اور حج مرنے والے کے وطن سے کرانا چاہیے۔ اگر ایک ثلث ترکہ میں اس جگہ سے حج نہ ہو سکے تو پھر جس جگہ سے حج ہو سکتا ہو وہیں سے کرادیا جائے:

”یحج عنه من ثلث ماله، سواء قيّد الوصية بالثلث بأن أوصى أن يحج بثلث ماله، أو أطلق بأن أوصى أن يحج عنه، هكذا في البدائع. فإن لم يعين مكاناً، يحج عنه من وطنه عند علمائنا. وهذا إذا كان الثلث يكفي الحج من وطنه، فأما إذا كان لا يكفي لذلك فإنه يحج عنه من حيث يمكن الإحجاج عنه بثلث ماله، كذا في المحيظ وما فضل في يد الحاج عن الميت بعد النفقة في ذهابه ورجوعه، فإنه يرّده على الورثة، لا يسعه أن يأخذ شيئاً مما فضل، اهـ“۔ فتاویٰ عالمگیری، ص: ۲۶۵ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶/۱۱/۱۳۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ذی قعدہ/۱۳۵۵ھ۔

(۱) ”ثم وصيته: أي تنفذ وصيته من ثلث ما بقى بعد تجهيز والدين، وفي أكثر من الثلث لا يجوز إلا بإجازة الورثة“۔ (البحر الرائق: ۹/۳۶۷، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

”ثم تنفذ وصاياهم من ثلث ما يبقى بعد الكفن والدين إلا أن تجيز الورثة أكثر من الثلث“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۳۴۷، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفيما يتعلق بالتركة، رشیدیہ)

(و كذا في الدر المختار: ۶/۷۹۱، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۲۵۹، کتاب الحج، الباب الخامس عشر فی الوصية بالحج، رشیدیہ) =

نافرمان بیٹے کو عاق کرنا

سوال [۹۸۷۲]: زید دہلی کے پنجابی خاندان کا فرد ہے۔ زید نے محبت سے مجبور ہو کر ایک باورچی کی لڑکی سے شادی کر لی، جس سے زید کے ماں باپ رضامند نہیں ہیں، جس سے ایک لڑکا ہے اور ہندہ بھی حاملہ ہے۔ کیا اس وجہ سے زید کے والدین اپنی جائیداد سے محروم کر سکتے ہیں؟ کیا زید نے ایک غریب ہندہ کو سہارا دیا، اس سے شرعاً نکاح کیا تو یہ جرم عظیم ایسا ہے کہ زید کے والدین اس کو عاق کر دیں، جبکہ زید بے حد پریشان حال بھی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکے کی سعادت اس میں ہے کہ والدین کی اطاعت کرے اور اپنی خواہش پر ان کی خواہش کو غالب رکھے (۱)، لیکن اگر اس کے قلب میں ہندہ کی محبت اتنی گھر کر گئی ہے کہ وہ مجبور اور مغلوب ہو گیا تو پھر والدین کو بھی اس کی رعایت چاہئے۔ اب جبکہ شادی کو اتنی مدت گزر گئی اور اثر بھی مرتب ہو گیا تو اس کی جدائی پر مجبور نہ کیا جاوے کہ اس میں بہت سے مفاسد ہیں۔

شریعت میں عاق کرنا لغو ہے، اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اگر والد باضابطہ تحریر لکھ دیں کہ میرے انتقال کے بعد میرے ترکہ میں سے میرے فلاں بیٹے کو میراث نہ دی جائے تو شرعاً یہ تحریر بالکل بے کار اور ناقابل عمل ہوگی اور والد کے انتقال کے بعد وہ لڑکا بھی شرعاً وراثت کا حقدار ہوگا، نافرمانی کی وجہ سے اس کا حصہ ختم نہیں

= (و کذا فی الدر المختار: ۶ / ۲۶۲ کتاب الوصایا، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۱۱۹ / ۳، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۵۵۲ / ۲، کتاب المناسک، باب الوصیة، إدارة القرآن، کراچی)

(۱) قال الله تبارک و تعالیٰ: ﴿وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحساناً، إما يبلغن عندك

الكبر أحدهما أو كلاهما فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما وقل لهما قولا كريماً﴾ (سورة الإسراء: ۲۳)

”عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”رضي

الرب في رضي الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد“. رواه الترمذی. (مشکوٰۃ المصابیح، ص

۴۱۹، کتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الثانی، قدیمی)

ہوگا، نہ کم ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۱۳۸۸ھ۔

نافرمان بیٹے کو میراث سے محروم کرنا

سوال [۹۸۷۳]: زید اپنے باپ عمر کے ساتھ اس کی زندگی میں نہایت ناروا اور غیر مناسب سلوک رکھتا ہے جس کی بناء پر اس کا باپ عمر یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اپنی وراثت سے محروم کر دے۔ تو جائز ہے یا ناجائز؟

صورت مسئلہ حسب ذیل ہے:

زید کے دادا یعنی عمر کے باپ نے اپنی زندگی میں اپنی جائیداد سے جو کہ وقف علی الاولاد کی ہے۔ عمر یہ چاہتا ہے کہ اپنی اس جائیداد سے جو کہ اس کے باپ نے وقف کی اپنی اولاد زید کو (جو کہ باپ کو سخت تکالیف اور اذیت پہنچاتا ہے) اپنی وراثت سے محروم کر دے۔ کیا شرعی نقطہ نظر سے وہ ایسا کر سکتا ہے اور اس کے انتقال کے بعد اس کی یہ اولاد اس کی جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ سے محروم الارث ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا۔
قمر الحسن۔

(۱) "الإرث جبری لا یسقط بالإسقاط"۔ (تکملة رد المحتار: ۵۰۵/۱، کتاب الدعوی، مطلب: واقعة

الفتویٰ، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۴/۷، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیة بیروت)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۴/۲۹۴، کتاب الفرائض، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

"وهذا العلم مختص بحال الممات وغيره بالحياة، أو باعتبار أسباب الملك، فإنها جبرية أو

اختيارية، فالأول الميراث، والثاني غيره من أسباب الملك"۔ (تبیین الحقائق: ۴/۷، کتاب

الفرائض، دارالکتب العلمیة بیروت)

"والثالث إما اختیاری وهو الوصیة، أو اضطراری وهو الميراث"۔ (مجمع الأنهر: ۴/۲۹۴،

کتاب الفرائض، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وراثت ملک غیر اختیاری ہے (۱)، لہذا باپ کو حق نہیں ہے کہ اپنے بعد ورثہ میں سے کسی کو محروم کر دے (۲)، شریعت نے جو حصہ جس وارث کا متعین کر دیا ہے وہ اس کو ضرور پہنچے گا، خواہ مورث راضی ہو یا ناراض ہو۔ البتہ اصل مالک کو یہ اختیار ہے کہ اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں اپنی ملک میں جس نوع کا چاہے تصرف کرے: بیع، ہبہ، صدقہ، وقف سب کچھ کر سکتا ہے (۳)۔ اگر اولاد شریر ہو اور باپ کو خیال ہو کہ میرے بعد تمام جائیداد خدا کی نافرمانی میں صرف کرے گی تو بہتر یہ ہے کہ اپنی زندگی اور صحت میں اس جائیداد کو مصارف خیر میں صرف کر دے (۴) اور صورت مسئلہ میں تو جائیداد وقف علی الاولاد ہے، لہذا حتی الوسع وقف کی شرائط کا لحاظ

(۱) ”الإرث جبری لا یسقط بالإسقاط“۔ (تکملة رد المحتار: ۵۰۵/۱، کتاب الدعوی، مطلب: واقعة الفتوی، سعید)

”وهذا العلم مختص بحال الممات وغيره بالحياة، أو باعتبار أسباب الملك، فإنها جبرية أو اختيارية، فالأول الميراث، والثاني غيره من أسباب الملك“۔ (تبیین الحقائق: ۴/۷، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیہ بیروت)

”والثالث إما اختیاری وهو الوصية، أو اضطراری وهو الميراث“۔ (مجمع الأنهر: ۴/۴۹۴، کتاب الفرائض، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۲) ”عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”من قطع ميراث وراثته، قطع الله ميراثه من الجنة“۔ رواه ابن ماجه“۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۶۶، باب الوصایا، الفصل الثالث، قدیمی)

(۳) ”كل يتصرف في ملكه كيف شاء“۔ (شرح المجلة لسليم رستم: ۶۵۴/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، کتاب الشریکة، الباب الثالث، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۴) ”وإن كان في ولده فاسق، لا ينبغي أن يعطيه أكثر من قوته كيلا يصير معيلاً له في المعصية..... ولو كان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خير من تركه“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳/۳۹۱، کتاب الهبة، الباب السادس فی الهبة للصغير، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۲۳۷، کتاب الهبة، الجنس الثالث فی هبة الصغير، رشیدیہ)

رکھنا چاہئے (۱)۔

اگر واقف نے محروم کرنے کی نفی کی ہے، یا کوئی ایسی شرط نہیں لگائی کہ جس سے زید کو محروم کیا جاسکتا ہو تو عمر کو محض اس بناء پر کہ زید اس کو اذیت پہنچاتا ہے ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ زید کو محروم کر دے۔ رہا زید کا اپنے باپ عمر کو اذیت اور تکلیف پہنچانا، یہ سخت گناہ ہے، زید کو اپنی ان حرکتوں سے باز آنا چاہئے اور توبہ کرنی فرض ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۸/۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۰/شعبان/۱۳۵۵ھ۔

نافرمان اولاد کو عاق کرنا

سوال [۹۸۷۴]: جو اولاد ۱۶، ۱۴/ برس کی عمر کی از قسم ذکر ہو اور ہوشیار صاحب شعور ہو، ذی علم اور تعلیم اردو و انگریزی پاتے ہوں، وہ اپنے باپ سے باوجود یکہ اس نے ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی ہو اور نہ اس کے ساتھ اس نے کوئی بدسلوکی کی ہو، وہ اپنے ماں کے ورغلانے سے اس قدر متنفر ہیں کہ کبھی نام بھی نہ لیں، بلکہ نام سن کر لعنت کریں، کبھی پوچھ کر نہ دیکھیں کہ مرگیا یا زندہ ہے، اس کے سایہ سے ڈریں۔ پس ایسی اولاد

= (و کذا فی البحر الرائق: ۷/۴۹۰، کتاب الہبۃ، رشیدیہ)

(۱) ”شرط الواقف کنص الشارع: أى فی المفہوم والدلالۃ“۔ (الدر المختار: ۴/۴۳۳، کتاب الوقف، مطلب فی قولہم: شرط الواقف کنص الشارع، سعید)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحساناً، أما يبلغن عندك الكبر أحدهما أو کلہما، فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما، وقل لهما قولاً كريماً﴾ (سورة الإسراء: ۲۳)
”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”رغم أنفه، رغم أنفه، رغم أنفه“۔ قيل: من یا رسول اللہ! قال: ”من أدرك والديه عند الکبر أحدهما أو کلاهما، ثم لم یدخل الجنة“۔ (رواه مسلم)

”وعن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”رضی الرب فی رضی الوالد، وسخط الرب فی سخط الوالد“۔ رواہ الترمذی۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۱۸، ۴۱۹، کتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الثانی، قدیمی)

نالائق کیا باپ کی وارث ہو سکتی ہے؟ اور کیا ایسی ناخلف اولاد کو باپ عاق نہیں کر سکتا، اور اگر ایسی اولاد کو وہ عاق کر دے تو کیا جائز اور حق بجانب نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اولاد کی نالائقی یقیناً قابل گرفت اور جرم ہے، مگر اس سے وہ وراثت سے محروم نہیں ہو سکتی، نہ باپ کو محروم کرنے کا حق ہے۔ اگر باپ نے کہہ بھی دیا، بلکہ تحریر کر دیا کہ میں نے اپنی اولاد کو محروم کر دیا ہے، میرے ترکہ میں سے کوئی حصہ نہ دیا جائے تب بھی بیکار ہے، اس کو حصہ شرعی ضرور ملے گا (۱)۔

اگر باپ نے اپنا تمام مال اپنی زندگی میں خود خرچ کر دیا، خواہ دوسرے عزیز قریب کو دے دیا، یا غرباء و مساکین کو تقسیم کیا، یا مدارس و مساجد وغیرہ میں لگا دیا اور اپنے بعد کے لیے کچھ نہیں چھوڑا تو دوسری بات ہے، لیکن ایسا کرنا جائز نہیں گناہ ہے (۲)۔ ہاں! اگر یہ خیال ہو کہ میرے بعد میری اولاد اس مال کو وراثت میں خداوند تعالیٰ کی نافرمانی میں صرف کرے گی تو ایسا کر دینا چاہیے تاکہ اس کا مال نافرمانی میں صرف نہ ہو:

(۱) ”عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة“۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الوصایا، الفصل الثالث، ص: ۲۶۶، قدیمی)

”سئل فی امرأة ماتت عن أم وأخت شقيقة، وخلفت تركةً مشتملةً علی أمتعة وأوانٍ أشهدت الأخت المزبورة علی نفسها بعد قسمة بعضها أنها أسقطت حقها من بقية إرث أختها وتركتها لأمتها المزبورة، فهل لا یصح الإسقاط المذكور؟

الجواب: الإرث جبرئ لا یسقط بالإسقاط“۔ (تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الإقرار، مطلب: الإرث جبری لا یسقط بالإسقاط: ۵۴/۲، مکتبہ میمنیہ مصر)

(۲) ”عن عبد الرحمن بن كعب بن مالك رضي الله تعالى عنه، قلت: يا رسول الله! -صلى الله تعالى عليه وسلم- إن من توبتي أن أنخلع من مالي صدقةً إلى الله وإلى رسوله صلى الله تعالى عليه وسلم. قال: ”أمسك عليك بعض مالك، فهو خيرٌ لك“۔ الحديث. (صحيح البخاری، کتاب الوصایا، باب: إذا تصدق أو وقف بعض ماله أو بعض رقيقه أو دوابه فهو جائز: ۳۸۶/۱، قدیمی)

قال الحافظ العسقلانی: ”واستدل به علی كراهة التصديق بجميع المال“۔ (فتح الباری، کتاب الوصایا، باب إذا تصدق أو وقف بعض رقيقه أو دوابه فهو جائز: ۴۸۵/۵، قدیمی)

”ولو كان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا

خير من تركه، كذا في الخلاصة، اه“۔ عالمگیری (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۲/۶۰ھ۔

جوابات صحیح ہیں: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ذی الحجہ/۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ذی الحجہ/۶۰ھ۔

ترکہ کے مکان سے کسی وارث کو الگ کرنا

سوال [۵۸۷]: میں میرٹھ کا رہنے والا ہوں، میرے باپ کا نام عبداللطیف تھا، میرے باپ

کے دو بھائی عبدالبصیر و عبدالعلیم تھے اور میرے دادا کا نام عبدالباری تھا۔ دادا کی حیات ہی میں میرے باپ

کے دونوں بھائی الگ ہو گئے تھے، کاروبار بھی علیحدہ کر لیا۔ اور انہوں نے جس وقت مکان کی تعمیر کی، تو جس

حصے میں رہتے تھے وہی تعمیر کیا، بقیہ مکان جس میں میرے والد رہتے تھے وہ تعمیر نہیں ہوا۔ چونکہ میرا باپ

علیحدہ ہو گیا تھا۔

اب اللہ کا حکم ایسا ہوتا ہے کہ میرے والد کا انتقال میرے دادا کے سامنے ہی ہو جاتا ہے، اب میں

عبدالحفیظ بے باپ کے ہو گیا۔ اب کچھ آدمیوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ عبدالحفیظ کے چچا مکان میں حصہ

نہ دیں گے، تو کبھی کبھی میرے دادا سے اور دادی معصوماً سے یہ سوال کر لیا کرتے تھے کہ حفیظ کا نام مکان میں

چڑھاؤ۔ میرا چچا عبدالبصیر یہ کہہ کر برابر کر دیا تھا کہ حفیظ کو ہم ساتھ رکھیں گے اس کو علیحدہ نہیں کریں گے، جس کی

مثال یہ ہے کہ ہمارے مکان کے برابر میں ایک مکان بک رہا تھا جو میرے چچا عبدالبصیر نے میرے نام خریدنے

نہیں دیا اور یہ کہہ دیا میرے دادا سے کہ ہم حفیظ کو نہیں نکالیں گے۔

اب دادا، دادی کا انتقال ہو گیا تو ہمارے چچا عبدالعلیم نے ان کی وصیت کی کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے

اپنے نام یعنی عبدالعلیم اور عبدالبصیر کا اندراج میونسپلٹی میں کیا۔ اب میرے دونوں چچا کا انتقال ہو گیا اور دونوں

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الہبۃ، الباب السادس فی الہبۃ للصغیر: ۳۹۱/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الہبۃ، جنس آخر فی الہبۃ من الصغیر: ۴۰۰/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی البزازیۃ علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الہبۃ، الجنس الثالث فی ہبۃ الصغیر: ۲۳۷/۲، رشیدیہ)

پچا کی اولاد مجھ کو گھر سے نکالتی ہے اور کہتی ہے کہ تمہارا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دادا، دادی مرحوم پچا نے نہ آپ کو کچھ ہبہ کیا، نہ کوئی حصہ متعین کر کے آپ کے نام پر وصیت کی، صرف اتنی بات رہی کہ آپ کو مکان سے نہیں نکالیں گے، اس سے مکان کی ملکیت میں تو آپ کا کوئی حصہ نہیں (۱)، لیکن اگر یہ وصیت کی ہو کہ آپ کو مکان میں رہنے کا حق دیا جائے، مکان سے نکالنا نہ جائے تو شرعاً یہ وصیت معتبر ہوگی، ورثاء کو چاہیے کہ اس کی پابندی کریں:

”صحت الوصیة بخدمة عبده وسكنی داره مدة معلومة وأبداً“. درمختار:

۵/۴۴۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۱۳۹۳ھ۔

بیوہ کو محروم کرنے کے لئے ورثائے شوہر کا دعوائے طلاق

سوال [۹۸۷۶]: ایک شخص کے پاس اس کی عورت عرصہ دراز تک رہتی رہی، بیماری میں اس کی خدمت بھی کی، اس کی خدمت گزاری اور ازدواجی تعلقات کے گواہ بھی موجود ہیں اور اس کی خدمت کا اعتراف کرتے ہیں۔ مرد نے اپنے مرض میں اس کے جملہ حقوق کو تسلیم کر کے بھائیوں سے سلوک کرنے کی وصیت بھی کی، لیکن بعد وفات شوہر اس کے وارث عورت کا ترکہ و دین مہر غصب کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ اس کی عورت کو تقریباً ۸ سال ہوئے شوہر طلاق دے چکا ہے۔

(۱) اس لئے کہ ہبہ نہیں ہوا اور ہبہ میں تصریح اور قبضہ میں دینا ضروری ہے اس کے بغیر ہبہ تام نہیں:

”تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، کتاب الهبة، مکتبہ حنفیہ، کوئٹہ)

(۲) (الدر المختار: ۶/۲۹۱، کتاب الوصایا، باب الوصیة بالخدمة والسكنی، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۹/۲۹۴، کتاب الوصایا، باب الوصیة بالخدمة والسكنی، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۵/۴۱۵، کتاب الوصایا، باب الوصیة بالخدمة والسكنی، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

ایسی صورت میں ورثاء کا قول بطلاق قابل سماعت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئلہ میں ورثائے شوہر نے آٹھ سال تک اگر طلاق کی شہادت کو چھپایا ہے اور باوجود طلب کے شہادت نہیں دی تو وہ اس کتمان اور تاخیر بلا عذر کی وجہ سے فاسق ہو گئے:

کتمان الشهادة كبيرة، ويحرم التأخير بعد الطلب، أشباه، ص: ۳۲۹ (۱)۔ "شاهد

الحسبة إذا أخر شهادته لغير عذر لا يقبل لفسقه، كما في القنية، أشباه، ص: ۳۱۳ (۲)۔

نیز ان کی شہادت قابل قبول نہیں۔ نیز مسلمان کے فعل کو حتی الوسع صحیح و حلال محمل پر حمل کرنے کی شریعت نے تعلیم دی ہے:

"حمل فعل المسلم على الصحة والحل واجب ما أمكن، مبسوط سرخسی:

۱۷/۷۲ (۳)۔

لہذا ان دونوں کے تعلقات کو ناجائز نہ کہا جائے گا۔ اگر ورثائے شوہر کے قول کو صحیح بھی مانا جائے تو ہو سکتا ہے کہ شوہر نے طلاق رجعی دی ہو، اس کے بعد رجوع کر لیا ہو، یا طلاق بائنہ دی ہو مگر دوبارہ نکاح کر لیا ہو جس کا ورثائے شوہر کو علم نہ ہوا ہو، لہذا اس صورت میں عورت حصہ شرعیہ وراثت کی مستحق ہوگی۔ اگر مہر معاف نہیں کیا ہے تو مہر کی مستحق ہوگی اور دین مہر وراثت پر مقدم ہوگا۔

(۱) (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب القضاء والشهادات والدعوى، ص: ۲۷۱، دار الفكر بيروت)

(۲) (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب القضاء والشهادات والدعوى، ص: ۲۶۰، دار الفكر بيروت)

(۳) (المبسوط للسرخسي، كتاب الدعوى، باب اختلاف الأوقات في الدعوى وغير ذلك: ۵۶/۱، مكتبة حبيبيه كوئٹہ)

البتہ اگر ورثائے شوہر طلاق مغلطہ و عدم حلالہ کی شہادت دیتے ہیں اور ۸/ سال ہوئے یعنی طلاق کے وقت بھی شہادت دے چکے تھے اور ان میں شرائط شہادت: عدالت و مروت وغیرہ بھی موجود ہیں تو ان کی شہادت معتبر ہوگی اور عورت وراثت کی مستحق نہ ہوگی۔ دین مہر کی اس صورت میں مستحق ہوگی بشرطیکہ معاف نہ کیا ہو اور ورثاء شوہر کے مقابلہ میں دوسرے گواہ عدم طلاق کے عادل موجود ہیں تو ان کو ترجیح ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، ۶/۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۸/محرم الحرام/۵۴ھ۔



الفصل الحادی عشر فی المتفرقات

نابالغ کے مال کی ولایت کس کو ہے؟

سوال [۹۸۷]: میت کے انتقال کے بعد سب وارثان کا ولی اس کا لڑکا ہے اور میت کی بیوی لڑکے کی ماں حقیقی نہیں ہے۔ عورت لڑکے کے ساتھ موافقت نہیں رکھتی اور کہتی ہے کہ میرا حصہ اور میری تین لڑکیوں کا حصہ علیحدہ کر دو۔ یہ تینوں لڑکیاں نابالغ ہیں، اور عورت بھی عاقلہ نہیں اور میت کے سوتیلا بھائی بھی ہے۔ عورت یہ چاہتی ہے کہ اس کے ساتھ رہے۔ صورت یہ ہے ۳ لڑکیاں نابالغہ کے، ایک طرف سوتیلا بھائی ہے اور ایک طرف سوتیلا چچا ہے۔ لہذا اس صورت میں ان کا ولی کون ہوگا؟

لڑکی کا چچا دیندار بھی نہیں، ان کا حصہ الگ کرنے سے ضائع ہونے کا خوف ہے، لہذا اگر ان کا حصہ الگ کر دیا جائے اور ضائع ہو جائے تو شریعت کے اعتبار سے ذمہ دار کون ہوگا؟ اور نابالغ کا حصہ الگ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغوں کے مال کی ولایت باپ کے بعد باپ کے وصی کو حاصل ہوتی ہے، لہذا اگر مرنے والے نے کسی کو وصی بنایا ہو تو وہ ولی ہوگا، اگر کسی کو ولی نہیں بنایا تو ان کا دادا ولی ہوگا، اگر دادا موجود نہ ہو تو پھر حاکم وقت کو ولایت حاصل ہے۔ اگر حاکم وقت مسلمان ہو تو وہ خود ان نابالغوں کے مال کی حفاظت کرے، یا کسی دیندار شخص کو مقرر کر دے۔ اگر حاکم وقت مسلمان نہ ہو تو پھر سربراہِ آئین اور وہ چند صلحاء کسی کو مقرر کر دیں جس کو ان نابالغوں کے حق پر خیر خواہ سمجھیں والدہ کو، یا بھائیوں کو، یا چچا کو:

”والولاية في مال الصغير إلى الأب، ثم وصيه، ثم وصي وصيه، ثم إلى أب الأب، ثم

إلى وصيه، ثم إلى القاضي، ثم إلى من نصبه القاضي، اهـ۔“ تنویر (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ۱۴/ربیع الاول/۱۳۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۵/ربیع الاول/۱۳۶۴ھ۔

سفیہ کا مال کب اس کے حوالے کیا جائے؟

سوال [۹۸۷۸]: زید کا انتقال چند سال قبل ہوا، اس کے اموال و جائیداد بین الورثہ اب تک تقسیم

نہیں ہوئے، اب تقسیم ہونے والے ہیں۔ وارثین میں ایک اس کی بہن بھی ہے اور وہ سفیہ ہے، یعنی خیر و شر کے امتیاز کی طاقت نہیں رکھتی، وہ اپنی سفاہت اور چند لالچ مندوں کی تحریص کی وجہ سے پورے اموال کو ضائع کر دے گی، اس کا قوی اندیشہ ہے۔ لہذا سوال یہ ہے کہ تقسیم کے وقت اس کے حصہ کے مال کو اس کے حوالہ کئے بغیر اس کے اولیاء یعنی اس کی اولاد کے حوالہ کرنے کی شرعی اجازت ہے یا نہیں؟

سفیہ کے شرعی معنی کیا ہیں، اور کن حالتوں میں مضر ثابت ہوتا ہے؟ اگر اس سفیہ کا مال اس کے حوالہ کر دیں تو پھر اس مال کی خرید و فروخت اور نقل و ہبہ کرنے پر حجر ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شرعی طریقہ پر بہن وارث ہے اور وہ سفیہ ہے، اپنے مال کو بے محل ضائع کر دینے کا قوی مظنہ ہے تو جواہل فہم اہل دیانت اس کے حق میں خیر خواہ ہوں اس کی ضروریات کو دیکھ کر سمجھ کر مناسب طور پر انتظام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، خاندانی لوگ باہمی مشورہ سے اس کے حوالہ کر دیں:

”وعندهما يحجر على الحر بالسفه والغفلة، وبه: أي بقولهما يفتى صيانة لماله“.

(۱) (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۵/۵۲۸، ۵۲۹، کتاب الوکالۃ، فصل: لا یعقد وکیل البیع

والشراء، قبیل باب الوکالۃ بالخصومة والقبض، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۷/۳۰۱، کتاب الوکالۃ، باب الوکالۃ بالبیع والشراء، رشیدیہ)

درمختار۔ ”ہو تبذیر المال وتضييعه على خلاف مقتضى الشرع أو العقل“۔ درمختار:
۹۳/۵ (۱)۔

اگر مال سفیہ کے حوالہ کر دیا گیا اور اس نے کوئی تصرف بیع و ہبہ کا کیا تو وہ شرعاً معتبر ہوگا، کذا فی رد المحتار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۱۳۹۶ھ۔

کیا بھانت میراث کا عوض ہے؟

سوال [۹۸۷۹]: ہمارے یہاں کا جاہلانہ دستور یہ ہے کہ لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے، بلکہ دستور قائم یہ کر رکھا ہے کہ تمام جائیداد لڑکوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ اور لڑکی جو سسرال سے گھر آتی ہے (اپنے باپ کے گھر) تو اس کے بھائی وغیرہ کھانا کپڑا وغیرہ ہر سال دیکر اس کو رخصت کر دیتے ہیں اور یہی اس کا حق حصہ سمجھا جاتا ہے۔

اگر حصہ نہ سمجھا جائے تو کیا بھائی وغیرہ پر یہ کرنا لازم ہے، شرعی نقطہ نظر سے یہ فعل کیسا ہے؟ کیا ایسا کرنے والے افراد ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِي﴾ کے خلاف نہیں کرتے، اگر کرتے ہیں تو اس سے بچنے کی صورت کیا ہوگی؟ مدلل جواب مطلوب ہے۔ یہاں اس طرح دینے کو بھانت کہتے ہیں۔

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۲۸/۶، کتاب الحجر، سعید)

(و کذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز: ۵۳۸/۱، (رقم المادة: ۹۵۸)، کتاب الحجر، مکتبہ حنفیہ، کوئٹہ)

(و کذا فی الهدایة: ۳/۳۵۱، کتاب الحجر، باب الحجر للفساد، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(۲) ”والحاصل أن كل ما يستوى فيه الهزل والجد، ينفذ من المحجور، ومالا فلا فإن بلغ الصبي غير رشيد، لم يسلم إليه ماله حتى يبلغ خمسًا وعشرين سنة، فصَحَّ تصرفه قبله: أي قبل المقدار المذكور من المدة“۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۵۰/۶، کتاب الحجر، سعید)

(و کذا فی الهدایة: ۳/۳۵۲، کتاب الحجر، باب الحجر للفساد، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(و کذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز: ۵۳۸/۱، (رقم المادة: ۹۸۲)، کتاب الحجر، مکتبہ حنفیہ، کوئٹہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رواج اصل میں ہندوانہ رواج ہے، خاص اوقات میں جو لڑکیوں کو دیا جاتا ہے، اس کو میراث کا بدل قرار دینا جائز نہیں، میراث انتقالِ مورث کے بعد ملتی ہے (۱)۔ اور یہ معاملہ بسا اوقات زندگی میں بھی شروع ہو جاتا ہے، پھر جتنا حصہ میراث ہوتا ہے، اس کی قیمت کا بھی کوئی تخمینہ نہیں ہوتا، نہ باقاعدہ لڑکیوں کا حصہ میراث کو خریداجاتا ہے، نہ ان کی رضا طلب کی جاتی ہے۔ بہر حال اس رواج کو ختم کرنا ضروری ہے، لڑکیوں کو ان کا پورا پورا حصہ میراث دیا جائے (۲)۔ اپنی بہن کے ساتھ جو صلہ رحمی کرے، یہ عین سعادت ہے (۳)، لیکن اس میں پابندیِ رواج یا معاوضہ میراث کو دخل نہیں ہونا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۱۳۹۱ھ۔

ولی عہد بنانا

سوال [۹۸۸۰]: اسلام کے قانون کے مطابق ولی عہد بنا سکتے ہیں یا نہیں، اس کو میراث ملے گی یا نہیں؟

(۱) ”وہل إرث الحی من الحی أم من المیت؟ المعتمد الثانی“۔ (الدر المختار: ۷۵۸/۶، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ، وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ، نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾۔ (سورة النساء: ۷)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ لِلرِّجَالِ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ، نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾۔ (سورة النساء: ۱۱)

(۳) ”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”الرحم معلقة بالعرش تقول: من وصلنی وصلہ اللہ، ومن قطعنی قطعہ اللہ“۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۱۹، کتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الأول، قدیمی)

”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”من كانت له أنثی، فلم یأدها ولم یهنہا ولم یؤثر ولده علیہا - یعنی الذکور - أدخلہ اللہ الجنة“۔ رواہ أبو داؤد۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۲۳، کتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الثانی، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ولی عہد بنانے کا تو حق ہے مگر اسے حق وراثت نہیں ملے گا، حق وراثت صرف اس کو ملے گا جس کو شریعت نے وارث بنایا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۳ھ۔

بھائی کے وعدے

سوال [۹۸۸۱]: ہمارے ابا اور اماں اور تین بھائی اور تین بہن تھے، ابا نے بڑی بہن کی شادی کرنی چاہی تو انہوں نے انکار کر دیا، لہذا ابا نے انہیں بارہ سو روپے کا کاغذ اور ایک ہنڈیہ چاندی کے روپیوں سے بھری ہوئی دی۔ کچھ دنوں کے بعد ابا کا انتقال ہو گیا، پھر یکے بعد دیگرے بڑے اور چھوٹے بھائی کا انتقال ہو گیا، پھر ہم لوگ تین بہن اور ایک بھائی رہ گئے اور والدہ بھی۔ والدہ نے دو بہنوں کی شادی کر دی اور پھر وہ بھی انتقال کر گئیں۔ اب ہم بھائی اور بہن رہ گئے۔ ہمارے پاس پانچ سیر چاندی اور کافی تانبے کے برتن اور مکان اور تین بیگہ زمین اور گھر کا سرمایہ۔ پھر بھائی کی بھی شادی ہو گئی۔

میرے پاس جو ہنڈیا روپیہ والی اور بارہ سو روپے تھ، بھائی نے اس وعدے پر لے لیا کہ وہ مجھے حج کرائے گا اور ایک ایک پائی ادا کر دے گا اور میری زندگی تک میرا ساتھ دے گا۔ جب میں نے دیدیا تو وہ مجھے پریشان کرنے لگا اور شادی پر مجبور کرنے لگا، مگر میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ لہذا جناب والا سے گزارش ہے کہ بتائیں اس میں میرا کتنا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنا بھائی کا حصہ ہے، اس سے آدھا حصہ آپ کا ہے (۲)، سب کا سب بھائی کو لینے کا حق نہیں (۳)،

(۱) ”وَيَسْتَحِقُّ الْإِثْرَ بِإِحْدَى خِصَالِ ثَلَاثٍ: بِالنَّسَبِ وَهُوَ الْقَرَابَةُ، وَالسَّبَبِ وَهُوَ الزَّوْجِيَّةُ، وَالْوَلَاءُ“.

(الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۶/۲۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/۷۲۲، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۵۵، کتاب الفرائض، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً، فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حِظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾. (سورة النساء: ۱۷۶)

(۳) ”عن أبی حرة الرقاشی عن عمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”أُلَا““

جو چیز آپ کی تھی وہ بھائی نے بطور قرض لی تھی، اس کی واپسی بھائی کے ذمہ واجب ہے (۱)۔ اور جب بھائی کا وعدہ ہے کہ ایک ایک پائی تمہاری ادا کروں گا، تو اس وعدہ کو بھی پورا کرنا ضروری ہے (۲)، کیونکہ حق واجب کا وعدہ ہے۔ آپ کو بلا وجہ شادی سے انکار نہیں کرنا چاہیے، اس میں دینی اور دنیاوی بہت سی مصالح ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۱۳۹۱ھ۔

اگر سوال شیعہ سنی کے توارث کا ہو تو جواب کس طرح دیا جائے؟

سوال [۹۸۸۲]: اگر کوئی حنفی، سنی مفتی شیعوں کے مسائل میراث سے واقف ہو تو وہ استفتاء جس میں مورث اعلیٰ شیعہ ہو اور باقی مورث و وارث سنی ہوں، یا مورث اعلیٰ سنی ہو اور بقیہ مورث و وارث خواہ کل = لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منہ“۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۵۵، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریۃ، الفصل الثانی، قدیمی)

(۱) ”عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: قال: ”من طلب حقاً، فیطلبہ فی عفاف واف أو غیر واف“۔ (سنن ابن ماجہ، أبواب الصدقات، باب حسن المطالبة وأخذ الحق فی عفاف، ص: ۱۷۴، قدیمی)

”وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه“۔ (ابن ماجہ، المصدر السابق)

”القرض، هو عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي ليرد مثله“۔ (الدر المختار: ۵/۱۶۱، کتاب البیوع، فصل فی القرض، سعید)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ (سورة الإسراء: ۳۴)

(۳) ”عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”النکاح من سنتی، فمن لم یعمل بسنتی، فلیس منی۔ وتزوجوا فانی مکاثر بکم الأمم“۔ (سنن ابن ماجہ: ۱/۱۳۲، کتاب النکاح، باب ما جاء فی فضل النکاح، قدیمی)

نکاح کے مصالح اور فوائد سے متعلق احیاء العلوم الدین میں امام غزالی نے بارہ صفحات پر طویل بحث کی ہے

فلیراجع: (احیاء العلوم، کتاب آداب النکاح، آفات النکاح وفوائده: ۲/۳۲-۳۳، قدیمی)

شیعہ ہوں خواہ بعض شیعہ و بعض سنی، پس ایسی صورت میں سنی مفتی ایسے استفتاء کا جواب کس طرح لکھے، آیا ہرطن میں اپنے اصول کے موافق لکھے، یا مورث شیعہ کے ترکہ و حصہ کو اصول تشیع کے موافق اور مورث حنفی و سنی کے ترکہ و حصہ کو اصول حنفیت کے مطابق، یا کیا صورت ہوگی؟ جو صورت ہو مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد یسین، مدرسہ احیاء العلوم، اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو فرقہ شیعہ کا کافر ہے اس کی رعایت کرتے ہوئے جواب دینا شرعاً درست نہیں، بلکہ جو اسباب میراث اہل اسلام کے نزدیک معتبر ہیں انہیں اسباب کے ماتحت ان کو بھی جواب دیا جائے گا:

”الکفار یتوارثون فیما بینہم بالأسباب التي یتوارثون بها أهل الإسلام فیما بینہم من

النسب والسبب، اھ۔“ عالمگیری: ۶/۵۴، الباب السادس فی میراث أهل الکفر (۱)۔

اور جو فرقہ کافر نہیں بلکہ مسلم ہے، اس کو بھی حنفی سنی اپنے اصول کے مطابق جواب دے گا، جیسا کہ اگر کوئی شافعی المذہب کسی مفتی حنفی سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے موافق کوئی مسئلہ دریافت کرے تو حنفی مفتی اس وقت امام شافعی کے مذہب کے موافق جواب نہیں دے گا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے موافق جواب دے گا۔

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ و برکاتہ علیہ نے ”درمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع“

میں ”کتاب إحياء الموات“ سے کچھ پہلے لکھا ہے:

”فروع: کتب: ما قول الشافعی؟ یکتب جواب أبي حنيفة رحمه الله تعالى“.

اس پر علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

”(قوله: کتب، الخ) مثل الكتابة السؤال بالقول، ومثل الشافعی غیره من أصحاب

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریة: ۶/۵۴، کتاب الفرائض، الباب السادس فی میراث أهل الکفر، رشیدیہ)

(و کذا فی المبسوط للسرخسی: ۳۰/۳۶، کتاب الفرائض، باب موارد أهل الکفر، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(و کذا فی البرازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریة: ۶/۴۷۱، ۴۷۲، کتاب الفرائض، الفصل الخامس

فی موانع الإرث، رشیدیہ)

المذاهب، اھ۔ ردالمحتار: ۵/۲۹۹ (۱)۔

مذہب شیعہ کے مطابق سوال کرنے سے مفتی سنی کو بطریق اولیٰ مذہب اہل السنۃ کے مطابق جواب دینا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف مظاہر علوم سہارنپور، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

شیعہ عورت بغیر وارث چھوڑے مرنے پر اس کے موروثہ زیور کا مصرف

سوال [۹۸۸۲]: ایک شیعہ مذہب عورت کا ایک شخص نے کچھ زیور چوری کر لیا، وہ عورت فوت ہو گئی۔ یہ زیور اس خیال سے رکھا تھا کہ اس سے امام باڑہ بنوائے، یا کسی مذہبی کام میں صرف کرے۔ مرحومہ نے کوئی وارث بھی نہیں چھوڑا۔ اس کے مرنے کے بعد چور کے دل میں خوف پیدا ہوا، اب وہ اس زیور کی رقم کو کسی ایسی جگہ خرچ کرنا چاہتا ہے جو مالکہ کیلئے باعث اجر بنے۔ از روئے شریعت رہنمائی فرمائیں کہ یہ رقم کس مصرف میں لگائی جائے، مسجد یا مدرسہ یا طلباء کے مصارف وغیرہ میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس عورت کا کوئی نزدیک دور کسی قسم کا وارث نہیں تو وہ روپیہ غرباء پر صدقہ کر دیا جائے، نادار طلبہ بھی مستحق ہیں، بیواؤں، یتیموں یا ہجوں کو بھی دیا جاسکتا ہے (۳)۔ مسجد مدرسہ اور راستہ وغیرہ کی تعمیر، یا کسی بھی

(۱) (الدر المختار ورد المحتار: ۲/۴۲۱، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

(و کذا فی شرح العقود رسم المفتی، ص: ۱۰۲-۱۰۴، میر محمد کتب خانہ کراچی)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۵۰، کتاب القضاء، رشیدیہ)

(۲) ”ویأخذ القاضی کالمفتی بقول أبی حنیفة علی الإطلاق، ثم بقول أبی یوسف، ثم بقول محمد رحمہم اللہ تعالیٰ..... ولا یخیر إلا إذا کان مجتہداً، بل المقلد متی خالف معتمد مذہبہ، لا ینفذ حکمہ“۔ (الدر المختار)۔ ”وأما المقلد فعليه العمل بمعتمد مذہبہ، علم فیہ خلافاً أولاً“۔ (الدر المختار)

ورد المختار: ۵/۳۶۰، ۳۶۱، کتاب القضاء، مطلب: یفتی بقول الإمام علی الإطلاق، سعید)

(۳) ”إذا لم یوجد أحد من المذکورین، توضع التركة فی بیت المال علی أنها مال ضائع، فصارت لجميع المسلمین، فیصرف إلى نفقة المریض وأدویته إذا کانوا فقراء“۔ (الشریفة، ص: ۱۱، سعید) =

تنخواہ میں صرف نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۴/۱۳۹۵ھ۔

کفن ترکہ سے دیا جائے گا یا شوہر کے ذمہ ہے؟

سوال [۹۸۸۴]: ہندہ کے مرنے کے بعد جو عرفاً یا شرعاً لازمی اخراجات ماتم مثلاً کفن یا خیرات

وغیرہ کئے جاتے ہیں وہ ہندہ کے ترکہ میں سے ہوں گے یا خاوند کے ذمہ لازم ہوں گے؟

المستفتی: بندہ محمد عرفان عفا اللہ عنہ ضلع مظفر آباد ڈاکخانہ: چناری۔ کشمیر، ۳/محرم/۱۴۱۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زوجہ کا کفن مفتی بہ قول پر زوج کے ذمہ لازم ہے:

”واختلف فی الزوج، والفتویٰ علی وجوب کفنها علیہ، اھ۔“ تنویر: ۱/۹۰۵ (۲)۔

= ”لأن سبيل الكسب الخبيث التصديق إذا تعذر الرد على صاحبه.“ (ردالمحتار: ۲/۳۸۵،

كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۸/۳۶۹، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيدية)

(۱) ”(قوله: لو بماله الحلال) أما لو أنفق في ذلك مالا خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن

الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله.“ (ردال محتار: ۱/۲۵۸، كتاب الصلوة،

مطلب: كلمة لا بأس دليل على أن المستحب غيره، سعيد)

(و كذا في حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۱/۲۷۸، كتاب الصلوة، دارالمعرفة بيروت)

(۲) (تنویر الأبحار والدر المختار: ۲/۲۰۶، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب في كفن

الزوجة على الزوج، سعيد)

”وعلى قول أبي يوسف رحمه الله تعالى يجب الكفن على الزوج وإن تركت مالا، وعليه

الفتوى، هكذا في فتاوى قاضى خان.“ (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۶۰، الباب الحادى والعشرون فى

الجنائز، الفصل الثالث فى التكفين، رشيدية)

(و كذا فى فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۸۹، باب الجنائز، فصل غسل

الميت والتكفين وغير ذلك، رشيدية)

خیرات کے متعلق یہ ہے کہ اگر میت نے وصیت کی ہے تو ایک ثلث میں اس کو نافذ کرنا ضروری ہوگا اور اس سے زائد میں ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے اگر ورثہ بالغ ہوں اور اجازت دیدیں تو زائد میں وصیت نافذ ہو سکتی ہے، ورنہ نہیں (۱)۔ اگر وصیت نہیں کی تو انتقال کے بعد سے تمام ترکہ میت کی ملک سے خارج ہو کر ورثہ کی ملک میں آ گیا، ورثہ کو اختیار ہے جس دور چاہیں خیرات کر کے میت کو ثواب پہنچائیں (۲) لیکن اگر کوئی وارث نابالغ بھی ہے تو اس کے حصہ کو صدقہ کرنا جائز نہیں (۳) زوج کے ذمہ کچھ لازم نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

فرائض کے قواعد

عالی جناب مولانا المفتی محمود الحسن صاحب!

السلام علیکم

عرض ہے کہ خادم کو ذیل قاعدہ کی جلد ضرورت ہے۔ وہی ہذہ:

سوال [۹۸۸۵]: اگر ایک نام کے بہت سے وارث ہوں تو ان میں باہم تقسیم کرنے کیلئے سہام

(۱) ”وتجوز بالثلث للأجنبي وإن لم يجر الوارث ذلك، لا الزيادة عليه، إلا أن تجيز ورثته بعد موته

وهم كبار. المراد أن يكونوا من أهل التصرف“۔ (الدر المختار: ۶/۲۵۰، کتاب الوصایا، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۹۰، کتاب الوصایا، رشیدیہ)

(۲) ”لأن التركة في الاصطلاح ما تركه الميت من الأموال صافيًا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال“۔

(رد المحتار: ۶/۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(۳) ”ویکثره اتخاذ الطعام فی اليوم الأول، والثالث، وبعد الأسبوع ولا سيما إذا كان فی الورثة

صغار أو غائب“۔ (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنائزہ، مطلب فی کراہۃ الضیافۃ من أهل

المیت: ۲/۲۴۰، ۲۴۱، سعید)

(۴) ”ویکثره اتخاذ الطعام من أهل المیت؛ لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور، وہی بدعة مستقبحة“۔

(۱) (المختار، المصدر السابق)

لگانے کا پورا قاعدہ تحریر کرنے کے بعد فرائض کے دیگر مباحث تو کچھ آتے بھی ہیں، مگر قاعدہ مسئول عنہا سے بالکل مناسبت نہیں، شاید مجھ جیسے ضعیف الاستعداد و تلامذہ کو بھی آپ جیسے جید الاستعداد اساتذہ سے فائدہ پہنچے۔ یہ فن بندہ نے مدرسہ میں بالکل نہیں پڑھا، اس لئے اس فن کی مشکل مشکل اصطلاح کے بیان کرنے سے امید ہے کہ گریز فرمائیں گے اور حتی الامکان تسہیل فرمائیں گے۔

خادم: شبیر احمد شاہ پوری، خطیب جامع مسجد کاکا، ضلع انبالہ۔ ۱۳/محرم/۱۳۶۰ھ۔

الجواب:

محترمی! علیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا سوال نہایت مجمل ہے، حضرت قاری صاحب سے دریافت کیا، مگر کوئی متعین مفہوم حاصل نہیں ہوا، بلکہ علی سبیل التخمین یہ فرمایا کہ ”اگر ورثہ متعدد ہوں اور مثلاً سب کا نام زید ہے تو بوقت تقسیم ان میں تمیز کی کیا شکل ہے۔“ اور میں نے یہ سمجھا کہ: ”اگر ایک قسم کے چند وارث ہوں، مثلاً: چند بیویاں ہوں، یا چند بیٹے ہوں، یا چند بھائی ہوں، ان میں تقسیم ترکہ کی کیا صورت ہے۔“

اول صورت میں تو تمیز بذریعہ اول ثانی و ثالث (۱)، یا بذریعہ اضافت الی الاب وغیرہ سہل ہے، مثلاً: زید اول وزید ثانی وزید ثالث وغیرہ، یا زید بن عمر، زید بن بکر، یا زید بن خالد وغیرہ۔ اسی طرح اُنات میں بھی آسانی ہے۔ نیز یہاں اضافت الی الزوجہ سے بھی تمیز ہو سکتی ہے۔

ثانی صورت میں سہام میں لگانے کیلئے ضرورت ہے کہ ان ورثہ کی نوعیت معلوم ہو، یعنی ورثہ تین قسم

(۱) ”ويفرز كل نصيب ويلقب الأنصباء بالأول والثاني والثالث، ويكتب أسمائهم ويقرع، فمن خرج اسمه أولاً فله السهم الأول، ومن خرج ثانياً فله السهم الثاني، ومن خرج ثالثاً فله السهم الثالث إلى أن ينتهي إلى الأخير“۔ (البحر الرائق، ۲/۸، کتاب القسمة، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۲/۲۶۲، کتاب القسمة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۵/۲۰۶، کتاب القسمة، الباب الثانی فی بیان کیفیۃ القسمة، رشیدیہ)

”وإذا اجتمع جماعة من العصابة في درجة واحدة، يقسم المال عليهم باعتبار أبدانهم لا باعتبار أصولهم، مثاله: ابن أح وعشرة بنی آخر المال بينهم على أحد عشرة سهماً لكل واحد سهم“۔

(الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۱، کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصابات، رشیدیہ)

کے ہوتے ہیں: اول ذوی الفروض، جن کا حصہ کتاب اللہ میں مقرر ہے (۱)۔ ثانی عصبات، جن کا حصہ مقرر نہیں، بلکہ ذوی الفروض کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ لیتے ہیں۔ اور جب ذوی الفروض نہ ہوں تو سب ترکہ لے لیتے ہیں (۲)۔

ثالث ذوی الارحام، جو بوقت عدم ذوی الفروض وعصبات مستحق ہوتے ہیں، اور ان دونوں میں سے کسی کی موجودگی میں مستحق نہیں ہوتے (۳)۔

اب میں عصبات کی چند مثالیں لکھتا ہوں جو ایک نوع کے ہیں، اور ذوی الفروض کوئی موجود نہیں، ایسی صورت میں عد و ورثہ کے مطابق سهام بنا کر تقسیم کر دیئے جائیں گے۔

مسئلہ ۴				
زید				
ابن	ابن	ابن	ابن	ابن
۱	۱	۱	۱	۱

مسئلہ ۵				
زید				
اخ	اخ	اخ	اخ	اخ
۱	۱	۱	۱	۱

(۱) ”ذوی الفروض، وہم کل من کان له سهم مقدر فی کتاب اللہ تعالیٰ أو فی سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أو بالإجماع“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۴۷/۶، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۲) ”العصبات: وہم کل من لیس له سهم مقدر، ویأخذ ما بقی من سهام ذوی الفروض، وإذا انفرد أخذ جمیع المال“۔ (الاختیار لتعلیل المختار: ۵۶۲/۲، کتاب الفرائض باب العصبات، حقانیہ پشاور)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۵۱/۶، کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبات، رشیدیہ)

(۳) ”ذوی الارحام: وهو کل قریب لیس بذی سهم ولا عصبه، ولا یرث مع ذی سهم ولا عصبه سوى

الزوجین“۔ (الدر المختار: ۷۸۱/۶، کتاب الفرائض، باب توریث ذوی الارحام، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۵۹/۶، کتاب الفرائض، الباب العاشر فی ذوی الارحام، رشیدیہ)

مسئلہ ۴

عم	عم	عم	عم
۱	۱	۱	۱

اگر لڑکوں کے ساتھ لڑکیاں بھی ہوں تو لڑکے کو دوہرا حصہ ملے گا، اس کا حصہ بمنزلہ دو لڑکیوں کے ہوگا، مثلاً: ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوں تو کل چار سہام بنائیں گے، دو لڑکے کو اور ایک ایک ہر لڑکی کو (۱)، مثلاً:

مسئلہ ۴ زید

ابن	بنت	بنت
۲	۱	۱

مسئلہ ۸ زید

ابن	ابن	ابن	بنت	بنت
۲	۲	۲	۱	۱

مسئلہ ۷

ابن	ابن	بنت	بنت	بنت
۲	۲	۱	۱	۱

یہی صورت اس وقت ہوگی جبکہ بھائیوں کے ساتھ بہنیں بھی ہوں (۲)، مثلاً:

(۱) قال اللہ تبارک و تعالیٰ: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْإُنْثَىٰ﴾. (سورة النساء: ۱۱)

(۲) وقال اللہ تبارک و تعالیٰ: ﴿وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً، فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حِظِّ الْإُنْثَىٰ﴾. (سورة النساء: ۱۷۶)

مسئلہ ۵			
اُخ	اُخت	اُخت	اُخت
۲	۱	۱	۱

مسئلہ ۸				
اُخ	اُخ	اُخ	اُخت	اُخت
۲	۲	۲	۱	۱

یہ سب اس وقت ہے جب کل ورثہ عصبات ہوں، ذوی الفروض نہ ہوں۔ اگر ذوی الفروض ہوں تو سہام لگانے میں اول ذوی الفروض کی رعایت کی جائے گی، پھر عصبات کی (۱)، چند مثالیں سمجھئے:

مسئلہ ۴			
زوج	ابن	ابن	ابن
۱	۱	۱	۱

زوج ذوی الفروض میں سے ہے، ایسی حالت میں چوتھائی کا مستحق ہے اور بیٹے عصبات ہیں۔ پس کل چار سہام بنا کر ایک زوج کو دیدیا، باقی تین بچے وہ تینوں بیٹوں کو برابر تقسیم کر دے (۲)۔

(۱) ”فیبدأ بذوی الفروض، ثم بالعصبات النسبية، ثم بالمعتق“ (الدر المختار: ۶/۷۳، کتاب الفرائض، سعید)

”العصبة وهم كل من ليس له سهام مقدر، يأخذ ما بقى من سهام ذوی الفروض“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۵۱، کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبات، رشیدیہ)

(۲) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ، فَلَكُمْ الرِّبْعُ مِمَّا تَرَكْنَ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

مسئلہ ۴					ہندہ
زوج	ابن	بنت			
۱	۲	۱			
مسئلہ ۸					ہندہ
زوجہ	ابن	ابن	ابن	بنت	
۱	۲	۲	۲	۱	

یہاں زوجہ ذوی الفروض میں سے ہے، آٹھویں حصہ کی مستحق ہے (۱)، لہذا کل سهام آٹھ بنا کر ایک زوجہ کو دیا، باقی سات رہے، وہ اکہرا لڑکی کو اور دو ہر لڑکوں کو تقسیم کر دیا۔

مسئلہ ۶			
اب	ابن	ابن	بنت
۱	۲	۲	۱

یہاں اب ذوی الفروض میں سے ہے، چھٹے حصہ کا مستحق ہے (۲)، لہذا کل چھ سهام بنا کر ایک والد کو دیا، باقی پانچ کو بقاعدہ مذکورہ تقسیم کر دیا۔ پوری واقفیت بغیر پڑھے یا بغیر جملہ ضوابط کو فرداً فرداً سمجھے دشوار ہے۔

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ، فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلِأَبْوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾ (سورة النساء: ۱۱)

”أما الرجال فالأول الأب، وله ثلاثة أحوال: الفرض المحض وهو السدس مع الابن وابن الابن

وإن سفل“. (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۲/۴۲۸، کتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی الفروض، رشیدیہ)

مفید الوارثین میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس علم کے مباحث کو تحریر کیا ہے (۱)، اسی طرح اور نئی کتب اس فن میں تحریر ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔



(۱) (قانون وراثت، مفید الوارثین، تالیف: حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، سعید)

باب^{۲۸}

رسالہ آسان فرائض

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد! یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں علم فرائض کے کثیر الوقوع مسائل وقواعد کو آسان اور عام فہم طرز سے بیان کیا گیا ہے اور تدقیقات، دلائل، نوادر کا ذکر نہیں کیا کہ وہ ذی استعداد طلبہ اور اہل علم کا حصہ ہے۔ اور اس رسالہ سے مقصود یہ ہے کہ اردو داں بھی معمولی طریقہ پر روزمرہ کی ضروریات کو حل کر سکیں اور بوقت حاجت جہاں اشکال ہو اس کو علماء سے رجوع کریں۔ وما توفیقی إلا باللہ۔

علم الفرائض کی فضیلت

علم الفرائض کی حدیث میں فضیلت اور اس کے سیکھنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:
”تعلموا الفرائض وعلموها الناس، فإنها نصف العلم“ (۱)۔

(۱) (سنن ابن ماجہ، ص: ۱۹۹، أبواب الفرائض، باب الحث علی تعلیم الفرائض، میر محمد کتب خانہ کراچی)

”عن عبد الرحمن بن رافع التنوخی، عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”العلم ثلاثة، وما سوى ذلك فهو فضل: آية محكمة، أو سنة قائمة، أو فريضة عادلة“۔ (سنن أبی داؤد: ۳۹۹/۲، کتاب الفرائض، باب ماجاء فی تعلیم الفرائض، دار

یعنی: ”علم فرائض کو خود سیکھو اور دوسرے لوگوں کو سکھاؤ، کیونکہ یہ نصف علم ہے۔“ اس حدیث شریف میں تنہا علم فرائض کو نصف العلم فرمایا گیا ہے۔

اصطلاحات فرائض کی وضاحت

فائدہ: جس کا انتقال ہو، اس کو ”میت“ کہتے ہیں (۱)، اور جو مال وہ چھوڑے اس کو ”ترکہ“ (۲)، اور اس مال کے بروئے وارث مستحقین کو ”ورثہ“ (۳)، اور ان کے بروئے حساب حصص شرعیہ کو ”سہام“ کہتے ہیں (۴)۔

ترکہ میت میں حقوق واجبہ

ترکہ میت میں چار قسم کے حق ہیں:

اول: خود میت کا حق ہے، وہ یہ کہ اس کی تجہیز و تکفین متوسط طریقہ پر کی جائے، یعنی کفن نہ بہت اعلیٰ قسم کا دیا جائے، نہ بہت ادنیٰ قسم کا، بلکہ درمیانی درجہ کا دیا جائے۔
دوسرا حق قرض خواہوں کا ہے، یعنی اگر میت کے ذمہ کوئی دین، مہر وغیرہ ہو تو بعد تجہیز و تکفین وہ ادا کیا جائے، اگر کچھ مال بچے۔

تیسرا حق موصیٰ لہ کا ہے، یعنی اگر میت نے انتقال سے پہلے کوئی وصیت کی ہو، مثلاً: یہ کہ میرے ذمہ اتنی

(۱) ”الموت زوال الحياة عن ائصف بها“۔ (قواعد الفقہ، ص: ۵۱۳، الصدف پبلشرز، کراچی)

(۲) ”الترکہ فی الاصطلاح: ما ترکہ المیت من الأموال صافیاً عن تعلق حق الغير“۔ (رد المحتار: ۵۹/۶، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۷۱، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۳) ”الإرث فی الاصطلاح: حق قابل للتعزیر، یثبت لمستحق بعد موت من کان له ذلک لقراءة بینہما، فهو بمعنی المورث. والوارث اصطلاحاً: المنتمی إلى المیت الحقیقی أو الحکمی“۔ (دلیل الوارث حاشیۃ السراجی، ص: ۴، سعید)

(و کذا فی القاموس الفقہی، ص: ۳۷۷، حرف الواو، إدارة القرآن، کراچی)

(۴) ”السہم: النصیب“۔ (قواعد الفقہ، ص: ۳۳۱، الصدف پبلشرز، کراچی)

نمازیں، اتنے روزے باقی ہیں، یا میرے ذمہ حج فرض تھا وہ ادا نہیں کیا، یا میرے ثواب کیلئے اتنا روپیہ غرباء و مساکین کو دیا جائے تو ورثہ کے ذمہ ایک تہائی ترکہ باقیہ سے اس وصیت کا پورا کرنا لازم ہوتا ہے (۱)۔ اگر تہائی ترکہ باقیہ سے یہ وصیت پوری ہو جائے تو بہتر ہے، ورنہ اس سے زائد میں پورا کرنا لازم نہیں، بلکہ ورثاء کی رضاء و اجازت پر موقوف ہے دل چاہے تو اس کی وصیت کو پورا کریں ورنہ نہیں (۲)۔

تنبیہ:

نابالغ وارث کی رضا و اجازت کا شرعاً اعتبار نہیں، لہذا اس کا حصہ ہرگز نہ خرچ کیا جائے (۳)۔
چوتھا حق ورثہ کا ہے، یعنی قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع، سے جن ورثہ کا جتنا حصہ ثابت ہے وہ ان کو دیا جائے (۴)۔

ورثہ کی قسمیں

ورثہ کی تین قسمیں ہیں: ذوی الفروض، عصباء، ذوی الارحام۔

(۱) ”تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول: يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة“۔ (السراجی، ص: ۲، ۳، سعید)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۲) ”ولا تجوز (أى الوصية) بما زاد على الثلث إلا أن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۶/۹۰، کتاب الوصایا، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۶/۶۵۰، کتاب الوصایا، سعید)

(۳) ”ويشترط أن يكون المُجيز من أهل التبرع بأن يكون بالغاً عاقلاً“۔ (تبیین الحقائق: ۷/۳۷۷، کتاب الوصایا، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۴) ”ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته: أى الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة..... أو الإجماع“۔ (الدر المختار: ۶/۷۶۱، کتاب الفرائض، سعید)

ذوی الفروض: جس کا حصہ معین ہے (۱)۔

عصبات: جن کا حصہ معین نہیں، بلکہ ذوی الفروض کے حصص دینے کے بعد جو بچے وہ سب عصبات کو مل جاتا ہے، اگر ذوی الفروض نہ ہوں تو کل عصبات کو مل جاتا ہے (۲)۔

ذوی الارحام: وہ ہیں جو اول دونوں قسموں کے نہ ہونے کی صورت میں وارث ہوتے ہیں اور ان کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے (۳)۔

حصص معینہ کی قسمیں

کل فروض (حصص معینہ) چھ ہیں: نصف، ربع، ثمن۔ ان تینوں کو فروض کی نوع اول کہتے ہیں۔ ثلثان، ثلث، سدس۔ ان تینوں کو فروض کی نوع ثانی کہتے ہیں (۴)۔

(۱) ”ذوی السہام: وہم کل من کان له سهم مقدر فی کتاب اللہ تعالیٰ، أو فی سنة رسولہ علیہ السلام،

أو بالإجماع“۔ (الاختیار لتعلیل المختار: ۵۵۵/۲، کتاب الفرائض، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۴۷/۲، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۲) ”العصبات وہم کل من لیس له سهم مقدر، ویأخذ ما بقی من سهام ذوی الفروض، وإذا انفرد أخذ

جميع المال“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۵۱/۲، کتاب الفرائض، باب العصبات، رشیدیہ)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۵۶۲/۲، کتاب الفرائض، مکتبہ حقانیہ کوئٹہ)

(۳) ”ذوی الارحام: هو کل قریب لیس بذی سهم ولا عصبۃ، ولا یرث مع ذی سهم ولا عصبۃ“۔

(الدر المختار: ۷۹۱/۲، کتاب الفرائض، باب توریث ذوی الارحام، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۵۹/۲، کتاب الفرائض، باب ذوی الارحام، رشیدیہ)

(۴) ”الفروض المذكورة فی القرآن نوعان: الأول: النصف والرابع، والثمن والثانی:

الثلث والثلثان والسدس“۔ (الدر المختار: ۸۰۳/۲، کتاب الفرائض، باب المخارج، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۶۴/۲، کتاب الفرائض، الباب الحادی عشر فی حساب

الفرائض، رشیدیہ)

فصل فی ذوی الفروض

ذوی الفروض کی اقسام

ان فروض (حصص معینہ) کے مستحقین کو ذوی الفروض کہتے ہیں اور وہ کل بارہ نفر ہیں، چار ذکور (مرد) ہیں، آٹھ اناث (عورتیں) ہیں۔ تفصیل ذکور: اب، جد، اخیانی بھائی، زوج (۱)۔ پہلے ان کے حالات معلوم ہو جائیں تو پھر اناث اور ان کے حالات بیان کئے جائیں گے۔

ذکور کے حالات

۱۔ اب کے حالات:

میت کے ورثہ میں اگر باپ موجود ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں:
اول: فرض مطلق (سدس) کا مستحق ہوگا، یعنی باپ کو چھٹا حصہ ملے گا اور یہ اس وقت ہے کہ میت کے بیٹا یا پوتا بھی موجود ہو۔

دوم: فرض و تعصیب معاً: یعنی ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے پہلے چھٹا حصہ دیا جائے گا، اس کے بعد دیگر ذوی الفروض کے حصص دے کر جو کچھ بچے گا، وہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے مل جائے گا۔ اور یہ اس وقت ہے کہ میت کے بیٹی یا پوتی موجود ہو۔

سوم: تعصیب محض یعنی ذوی الفروض کو دینے کے بعد عصبہ ہونے کی حیثیت سے جو کچھ بچے گا، باپ کو مل جائے گا اور کوئی حصہ معینہ باپ کو نہیں ملے گا، اس حالت میں وہ ذوی الفروض میں سے نہیں ہے۔ اور یہ اس

(۱) ”وأصحاب هذه السهام اثنا عشر نفرًا، أربعة من الرجال، وهم: الأب، والجد، والأخ لأُم، والزوجة. وثمان من النساء، وهن: الزوجة، والبنت، وبنت الابن والأخت لأب وأم، والأم، والجدّة

الصحيحة“۔ (السراجی، ص: ۵، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۴۸/۶، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

وقت ہے کہ ورثہ مذکورین میں سے (بیٹا، پوتا، بیٹی، پوتی) کوئی نہ ہو (۱)۔

۲۔ جد کے حالات:

دادا کی وراثت کی بھی وہی تین صورتیں ہیں جو باپ کی ہیں، صرف اتنا فرق ہے کہ اگر باپ اور دادا دونوں موجود ہوں تو دادا کو کچھ نہیں ملے گا..... وہ کالعدم ہوگا (۲)۔

۳۔ ابن الأم کے احوال:

اخیا فی بھائی جو صرف ماں میں شریک ہو، اس کی تین صورتیں ہیں: جب کہ وہ ایک ہو تو اس کو سدس ملے گا، جب دو یا زیادہ ہوں تو ثلث ملے گا، جب میت کی اولاد یا بیٹے کی اولاد یا باپ دادا میں سے کوئی موجود ہو تو پھر کچھ نہیں ملے گا، بلکہ وہ کالعدم ہوگا (۳)۔

(۱) ”أما الرجال: فالأول الأب، وله ثلاثة أحوال: الفرض المحض وهو السدس مع الابن وابن الابن وإن سفل..... والتعصيب المحض، وذلك عند عدم الولد وولد الابن. والتعصيب والفرض، وذلك مع البنت وبنت الابن، فله السدس بالفرض والنصف للبنت..... والباقي له بالتعصيب“.

(الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۵۵، ۵۵۶، کتاب الفرائض، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۲/۴۴۸، کتاب الفرائض، الباب الثانی، رشیدیہ)

(۲) ”والجد الصحيح كالأب..... ويسقط الجد بالأب؛ لأن الأب أصل في قرابة الجد إلى الميت“۔ (السراجی، ص: ۶، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۲/۴۴۸، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۳) ”والثالث: الأخ لأُم، وله السدس، وللاثنتين فصاعداً الثلث. وإن اجتمع الذكور والأناث، استووا في الثلث. قال الله تعالى: ﴿وإن كان رجل يورث كلالة أو امرأة وله أخ أو أخت، فلكل واحد منهما السدس﴾“۔ [سورة النساء: ۱۲]۔ (الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۵۶، کتاب الفرائض، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۲/۴۴۸، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

۴۔ زوج کے احوال:

شوہر کی دو صورتیں ہیں: اگر میت کی اولاد نہ ہو تو نصف ملے گا اور اگر اولاد ہو تو ربع کا مستحق ہوگا (۱)، یہاں تک ذکر کا بیان ختم ہوا۔

اناث کے حالات

زوجہ، بنت، بنت الابن، اخت عینی، اخت اخیانی، اخت علاقہ، ام، جدہ (دادی، نانی)۔

۱۔ زوجہ کے احوال:

بیوی کی دو صورتیں ہیں: اگر اولاد نہ ہو تو ربع کی مستحق ہوگی، اگر اولاد ہو تو ثمن کی مستحق ہوگی۔ غرض شوہر سے نصف کی مستحق ہوگی (۲)۔

۲۔ بنت کے احوال:

لڑکی کی تین صورتیں ہیں: ایک ہو تو نصف کی مستحق ہوگی، دو ہوں یا دو سے زیادہ ہوں تو ثلثان کی مستحق ہوں گی (۳)۔ اور اگر لڑکا بھی ہو تو عصبہ بن جائیں گی، یعنی لڑکی کو اکہرا اور ہر لڑکے کو دوہرا ملے گا (۴)۔ اس صورت میں وہ ذوی الفروض میں نہیں۔

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولکم نصف ماترک أزواجکم إن لم یکن لهن ولد، فإن کان لهن ولد،

فلکم الربع مما ترک من بعد وصیة یوصین بها أو دین﴾. (سورة النساء: ۱۲)

(۲) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما ترکتم إن لم یکن لکم ولد، فإن کان لکم ولد فلهن الثمن

مما ترکتم من بعد وصیة توصون بها أو دین﴾. (سورة النساء: ۱۲)

(۳) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین، فإن کن نساءً فوق

اثنتین فلهن ثلثا ماترک، وإن كانت واحدةً فلها النصف﴾. (سورة النساء: ۱۱)

(۴) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وإن کانوا إخوةً رجالاً ونساءً، فللذکر مثل حظ الأنثیین﴾. (سورة

۳۔ بنت الابن کے حالات:

پوتی کی چھ صورتیں ہیں: تین تو وہی ہیں جو بیٹی کی ہیں۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ میت کے اگر بیٹی بھی ہو تو پوتی کو سدس ملے گا۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ جب دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو پوتی کو کچھ نہیں ملے گا۔ چھٹی صورت یہ ہے کہ جب دو بیٹیاں ہوں اور کوئی پوتا بھی ہو تو اس صورت میں وہ پوتی اپنے بھائی (پوتے) کے ساتھ عصبہ بن جائے گی اور باقی ترکہ میں سے اکہر پوتی کو اور دو ہر پوتے کو مل جائے گا (۱)۔

۴۔ اخت عینی کے حالات:

عینی بہن کی پانچ صورتیں ہیں: ایک ہو تو نصف۔ دو یا زیادہ ہوں تو ثلثان۔ اگر عینی بھائی بھی ہو تو عصبہ بن جائے گی، یعنی بھائی کو دو ہرا اور بہن کو اکہرا ملے گا۔ اگر بیٹی یا پوتی بھی موجود ہو تو اس کے دینے کے بعد جو بچے گا وہ سب عینی بہن کو مل جائے گا، یعنی وہ عصبہ بن جائے گی۔ اگر بیٹا، پوتا، باپ، دادا کوئی موجود ہو تو پھر عینی بہن کو کچھ نہیں ملے گا، وہ کالعدم ہوگی (۲)۔

۵۔ اخت علاقی کے احوال:

باپ شریک بہن کی سات حالتیں ہیں: پانچ تو وہی ہیں جو عینی بہن کی ہیں۔ چھٹی صورت یہ ہے کہ ایک عینی بہن بھی اگر موجود ہو تو اس وقت علاقی بہن کو سدس ملتا ہے، جیسا کہ بیٹی کے موجود ہونے کی صورت میں پوتی

(۱) ”و بنات الابن کبنات الصلب، ولهن أحوال ست: النصف للواحدة، والثلثان للثنتين فصاعداً عند عدم بنات الصلب، ولهن السدس مع الواحدة الصلبة تكملة للثلثين، ولا يرثن مع الصليبتين إلا أن يكون بحداثتهن أو أسفل منهن غلاماً، فيعصبهن، والباقي بينهم للذكر مثل حظ الأنثيين، ويسقطن بالابن“۔ (السراجی، ص: ۷، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۴۸/۶، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۲) ”وأما الأخوات لأب وأم، فلهن واحدة منها النصف، وإن كانتا اثنتين فصاعداً فلهما الثلثان، ومع الأخ لأب وأم للذكر مثل حظ الأنثيين ويسقطن بالابن وابن الابن وإن سفل، وبالأب والجد وإن علا ولهن الباقي مع البنات أو مع بنات الابن، لقوله عليه السلام: ”اجعلوا الأخوات مع البنات عصبه“۔ (البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۵۶/۶، کتاب الفرائض، الفصل الأول فی أصحاب الفرائض، رشیدیہ)

کو سدس ملتا ہے، اور دو بیٹیاں ہونے کی صورت میں پوتی کو کچھ نہیں ملتا ہے۔ ساتویں صورت یہ ہے کہ دو یا زیادہ عینی بہن ہوں تو علاقائی بہن کو کچھ نہیں ملے گا، بلکہ وہ کالعدم ہوگی۔ ہاں! اگر اس صورت میں کوئی علاقائی بھائی بھی ہو تو باقی ترکہ اکہر علاقائی بہن کو ملے گا اور دو ہر علاقائی بھائی کو، یعنی وہ عصبہ بن جائے گی (۱)۔

۶۔ اخت اخیافی کے احوال:

ماں شریک بہن کا بالکل وہی حال ہے جو ابن الام (ماں شریک بھائی) کا ہے (۲)۔

۷۔ ام کے حالات:

ماں کی تین حالتیں ہیں: ایک حالت میں سدس ملتا ہے، وہ اس وقت کہ میت کے اولاد، یا بیٹے کی اولاد ہو، یا دو یا دو سے زیادہ بھائی بہن بھی کسی قسم کے ہوں۔ دوسری صورت میں ثلث ملتا ہے، وہ جب کہ ان میں سے کوئی نہ ہو۔ تیسری صورت میں ثلث ملتا ہے۔ مگر بعد فرض احد الزوجین، مثلاً: کسی عورت نے شوہر چھوڑا اور ماں باپ، تو شوہر کا فرض حصہ معینہ (نصف) نکالنے کے بعد جو بچے اس کا ثلث ماں کو ملے گا۔ اور اگر مرد کا انتقال ہوا اور اس نے زوجہ چھوڑی اور ماں باپ تو زوجہ کا فرض حصہ معینہ (ربع) نکالنے کے بعد جو بچے اس کا ثلث ماں کو ملے گا (۳)۔

(۱) ”الأخوات لأب وهن كالأخوات لأبوين عند عدمهن، فللواحدة النصف، وللأكثر الثلثان عند عدم الأخوات لأب وأم، ولهن السدس مع الأخت لأب وأم تكملة للثلثین، ولا يرثن مع الأختین لأب وأم إلا أن یکون معهن أخ لأب، فیعصبن، فیکون للأختین لأب وأم الثلثان والباقی بین الأولاد للذكر مثل حظ الأنثیین، ولهن الباقی مع البنات أو مع بنات الابن“۔ (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۴۵۰، کتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی الفروض، رشیدیہ)

(و کذا فی السراجی، ص: ۱۰، سعید)

(۲) ”والثالث: الأخ لأم، وله السدس، وللاثنین فصاعداً الثلث. وإن اجتمع الذکور والأناث، استروا فی الثلث. قال الله تعالى: ﴿وإن کان رجل یورث کلالۃً أو امرأةً وله أخ أو أخت، فلكل واحد منهما السدس﴾“۔ [سورة النساء: ۱۲]۔ (الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۵۶، کتاب الفرائض، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۴۴۸، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۳) قال الله تبارک وتعالى: ﴿ولأبویہ لكل واحد منهما السدس إن کان له ولد، فإن لم یکن له ولد =

۸۔ جدہ کے حالات:

دادی، نانی کو سدس ملے گا۔ ماں اگر موجود ہو تو دادی، نانی کو کچھ نہیں ملے گا۔ باپ اگر موجود ہو تو دادی کو کچھ نہیں ملے گا (۱)۔

یہاں تک ذوی الفروض کا بیان ختم ہوا، آگے ورثہ کی دوسری قسم عصبات کا بیان شروع ہوتا ہے۔

فصل فی العصبۃ

عصبات کی قسمیں

عصبہ تین قسم پر ہے: عصبہ بنفسہ، عصبہ بغيرہ، عصبہ مع غیرہ۔

قسم اول: عصبہ بنفسہ

عصبہ بنفسہ ہر وہ مذکر ہے جس کی میت کی طرف نسبت کرنے میں کسی عورت کا واسطہ نہ آئے، اس کی

= وورثہ أبواہ، فلأُمہ الثلث، فإن کان لہ إخوان فلأُمہ السدس ﴿سورة النساء: ۱۲﴾

”وَأُمَّا لِلأُمِّ: فَأَحْوَالُ ثَلَاثٍ: السَّدَسُ مَعَ الْوَلَدِ، أَوْ وَلَدِ الْإِبْنِ وَإِنْ سَقَطَ، أَوْ مَعَ الْاِثْنَيْنِ مِنَ الْإِخْوَةِ وَالْأَخَوَاتِ فَصَاعِدًا مِنْ أَىِّ جِهَةٍ كَانَا، وَثَلَاثُ الْكُلِّ عِنْدَ عَدَمِ هَوْلَاءِ الْمَذْكُورِينَ، وَثَلَاثُ مَا بَقِيَ بَعْدَ فَرَضِ أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ“. (السراجی، ص: ۱۱، سعید)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۵۵۹/۲، کتاب الفرائض، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(۱) ”عن ابن بريدة عن أبيه رضى الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم جعل للجدّة السدس إذا لم تكن دونها أم“. (سنن أبی داؤد: ۴۰۱/۲، کتاب الفرائض، باب فی الجدة، دار الحديث ملتان)

(ومشکوٰۃ المصابیح: ۲۶۳/۱، باب الفرائض، قدیمی)

”وللجدّة السدس، لأم كانت أو لأب، واحدة كانت أو أكثر إذا كن ثابتات متحاذيات فی الدرجة، ویسقطن کلھن بالأم والأبویات أيضاً بالأب، وكذلك بالجد“. (السراجی، ص: ۱۱، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۵۰/۶، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

چار قسمیں ہیں:

اول: جزء میت بیٹا، پوتا وغیرہ۔

دوم: اصل میت باپ، دادا وغیرہ۔

سوم: میت کے باپ کا جز: بھائی، بھتیجا وغیرہ۔

چہارم: میت کے دادا کا جز: تایا، چچا وغیرہ۔

ان کی وراثت قرب و قوت کے اعتبار سے ہوگی یعنی قریب کی موجودگی میں بعید کو کچھ نہیں ملے گا۔ ترتیب مذکورہ کا لحاظ رکھا جائے یعنی جزء میت کے ہوتے ہوئے اصل میت کو عصبہ ہونے کی حیثیت سے کچھ نہیں ملے گا (اگرچہ ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے اس کا حصہ ضرور ملے گا)۔ اور پھر جزء میں بھی جب بیٹا ہو تو پوتے کو کچھ نہیں ملے گا، یعنی بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم رہے گا۔ نیز بیٹے کی موجودگی میں باپ، باپ کی موجودگی میں تایا، چچا کو کچھ نہیں ملے گا۔

یہ تو قرب کے لحاظ سے ہے اور قوت کا مطلب یہ ہے کہ عینی بھائی کی موجودگی میں علاقائی بھائی اور عینی چچا کی موجودگی میں علاقائی چچا کو کچھ نہیں ملے گا (۱)۔

قسم دوم: عصبہ بغیرہ

وہ چار عورتیں ہیں جن کو ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے ایک ہونے کی صورت میں نصف اور دویا

(۱) ”العصبات النسبية ثلاثة: بنفسه، وعصبه بغیره، وعصبه مع غیره العصبه بنفسه وهو کل ذکر لم یدخل فی نسبته إلی المیت أنثی ثم العصبات بأنفسهم أربعة أصناف: جزء المیت، ثم أصله، ثم جزء أبیه، ثم جزء جدہ. ویقدم الأقرب فالأقرب منهم بهذا الترتیب، فیکدم جزء المیت کالابن، ثم ابنه وإن سفل، ثم أصله الأب، ثم الجد الصحيح وهو أبو الأب وإن علا ثم جزء أبیه الأخ لأبویں، ثم لأب، ثم ابنه وإن سفل، ثم جزء جدہ العم لأبویں، ثم لأب، ثم ابنه وإن سفل، ثم عم الأب، ثم ابنه، ثم عم الجد، ثم ابنه کذا لک وإن سفل ویرجحون بقوة القرابة، فمن کان لأبویں مقدم علی من کان لأب، لقوله صلی اللہ علیہ وسلم: ”إن أعیان بنی الأم یتوارثون دون بنی العلات“۔ والحاصل أنه عند الاستواء فی الدرجه یقدم ذو القرابتین، وعند التفاوت فیها یقدم الأعلى“۔

(الدر المختار: ۷/۷۷۳، کتاب الفرائض، فصل فی العصبات، سعید)

زیادہ ہونے کی صورت میں ثلثان ملتا ہے، وہ اپنے بھائیوں کی ہونے کی صورت میں عصبہ ہو جاتی ہیں: بیٹی، بیٹے کے ساتھ اور پوتی، پوتے کے ساتھ، یعنی بہن بھائی کے ساتھ، علاقہ بہن، علاقہ بھائی کے ساتھ (۱)۔

قسم سوم: عصبہ مع غیرہ

وہ عورت جو دوسری عورت کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہے، مثلاً: بہن عصبہ بن جاتی ہے بیٹی کے ساتھ (۲)۔

یہاں تک ذوی الفروض اور عصبات کی تقسیم پوری ہو گئی۔ اب بعض امور قاعدہ کلیہ کے طور پر بیان کئے جاتے ہیں جن سے ورثہ کے مستحق اور محروم ہونے کا حال معلوم ہوگا۔

فصل فی الحجب والحرمان

حجب

پانچ ورثہ ایسے ہیں جن کے حصص میں دوسرے ورثہ کی موجودگی میں کمی آ جاتی ہے، اگر وہ نہ ہوتے تو ان کو حصہ زیادہ ملتا ہے۔ وہ پانچ یہ ہیں: شوہر، بیوی، ماں، پوتی، علاقہ بہن، مثلاً: اگر اولاد نہ ہو تو شوہر کو نصف ملتا ہے مگر اولاد کی موجودگی میں ربع ملتا ہے وغیرہ وغیرہ (۳)۔

(۱) ”یصیر عصبہ بغیرہ البنات بالابن وبنات الابن بابن الابن وإن سفلوا، والأخوات لأبوين أولاً بأخيهن، فهن أربع: ذوات النصف والثلثین، یصرن عصبۃً بأخوتھن“۔ (الدر المختار: ۷/۷۷۵، کتاب الفرائض، فصل فی العصبات، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۲/۴۵۱، کتاب الفرائض، باب العصبات، رشیدیہ)

(۲) ”وأما العصبۃ مع غیرہ، فکل أنثی تصیر عصبۃً مع أنثی أخرى کالأخت مع البنت، لما ذکرنا“۔ (السراجی، ص: ۱۴، سعید)

(و کذا فی الدر المختار: ۷/۷۷۶، کتاب الفرائض، باب العصبات، سعید)

(۳) ”الحجب علی نوعین: حجب نقصان، وهو حجب عن سهم إلى سهم، وذلك لخمسة نفر: =

حرمان

چھ ورثہ ایسے ہیں جو کبھی محروم نہیں ہوتے، یعنی ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ان کو کچھ نہ ملے: بیٹا، باپ، شوہر، بیٹی، ماں، بیوی۔

بعض ورثہ ایسے ہیں کہ کسی وقت ان کو وراثت ملتی ہے کسی وقت نہیں ملتی، اس کا مدار دو قاعدوں پر ہے: اول یہ کہ جس شخص سے میت کی قرابت کسی واسطے سے ہو، جب وہ واسطے موجود ہوگا وہ شخص محروم ہوگا، مثلاً: دادا کہ اس سے قرابت بواسطہ والد ہے تو والد کی موجودگی میں دادا کو کچھ نہیں ملے گا۔ اسی طرح بیٹے کی موجودگی میں پوتا اور بھائی کی موجودگی میں بھتیجا محروم رہے گا۔ لیکن اخیانی بھائی بہن اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں کہ ماں کی موجودگی میں بھی ان کو وراثت ملتی ہے، حالانکہ ان سے رشتہ ماں ہی کے واسطے سے ہے (۱)۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم رہے گا، جیسا کہ بھائی کی موجودگی میں چچا محروم رہتا ہے۔ عصبہ بنفسہ کی بحث میں اس کا بیان آچکا۔

فصل فی مخارج ذوی الفروض

مخارج فروض:

یہاں سے تقسیم میراث کا طریقہ شروع ہوتا ہے۔ جب یہ معلوم ہو چکا کہ کل فروض چھ ہیں جن کی

= الزوجین، والأم، و بنت الابن، والأخت لأب“۔ (السراجی، ص: ۱۶، باب الحجب، سعید)
(۱) ”و حجب حرمان، والورثة فیہ فریقان: فریق لا یحجبون بحال البتة وهم ستة: الابن، والأب، والزوج، والبنت، والأم، والزوجة. وفریق یرثون بحال ویحجبون بحال، وهذا مبنیٰ علی أصلین: أحدهما هو أن کل من یدلی إلى المیت بشخص لا یرث مع وجود ذلک الشخص سوى أولاد الأم، فإنهم یرثون معها لانعدام استحقاقها جمیع التركة، والثانی الأقرب فالأقرب، كما ذکرنا“۔ (السراجی، ص: ۱۶، باب الحجب، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۲/۵۲، کتاب الفرائض، الباب الرابع فی الحجب، رشیدیہ)

دونوع ہیں: نوع اول: نصف، ربع، ثمن۔ نوع ثانی: ثلثان، ثلث، سدس (۱)۔

جب کسی میت کی میراث تقسیم کرنا ہو تو دیکھو کہ اس کے ورثہ میں ذوی الفروض ہیں یا نہیں۔ اگر ذوی الفروض ہوں تو وہ صرف نوع اول کے ہیں یا صرف نوع ثانی کے یا مخلوط۔ اگر صرف نوع اول کے ہیں تو ایک ایک ہیں یا زیادہ، اگر صرف نوع اول کا ایک وارث ذوی الفروض میں سے ہے تو جو اس کا فرض ہو، اس کے موافق عدد سے وراثت تقسیم کر دی جائے، مثلاً: اگر اس کا فرض ثمن ہے تو آٹھ عدد کل ترکہ کو قرار دے کر تقسیم کر دیں، اگر فرض ربع ہے تو تقسیم چار سے کر دیں، اگر نصف ہو تو تقسیم دو سے (۲)۔

اور اگر ایک سے زیادہ ذوی الفروض ہوں تو جو بڑے سے بڑا عدد اس فرض کے موافق ہو، اس سے تقسیم کر دیں، مثلاً: ایک کا فرض ثمن، ایک کا نصف ہے، آٹھ سے تقسیم کر دیں، مثلاً: زید کا انتقال ہو، اس نے ایک بیوی چھوڑی، ایک بیٹی، ایک بھائی، تو اس صورت میں بیوی اور بیٹی ذوی الفروض میں سے ہیں اور بھائی عصبہ ہے۔ بیوی کا فرض ثمن ہے، بیٹی کا نصف ہے اور باقی بھائی کا ہے تو ثمن کے موافق آٹھ ہے، لہذا کل ترکہ آٹھ

(۱) ”الفروض المذكورة في القرآن نوعان: الأول: النصف والرابع، والثمن والثاني:

الثلث والثلثان والسدس“۔ (الدر المختار: ۸۰۳/۶، کتاب الفرائض، باب المخارج، سعيد)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۶۴/۶، کتاب الفرائض، الباب الحادی عشر فی حساب الفرائض، رشیدیہ)

(۲) ”اعلم أن الفروض نوعان: الأول: النصف، والرابع، والثمن. والثاني: الثلث، والثلثان، والسدس. فالنصف من اثنين، والرابع من أربعة، والثمن من ثمانية، والثلثان والثلث من ثلاثة، والسدس والسدسان من ستة، فإذا اختلط النصف من نوع الأول بكل النوع الثاني أو ببعضه أو باثنين فهي من ستة، وإن اختلط الثمن كذلك فمن أربعة وعشرين“۔ (الاختیار لتعلیل المختار: ۵۹۱/۲، ۵۹۳، کتاب الفرائض، فصل فی حساب الفرائض، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۴۶۴/۶، کتاب الفرائض، باب حساب الفرائض، رشیدیہ)

(و کذا فی السراجی، ص: ۱۸، باب مخارج الفروض، سعيد)

سہام قرار دے کر اس طرح تقسیم کر دیں گے:

مسئلہ ۸

زوجه	بنت	اخ عینی
۱	۴	۳

یہی عمل اس وقت کیا جائے گا جب کہ صرف نوع ثانی کے ذوی الفروض ہوں، مثلاً: اگر کوئی فرض ثلثان یا ثلث ہو تو تین سے، اگر سدس بھی ہو تو چھ سے، جیسے: زید کا انتقال ہوا، اس نے ماں چھوڑی اور دو عینی بہنیں، ایک چچا۔ تو ماں کا سدس ہے اور دو بہنوں کا ثلثان ہے، باقی چچا کا ہے۔ چھ سے اس طرح تقسیم کر دیا جائے:

مسئلہ ۶

ام	اخت عینی	اخت عینی	عم
۱	۲	۲	۱

اگر دونوں نوع کے مخلوط ہوں تو اگر نوع اول کا نصف مخلوط ہو، نوع ثانی کے سب اقسام کے ساتھ، یا بعض کے ساتھ تو چھ سے تقسیم کیا جائے۔ مثلاً:

مسئلہ ۶

زوج	ام	اخت اخیانی	اخت اخیانی
نصف	سدس	ثلث	ثلث
۳	۱	۲	۱

اور اگر نوع اول کا ربع مخلوط ہو نوع ثانی کے کل یا بعض کے ساتھ تو بارہ سے تقسیم کیا جائے گا، مثلاً:

مسئلہ ۱۲

زوجه	ام	اخت اخیانی	اخت اخیانی	عم
ربع	سدس	ثلث		۳
۳	۲	۲	۲	

اور اگر نوع اول کا ثمن مخلوط ہو نوع ثانی کے کل یا بعض کے ساتھ تو چوبیس سے تقسیم کیا جائے۔ مثلاً:

مسئلہ ۲۴

زوجه	ام	بنت	بنت	عم
ثمن	سدس	ثلثان		عصبہ
۳	۴	۱۶	۸	۱

باب فی العول

جس عدد سے کل ورثہ کے حصہ کو تقسیم کیا جائے اس کو ”مخرج“ کہتے ہیں۔ ذوی الفروض ہونے کے وقت جب ترکہ تقسیم کیا جائے تو کل مخارج یہ ہوں گے: ۲=۳=۴=۶=۸=۱۲=۲۴۔

کبھی مخرج کم رہ جاتا ہے یعنی اس مخرج سے جمیع ذوی الفروض کے فروض پورے نہیں ہوتے تو ایسے وقت میں مخرج میں کچھ زیادتی کر لی جاتی ہے، اس زیادتی کو اہل فرائض کی اصطلاح میں ”عول“ کہتے ہیں۔ چار مخرج ایسے ہیں کہ جن میں کبھی عول کی ضرورت نہیں پڑتی: ۲=۳=۴=۸۔ تین مخارج ایسے ہیں جن میں کبھی کبھی عول کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تین یہ ہیں: ۶=۱۲=۲۴۔

چھ کا عول

چھ کا عول دس تک ہو سکتا ہے یعنی کبھی اس میں ایک کی زیادتی کریں گے کبھی دو کی، کبھی تین کی، کبھی چار کی (۱)۔ اس لئے چار مثالوں کی ضرورت ہوئی، مثلاً:

مسئلہ ۶، ع ۷

زواج	اُخت	اُخت
۳	۲	۲

مسئلہ ۶، ع ۷

زواج	اُم	اُخت
۳	۲	۳

(۱) ”العول: هو زيادة السهام على مخرج الفريضة، ثم المخرج سبعة: أربعة لاتعول: الاثنان والثلاثة، والرابعة، والثمانية. وثلاثة قد تعول بالاختلاط..... فستة تعول أربع عولات إلى عشرة وتراً وشفعاً، فتعول لسبعة كزوج وشقيقتين، ولثمانية كهُم (أى المذكورين من قبل) وأم، ولتسعة كهُم وأخ لأم، ولعشرة كهُم وأخ آخر لأم. واثناعشرة تعول ثلاثاً إلى سبعة عشرة وتراً لا شفعا، فتعول لثلاثة إلى سبعة عشرة وتراً لا شفعا، فتعول لثلاثة عشر كزوجة وشقيقتين وأم، ولخمس عشرة كهُم وأخ لأم، ولسبعة عشر كهُم وأخ آخر لأم. وأربعة وعشرون تعول إلى سبعة وعشرين فقط كامراً وبنتين وأبوين.“

(الدر المختار: ۷/۸۶، كتاب الفرائض، باب العول، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۶۸، كتاب الفرائض، الباب الثالث عشر فى العول، رشيدية)

(وكذا فى السراجى، ص: ۱۹، باب العول، سعيد)

مسئلہ ۶، ع ۹

زوج	اُختان عینی	ام	اُخت لأم
۳	۴	۱	۱

مسئلہ ۶، ع ۱۰

زوج	اُختان عینی	اُختان لأم	أم
۳	۴	۲	۱

بارہ کا عول

بارہ کا عول کبھی تیرہ ہوگا کبھی پندرہ، کبھی سترہ، اس لئے تین مثالوں کی ضرورت ہوئی، مثلاً:

مسئلہ ۱۲، ع ۱۳

زوج	بنت	بنت	ام
۳	۴	۴	۲

مسئلہ ۱۲، ع ۱۵

زوج	بنات	اب	ام
۳	۸	۲	۲

مسئلہ ۱۲، ع ۱۷

زوجہ	اُختان لأم	اُختان لآب	جدہ
۳	۴	۸	۲

چوبیس کا عول

چوبیس کا عول صرف ستائیس ہوگا، اس کی مثال یہ ہے، مثلاً:

مسئلہ ۲۴، ع ۲۷

زوجہ	بنت	بنت	اب	ام
۳	۸	۱۶	۴	۴



باب الرد

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مخرج سے جمیع ذوی الفروض موجودہ کے حصص دینے کے بعد کچھ بچ جاتا ہے جس کا کوئی مستحق نہیں ہوتا (اس بچے ہوئے کو فاضل کہتے ہیں) تو یہ فاضل پھر انہیں ذوی الفروض کو ان کے حصص کے حقوق کی نسبت سے مکرر دیا جاتا ہے، اس کو ”رد“ کہتے ہیں (۱)۔

تو رد گویا کہ عول کی ضد ہوا کہ وہاں مخرج میں اضافہ کی ضرورت ہوتی ہے، یہاں مخرج کو کم اور مختصر کرنا پڑتا ہے۔

تنبیہ:

رد کی ضرورت عصبہ کی موجودگی میں کبھی نہیں ہوگی، کیونکہ وہ فاضل کا مستحق ہوتا ہے تو گویا کہ ایسی صورت میں فاضل بچتا ہی نہیں (۲)۔

تنبیہ:

زوجین پر رد نہیں ہوتا ہے (۳)۔

(۱) ”الرد ضد العول: ما فضل عن فرض ذوی الفروض ولا مستحق له، یرد علی ذوی الفروض بقدر حقوقهم إلا علی الزوجین“۔ (السراجی، ص: ۲۸ باب الرد، سعید)

(۲) ”والرد ضده كما مرّ، فإن فضل عنها: أي عن الفروض والحال أنه لا عصبه ثمة، یرد الفاضل علیهم بقدر سهامهم إلا علی الزوجین“۔ (الدر المختار: ۷۸۷/۲، کتاب الفرائض، باب العول، سعید)

”الرد ضد العول فنقول: ما فضل عن فرض ذوی الفروض ولا مستحق له من العصبه

ولو كان یحرز“۔ (الشریفیہ، ص: ۷۴، باب الرد، سعید)

(۳) (راجع الحاشیۃ المتقدمة)

مسائل رد

رد کے مسائل چار قسم پر ہیں: پہلی دو قسمیں تو ایسی ہیں جن میں صرف ایسے ورثہ ہوں جن پر رد ہوتا ہے (یعنی زوجین نہ ہوں) اور دوسری دو قسمیں ایسی ہیں جن میں اصحاب الرد اور غیر اصحاب الرد دونوں قسم کے ورثہ ہوں (۱)۔

رد کی قسم اول

اول یہ کہ صرف ایک جنس کے ورثہ ہوں ایسی صورت میں عدد رؤس ورثہ کو مخرج قرار دے کر تقسیم کر دیا جائے۔ مثلاً:

مسئلہ ۲، ردیہ

بنت

۱

بنت

۱

اس صورت میں دو بنت ثلثان کی مستحق ہیں تو مخرج تین کو قرار دیا جائے، ان کو ثلثان یعنی دو دینے کے بعد ایک فاضل رہا، وہ بھی انہیں دو کو دیا جائے گا اور عدد رؤس یعنی دو کو مخرج بنا کر ایک ایک دونوں کو مل جائے گا۔

دوسری مثال:

مسئلہ ۲، ردیہ

اخت اخیانی

۱

اخت اخیانی

۱

(۱) ”ثم مسائل الباب: أي الرد على أقسام أربعة: أحدها: أن يكون في المسألة جنس واحد ممن يرد عليه عند عدم من لا يرد عليه، فاجعل المسألة من رؤسهم، كما لو ترك بنتين أو أختين أو جدتين، فاجعل المسألة من اثنتين.“ (السراجی، ص: ۲۹، باب الرد، سعید)

کہ یہ دونوں ثلث کی مستحق ہیں تو کل مخرج تین بنا کر ایک دونوں کو ملا اور دو فاضل رہے، عدد رؤس دو سے تقسیم کر دیا۔

تیسری مثال:

مسئلہ ۲، ردیہ

جدہ

۱

جدہ

۱

کہ یہ دونوں سدس کی مستحق ہیں تو کل مخرج چھ بنا کر ایک ان دونوں کو ملا، پانچ فاضل رہے، عدد رؤس سے تقسیم کر دیا۔ یہی حال اس وقت ہوگا جب کہ بنتان یا اختان ہوں۔

رد کی قسم ثانی

ثانی یہ کہ دو یا زائد جنس کے ورثہ ہوں تو ایسی صورت میں ان کے مجموعہ سہام کو مخرج بنا کر تقسیم کر دیں گے (۱)۔ مثلاً:

مسئلہ ۲، ردیہ

أخت لأم

۱

جدہ

۱

(۱) ”والثانی: إذا اجتمع فی المسألة جنسان أو ثلاثة أجناس ممن یردّ علیہ عند عدم من لا یرد علیہ، فاجعل المسألة من سہامہم، أعنی: من اثنين إذا کان فی المسألة سدسان، أو من ثلاثة إذا کان فیہا ثلث وسدس اھ۔“ (السراجی، ص: ۲۹، سعید)

”والثانی: إن کان المردود علیہ جنسین أو ثلاثة، فمن عدد سہامہم، فمن اثنين لو سدسان، وثلاثة لو ثلث، وأربعة لو نصف وسدس، وخمسة کثلثین وسدس۔“ (الدر المختار: ۷/۸۹، کتاب الفرائض، باب العول، سعید)

کہ دونوں کو سدس سدس مل کر چار فاضل رہے، عددِ سہام سے تقسیم کر دیا۔ الحاصل سدسان کی صورت میں مخرج کو رد قرار دیا جائے۔

دوسری مثال:

مسئلہ ۳، ردیہ

ام	اُخْلَام	اُخْلَام
۱	۱	۲

اس صورت میں ام کو سدس ملے گا، اولادِ اُم کو ثلث۔ مخرج چھ بنا کر ایک اُم کا ہو گیا دو اولادِ اُم کو مل گئے۔ تین سہام تقسیم ہو گئے، تین فاضل قابلِ رد رہے، عددِ سہام تین سے تقسیم کر دیا۔ الحاصل جب ثلث اور سدس جمع ہوں تو مخرج تین کو رد قرار دیا جائے گا۔

تیسری مثال:

مسئلہ ۴، ردیہ

ام	بنت
۱	۳

اس صورت میں ام کو سدس ملے گا، بنت کو نصف، کل سہام چھ ہو کر ایک ام کو ملے گا، تین بنت کو۔ یعنی: چار سہام تقسیم ہو گئے، دو فاضل رہے، لہذا عددِ سہام چار سے تقسیم کر دیا۔ اسی طرح اگر بجائے اُم کے بنت الابن ہو، اس وقت بھی یہی عمل ہوگا۔ اگر بنت اور جدہ ہوں، یا ایک اخت عینی اور ایک اخت علاقہ ہو، یا ایک اخت عینی اور جدہ ہو، یا ایک اخت عینی اور ایک اخت خیانی ہو، تب بھی یہی صورت ہوگی۔ الحاصل جب ذوی الفروض نصف اور سدس کے مستحق ہوں گے، اس وقت رد کی صورت میں مخرج چار کو رد قرار دیا جائے گا۔

چوتھی مثال:

مسئلہ ۵، ردیہ

بنت	بنت	ام
۲	۲	۱

اس صورت میں ام کو سدس ملے گا اور بنتان کو ثلثان۔ حسب ضابطہ مخرج چھ بنا کر ایک ام کو ملے گا اور چار بنتان کو۔ پانچ سہام تقسیم ہو گئے، ایک فاضل رہا تو عدد سہام پانچ ہی سے تقسیم کر دیا۔ اسی طرح یہ مثال:

مسئلہ ۵، ردیہ

بنت	بنت الابن	ام
۳	۱	۱

کہ بنت نصف کی مستحق ہے اور بنت الابن سدس کی، ام بھی سدس کی۔ حسب ضابطہ چھ سہام بنا کر تین بنت کو ملیں گے، ایک بنت الابن کو، ایک ام کو۔ پانچ سہام تقسیم ہوئے، ایک فاضل رہا، لہذا پانچ سے ہی تقسیم کر دیں گے۔ اسی طرح یہ مثال:

مسئلہ ۵

اخت عینی	ام
۳	۲

کہ اخت عینی نصف کی مستحق ہے اور ام ثلث کی۔ چھ سہام بنا کر تین اخت کو ملے اور دو ام کو، پانچ سہام تقسیم ہوئے، ایک فاضل رہا، لہذا پانچ سے ہی تقسیم کر دیں گے۔ الحاصل جب ذوی الفروض ثلثان اور سدس، با

نصف اور سدسان، یا نصف اور ثلث کے مستحق ہوں تو رد کی صورت میں مخرج پانچ کو قرار دیا جائے گا۔
 ثالث و رابع..... ثالث و رابع کا سمجھنا قواعد تصحیح کے سمجھنے پر موقوف ہے، لہذا ان دونوں کا بیان انشاء اللہ تصحیح کے بعد آئے گا اور تصحیح سے پہلے نسبتوں کا حال معلوم ہونا ضروری ہے۔

فصل فی التماثل والتداخل والتوافق والتباين

دو عددوں کے درمیان چار قسم کی نسبتیں ہوتی ہیں: ۱- تماثل ۲- تداخل ۳- توافق ۴- تباين (۱)۔

(۱) ”وإذا أردت معرفة التماثل والتوافق والتداخل والتباين بين العددين فتماثل العددين كون أحدهما مساوياً للآخر كثلاثة وثلاثة. وتداخل العددين المختلفين بأحد أمرين على ما هنا: إما بأن يعد أقلهما الأكثر: أى يفنيه، أو يكون أكثر العددين منقسماً على الأقل قسمة صحيحة بلا كسر كقسمة الستة على ثلاثة أو اثنتين. وتوافق العددين أن لا يعد: أى لا يفنى أقلهما الأكثر، لكن يعدهما عدد ثالث كالثمانية مع العشرين يعدهما أربعة، فيوافقان بالربع. وتباين العددين أن لا يعد العددين المختلفين عدد ثالث أصلاً كالسبعة مع العشرة.

وإذا أردت معرفة التوافق والتباين بين العددين المختلفين أسقط الأقل من الأكثر من الجانبين مراراً، فإن توافقا في واحد تباينا، وإن توافقا في اثنين فبالنصف، أو ثلاثة فبالثلث، هكذا إلى العشرة“.
 (الدر المختار: ۶/۸۰۷، ۸۰۸، كتاب الفرائض، باب المخارج، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۶۶، كتاب الفرائض، الباب الثاني عشر في معرفة التوافق والتماثل والتداخل، رشيدية)

”تماثل العددين كون أحدهما مساوياً للآخر، وتداخل العددين المختلفين أن يعد أقلهما الأكثر: أى يفنيه، أو نقول: هو أن يكون أكثر العددين منقسماً على الأقل قسمة صحيحة، أو نقول: أن يزيد على الأقل مثله أو أمثاله، فيساوى الأكثر، أو نقول: هو أن يكون الأقل جزءاً للأكثر مثل ثلاثة وتسعة. وتوافق العددين هو أن لا يعد أقلهما الأكثر ولكن يعدهما عدد ثالث كالثمانية مع العشرين تعدهما أربعة، فهما متوافقان بالربع وتباين العددين لا يعد العددين معاً عدد ثالث كالسبعة مع =

تماثل:

جب دو عدد آپس میں برابر ہوں، ان کو متماثل کہتے ہیں اور ان کے درمیان کی نسبت کو تماثل کہتے ہیں، جیسے کسی جنس کے ورثہ کا عدد چار ہے اور وراثت سے جو ان کو حصہ ملا، اس کا عدد بھی چار ہے تو عدد رؤس اور عدد سهام کے درمیان تماثل کی نسبت ہوگی۔

تداخل:

تداخل جب دو عدد برابر نہ ہوں، بلکہ ایک کم دوسرا زائد ہو اور عدد اقل عدد اکثر کو فنا کر دے تو ان کو متداخل اور ان کے درمیان کی نسبت کو تداخل کہیں گے۔

تنبیہ:

فنا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عدد اقل اکثر سے دو یا زائد مرتبہ منہا یعنی تفریق کر دیں تو عدد اکثر فنا ہو جائے۔ مثلاً: عدد اکثر ۹/ اور اقل ۳/ ہے تو ۹/ سے ۳/ کو ایک مرتبہ تفریق کیا ۶/ بچے، پھر ۶/ سے ۳/ کو تفریق کیا تو ۳/ بچے پھر ۳/ کو ۳/ سے تفریق کیا تو ۹/ بالکل ختم و فنا ہو گیا تو کہا جائے گا کہ ۹/ اور ۳/ میں تداخل ہے۔ اسی طرح ۱۲/ اور ۴/ کا حال ہے۔

بالفاظ دیگر تداخل کی تعریف یہ ہے کہ عدد اکثر جب عدد اقل پر تقسیم کیا جائے تو بلا کسی کسر کے پورا پورا تقسیم ہو جائے۔ بعبارة اُخری: عدد اقل میں خود عدد اقل ایک یا زائد مرتبہ زائد کیا جائے تو عدد اکثر کے مساوی ہو جائے۔

توافق:

توافق جب عدد اقل، عدد اکثر کو فنا نہ کرے، بلکہ کوئی عدد ثالث ان دونوں کو فنا کر دے تو ان کو متوافق اور ان کے درمیان کی نسبت کو توافق کہتے ہیں، جیسے ۸/ اور ۲۰/ کہ ان میں سے اقل یعنی ۸/ اکثر یعنی ۲۰/ کو فنا نہیں کرتا، بلکہ ان دونوں کو ایک عدد ثالث یعنی چار فنا کر دیتا ہے، چار دونی آٹھ اور چار پنجہ بیس۔ لہذا ان دونوں میں توافق بالربع کی نسبت ہوئی، اس لئے کہ چار مخرج ہے ربع کا، ۸/ کا وفق ۲/ ہے اور ۲۰ کا وفق ۵/ ہے۔

۱۵/ اور ۱۸/ میں توافق بالثلاث ہے، یعنی ۳/ فنا کردے گا ۱۵/ اور ۱۸/ دونوں کو، تین پنجہ پندرہ اور تین چھکے ۱۸/۔ ۱۵/ کا وفق ۵/ ہے، ۱۸/ کا وفق ۶/ ہے۔ ۱۵/ اور ۲۰/ میں توافق بالخمیس ہے، ۱۵/ کا وفق ۳/ ہے، ۲۰/ کا وفق ۴/ ہے۔ ۱۸/ اور ۳۰/ میں توافق بالسدس ہے، ۱۸/ کا وفق ۳/ ہے، ۳۰/ کا وفق پانچ ہے۔ اسی طرح بالسبع بالثمان، بالتسع، بالعشر کو سمجھنا چاہئے۔ پھر دس سے آگے اس طرح کہیں گے: ”بجزء من أحد عشر، بجزء من خمسة عشر وغيره“ مثلاً: ۳۰/ اور ۴۵/ میں توافق بجزء من خمسة عشر ہے۔ پندرہ دونی تیس، پندرہ تیرہ پینتالیس، ۳۰/ کا وفق ۲/ ہے، پینتالیس کا وفق ۳/ ہے۔

تباين:

تباين جب دونوں عددوں کو کوئی تیسرا عدد بھی فنا نہ کرے تو متباين ہوں گے اور ان کے درمیان کی نسبت تباين ہوگی، جیسے ۹/ اور ۱۰/ کہ یہ دونوں نہ متماثل ہیں کیونکہ برابر نہیں، نہ متداخل ہی کیونکہ ۹/ فنا نہیں کر سکتا ۱۰/ کو، نہ متوافق ہے، کیونکہ کوئی عددِ ثالث ان دونوں کو فنا نہیں کرتا، اس لئے یہ متباين ہیں۔

دلیل حصر:

دو عددوں کے درمیان اگر برابری ہو تو وہ متماثل ہوں گے، اگر برابری نہ ہو تو اگر عدد اقل فنا کر دے گا اکثر کو تو وہ متداخل ہوں گے، اگر اقل فناء نہ کرے اکثر کو تو اگر کوئی عددِ ثالث (واحد کے علاوہ) ان دونوں کو فنا کر دے تو وہ متوافق ہوں گے، اگر کوئی عددِ ثالث (واحد کے علاوہ) فناء نہ کرے (بلکہ واحد فناء کرے) تو وہ متباين ہوں گے (۱)۔

تنبیہ:

واحد عدد نہیں (۲)۔

(۱) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۲) ”کالتسعة مع العشرة، فإنه لا يعدهما شيء سري الواحد الذي ليس بعدد“۔ (رد المحتار: ۸۰۸/۶،

كتاب الفرائض، باب المخارج، سعيد)

(و كذا في الشريفة، ص: ۵۹، باب العول، فصل في معرفة التوافق والتداخل، سعيد)

معرفت نسبت کا طریقہ

تداخل اور تماثل کی نسبت تو ظاہر ہی ہے، توافق اور تباین معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عدد اقل کو اکثر سے کم (تفریق) کیا جائے ایک مرتبہ یا چند مرتبہ اور یہ عمل دونوں جانب سے کیا جائے، پس اگر دونوں واحد میں متفق ہو جائیں تو ان کے درمیان توافق نہیں، بلکہ تباین ہے۔ اور اگر واحد کے علاوہ کسی عدد میں متفق ہو جائیں تو ان کے درمیان توافق ہے اس جزء کے اعتبار سے جو اس کا مخرج ہے، جیسے: ایک عدد ”سات“ ہے اور دوسرا عدد ”دس“ ہے، اقل یعنی سات کو جب اکثر یعنی دس سے کم کیا تو تین باقی رہے، پھر سات سے ایک دفعہ تین کم کیا تو چار رہے، پھر چار سے تین کم کئے تو ایک رہا، پھر تین سے ایک دفعہ ایک کم کیا تو دو رہے، پھر دو سے ایک کم کیا تو ایک رہا۔ غرض واحد میں سات اور دس متفق ہو گئے، لہذا ان دونوں میں تباین ہے (۱)۔

ایک عدد بیس ہے دوسرا عدد آٹھ ہے، بیس سے آٹھ کم کیا تو بارہ رہے، پھر بارہ سے آٹھ کم کیا تو چار رہے، پھر آٹھ سے چار کم کیا تو چار رہے۔ اب عدد اکثر بھی چار رہ گیا، اور اقل بھی چار رہ گیا دونوں اس میں متفق ہو گئے تو ان دونوں میں توافق بالربع ہوا، اس لئے کہ ربع کا مخرج چار ہے، بیس کا وفق پانچ ہوگا اور آٹھ کا وفق دو ہوگا۔ پانچ چوک ۲۰/ دو چوک ۸/ یہاں تک نسبتوں کا بیان ہوا۔ اب تصحیح کا بیان شروع ہوتا ہے۔

(۱) ”وإذا أردت معرفة التماثل والتوافق والتداخل والتباين بين العددين فتماثل العددين كون أحدهما مساوياً للآخر كثلاثة وثلاثة. وتداخل العددين المختلفين بأحد أمرين على ما هنا: إما بأن يعد أقلهما الأكثر: أى يفنيه، أو يكون أكثر العددين منقسماً على الأقل قسمة صحيحة بلا كسر كقسمة الستة على ثلاثة أو اثنتين. وتوافق العددين أن لا يعد: أى لا يفنى أقلهما الأكثر، لكن يعدهما عدد ثالث كالثمانية مع العشرين يعدهما أربعة، فيوافقان بالربع. وتباين العددين أن لا يعد العددين المختلفين عدد ثالث أصلاً كالسبعة مع العشرة.

وإذا أردت معرفة التوافق والتباين بين العددين المختلفين أسقط الأقل من الأكثر من الجانبين مراراً، فإن توافقا في واحد تبانياً، وإن توافقا في اثنين فبالنصف، أو ثلاثة فبالثلث، وهكذا إلى العشرة“ (الدر المختار: ۸۰۷/۶، ۸۰۸، كتاب الفرائض، باب المخارج، سعيد)

وكذا في الفتاوى العالمية: ۴۶۶/۶، كتاب الفرائض، الباب الثاني عشر في معرفة التوافق والتماثل والتداخل، رشيدية

فصل فی التصحیح

ترکہ اس طرح تقسیم کرنا چاہئے جس سے کسی وارث کے سہام میں کسر نہ ہو، بلکہ پورے پورے ملیں۔
اگر شروع ہی سے سہام سب کے پورے ہوں تب تو آگے عمل کی ضرورت ہی نہیں (۱)۔

مسئلہ ۶

ام	اب	بنت	بنت
۱	۱	۲	۲

اگر کسر واقع ہو تو اس کے لئے چھ اصول ہیں جن میں سے دو میں تو رؤس اور سہام میں نسبت دیکھی جاتی ہے:

اصل اول

یہ کہ صرف ایک طائفہ کے سہام منکسر ہوں اور سہام ورؤس کے درمیان توافق ہو، اس وقت اس طائفہ کے عدد ورؤس کے وفق کو اصل مسئلہ میں ضرب دیدی جاتی ہے (۲)۔

(۱) "إن كانت سهام كل فريق منقسمة عليهم بلا كسر، فلا حاجة إلى الضرب، كأبوين وبنيتين" (السراجی، باب التصحیح، ص: ۲۲، سعید)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۵۹۴/۶، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(و کذا فی الدر المختار: ۸۰۸/۶، ۸۱۰، کتاب الفرائض، باب المخارج، سعید)

(۲) "وإن انکسر علی طائفة واحدة، ولكن بین سهامهم ورء وسهم موافقة، فیضرب وفق عدد الرء وس =

مسئلہ ۶، تصـ ۳۰

اب	ام	بنات ۱۰
$\frac{1}{5}$	$\frac{1}{5}$	$\frac{2}{20}$

طائفہ بنات کے سہام میں کسر آتی ہے اور عدد رؤس دس ہے اور عدد سہام چار، ان میں توافق بالنصف ہے، عدد رؤس کا وفق پانچ ہے تو پانچ کو اصل مسئلہ یعنی مخرج ۶/ میں ضرب دیں گے جس سے تیس بنیں گے اور چھ سے سہام ملے تھے، ہر ایک کے سہام کو بھی پانچ پانچ میں ضرب دیں گے۔
اور اگر وہ مسئلہ عائکہ ہو یعنی اس میں عول کی نوبت آتی ہو تو عدد رؤس کے وفق کو عول میں ضرب دیں گے۔ مثلاً:

مسئلہ ۱۲، عـ ۱۵، تصـ ۴۵

زوج	ام	اب	بنات ۶
$\frac{3}{9}$	$\frac{2}{6}$	$\frac{2}{6}$	$\frac{8}{24}$

یہاں بھی بنات پر سہام منکسر ہیں اور عدد رؤس ۶/ اور عدد سہام ۸/ میں توافق بالنصف ہے، عدد رؤس کا وفق تین ہے، اس کو عول یعنی پندرہ میں ضرب دیجائے گی جس سے پینتالیس ہو جائیں گے، پھر ہر ایک کے سہام کو تین تین میں ضرب دیں گے۔

اصل ثانی

یہ کہ ایک طائفہ پر سہام منکسر ہوں اور عدد رؤس و عدد سہام میں تباین ہو، اس وقت اس طائفہ کے کل

= من انکسرت علیہم السہام فی أصل المسئلة، وعولها ان كانت عائلة كأبوين وعشر بنات أو زوج

وأبوين وست بنات“۔ (السراجی فی المیراث، باب التصحیح، ص: ۲۲، سعید)

عددرؤس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے (۱)۔ اگر وہ مسئلہ عائکہ ہے تو عول میں ضرب دیں گے۔ مثلاً:

مسئلہ ۶، تصـ ۱۸

زوج	جدہ	اخوان لام
$\frac{۳}{۹}$	$\frac{۱}{۳}$	$\frac{۲}{۶}$

یہاں اخوات لام پر سہام منکسر ہیں اور ہر دو عدد بتا رہے ہیں، لہذا عددرؤس یعنی تین کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے جس سے اٹھارہ ہو جائیں گے، اب ہر اخت لام کو دو دو مل جائیں گے۔
عول کی مثال:

مسئلہ ۶، عـ ۷، تصـ ۳۵

زوج	اخوان ۵
$\frac{۳}{۱۵}$	$\frac{۲}{۲۰}$

اخوان کے سہام منکسر ہیں، عددرؤس پانچ اور عدد سہام چار میں بتا رہے ہیں، لہذا پانچ کو عول یعنی سات میں ضرب دیں گے، پھر ہر وارث کے سہام کو پانچ پانچ میں ضرب دیں گے جس سے اخوات کے سہام بیس ہو کر کسر مرتفع ہو جائے گی اور ہر اخت کو چار چار مل جائیں گے۔

تنبیہ:

بقیہ چار اصول میں ایک طائفہ کے عددرؤس کی نسبت دوسرے طائفہ کے عددرؤس سے دیکھی

(۱) ”وَأَنْ لَا تَكُونَ بَيْنَ سَهَامِهِمْ وَرَاءَ وَسْهُمْ مُوَافَقَةً، فَيُضْرَبُ كُلُّ عِدَدٍ رِءُوسٍ مِنْ أَنْكَسَرَتْ عَلَيْهِمُ السَّهَامُ فِي أَصْلِ الْمَسْئَلَةِ، وَعَوْلُهَا إِنْ كَانَتْ عَائِلَةً كَأَبٍ وَأُمٍّ وَخَمْسِ بَنَاتٍ، أَوْ زَوْجٍ وَخَمْسِ أَخَوَاتٍ لِأَبٍ وَأُمٍّ“۔ (السراجی فی المیراث، باب التصحیح، ص: ۲۲، سعید)

جاتی ہے (۱)۔

اصل ثالث

یہ کہ ایک طائفہ سے زائد پر سہام منکسر ہوں اور ان کے رؤس کے درمیان تماثل ہوا، اس وقت کسی ایک عدد رؤس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے (۲)۔ اگر وہ عائکہ ہو تو عول ہی میں ضرب دیں گے۔ مثلاً:

مسئلہ ۶، تصـ ۱۸

بنات ۳	جدات ۳	اعمام ۳
$\frac{۲}{۱۲}$	$\frac{۱}{۳}$	$\frac{۱}{۳}$

تین بنات کو چار ملے، تین جدات کو ایک ملا، تین اعمام کو ایک۔ کسی فریق کے سہام بھی پورے تقسیم نہیں ہوتے، ہر ایک میں کسر ہے اور جملہ عدد رؤس میں تماثل ہے، لہذا ایک فریق کے رؤس ۳/ کو اصل مسئلہ ۶/ میں ضرب دیا تو اٹھارہ ہو گئے، پھر ہر فریق کے عدد سہام کو تین میں ضرب دیدی جس سے ہر فریق کے افراد پر سہام پورے پورے تقسیم ہو جائیں گے۔

عول کی مثال:

مسئلہ ۶، عـ ۷، تصـ ۲۱

اخوات لآب لآم ۳	جدات ۳	اخوات لآم ۳
$\frac{۲}{۶}$	$\frac{۱}{۳}$	$\frac{۲}{۱۲}$

(۱) ”وأربعة بين الرؤس والرؤس“ (السراجی فی المیراث، باب التصحیح، ص: ۲۲، سعید)
 (۲) ”وأما الأربعة فأحدها أن يكون الكسر على طائفتين أو أكثر، ولكن بين أعداد رؤس وسهم مماثلة،
 فالحكم فيها أن يضرب أحد الأعداد في أصل المسئلة، مثل: ست بنات وثلاث جدات وثلاثة أعمام“
 (السراجی فی المیراث، باب التصحیح، ص: ۲۲، سعید)

اصل رابع

یہ کہ ان رؤس کے درمیان تداخل ہو اس وقت سب سے بڑے عدد رؤس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے۔ اگر عائدہ ہو تو عول میں ضرب دیں گے (۱)۔ جیسے:

مسئلہ ۱۲، تصد ۱۴۴

اعمام ۱۲

$$\frac{۷}{۸۴}$$

جدات ۳

$$\frac{۲}{۲۴}$$

زوجات ۴

$$\frac{۳}{۳۶}$$

یہاں چار کو بھی بارہ سے تداخل کی نسبت ہے اور تین کو بھی، اور سب سے بڑا عدد رؤس بارہ ہے، لہذا اصل مسئلہ کو بارہ میں ضرب دیں گے، اب کل سهام ایک سو چوالیس ہو جائیں گے۔ پھر ہر ایک کے سهام کو بارہ میں ضرب دیں گے، جس سے ۳۶/ ہو جائیں گے اربع زوجات کے، اور چوبیس ہوں گے ثلاث جدات کیلئے، اور چوراسی ہوں گے اثنا عشر اعمام کیلئے۔ ہر طائفہ کے اعداد کو افراد پر تقسیم کر دیں گے۔ مثلاً:

$\begin{array}{r} ۷ \\ ۱۲ \overline{) ۸۴} \\ ۸۴ \\ \hline XX \end{array}$	$\begin{array}{r} ۸ \\ ۳ \overline{) ۲۴} \\ ۲۴ \\ \hline XX \end{array}$	$\begin{array}{r} ۹ \\ ۴ \overline{) ۳۶} \\ ۳۶ \\ \hline XX \end{array}$
---	--	--

عول کی مثال:

مسئلہ ۱۲، ع ۱۳، تصد ۱۵۶

جدات ۱۲

$$\frac{۲}{۲۴}$$

اخوت ۳

$$\frac{۸}{۹۶}$$

زوجہ ۶

$$\frac{۳}{۳۶}$$

(۱) ”والثانی: أن یکون بعض الأعداد متداخلاً فی البعض، فالحکم فیہا أن یضرب أكثر الأعداد فی أصل المسئلة مثل أربع زوجات وثلاث أجداد واثنا عشر عمًا.“ (السراجی، المصدر السابق)

اصل خامس

یہ کہ ان رؤس کے درمیان توافق ہو تو اس وقت ایک طائفہ کے وفق کو دوسرے طائفہ میں ضرب دیں گے، پھر حاصل ضرب کو تیسرے طائفہ کے وفق میں (اگر اس حاصل ضرب کو طائفہ ثالثہ کے ساتھ توافق کی نسبت ہو، ورنہ کل طائفہ ثالثہ میں) ضرب دیں گے۔ پھر اس حاصل ضرب کو طائفہ رابعہ کے وفق (اگر اس حاصل ضرب کو طائفہ رابعہ کے ساتھ توافق کی نسبت ہو، ورنہ کل طائفہ رابعہ میں) ضرب دیں گے (۱)۔

علیٰ ہذا القیاس پھر مجموعہ حاصل کو اصل مسئلہ میں اگر عائکہ نہ ہو، ورنہ عول میں ضرب دیں گے۔ جیسے:

مسئلہ ۲۴، تصد ۴۳۲۰

زوجات ۱۴	بنات ۱۸	جدات ۱۵	اعمام ۶
۳	۱۶	۴	۱

یہاں پر چار اور اٹھارہ میں توافق ہے، اٹھارہ اور پندرہ میں توافق، پندرہ اور چھ میں توافق۔ اولاً چار کو اٹھارہ کے وفق ۹/ میں ضرب دیں گے جس کا حاصل ضرب ۳۶/ ہوگا، پھر دیکھا تو ۳۶/ اور ۱۵/ میں توافق بالثالث ہے، بارہ تہ ۳۶/ پانچ تہ ۱۵/۔ ۳۶/ کو پانچ میں ضرب دینے سے ۱۸۰/ ہوئے۔ پھر دیکھا تو ۱۸۰/ کو چھ میں توافق بالسدس، ۱۸۰/ کا وفق ۳۰/ ہے اور چھ کا وفق ہے ایک، ۱۸۰/ کو ایک میں ضرب دینا بے سود۔ کل حاصل ضرب یہی ۱۸۰/ میں ضرب دیں گے اور عدد رؤس پر تقسیم کر دیں گے جس سے ۲۴ × ۱۸۰ = ۴۳۲۰/ کل سهام ہو جائیں گے اس کے بعد ہر فریق کے سهام کو ۱۸۰/ میں ضرب دیں گے اور عدد رؤس پر

(۱) ”والثالث: أن يوافق بعض الأعداد بعضاً، فالحكم فيها أن يضرب وفق أحد الأعداد في جميع الثاني، ثم ما بلغ في وفق الثالث إن وافق المبلغ الثالث، وإلا فالـمبلغ في جميع الثالث، ثم المبلغ في الرابع كذلك، ثم المبلغ في أصل المسئلة كأربع زوجات، وثمانى عشرة بنتاً وخمس عشرة جدة وستة أعمام“ (السراجى فى الميراث، باب التصحيح، ص: ۲۳، سعيد)

تقسیم کر دیں گے۔ جیسے:

مسئلہ ۲۴، تصد ۴۳۲۰

زوجات ۴	بنات ۱۸	جدات ۱۸	اعمام ۶
۳	۱۶	۴	۱
۱۸۰	۱۸۰	۱۸۰	۱
۱۳۵	۲۸۸۰	۷۲۰	۱۸۰
۴	۱۸	۶۰	۱۸
۱۳	۱۰۸	۱۲۰	۶
۱۲	۱۰۸	۱۲۰	۳۰
۲۰	X	X	X
۲۰			
X			

ہر زوجہ کے ۱۳۵/ ہوئے، ہر بنت کے ۱۶۰/، ہر جدہ کے ۴۸/، ہر عم کے ۳۰/ ہوئے۔

اصل سادس

یہ کہ ایک طائفہ کے عدد رؤس کو دوسرے طائفہ کے عدد رؤس کے ساتھ بتائیں کی نسبت ہو، اس وقت ایک عدد رؤس کو دوسرے میں ضرب دیں گے، پھر حاصل ضرب کو تیسرے میں، پھر حاصل ضرب کو چوتھے میں علیٰ هذا القیاس، پھر مجموعہ حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں۔ اگر عائکہ ہو تو عول میں ضرب دیں گے۔ پھر ہر فریق کے سہام کو اسی مجموعہ حاصل ضرب میں جس کو اصل مسئلہ میں ضرب دی گئی ہے ضرب دیں گے، پھر ہر فریق کے مجموعہ سہام کو اس کے افراد کے رؤس پر تقسیم کر دیں گے (۱)۔

(۱) ”والرابع: أن تكون الأعداد متباينة لا يوافق بعضها بعضاً، فالحكم فيها أن يضرب أحد الأعداد في جميع الثاني، ثم ما بلغ في جميع الثالث، ثم ما بلغ في جميع الرابع، ثم ما اجتمع في أصل المسئلة كامراتين وست جدات وعشر بنات و سبعة أعمام“۔ (السراجی، ص: ۲۴، باب التصحيح، سعید)

(و کذا فی الدر المختار: ۷/۸۹، کتاب الفرائض، باب المخارج، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۷/۴۶۵، ۴۶۶، کتاب الفرائض، الباب الحادی عشر فی حساب الفرائض، رشیدیہ)

$$۲۱۰ = ۲ \times ۳ \times ۵ \times ۷$$

مسئلہ ۲۲، تصد ۵۰۴۰

زوجہ ۲	جدہ ۶	بنات ۱	عم ۷
۳	۴	۱۶	۱
$\frac{۲۱۰}{۶۳۰} \quad \frac{۳۵}{۶۳۰}$ $\frac{۶}{۶۳۰}$ $\frac{۳}{۶۳۰}$ $\frac{۲}{۶۳۰}$ $\frac{۱۰}{۶۳۰}$ $\frac{۱۰}{۶۳۰}$ $\frac{۱۰}{۶۳۰}$	$\frac{۲۱۰}{۸۴۰} \quad \frac{۱۴۰}{۸۴۰}$ $\frac{۶}{۸۴۰}$ $\frac{۳۳}{۸۴۰}$ $\frac{۳۳}{۸۴۰}$ $\frac{۳۳}{۸۴۰}$ $\frac{۳۳}{۸۴۰}$ $\frac{۳۳}{۸۴۰}$	$\frac{۲۱۰}{۳۳۶۰} \quad \frac{۳۳۶}{۳۳۶۰}$ $\frac{۳۰}{۳۳۶۰}$ $\frac{۳۶}{۳۳۶۰}$ $\frac{۳۰}{۳۳۶۰}$ $\frac{۶۰}{۳۳۶۰}$ $\frac{۶۰}{۳۳۶۰}$ $\frac{۶۰}{۳۳۶۰}$	$\frac{۲۱۰}{۴۰} \quad \frac{۳۰}{۴۰}$ $\frac{۲۱۰}{۴۰}$ $\frac{۲۱}{۴۰}$ $\frac{۲۱}{۴۰}$ $\frac{۲۱}{۴۰}$ $\frac{۲۱}{۴۰}$ $\frac{۲۱}{۴۰}$

دو زوجہ ہیں جن کو تین سہام ملے، عدد رؤس اور عدد سہام میں بتاين ہے، لہذا عدد رؤس برقرار رکھا۔ چھ
جدہ ہیں جن کو چار سہام ملے، یہاں عدد رؤس اور عدد سہام میں توافق بالنصف ہے، عدد رؤس کا وفق تین ہے، دو
اور تین میں بتاين ہے، دو کو تین میں ضرب دینے سے حاصل ضرب چھ ہوا۔ دس بنات ہیں جن کو سولہ سہام ملے،
عدد رؤس اور عدد سہام میں توافق بالنصف ہے، عدد رؤس کا وفق پانچ ہے، چھ کو پانچ کے ساتھ بتاين ہے اس لئے
چھ کو پانچ میں ضرب دینے سے حاصل ضرب تیس ہوا۔

عدد اعمام سات ہے جن کو سہم ایک ملا، جس کو عدد رؤس کے ساتھ بتاين کی نسبت ہے، لہذا سات کو
برقرار رکھ کر تیس کے ساتھ نسبت دیکھی تو ان میں بتاين ہے، تیس کو سات میں ضرب دینے سے مجموعہ حاصل
ضرب ۲۱۰ ہوا، اس کو اصل مسئلہ ۲۲ میں ضرب دی گئی تو کل سہام ۵۰۴۰ ہو گئے۔

پھر ہر فریق کے سہام کو ۲۱۰ میں ضرب دی گئی جس سے ہر دو زوجہ کے مجموعی سہام ۶۳۰ ہوئے، جن کو
عدد رؤس زوجہ میں دو میں تقسیم کرنے سے ہر زوجہ کو ۳۱۵ ملے۔ چھ جدہ کے مجموعی سہام ۲۱۰ میں ضرب دینے
سے ۸۴۰ ہوئے جن کو عدد رؤس جدہ یعنی چھ پر تقسیم کرنے سے ہر جدہ کو ۱۴۰ سہام ملے۔ دس بنات کے مجموعی

سہام ۱۶/۲۱۰ میں ضرب دینے سے ۳۳۶۰/ ہوئے، جن کو عدد درؤس بنات یعنی دس پر تقسیم کرنے سے ہر بنت کو ۳۳۶/ ملے۔ سات اعمام کے ایک سہم کو ۲۱۰/ میں ضرب دینے سے ۲۱۰/ ہوئے جن کو عدد درؤس اعمام یعنی سات پر تقسیم کرنے سے ہر عم کو ۳۰/ سہام ملے (۱)۔

یہاں تک تصحیح کا بیان بفضلہ تعالیٰ پورا ہو گیا۔ اب مسائل رد کے بقیہ دو قسموں کا بیان شروع ہوتا ہے جن کا سمجھنا نسبت اور تصحیح کے سمجھنے پر موقوف ہے۔

رد کی قسم ثالث

قسم ثالث یہ کہ اصحاب الرد ایک جنس کے ہوں اور ساتھ ہی غیر اصحاب الرد، یعنی زوجین میں سے بھی کوئی ہو تو اس وقت اول غیر اصحاب الرد کا فرض اقل مخارج سے دیا جائے گا، پھر باقی کو عدد درؤس اصحاب الرد پر برابر تقسیم کر دیا جائے گا، جیسا کہ رد کی قسم اول میں شروع ہی سے تقسیم کر دیا گیا ہے۔ پھر اگر یہ پورا پورا بغیر کسر تقسیم ہو جائے تب تو اس میں کچھ کرنا ہی نہیں۔ مثلاً:

مسئلہ ۴، ردیہ

زوج	بنت	بنت	بنت
۱	۱	۱	۱

یہاں دو قسم کے ورثہ ہیں: زوج غیر اصحاب الرد میں سے ہے اور بنات اصحاب الرد میں سے ہیں اور یہ اصحاب الرد ایک ہی جنس کے ہیں تو اولاً زوج کا فرض ربع اقل مخارج چار سے دیا، باقی رہے تین وہ تین بنات کو برابر تقسیم کر دیئے۔ اگر رد کی صورت نہ ہوتی تو مخارج بارہ قرار دے کر ربع ۳/ کا مستحق زوج ہوتا اور ثلثان ۸/ کی مستحق بنات ہوتیں، ایک باقی بچتا۔

(۱) ”والثالث: إن كان مع الأول: أي الجنس الواحد من لأبوة عليه وهو الزوجان، أعطى من لا يرد عليه فرضه من أقل مخارجه وقسم الباقي، فهي من أربعة: للزوج واحد، وبقي ثلاثة، وهي تستقيم عليهن، فلا حاجة إلى الضرب“۔ (الدر المختار: ۶/۸۹، کتاب الفرائض، باب المخارج، سعید)

اگر اصحاب الرد کا فرض اقل مخرج سے دینے کے بعد باقی پورا، پورا تقسیم نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں:
یا تو اس باقی کو عدد رؤس اصحاب الرد کے ساتھ توافق کی نسبت ہوگی یا تباین کی (۱)۔

تنبیہ:

یہاں نسبت داخل کو توافق میں ہی شمار کیا گیا ہے، اگر توافق کی نسبت ہو تو وفق رؤس کو مخرج فرض غیر اصحاب الرد میں ضرب دیا جائے۔ جیسے:

مسئلہ ردیہ ۴، تصـ ۸

زوج	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت
$\frac{1}{2}$	۱	۱	۱	$\frac{3}{4}$	۱	۱

یہاں دو قسم کے ورثہ ہیں، زوج غیر اصحاب الرد میں سے ہے اور بنات اصحاب الرد میں سے، اور یہ اصحاب الرد ایک ہی جنس کے ہیں۔ تو اولاً زوج کا فرض یعنی ربع اقل مخرج یعنی چار سے دیا، باقی رہے تین وہ چھ بنات پر پورا تقسیم نہیں ہوتا، اب نسبت دیکھی، باقی یعنی تین اور رؤس اصحاب الرد یعنی چھ میں وہ توافق بالثلث ہے، رؤس کا وفق دو ہے، اس کو مخرج فرض غیر اصحاب الرد یعنی چار میں ضرب دی تو آٹھ ہو گئے، دو سہام زوج کے ہوئے، ایک ایک ہر بنت کو ملا۔

اگر رد کے طریقہ پر عمل نہ کیا جاتا تو مخرج بارہ قرار دے کر تین زوج کو ملتے اور آٹھ بنات کو ملتے، ایک باقی رہتا۔ اگر باقی کو عدد رؤس اصحاب الرد کے ساتھ تباین کی نسبت ہو تو کل عدد رؤس اصحاب الرد کو مخرج فرض غیر اصحاب الرد میں ضرب دیا جائے (۲)۔

(۱) ”وإن لم يستقم، فإن وافق رؤوسهم: أي رؤوس من يرد عليهم كزوج وست بنات، فاضرب وفقها وهو هنا، فبلغ ثمانية، فللزواج اثنان وللبنات ستة“۔ (الدر المختار، المصدر السابق)

(۲) ”والا يوافق بل باين، فاضرب كل عدد رؤوسهم فيه المخرج المذكور كزوج وخمس بنات، فالمخرج هنا أربعة للزوج واحد، بقي ثلاثة تباین الخمسة، فاضرب الأربعة في خمسة تبلغ عشرين، كان للزوج واحد اضربه في المضروب يكن خمسة، فهي له، والباقي ثلاثة اضربها في المضروب تبلغ =

مسئلہ ۴، تصـ ۲۰

زواج	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت
			۱۵		
$\frac{1}{5}$	۳	۳	۳	۳	۳

یہاں باقی یعنی تین کو عددِ رؤس اصحاب الرد یعنی پانچ کے ساتھ بتا دیا ہے، لہذا چار کو پانچ میں ضرب دیا، جس سے بیس ہو گئے، اب پانچ زوج کو ملے اور تین تین ہر بنت کو۔ اگر رد نہ کرتے تو یہاں بھی گزشتہ دونوں مسئلوں کی طرح بارہ سے تقسیم کرتے، تین زوج کو ملتے، آٹھ بنات کو، ایک باقی رہتا۔

رد کی قسم رابع

یہ ہے کہ اصحاب الرد ایک جنس سے زائد ہوں اور غیر اصحاب الرد میں سے بھی کوئی ہو تو اس وقت غیر اصحاب الرد کا فرض اقل مخارج سے دے کر جو باقی رہے، اس کو مسئلہ اصحاب الرد پر تقسیم کر دیا جائے، اگر وہ پورا پورا تقسیم ہو جائے تو اس میں کچھ اور نہیں کرنا (۱) اور اس کی فقط ایک صورت ہے، وہ یہ ہے:

مسئلہ ردیہ ۴، تصـ ۴۸

زوجہ	جدہ	جدہ	جدہ	جدہ	جدہ	جدہ	جدہ	جدہ	جدہ	جدہ
$\frac{1}{12}$	۳	۳	۳	۳	۳	۳	۳	۳	۳	۳

یہاں زوجہ غیر اصحاب الرد میں سے ہے اور بقیہ ورثہ دو جنس کے جدات اور اخوات لأم اصحاب الرد میں سے

= خمسة عشر، فلكل بنت ثلاثة. (الدر المختار، باب المخارج: ۷/۸۹، سعید)

(۱) ”والرابع لو كان مع الثاني من لا يرد عليه، فاقسم الباقي من مخرج فرض من لا يرد عليه على مسئله من يرد عليه إن استقام كزوجة وأربع جدات وست أخوات لأم، فمخرج من لا يرد عليه أربعة: للزوجة واحد، بقى ثلاثة تستقيم على سهم الجدات وسهمي الأخوات، لكنه منكسر على آحاد كل فريق كما سيجئ.“ (الدر المختار، باب المخارج: ۷/۹۰، سعید)

ہیں زوجہ کا فرض اقل مخارج چار سے دینے کے بعد تین باقی رہے، ان تین کو مسئلہ اصحاب الرد پر تقسیم کر دیا تو پورا تقسیم ہو گیا، وہ اس طرح کہ اصحاب الرد قسم کے ہیں: ایک سدس کے مستحق ہیں، یعنی جدات اور دوسرے ثلث کے یعنی اخوات لام، اور جس وقت رد کی صورت میں ثلث اور سدس جمع ہوں تو مخرج تین کو قرار دیا جاتا ہے، جیسا کہ ۳۶/۱ میں گذرا، لہذا اس باقی تین کو مسئلہ اصحاب الرد یعنی تین پر تقسیم کیا جو پورا تقسیم ہو گیا، یعنی ایک توجہات کو ملا اور دو اخوات لام کو ملے، تین پورے تقسیم ہو گئے۔

اب دیکھا تو ایک چار پر منکسر ہے اور دو چھ پر، لہذا تصحیح کی ضرورت پیش آئی، مگر یہ ضرورت رد کیلئے نہیں، بلکہ ہر طائفہ کے افراد کے سهام میں کسر کی وجہ سے جیسا کہ بغیر رد کے بھی اس کی نوبت آتی ہے۔ تصحیح کے چھ اصول میں سے اصل خامس پر یہاں عمل کیا جائے گا، وہ اس طرح کہ ایک طائفہ سے زائد پر کسر ہے تو رؤس، رؤس کے درمیان نسبت دیکھی جائے گی اور وہ توافق بالنصف ہے، یعنی چھ اخوات لام اور چار جدات، عدد جدات چار کو فوق عدد اخوات لام یعنی تین میں ضرب دیں گے جس سے بارہ بنیں گے، پھر اس بارہ کو اصل مسئلہ چار میں ضرب دیں گے جس سے اڑتالیس ہو جائیں گے۔

پھر چار سے جو سهام ہر طائفہ کو ملے تھے ان کو بارہ میں ضرب دیں گے جس سے بارہ سهام زوجہ کے ہونگے اور بارہ ہی جدات کے کہ ہر جدہ کو تین تین مل جائیں گے اور چوبیس اخوات لام کے ہوں گے کہ ہر اخوت لام کو چار چار مل جائیں گے۔

تنبیہ:

اگر زوجہ دو ہوں تو اس صورت میں ہر زوجہ کو چھ سهام ملیں گے، اگر تین ہوں تو ہر ایک کو چار، اگر چار ہوں تو ہر ایک کو تین (۱)۔

اگر رد کی صورت پر عمل نہ کیا جاتا تو مثال مذکور میں کل بارہ سهام بنا کر تین زوجہ کو ملتے، دو جدات کو، چار اخوات

(۱) ”والرابع لو كان مع الثاني من لا يرد عليه، فاقسم الباقي من مخرج فرض من لا يرد عليه على مسئلة من يرد عليه إن استقام كزوجة وأربع جدات وست أخوات لام، فمخرج من لا يرد عليه أربعة: للزوجة واحد، بقى ثلاثة تستقيم على سهم الجدات وسهمي الأخوات، لكنه منكسر على أحاد كل فريق كما سيجنى“۔ (الدر المختار، باب المخارج: ۶/۷۹۰، سعيد)

لام کو اور تین باقی رہتے۔ اگر غیر اصحاب الرد کو اقلِ مخارج سے فرض دینے کے بعد جو باقی رہے وہ مسئلہ اصحاب الرد پر پورا پورا تقسیم نہ ہو سکے تو مسئلہ اصحاب الرد کو مخارج غیر اصحاب الرد میں ضرب دیں گے (۱) جیسے۔ مثلاً:

مسئلہ ۸، ع۔ ۴۰ = ۳۰ × ۳ × ۳ × ۳ = ۱۰۸۰											
لحم	لحم	لحم	لحم	لحم	لحم	لحم	لحم	لحم	لحم	لحم	لحم
۱/۵	۲/۳۸	۳/۳۶	۴/۳۶	۵/۳۶	۶/۳۶	۷/۳۶	۸/۳۶	۹/۳۶	۱۰/۳۶	۱۱/۳۶	۱۲/۳۶
۳۶	۸۲	۳۶	۳۶	۳۶	۳۶	۳۶	۳۶	۳۶	۳۶	۳۶	۳۶
۱۸۰	۱۰۰۸	۲۵۲	۲۵۲	۲۵۲	۲۵۲	۲۵۲	۲۵۲	۲۵۲	۲۵۲	۲۵۲	۲۵۲
۱۲۰	۹	۲۲	۲۲	۲۲	۲۲	۲۲	۲۲	۲۲	۲۲	۲۲	۲۲
۲۰	۱۰	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲
۲۰	۹	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲
×	×	×	×	×	×	×	×	×	×	×	×

ہر زوجہ کو ۲۵/سہام ملیں گے، ہر بنت کو ۱۱۲/سہام ملیں گے، ہر جدہ کو ۲۲/سہام ملیں گے۔

یہاں زوجات غیر اصحاب الرد ہیں، اور بنات اور جدات اصحاب الرد ہیں، اولاد زوجات کو اقلِ مخارج آٹھ سے فرض دیا یعنی ایک، باقی رہے سات جن کو بنات و جدات پر تقسیم کرنا ہے، ان کا مخارج پانچ ہے کیونکہ بنات ثلثان کی مستحق ہیں اور جدات سدس کی، ایسی صورت میں پانچ کو مخارج قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ ۲۸/میں بیان ہوا۔ سات پانچ پر

(۱) ”وإن لم يستقم، فاضرب جميع مسألة من يرد عليه في مخرج من لا يرد عليه، فالمبلغ الحاصل بهذا الضرب مخرج فروض الفريقين كأربع زوجات وتسع بنات وست جدات، فمخرج من لا يرد عليه ثمانية: للزوجات الثمن واحد، بقى سبعة لاتستقيم على مسألة من يرد عليه وهى هنا خمسة؛ لأن الفرضين ثلثان وسدس، فاضرب الخمسة فى الثمانية تبلغ أربعين، فهى مخرج فروض الفريقين، ثم اضرب سهام من لا يرد عليه فى مسألة من يرد عليه وقيما بقى من مخرج فرض من لا يرد عليه، يكن للبنات ثمانية وعشرون، وللجدات سبعة، فاستقام فرض كل فريق، لكنه منكسر على آحاد كل فريق تصح من ألف وأربعمائة وأربعين، وتصح الأولى من ثمانية وأربعين“ (الدر المختار: ۷۹۱/۶،

كتاب الفرائض، باب العول، سعيد)

(و كذا فى السراجى، ص: ۲۱، ۲۲، سعيد)

پورا تقسیم نہیں ہوتا تو مسئلہ اصحاب الرد یعنی پانچ کو مخرج غیر اصحاب الرد یعنی آٹھ میں ضرب دیں گے جس سے چالیس بن جائیں گے۔

پھر سہام غیر اصحاب الرد یعنی ایک کو مسئلہ اصحاب الرد یعنی پانچ میں ضرب دیں گے جس سے زوجات کے سہام پانچ ہوں گے۔ اور سہام اصحاب الرد یعنی بنات کے چار اور جدات کے ایک کو غیر اصحاب الرد کے اقل مخرج سے فرض دینے کے بعد باقی ماندہ یعنی سات میں ضرب دیں گے جس سے بنات کے سہام اٹھائیس ہو جائیں گے، اور جدات کے سہام سات ہو جائیں گے۔

یہاں تک رد کا عمل پورا ہو گیا، اب تصحیح کی ضرورت ہوگی، کیونکہ کسی طائفہ کے سہام اس کے افراد پر منقسم نہیں، بلکہ ہر ایک میں کسر ہے، لہذا تصحیح کے اصول میں سے اصل خامس پر عمل کیا جائے گا: عدد زوجات چار کو عدد جدات چھ کے ساتھ توافق بالنصف ہے، پس چار کو چھ کے نصف تین میں ضرب دیں گے جس سے بارہ بنیں گے، جس کو عدد بنات نو کے ساتھ توافق بالثلث ہے، لہذا بارہ کو نو کے ثلث تین میں ضرب دیں گے جس سے چھتیس بنیں گے۔ پھر چھتیس کو تصحیح رد یعنی چالیس میں ضرب دیں گے جس سے کل سہام ایک ہزار چار سو چالیس ہو جائیں گے۔

اس کے بعد چالیس سے جس قدر سہام ہر طائفہ کو ملتے تھے، ان کو ۳۶/ میں ضرب دے کر ہر طائفہ کے افراد پر تقسیم کر دیں گے، یعنی زوجات کو چالیس میں سے پانچ ملے جن کو چھتیس میں ضرب دیا جس سے ایک سو اسی ہو گئے، جن کو چار زوجات پر تقسیم کر دیا، ہر زوجہ کے پینتالیس ہو گئے۔ اور بنات کو چالیس میں سے اٹھائیس ملے تھے جن کو چھتیس میں ضرب دیا تو ایک ہزار آٹھ ہو گئے، جن کو نو بنات پر تقسیم کر دیا، ہر بنت کے ایک سو بارہ ہو گئے۔ اور جدات کو چالیس میں سے سات ملے تھے جن کو چھتیس میں ضرب دیا تو دو سو باون ہوئے جن کو چھ جدات پر تقسیم کر دیا، ہر جدہ کو بیالیس ملے۔

باب المناسخۃ

اگر تقسیم ترکہ سے قبل کسی وارث کا انتقال ہو جائے اور ہر دومیت کا ترکہ یکدم تقسیم کیا جائے اس کو

مناسخہ کہتے ہیں (۱)۔

مافی الید

یعنی میتِ اول سے جو ترکہ میتِ ثانی کو ملا ہے، اس کے اور مخرج کے درمیان نسبت کی رعایت کو اس طریق میں ملحوظ رکھنا ہوتا ہے، اس کے بعد تقسیم میں سہولت ہوتی ہے، پس اگر مافی الید اور مخرج کے درمیان تماثل ہے تب تو ضرب کی حاجت نہیں (۲)۔ مثلاً:

مسئلہ ۱۲، تصـ ۳۶				ہندہ
زوج	بنت	بنت	بنت	اخ
$\frac{۳}{۹}$		۸		$\frac{۱}{۳}$
	۸	۸	۸	
مسئلہ ۳				اخ مع ۳
ابن	بنت	تماثل		
۲	۱			

(۱) ”المناسخہ: أن يموت بعض الورثة قبل القسمة“. (الاختیار لتعلیل المختار: ۵۸۹/۲، کتاب

الفرائض، فصل فی المناسخہ، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(وکذا فی الدر المختار: ۸۰۱/۶، کتاب الفرائض، باب المناسخہ، سعید)

(وکذا فی السراجی، ص: ۳۵، باب المناسخہ، سعید)

(۲) ”والأصل فيه أن تصح مسألة الميت الأول، وتعطى سهام كل وارث من التصحيح، ثم تصح

مسألة الميت الثاني، وتنظر بين ما في يده من التصحيح الأول وبين التصحيح الثاني ثلاثة أحوال: فإن

استقام ما في يده من التصحيح الأول على الثاني، فلا حاجة إلى الضرب“. (السراجی، ص: ۳۵، سعید)

(وکذا فی الدر المختار: ۸۰۱/۶، کتاب الفرائض، فصل فی المناسخہ، سعید)

(وکذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۵۸۹/۲، کتاب الفرائض، فصل فی المناسخات، مکتبہ

حقانیہ، پشاور)

اس صورت میں اخ کو تین سہام ملے اور ہندہ کا ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے اخ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے وارث ابن اور بنت ہیں۔ اخ کا مافی الید بھی تین ہے اور بوقت تقسیم ترکہ مخرج بھی تین قرار دیا گیا، لہذا اب کسی اور ضرب کی حاجت نہیں۔

اگر مافی الید اور مخرج کے درمیان توافق ہو تو وفق مخرج کو میت اول کے مخرج میں ضرب دیں گے اور میت اول کے ورثہ کے سہام کو بھی میت ثانی کے مخرج کے وفق میں ضرب دیں گے اور میت ثانی کے ورثہ کے سہام کو مافی الید کے وفق میں ضرب دیں گے (۱)، جیسے کہ:

مسئلہ ۲۴، تصد ۷۲، تصد ۱۴۴				زید
زوجہ	ابن	بنت	اب	
ہندہ	اسلم	سلمہ	اکرم	
$\frac{۳}{۹}$	$\frac{۳۴}{۶۸}$	$\frac{۱۷}{۳۴}$	$\frac{۲}{۱۲}$	

مسئلہ ۸، تصد ۲ توافق بالربع اب اکرم، مع ۱۲، تصد ۳

ابن	ابن	ابن	بنت	بنت
$\frac{۲}{۶}$	$\frac{۲}{۶}$	$\frac{۲}{۶}$	$\frac{۱}{۳}$	$\frac{۱}{۳}$

یہاں میت اول کا مخرج اصالۃً چوبیس اور ابن و بنت کے سہام میں کسر کی وجہ سے تین میں ضرب دے کر بہتر سے تصحیح کی گئی، جس سے اب کو بارہ سہام ملے، پھر اب کا انتقال ہوا، اس کا مخرج آٹھ قرار دیا۔ آٹھ مخرج اور بارہ مافی الید میں توافق بالربع کی نسبت ہے، آٹھ کا وفق دو ہے۔ تو میت اول کے مخرج بہتر اور اس سے ورثہ کو

(۱) "وإن لم يستقیم، فإن كان بین سهامہ ومسألته موافقة، ضربت وفق التصحیح فی کل التصحیح

الأول". (الدر المختار: ۸۰۲/۶، کتاب الفرائض، فصل فی المناسخة، سعید)

(وكذا فی الشریفة، ص: ۹۲، باب المناسخة، سعید)

جس قدر سہام ملے تھے، ان سب کو دو ضرب دی گئی اور میتِ ثانی کے مافی الید کے وفق تین میں اس کے ورثہ کے سہام کو ضرب دی گئی۔

المبلغ
الأحیاء

ہندہ	اسلم	سلمہ	احمد	ارشاد	امجد	حمیدہ	سعیدہ
۱۸	۶۸	۳۴	۶	۶	۶	۳	۳

اگر میتِ ثانی کے مافی الید اور مخرج کے درمیان بتاؤ کی نسبت ہو تو میتِ ثانی کے کل مخرج کو میتِ اول کے کل مخرج میں اور میتِ اول کے ورثہ کے سہام میں ضرب دیں گے اور میتِ ثانی کے ورثہ کے سہام کو کل مافی الید میں ضرب دیں گے (۱) مثلاً:

مسئلہ ۲۲، تصـ ۱۲۰

زوجہ	ام	اب	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
زینب	حفصہ	بکر	شاکر	صابر	ناصر	فاخر	عامر	طاہر	صغریٰ
$\frac{۳}{۱۵}$	$\frac{۳}{۱۰}$	$\frac{۲}{۱۰}$	$\frac{۲}{۱۰}$	$\frac{۲}{۱۰}$	$\frac{۲}{۱۰}$	$\frac{۲}{۱۰}$	$\frac{۲}{۱۰}$	$\frac{۲}{۱۰}$	$\frac{۱}{۵}$

(۱) ”وإن كان بينهما مباينة، فاضرب كل التصحيح الثاني في كل التصحيح الأول، فالمبلغ مخرج المسألتين، فسهام ورثة الميت الأول تضرب في المضروب، أعني: في التصحيح الثاني أو في وفقه، وسهام ورثة الميت الثاني تضرب في كل مافی يده أو في وفقه. وإن مات ثالث أو رابع أو خامس، فاجعل المبلغ مقام الأولى، والثالثة مقام الثانية في العمل، ثم في الرابعة والخامسة كذلك إلى غير النهاية.“ (السراجی، ص: ۳۵، ۳۶، سعید)

(و کذا فی الدر المختار: ۸۰۲/۶، کتاب الفرائض، فصل فی المناسخة، سعید)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۵۸۹/۲، کتاب الفرائض، فصل فی المناسخة، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

مسئلہ ۴، تصـ ۲۰ وفق ۵					تداخل	خفصہ معـ ۲	
زوج	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن
بکر	رشید	سعید	وحید	حمید	مجید		
$\frac{1}{5}$			$\frac{3}{15}$				
	۳	۳	۳	۳	۳	۳	۳

یہاں میت ثانی کا مافی الید چار ہے اور مخرج تقسیم پانچ ہے، دونوں میں تباین کی نسبت ہے، لہذا پانچ کی ضرب اوپر آئی یعنی میت اول کے ورثہ کے سہام میں اور میت اول کے مخرج تقسیم یعنی چوبیس میں اور چار کی ضرب نیچے آئی، یعنی میت ثانی کے ورثہ کے سہام میں (۱)۔

الأحیاء المملکۃ ۱۲۰ غناء

زینب	بکر	شاکر	صابر	ناصر	فاخر	عامر	طاہر	صغریٰ	رشید	سعید	وحید	حمید	مجید
۱۵	۲۵	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۵	۳	۳	۳	۳	۳

مسئلہ ۱۲، تصـ ۸، تصـ ۷۲			
زوج	بنت	بنت	بنت
بکر	خالدہ	خالدہ	خالدہ
$\frac{1}{2}$	$\frac{3}{24}$	$\frac{3}{24}$	$\frac{3}{24}$

مسئلہ ۳، تصـ ۹، تباین			
بنت	بنت	بنت	بنت
خالدہ	زینب	زینب	زینب
$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$
۳	۳	۳	۳

الأحیاء المملکۃ ۷۲ غناء			
خالدہ	زینب	رقیہ	عمر
۳۳	۳۳	۲	۲

(۱) در حقیقت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذکر کردہ مثال تداخل کی ہے اور تباین کی مثال یہ ہے:



اب ایک ایسی مثال لکھی جاتی ہے جس میں توافق، تباین، تماثل نیتیں آجائیں (۱):

مسئلہ ۴، بعد الرد، تص ۱۶، تص ۳۲، تص ۲۸

زواج	بنت	ام
$\frac{\text{زید}}{۴}$	$\frac{\text{کریمہ}}{۴}$	$\frac{\text{عظیمہ}}{۶}$

(۱) ”ولو صار بعض الأنصباء ميراثاً قبل القسمة كزوج وبنت وأم، فمات الزوج قبل القسمة عن امرأة وأبوين، ثم ماتت البنت عن ابنتين وبنت وجدّة، ثم ماتت الجدّة عن زوج وأخوين، فالأصل فيه أن تصحح مسألة الميت الأول وتعطى سهام كل وارث من التصحيح، ثم تصحح مسألة الميت الثاني، وتنظر بين مافى يده من التصحيح الأول وبين التصحيح الثاني، فإن استقام بسبب المماثلة مافى يده من التصحيح الأول على التصحيح الثاني، فلا حاجة إلى الضرب. وإن لم يستقيم، فانظر إن كان بينهما موافقة، فاضرب وفق التصحيح الثاني فى التصحيح الأول. وإن كان بينهما مباينة، فاضرب كل التصحيح الأول، فالمبلغ مخرج المسألتين، فسهام ورثة الميت الأول تضرب فى التصحيح الثاني أو فى وفقه، وسهام ورثة الميت الثاني تضرب فى كل مافى يده أو فى وفقه.“ (السراجى، ص: ۳۵، ۳۶، سعيد)

(وکذا فى الدر المختار: ۶/۸۰۱، کتاب الفرائض، فصل فى المناسخة، سعيد)

(وکذا فى الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۸۹، کتاب الفرائض، فصل فى المناسخات، مکتبه حقانیہ پشاور)

(وکذا فى الفتاوى العالمکیرية: ۶/۴۷۰، کتاب الفرائض، الباب الخامس عشر فى المناسخة، رشیدیہ)

(وکذا فى الشریفیة، ص: ۹۰، ۹۴، باب المناسخة، سعيد)

مسئلہ ۴	تمثل مستقیم	زید
زوجہ	اب	ام
حلیہ	عمرو	رحیمہ
$\frac{1}{2}$ $\frac{2}{8}$	$\frac{2}{2}$ $\frac{2}{16}$	$\frac{1}{2}$ $\frac{2}{8}$

تیسری مثال:

مسئلہ ۶، مع ۲	بالث	کریمہ مع ۹، مع ۳
بنت	ابن	جدہ
رقیہ	خالد	عظیمہ
$\frac{1}{3}$ $\frac{3}{12}$	$\frac{2}{2}$ $\frac{2}{24}$	$\frac{1}{3}$

مسئلہ ۲، تص ۴	تباين	عظیمہ مع ۹
زوج	اخ	اخ
عبدالرحمن	عبدالرحیم	عبدالکریم
$\frac{1}{2}$ $\frac{2}{8}$	$\frac{1}{9}$	$\frac{1}{9}$

المجلد ۱۲۸
الأحیاء

حلیمہ	عمرو	رحیمہ	رقیہ	خالد	عبداللہ	عبدالرحمن	عبدالرحیم	عبدالکریم
۸	۱۶	۸	۱۲	۲۴	۲۴	۱۸	۹	۹

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

تمت بعون اللہ تعالیٰ وتوفيقه ليلة السبت

۲۳/جمادی الثانیة/۱۴۲۴ھ



تاریخ تکمیل کمپوزنگ، سیٹنگ اینڈ ڈیزائننگ از عرفان انور مغل

۱۸/رجب/۱۴۲۷ھ، بمطابق: ۱۴/اگست/۲۰۰۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتاویٰ محمودیہ سے متعلق چند ضروری باتیں

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبى بعده، أما بعد!

فتاویٰ محمودیہ کا کام بحمد اللہ تعالیٰ مکمل ہوا، عام طریقہ کے مطابق مقدمہ میں تمام کام کی نوعیت پوری وضاحت سے بیان کی گئی ہے، لیکن چند ایسی چیزیں جو کہ بعد میں کام کے دوران سامنے آئیں۔ اور جن کا مقدمہ میں ذکر نہیں تھا بعد میں وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ذکر کی جاتی ہیں:

۱..... فتاویٰ محمودیہ میں کل ۹۸۸۵ سوالات ہیں اور ۲۶۹۲ ذیلی جزئیات ہیں، لہذا کل جزئیات کی تعداد ۱۲۵۷۷، اور ایک رسالہ ”آسان فرائض“ اس کے علاوہ ہے۔

۲..... فتاویٰ محمودیہ قدیم بیس جلدوں کی تخریج، تبویب، تعلیق اور اس کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ میں تقریباً تین سال کا عرصہ صرف ہوا ہے۔

۳..... اس کے علاوہ حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم کی دعائیں اور سرپرستی، حضرت مولانا ڈاکٹر عادل خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا خصوصی اشراف اور حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب زید مجدہم کی کامل جدوجہد، سعی بلیغ، دستگیری اور مسلسل ربط اور حضرت مولانا محمد یوسف افشانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خصوصی توجہ، کامل نگرانی اور پر خلوص مشاورت کی برکات سے اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ محمودیہ کا بہت بڑا کام بہت ہی مختصر عرصہ میں مکمل کرنے کی توفیق عطا فرما کر احسان فرمایا۔

۴..... فتاویٰ محمودیہ کی بندہ نے دو مرتبہ بالاستیعاب پروف ریڈنگ کی، دوسری مرتبہ دیکھنے کے بعد

اساتذہ کرام: حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی سمیع اللہ صاحب مدظلہ العالی کے سامنے برائے اشرف پیش کیا، ان حضرات سے فراغت کے بعد حضرت مولانا مفتی عبدالباری مدت فیوضہم نے بالاستیعاب نظر غائر سے دیکھا۔ ان حضرات نے ممکنہ کمیوں کی طرف مفید اشارے فرمائے، خصوصاً حضرت مفتی عبدالباری صاحب نے بعض مسائل کو اپنے موقع محل کے مطابق اپنے ابواب میں رکھنے کی نشاندہی فرمائی۔

۵..... فتاویٰ محمودیہ پر کام کی نوعیت کے سلسلے میں کسی بھی چیز کی تعیین لجنۃ المشرعین کے باہمی مشورہ سے طے کی گئی ہے۔

۶..... فتاویٰ محمودیہ کی تخریج چونکہ چودہ علمائے کرام نے کی ہے، اور ہر کتاب کے ایک ہی مطبع کے چودہ چودہ نسخے مہیا کرنا بظاہر مشکل تھا، اور بعض کتب کے چونکہ ہمارے ہاں مختلف مطابع کے متعدد نسخے ہیں، لہذا جس ساتھی کو اس کتاب کا جو نسخہ دستیاب ہوا، اس نے اسی نسخے کا التزام کر کے تخریج کی، اس وجہ سے تخریج میں بعض کتابوں کے مختلف مطابع کے حوالے بھی ہیں، مثلاً: ”مجمع الأنهر“ کے ہمارے ہاں مکتبہ غفاریہ کوئٹہ اور دار احیاء التراث العربی بیروت کے دو نسخے ہیں، لہذا ان دونوں مطابع کے حوالے مجمع الأنهر سے دیئے گئے ہیں، لیکن چونکہ حوالہ میں ”باب، فصل اور مطلب“ وغیرہ کا التزام کیا گیا ہے، اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ استفادہ کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

۷..... چونکہ ہماری کوشش تھی کہ ہر بات باحوالہ اور مستند ہو، اس لئے ہم نے اردو، ہندی اور انگریزی مشکل الفاظ کے معانی لکھتے وقت اردو، انگریزی لغات کے حوالے بھی دیئے ہیں۔

۸..... کسی فتاویٰ یا عام کتاب کی تبویب، ترتیب اور تخریج سے مطلوب اہل مطالعہ اور مستفیدین کی سہولت ہوتی ہے، اسی سہولت کی بنیاد پر ہم نے ایک جیسے مسائل کی تخریج کے لئے گزشتہ یا آئندہ مسائل کی طرف مراجعت کے لئے بہت کم نشاندہی کی ہے، بجائے مراجعت کے ہم نے تقریباً ہر صفحہ پر جواب کی مستقل تخریج کی ہے اگرچہ گزشتہ یا آئندہ مسئلہ میں اسی عبارت کی تخریج کی گئی ہو۔

۹..... اکثر مصنفین، مزیلین کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی کتابوں کے آخر میں مصادر و مراجع مستقل ذکر

کرتے ہیں، چونکہ ہم نے حوالہ پیش کرتے وقت ہر کتاب کے لوازمات: باب، فصل، مطلب اور مطبع ہر جگہ ذکر کیا ہے، لہذا مصادر و مراجع مستقل ذکر کرنے کی بظاہر ضرورت نہیں۔

۱۰..... فتاویٰ محمودیہ میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سوال شامل کئے بغیر نہ رہے، اسی غرض سے اصل نسخہ کی مکرر مراجعت کی گئی ہے، بہر حال فتاویٰ محمودیہ کی کثرت جزئیات و سوالات اور بڑی ضخامت سے کیا بعید ہے کہ کوئی مسئلہ شامل کئے بغیر رہ گیا ہو، لہذا اگر اہل مطالعہ کی نظر سے کوئی سوال اس نوعیت کا گزرے تو گزارش ہے کہ ادارہ کو اطلاع دیں تاکہ اس مسئلہ کو آئندہ کے ایڈیشن میں شامل کیا جاسکے۔

۱۱..... خالص عربی و فارسی سوال و جواب کا ترجمہ التزام کے ساتھ حاشیہ میں رکھا گیا ہے، اور بعض اردو جوابات میں لمبی عربی عبارتوں کا ترجمہ حذف کر دیا گیا ہے، بعض جگہوں پر حسب ضرورت برقرار رکھا گیا ہے۔

۱۲..... سوال پر ”رقم المسلسل“ لگاتے وقت بعض دفعہ کوئی مسئلہ بغیر نمبر کے بھی رہ گیا ہے، ایسی جگہیں اگرچہ نہ ہونے کے برابر ہیں، لیکن پھر بھی ہم نے ”الف، ب“ سے اس کو نمبر دیا ہے۔

۱۳..... چونکہ فتاویٰ محمودیہ پر کام تجارتی بنیاد پر نہیں کیا گیا ہے، بلکہ کتاب کی خدمت کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے، اس وجہ سے تبویب، ترتیب اور تخریج کے علاوہ کتاب کی تزئین کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے۔ مختلف رسم الخط اور مختلف فونٹ سائز متن اور حاشیہ میں رکھے گئے ہیں۔

۱۴..... بنیادی طور پر تخصص سال دوم ۱۴۲۴ھ کے ساتھیوں کو فتاویٰ محمودیہ کی تخریج بطور مقالہ حوالے کی گئی تھی، جن ساتھیوں کو یہ مقالہ دیا گیا تھا، ان حضرات کے نام اور مفوضہ ابواب یہ ہیں:

مولوی عبید اللہ شاہوانی صاحب، جمعہ، عیدین اور جنازہ۔ مولوی نور الدین پانیزئی صاحب، بیوع، ایمان و مذور، صید و ذبائح اور اُضحیہ۔ مولوی عبد الحفیظ صاحب، مسائل طلاق۔ مولوی حضرت علی صاحب، وقف مدارس، اجارہ اور فرائض۔ مولوی حضرت حسن صاحب، کتاب الصلوٰۃ از ابتداء تا امامت۔ مولوی محمد یوسف وزیرستانی صاحب، خطر و اباحہ ابتدائی حصہ۔ مولوی صباح الدین غدیری صاحب، خطر و اباحہ آخری حصہ۔ مولوی غلام اللہ گل صاحب، حج اور نکاح۔ مولوی عمران اشفاق صاحب، ایمان و عقائد اور فرق

باطلہ۔ مولوی سید فخر الدین صاحب، وقف از ابتداء تا مساجد و مقابر۔ مولوی اسد اللہ صاحب، سلوک، تاریخ، سیاست، تعبیر الرویا اور علم۔ مولوی عبد المجید صاحب، زکوٰۃ اور صوم۔ مولوی عبد اللہ ہزاروی صاحب، صلوٰۃ درمیانی حصہ۔ اور (مولوی) فضل مولیٰ (راقم الحروف)، تبلیغ، تقلید، الفاظ کفر اور بدعات۔

۱۵..... چونکہ فتاویٰ محمودیہ کی تخریج کے بعد اگلا مرحلہ کمپوزنگ کا تھا اور کمپوزنگ میں پروف ریڈنگ ایک اہم جزو ہے، اس لئے حضرات اساتذہ کے مشورہ سے بندہ کا تقرر اسی غرض سے کیا گیا، لیکن چونکہ تصحیح اور پروف ریڈنگ کا سلسلہ بہت طویل تھا، نیز اصل سے املا کرنے کی ضرورت تھی اور اس میں چند معاونین کی ضرورت تھی، اس لئے لجنۃ المشرعین نے ۱۴۲۵ھ میں تخصّص سال دوم کے چھ ساتھیوں کا پہلے سال انتخاب کیا، اور ان حضرات کو فتاویٰ محمودیہ کی پروف ریڈنگ اور املا بطور مقالہ دی گئی، ان حضرات کے نام یہ ہیں:

- ۱۔ مولوی محمد حیات زرہ خیلوی صاحب، ۲۔ مولوی جلال الدین صاحب،
- ۳۔ مولوی ضیاء الرحمن صاحب، ۴۔ مولوی محبوب شیر خان صاحب فیجی، ۵۔ مولوی محمد واحد صاحب، ۶۔ مولوی محمد طاہر شاہ صاحب، راولپنڈی۔

دوسرے سال ۱۴۲۶ھ میں بھی چھ ساتھیوں کو پروف ریڈنگ اور املاء کا کام بطور مقالہ دیا گیا، ان کے

نام یہ ہیں:

- ۱۔ مولوی احمد جان صاحب، ۲۔ مولوی محمد عمر صاحب، ۳۔ مولوی احمد خان صاحب، ۴۔ مولوی عبدالاحد سعید صاحب، ۵۔ مولوی عبدالغنی صاحب، ۶۔ مولوی زاہد صاحب۔

پروف ریڈنگ کے تیسرے سال ۱۴۲۷ھ میں کام ہلکا ہونے کی بناء پر چار ساتھیوں کو پروف ریڈنگ

اور املاء کا کام بطور مقالہ دیا گیا، ان کے نام درج ذیل ہیں:

- ۱۔ مولوی حق نواز صاحب، ۲۔ مولوی محمد ہاشم صاحب، ۳۔ مولوی عبدالغنی

صاحب، ۴۔ مولوی وزیرزادہ صاحب۔

فتاویٰ محمودیہ کے مسائل کی کثرت اور وقت کی تنگی کا تقاضا تھا کہ اصل اور بنیادی تخریج کرنے والے چودہ ساتھیوں سے مشکل ترین جزئیات یا غیر دستیاب کتابوں کی تخریج رہ جاتی، اس لئے معاون ساتھیوں کا کام دو طرح کا تھا: ایک یہ کہ اصل کے ساتھ پروف کی املا کرتے تھے، اور دوسرا کام یہ تھا کہ جہاں جہاں تخریج رہ گئی تھی اور مشرف اساتذہ اس کی نشاندہی کرتے تھے، وہاں پر مناسب تخریج کرتے تھے۔ یہ تمام حضرات قابلِ صد تحسین ہیں۔ جزاءہم اللہ تعالیٰ خیراً، و زادہم علماً و عرفاناً۔

۱۶..... فتاویٰ محمودیہ پر بطورِ اشرف کام کرنے والے حضرات اساتذہ کرام کو افتاء کے باب میں اور بطورِ تخریج کام کرنے والے ساتھیوں، اسی طرح پروف ریڈنگ و املاء کرنے والے ساتھیوں کو بحمد اللہ تعالیٰ علمی اور فقہی میدان میں بہت عظیم فائدہ ہوا، جس کا اندازہ اس بات سے ہو رہا ہے کہ وہ تمام حضرات اپنے اپنے مقام پر علمی و فقہی میدان میں ترقی کرتے جا رہے ہیں۔

۱۷..... اللہ تعالیٰ برکتوں سے نوازے بھائی محمد یوسف رانا صاحب (انچارج الفاروق کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ) کو کہ انہوں نے ہر مشکل گھڑی میں ہمارا ساتھ دیا، ہم ان کے اس احسانِ عظیم پر ان کے ممنون ہیں۔

۱۸..... فتاویٰ محمودیہ کی اول سے لے کر آخر تک پیسٹنگ کا کام جناب محمد اصغر طور صاحب نے بخوبی انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

۱۹..... فتاویٰ محمودیہ پر ٹائپنگ کا ابتدائی کام مولانا لطیف اللہ زکریا صاحب نے کیا اور اس کے بعد آخر تک کمپوزنگ، سیٹنگ اور ڈیزائننگ کا کام بڑی عمدگی کے ساتھ جناب عرفان انور مغل صاحب نے کیا، جو کہ قابلِ داد ہے۔ جزاءہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

فضل مولیٰ ابن القاضی المرحوم

رفیق شعبۂ افتاء جامعہ فاروقیہ کراچی